بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رَاکِعُوْنَ

سوائے اس کے نہیں ہے کہ حاکم تمہارا اللہ ہے اور اس کا رسولؐ اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں نماز پڑھتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں (ترجمہ مقبول)

کتاب مستطاب

اثبات الامامت

آیت اللہ الشیخ محمد حسین النجفی جناب قبلہ مجتہد العصر والزمان صدر موتمر علماءِ شعیہ پاکستان (جنرل)

مکتبۃ السبطین ۲۹۶ / ۹-بی سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رٰکِعُوْنَ

سوائے اس کے نہیں ہے کہ تمہارا حاکم و سرپرست اللہ ہے اور اس کا رسول اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں جو نماز پڑھتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔ (از ترجمہ مقبول)

کتاب مستطاب

اِثباتُ الاِمامۃ

یہ وہ علمی کتاب ہے جس میں قرآن کریم، احادیث سید المرسلین اور عقل سلیم کی روشنی میں حضرات ائمہ طاہرینؑ کی خلافت و امامت کا اثبات و احقاق کر کے دوسرے تمام مدعیان خلافت کی خلافتوں کا ابطال و ازہاق کیا گیا ہے نیز دیگر تمام متعلقہ موضوعات پر بھی بہترین انداز میں سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے۔

از افادات

آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین صاحب قبلہ النجفی مجتہد العصر والزمان صدر موتمر علماء شیعہ پاکستان دام ظلہ

ناشر

مکتبۃ السبطین ۲۹۶/ بی سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

اجمالی فہرست مضامین اثبات الامامۃ آئمۃ الاطہار فی ضوء العقل و الآیات و الاخبار

باب چہارم

(باب ششم)

(باب ہفتم)

باسمہ سبحانہ

(سپاسِ بے قیاس)

کتاب مستطاب اثبات الامامت کا چوتھا ایڈیشن عرصہ دراز سے ختم تھا اور اس کی مقبولیت کے پیش نظر اہل ایمان کا بے حد اصرار تھا کہ اسے جلد از جلد شائع کرایا جائے مگر بوجوہ توفیق الہی شامل حال نہیں ہو رہی تھی۔

یہ سعادت جناب مستطاب عابد علی صاحب آف نیوپورٹ برطانیہ کو حاصل ہوئی جنہوں نے اس سال میرے دورہ برطانیہ کے موقع پر اپنے والدین شریفین کی ارواح کو ایصال ثواب کی خاطر اس کتاب مستطاب کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا۔

جزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء و بلغہ اقصامناہ وحفظہٗ من جمیع الشرور والبلایا و شکر سعیہٗ وفقہ المزیہ الحسنات والاجتناب عن السیئات امنہ خیر موفق و معین بحق النبی والہ الطاھرین وانا الاحقر مُحمد حُسین النجفی عفی عنہ

بقلمہ

۲۱ اپریل ۲۰۰۶ء

باسمہٖ سبحانہٗ

انتساب

؎ یا کوکباً ما کان اقصر عمرہٗ — وکذا تکون کواکب الاسحار

یہ کتاب آج سے قریباً بارہ برس پہلے [illegible] میں نجف اشرف کے دوران قیام میں لکھی گئی تھی مگر بوجہ کل امور مہوئی باوقاتہا گوناگوں علمی مصروفیات اور دیگر بعض اہم دینی کتب کی اشاعت کی وجہ سے آج تک یہ کتاب دُرِ مکنون کی طرح صدف خمول وگمنامی میں پوشیدہ رہی۔ نہ اس پر نظر ثانی کی جاسکی اور نہ ہی اس کی طباعت کی طرف توجہ کی جاسکی۔ امسال ماہِ مبارک صیام کے لمحاتِ فرصت کو غنیمت سمجھتے ہوئے دیگر مشاغل سے کچھ وقت بچا کر اس پر تحقیقی نظر ثانی کی گئی اور اس کی ہیئت اولی میں بہت کچھ تغیر وتبدل کر کے اس میں مفید اضافے بھی کئے گئے۔ اب ہم بتوفیق ایزدی اس قابل ہوئے کہ اس علمی دستاویز کو ابناءِ قوم وملت کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کریں۔ ارباب علم وانصاف سے رجاء واثق وامید کامل ہے کہ وہ ہماری اس علمی پیشکش کو بنظرِ استحسان دیکھیں گے۔ انشاء اللہ العزیز

جب کتابت طباعت کے مرحلہ میں تھی تو حسبِ معمول یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ اسے کس شخصیت کے نام سے معنون کرنا چاہیئے؟ اس خیال کے پیدا ہوتے ہی اپنے ناشاد اکلوتے لختِ جگر فرزند عزیز محمد سبطین مرحوم کی یاد قلب حزین کو مضطرب وپریشان کرنے لگی۔ جس نے اس کتاب کی تصنیف کے زمانہ میں قریباً پہلے پانچ سال کی عمر میں پورا ڈیڑھ ماہ موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد ہمیں دائمی داغِ مفارقت دیتے ہوئے جناب امیر المومنینؑ کے جوارِ عبدالانوار میں بیٹھنے کے لئے وادی السلام کی مبارک سرزمین میں ابدی سکونت اختیار کرلی۔

؎ جاورت اعدائی وجاور ربہ — شتان بین جوارہ وجواری

بہرحال دلِ بریاں نے عقل وخرد کو دعوت دی کہ اس کتاب کو اسی مرحوم کے نام کے ساتھ معنون کرنا چاہیئے لہٰذا صدائے دل پر لبیک کہتے ہوئے یہ کتاب اس عزیز مرحوم کے نام معنون کی جاتی ہے۔ مومنین با تمکین کی خدمت میں التماس ہے کہ وہ بارگاہِ قاضی الحاجات میں دعا کریں کہ وہ رحیم وکریم عزیز مرحوم کے درجات کو عالی ومتعالی فرما کر اسے ہماری "نجات دارین کا ذریعہ" بنائے اور جس طرح اس نے ہمیں اس سانحۂ کبریٰ پر صبر جمیل عطا فرمایا ہے اسے بطفیلِ سرکار محمد وآلِ محمد علیہم السلام دنیا میں اس کا نعم البدل اور آخرت میں اجر جزیل بھی عطا فرمائے اور ہماری اس ناچیز خدمت کو شرفِ قبول بخشے۔ انہ علیٰ کل شیئ قدیر۔ آمین بجاہ النبیؐ وآلہ الطاہرینؑ صلوات اللہ علیہ وعلیہم اجمعین وانا المتمسک بالثقلین۔

الاحقر محمد حسین نجفی (طبع اول سنہ ۱۹۶۰ء سرگودھا)

پیش لفظ و مقدمہ

الحمد للہ رب العٰلمین و الصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین و آلہ الطیبین الطاہرین المعصومین و اللعنۃ الدائمۃ علی اعدائھم الملعونین۔

اما بعد ارباب بصیرت پر مخفی نہیں ہے کہ قدیم الایام سے جو مسئلہ ہمارے اور دوسری اسلامی برادری کے درمیان اختلافات کی آماجگاہ، معرکۃ الآراء اور محورِ نزاع بنا ہوا ہے وہ ہے مسئلہ امامت۔ چنانچہ فاضل شہرستانی اپنی کتاب "ملل و نحل" صہ ۱۰ طبع مصطفےٰ البابی مصر میں رقمطراز ہے "اعظم خلاف بین الامۃ خلاف الامامۃ اذ ما سل سیف فی الاسلام علی قاعدۃ دینیۃ مثل ما سل علی الامامۃ فی کل زمان" یعنی امتِ محمدیہ کے تمام اختلافات سے بڑا اختلاف مسئلہ امامت میں ہے کیونکہ اسلام کے اندر کسی قاعدۂ دینی پر اس طرح تلوار نہیں کھینچی گئی جس طرح ہر زمانے میں امامت پر کھینچی گئی ہے اگرچہ ہمارا عربی زبان میں اس موضوع پر متعدد و مفید کتابیں موجود ہیں اور لفضلہ اردو زبان کا دامن اس سے مالا مال ہے مگر بایں ہمہ دانشمند طبقہ مدت سے اس موضوع پر ایک ایسی کتاب کی شدت سے کمی محسوس کر رہا تھا جو باوجود صغیر الحجم ہونے کے ایسی جامع ہو کہ اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہو۔ اور اس میں ہر قسم کے قاری بالخصوص نئی پود کی ذہنی سطح کو بھی پیشِ نظر رکھا گیا ہو۔ اس لئے ہم نے اس موضوع پر خامہ فرسائی کی ہے۔ ہم نے اس معیار پر پورا اترنے کی اپنی تمام کوشش صرف کی ہے اب رہا اس بات کا فیصلہ کہ ہم اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں؟ یہ قارئینِ کرام کے خداداد ذوق و انصاف پر چھوڑا جاتا ہے۔ مخفی نہ رہے کہ مسئلہ امامت میں کئی ایک اختلاف ہیں!!

(۱) آیا نبی کے بعد کسی خلیفہ و امام کی ضرورت بھی ہے یا نہیں؟ (۲) بصورتِ ضرورت آیا امام کا نصب و تقرر خالق کے ذمہ ہے۔ یا مخلوق کے؟ (۳) دونوں صورتوں میں آیا اس تقرر کا وجوب عقلی ہے یا سمعی؟ (۴) درصورت وجوب تقرر آیا مسئلہ امامت اصول میں داخل ہے۔ یا فروعِ دین میں شامل ہے؟ (۵) امام کے لئے کون سے شرائط لازم ہیں اور اس کیلئے کن صفات کا حامل ہونا ضروری ہے معصوم اعلم اور شجیع غرض کہ ہر لحاظ سے افضل ہونا ضروری ہے یا نہ؟

چنانچہ تمام خوارج (خذلھم اللہ) قائل ہیں کہ امامت کوئی ضروری چیز نہیں ہے لیکن دیگر تمام اسلامی فرقے اس کی ضرورت اور وجوب کے مقر و معترف ہیں ہاں ان میں صرف اس قدر فرق ہے کہ حضرات شیعہ امام کا تقرر خدا پر واجب سمجھتے ہیں یعنی جس طرح خداوندِ عالم پر ازراہِ لطف و کرم انبیاء و مرسلین کا بھیجنا واجب ہے اسی طرح ان کے اوصیاء و خلفاء کا تقرر بھی اس پر لازم ہے اور دوسرے فرقے اسے مخلوق پر واجب سمجھتے ہیں۔ لیکن پھر ان کے مابین اختلاف ہے کہ

اشاعرہ وجوب سمعی کے قائل ہیں اور معتزلہ وجوب عقلی کے نیز حضرات شیعہ خیرالبریہ امامت کو اصول مذہب میں داخل سمجھتے ہیں اور باقی اہلسنت اسے فروع دین کا جزو قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح شیعہ امام کے لئے اعلم و اشجع اور معصوم ہونا نیز یہ کہ تمام صفات کمالیہ میں سر آمد روزگار اور ہر لحاظ سے افضل افراد امت ہونا ضروری سمجھتے ہیں جبکہ دوسرے مکاتب فکر ان صفات کو لازم نہیں جانتے۔ بہرحال ہم اپنے آئندہ بیانات و تحقیقات میں ان تمام پہلوؤں پر اس انداز سے روشنی ڈالیں گے کہ اہل ایمان کی چشم بصیرت کو اہل انصاف کو جادۂ حق اور صراط مستقیم مل جائے گا۔ حق و حقیقت کے طلبگاروں کیلئے رشد و ہدایت کے دروازے کھل جائیں گے۔ انشاء اللہ العزیز صرف طلب صادق شرط ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا وان اللہ لمع المحسنین۔

امامت کی لغوی تعریف

اصل مقصد میں وارد ہونے سے پہلے منصب امامت کی تعریف کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ امامت کے معنی لغت میں تقدم اور پیشوائی کے ہیں چنانچہ صاحب قاموس لکھتے ہیں: امام القوم تقدمھم وھی الامامۃ والامام ما ائتم بہ من رئیس او غیرہ۔ یعنی جب کہا جائے کہ فلاں نے لوگوں کی امامت کی تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ ان سے آگے بڑھا اور یہی (التقدم علی الغیر) امامت ہے۔ امام وہ ہے جس کا اقتدار کیا جائے۔ وہ خواہ رئیس ہو یا نہ (قاموس ج۴ ص) لفظ امام کا استعمال اور چند معانی میں بھی ہوا ہے چنانچہ صاحب قاموس ہی نے لکھا ہے کہ امام بمعنی "قیم الامر المصلح له" (کسی امر کا سرپرست اور اس کی اصلاح کرنے والا) "قرآن" "نبی" "خلیفہ" "قائد الجند" (رئیس لشکر) "الدلیل" (راہبر) بھی مستعمل ہوا۔ ظاہر ہے کہ ان تمام معانی کی بازگشت بھی پہلے ہی معنی کی طرف ہے یعنی امام وہ ہوتا ہے جس کی اتباع واقتدا کی جائے۔

امامت کی اصطلاحی تعریف

علماء متکلمین کی اصطلاح میں امامت کی جامع تعریف یہ کی گئی ہے۔ الامامۃ ھی الریاسۃ العامۃ الالٰھیۃ لشخص انسانی نیابۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی امور الدین والدنیا بحیث یجب اتباعہ علی کافۃ الانام یعنی امامت امور دین و دنیا میں ایک ریاست عامہ الٰہیہ ہے جو کسی خاص انسان کامل کو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیابت میں اس طرح حاصل ہوتی ہے کہ تمام لوگوں پر اس کا اتباع و پیروی واجب ہے۔ (کفایۃ الموحدین ج۲ ص طبع ایران، شرح مواقف ص۲۶۹ طبع لکھنؤ، شرح مقاصد، باختلاف یسیر)

فائدہ ہمارے بعض علمائے کرام اعلی اللہ مقامہم نے اپنی بعض تصانیف میں امامت کی مذکورہ بالا تعریف میں "خلافۃ" یا نیابۃ "عن النبی" کی قید کے غلط ہونے پر بڑا زور دیا ہے اور اس سلسلہ میں حضرت ابراہیم اور حضرت داؤد کی امامت و خلافت کو بطور دلیل پیش فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم بنص قرآنی امام اور حضرت داؤد خلیفہ تھے لیکن وہ کسی نبی کے

تعلق اور جلا حاصل ہوگی الخ وغیرہ

تائب نہ تھے۔ بلکہ ان کی امامت و خلافت مستقل اور بلا واسطہ تھی؛ اس کے متعلق گذارش ہے کہ امامت کبھی نبوت کے ساتھ جمع ہو جاتی ہے یعنی ایسا ہوتا ہے کہ ایک ہی شخص بیک وقت نبی بھی ہوتا ہے اور امام بھی۔ جیسے حضرت ابراہیمؑ اور کبھی نبوت سے علیحدہ ہوتی ہے جیسے ہمارے آئمہ ھدیٰ علیہم السلام جو امام تو ہیں مگر نبی و رسول نہیں ہیں ظاہر ہے کہ جو امامت نبی میں پائی جاتی ہے۔ وہ اور ہے اور جو غیر نبی میں پائی جاتی ہے وہ اور کیونکہ پہلی قسم کی امارت خداوند عالم نبوت کے ساتھ یا اس سے کچھ عرصہ کے بعد بلا واسطہ عطا فرماتا ہے بخلاف امامت کی دوسری قسم کے کہ وہ بحکم خدائے منان نبی کے نصب و اعلان کی محتاج ہوتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ دو قسم کی امامت درحقیقت دو مختلف حقیقتیں ہیں۔ بنا بریں علمائے اسلام نے امامت کی جو تعریف کی ہے وہ فقط دوسری قسم کی ہے اور اس میں اس قید یعنی "نیابۃ من النبی" کا اضافہ کیا ہی اس لئے گیا ہے تاکہ اس تعریف سے پہلی قسم کی امامت خارج ہو جائے اور جس قسم کی یہ تعریف ہے اس کے لئے جامع و مانع قرار پائے چنانچہ یہ تعریف ایسی ہی ہے اس وضاحت کے بعد علماء کرام پر یہ ایراد وارد نہیں ہوتا کہ یہ تعریف جامع نہیں ہے۔ کیونکہ یہ اعتراض اس غلط فہمی پر مبنی ہے کہ یہ تعریف مطلق امامت کی ہے مگر ایسا نہیں ہے۔ پس ہے۔ ع

چوں نہ دیدند رہِ حقیقت افسانہ زدند

فدوی تردد تشکر احقر محمد حسین عفی عنہ بقلمہٖ سرگودھا

تاریخ نظر ثانی ۹/۴ ۲۵ بوقت گیارہ بجے شب،

طبع ثانی اپریل سنہ ۱۹۷۶ء

باسمہ سُبحانہٗ

(دیباچہ طبع پنجم)

بتائیدِ ایزدِ متعال وہ مبارک وقت آ گیا ہے کہ ہم کتب ہدایت انتساب اثبات الامامت کا پانچواں ایڈیشن بڑی آب و تاب کے ساتھ ابناء ملک و ملت کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں والحمد للہ ربّ العالمین دعا ہے کہ وہ رحیم و کریم پروردگار ہماری اس ناچیز سعی و کوشش کو شرفِ قبول سے نوازے اور اسے اپنے گم کردہ راہ بندوں کی رشد و ہدایت کا باعث بنائے اور ہمارے لیے سعادت دارین فلاحِ کونین کا سبب ٹھہرائے۔

ع ایں دُعا از من واز جملہ جہاں آمین باد بجاہ النبیؐ وآلہ الطاہرین

۲۲۔اپریل ۲۰۰۶ء

واناالاحقر
محمد حُسین النجفی عفی عنہ

بَابِ اوّلُ

ضرورتِ امام

اربابِ عقل و انصاف کے لیئے اس سلسلہ میں یہی اجمالی بیان کافی ہے کہ جن ادلہ و براہین اور جن فوائد و عوائد کے پیشِ نظر
نبی و رسول کا مبعوث ہونا ضروری و لازمی ہے بعینہٖ انہی ادلہ و براہین اور انہی مصالح و حِکم کی رو سے ان کے بعد خلفاء و آئمہ
کا نصب و تقرر بھی ضروری ہے اگر بنظرِ غائر عقلاءِ روزگار کی روش و رفتار کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ
دانشمند امراء اور قومی زعماء و رہنما اپنے جانشین و خلفاء کے تقرر میں بڑا اہتمام کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے
کہ ہر بادشاہ کا ایک ولی عہد ہوتا ہے جس کی خاص نگہداشت کی جاتی ہے اور بڑے اہتمام سے اس کی تعلیم و تربیت
کا انتظام کیا جاتا ہے۔ امراء اور زعماء تو در کنار ایک معمولی مال و عیال رکھنے والا آدمی بھی بغیر اپنا کوئی وصی مقرر کیے کہیں
نہیں جاتا۔ اور اگر کوئی بادشاہ یا قومی رہنما بلکہ کوئی عام اہل بچہ دار آدمی بغیر اپنا ولیعہد و وصی مقرر کرنے کے چلا جائے۔ تو اربابِ عقل
و دانش اس کو نا فرض شناس اور اپنی رعایا اور بال بچوں کا خیر خواہ نہیں بلکہ ان کے حق میں اسے ظالم تصور کرتے ہیں۔
ظاہر ہے کہ سرکارِ سرورِ کائنات کی روش و رفتار بھی عقلاءِ روزگار کی رفتار کے مطابق تھی وہ ہرگز کبھی کوئی خلافِ عقل اقدام نہیں
فرماتے تھے۔ لہٰذا جب وہ ایک ایسی سلطنت و مملکت کے مالک تھے۔ جو اصلاحِ دین و دنیا کی کفیل تھی اور آپ نہ صرف
کسی ایک قوم و قبیلہ، نہ صرف ایک ملک و عالم بلکہ پورے عالمین کے حقیقی ہادی و رہنما تھے (اور وما ارسلناک الا
رحمۃ للعالمین کے مصداق)، تو کیا کوئی عقلِ سلیم رکھنے والا شخص ایک لمحہ کے لیئے بھی یہ بات تسلیم کر سکتا ہے
کہ آنحضرتؐ اپنے وصی و جانشین کا انتظام کیے بغیر اپنی امت کو اپنے حال پر چھوڑ کر دائمی سفرِ آخرت اختیار کر جائیں؟
حاشا و کلا، کیا آنحضرتؐ کا یہ فرضِ منصبی نہ تھا کہ بحکمِ خدا امت کی فلاح و بہبود کی خاطر امت کے سامنے اپنے وصی و
جانشین کا تقرر و اعلان کر جائیں؟ تاکہ آپ کی رحلت کے بعد دین کی حفاظت کی جائے اور امتِ مرحومہ اپنے تمام
دینی و دنیوی تنازعات و اختلافات کا اس سے فیصلہ کرائے۔ معالم دین کو اس سے حاصل کرے۔ اور کفار و مشرکین
کی سرکوبی کے لیئے اس کے ہدایات پر عمل پیرا ہو۔ الغرض وہ جانشین نیابتِ سید المرسلینؐ کا پورا پورا حق ادا کرے؟
معمولی عقل و خرد رکھنے والا آدمی بھی یقیناً اثبات میں جواب دے گا۔ کہ ہاں ان کا یہ فرضِ اولین تھا۔ کہ وہ اپنے

وصی وجانشین کا انتظام فرمائیں! ورنہ اس کے بغیر اُمت کے حالات کی اصلاح ناممکن۔ ہن کے ساتھ جب یہ بھی دیکھا جائے
کہ نظام اسلامی میں حاکم دین ودنیا ایک ہی شخص ہوتا ہے تو اس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا
خدا اور رسول اپنے منصبی فرائض سے غافل ہو سکتے تھے؟ یا ان کی ادائگی میں کوتاہی کر سکتے تھے؟ ہرگز نہیں۔ کوئی بھی
مسلمان اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرتؐ نے بعثت کے پہلے دن ہی اس امر کا فیصلہ فرما
دیا تھا (واقعات دعوت ذو العشیرہ ملاحظہ ہوں) اس کے بعد ہمیشہ وقتاً فوقتاً اس امر کا مختلف پیرایوں میں اظہار فرماتے
رہے اور بالآخر اس وقت تک دنیا سے تشریف نہیں لے گئے جب تک اپنی امت کے مجمع عام میں اپنے جانشین
کا ہاتھ پکڑ کر اعلان نہیں کر دیا (واقعہ غدیر خم ملاحظہ ہو) اگرچہ یہ ہی ایک اجمالی واقناعی دلیل ضرورتِ امام کے ثبوت
کے لئے اربابِ انصاف کے لئے کافی ہے۔ تاہم ذیل میں بعد از وفات رسولِ اسلام ضرورتِ خلیفہ وامام پر ہم تفصیلی
دلیل و برہان قائم کرتے ہیں تاکہ یہ مطلب بالکل واضح وعیاں ہو جائے۔

ضرورتِ امام کی پہلی دلیل

یہ دلیل دو ایسے مقدموں پر مبنی ہے۔ جن کی صحت پر منکرین عالم کا اتفاق ہے۔ عقلائے روزگار کی ان کے سامنے گردنیں خم ہو جاتی ہیں۔ اور تمام شرائع مقدسہ نے بھی اُن کی تائید و تصدیق کی ہے۔

اوّل یہ کہ خدائے علیم وحکیم نے حضرتِ انسان کو عبث و بے فائدہ پیدا نہیں فرمایا بلکہ ضرور کسی بلند غرض وغائت کے لئے خلق کیا ہے۔ (لان فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ)

دوم یہ کہ اس حکیم مطلق نے انسان کو خلق فرما کر بہائم وحیوانات کی طرح مطلق العنان اور آزاد نہیں چھوڑ دیا انہی دو قاعدوں کی طرف خلاق عالم نے اپنے کلام مجید میں اشارہ فرمایا ہے افحسبتم انما خلقنٰکم عبثا و انکم الینا لا ترجعون (سورۃ مومنون آیت ۱۱۵) کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ہم نے تم کو عبث و بے فائدہ پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف نہیں پلٹائے جاؤ گے؟ ایحسب الانسان ان یترک سدیً (سورۃ قیامت آیت ۳۶) کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ اسے بالکل آزاد چھوڑ دیا جائے گا۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا، اس بیان سے واضح وعیاں ہو گیا۔ کہ خلاق عالم نے انسان کو بے فائدہ پیدا نہیں کیا۔ اور نہ ہی پیدا کر کے اسے شتر بے مہار کی طرح چھوڑ دیا ہے بلکہ اسے ضرور کسی عظیم غرض وغائت کے لئے پیدا کیا ہے جس کے پورا کرنے کا اس سے تقاضا کرتا ہے۔ بنا بریں از روئے عدل ولطف خدا تعالیٰ پر واجب ہے کہ اس غرض وغائت کی تعلیم وتکمیل کے لئے اپنی طرف سے کچھ قواعد وضوابط اور قوانین وآئین مقرر کرے اور پھر کچھ مخصوص افراد کے ذریعہ ان کو اپنے عام بندوں تک پہنچائے جو تشریف لا کر لوگوں سے ان کی غرض خلقت بیان کریں۔ اور اس کی تکمیل میں ان کی امداد کریں انہی مخصوص افرادِ مقدسہ کو شرعی اصطلاح میں نبی و رسول کہا جاتا ہے۔ یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ انبیاء ومرسلین کے بھیجے اور ان پر

الہامی کتابیں نازل کرنے سے خدائے حکیم کی تین غرضیں وابستہ ہیں۔ (۱) معالم دین کی تعلیم و تلقین (آموزش) (۲) تربیت و تزکیۂ نفوس (پرورش) (۳) اجراء حدود انفاذ قانونِ الٰہی۔ انہی امور کی طرف قرآن مجید (میں) اشارہ کیا گیا ہے هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلو علیهم آیاته و یزکیهم و یعلمهم الکتاب والحکمة فاحکم بینهم بما اراك الله۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ بعثتِ انبیاء کی غرض و غایت رفع جہالت و ضلالت تربیت و تزکیۂ نفوس اور مبنی بر عدل و انصاف اجتماعی نظامِ الٰہی کو نافذ کرنا ہے تو اب قابلِ غور یہ امر ہے کہ آیا ان تین چیزوں کی ضرورت فقط ان بزرگوں کے حینِ حیات تک ہوتی ہے۔ یا ان کے بعد بھی نوعِ بشر ان امور کی طرف محتاج ہے؟ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰ تک جب گذشتہ انبیاء کے حالات پر نظر کی جاتی ہے تو پتہ چلتا ہے۔ کہ ان امور کی ان کے بعد بھی ضرورت باقی تھی جب ہی تو وہ اپنے بعد اپنا وصی و خلیفہ مقرر کر کے دارِ دنیا سے تشریف لے جاتے تھے۔ دیکھنا یہ ہے کہ آیا حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد جس طرح سلسلۂ انبیاء ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔ آیا اسی طرح سلسلۂ اوصیاء بھی منقطع ہو گیا تھا۔ اور تینوں غرضوں کی تکمیل ہو گئی تھی۔ اور اب جہالت و ضلالت کا بالکل خاتمہ ہو گیا تھا؟ تمام لوگوں کے نفوس کا مکمل تزکیہ ہو گیا تھا؟ اور اب حدودِ شرعیہ کے اجراء اور قانونِ الٰہی کے نفاذ کے لئے کسی دینی حاکم کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی؟ اگر جنٹلمینٹ کے لئے بغیر جانبداری سے حالات کا جائزہ لیا جائے۔ اور انسانی طبائع و نفسیات کا مطالعہ کیا جائے۔ تو ماننا پڑتا ہے کہ بدستور سابق ان امور کی طرف لوگوں کی احتیاج باقی تھی لہٰذا ماننا پڑے گا کہ لوگوں کو امام کی ضرورت ہے آئیے تھوڑی سی تفصیل کے ساتھ ان ہر سہ اغراض کا جائزہ لیں۔ سو غرضِ اول کے متعلق عرض ہے کہ ابھی اوپر ثابت کیا جا چکا ہے۔ کہ انفرادی و اجتماعی مصالح و مفاسد سے عام لوگوں کی جہالت ہی ایک نظامِ حیات، آئینِ زندگانی اور طرزِ جہانبانی آنحضرتؐ کی بعثت کا باعث ہوئی۔ لیخرجهم من الظلمات الی النور۔ آپ کا مقصد بعثت یہ تھا۔ کہ ان کو معالم دین کی تعلیم دے کر ظلماتِ کفر و شرک سے نکال کے ایمان و عرفان کے بقعۂ نور میں داخل کریں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آنحضرتؐ ایک ایسا مکمل قانون و لائحۂ حیات لے کر آئے جو قیامت تک تمام ضروریات بشر پر حاوی ہے۔ تنزیلی طور پر ایسا مکمل ہے۔ کہ اب قیامت تک اس میں ہرگز کسی ترمیم و تنسیخ کی گنجائش نہیں ہے (تبیانا لکل شیئ اور ما فرطنا فی الکتاب من شیئ۔ لا رطب ولا یابس الا فی کتٰب مبین) اس قانون کی نمایاں خصوصیات ہیں۔

لیکن واضح رہے کہ یہ قانون (قرآن) بھی دوسرے مدونہ و مروجہ قوانین کی طرح قواعد و ضوابط کلیہ رموز و اشارات پر مشتمل ہے۔ (منه آیات محکمات هن ام الکتاب و اخر متشابهات) اس لئے وہ شرح و بیان کا محتاج ہے (انزلنا الیك الکتٰب لتبین للناس ما نزل الیهم اے رسول ہم نے تم پر

اس کتاب کو اس لئے نازل کیا ہے کہ تم بیان کرو۔ کہ ان کی طرف کیا نازل کیا گیا ہے "اب دیکھنا یہ ہے کہ آنحضرت نے آیا قیامت تک کی تمام ضروریاتِ انسانی کو تفصیلی طور پر ہر ہر فرد کے لئے بیان بھی کر دیا۔ یا کچھ امور تشنۂ بیان رہ گئے؟ جس شخص کو تاریخِ اسلام سے کچھ بھی تعلق ہے اور آنحضرتؐ کے حالاتِ زندگی سے ادنیٰ واقفیت بھی رکھتا ہے اس پر یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ آنحضرتؐ کی کل مدت بعثت تیئس ۲۳ سال تھی اس میں سے تقریباً ۱۳ سال تو مکہ معظمہ میں گزارے جب کہ مسلمان بہت ہی قلیل تعداد میں تھے۔ اور آنحضرتؐ گوناگوں مصائب و شدائد میں مبتلا رہتے تھے ابھی تک دین و قرآن کے نزول کا سلسلہ جاری ہی تھا۔ کہ آپ کو حالات کی ستم ظریفی کے تحت اپنا وطن مالوف چھوڑ کر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنا پڑی اور ہجرت کے بعد دس سال یہاں قیام پذیر رہے۔ اور اس کے بعد اعلیٰ علیین کی طرف انتقال فرمایا۔ یہاں آکر بھی آنحضرت کو سکونِ نفس اور اطمینانِ قلب میسر نہ ہوا۔ اور نہ نشر و اشاعت دین کا کما حقہ زریں موقع مل سکا۔ بلکہ یہ زمانہ بھی موانع و عوائق میں گزرا اور داخلی اور خارجی اعداء و مفسدین نے آنحضرتؐ کو اطمینان کی ایک سانس نہ لینے دی۔ یہ تمام عرصہ دفاعی جنگوں و اصلاح بین الناس میں گزر گیا۔ ان حالات میں آنحضرتؐ کس طرح ہر شخص کے لئے تمام احکامِ دین و اسرارِ شرعِ متین کی توضیح و تبیین فرما سکتے تھے؟

ان حالات کے پیشِ نظر ضرورت تھی اور سخت ضرورت کہ آنحضرتؐ ان باقی ماندہ اسرار و حقائق کو ایک شخص کے پاس سپرد فرما کر اس کو اپنا جانشین مقرر کریں جو تمام اسرارِ نبوت و علوم نبویہ، تمام مقاصد النبیہ، اسرارِ آیاتِ قرآنیہ تمام مبہمات و مجملاتِ قرآنیہ اور تمام موجودہ و آئندہ موضوعاتِ خارجیہ کے احکام کا بذریعہ تعلیم رسول عالم و عارف ہو اور آنحضرتؐ کا فرض تھا کہ اپنے حینِ حیات میں مکمل طور پر اس کا تعارف کرا دیں۔ تاکہ آپ کے بعد مسلمان اس غرض کی تکمیل میں اس کی طرف رجوع کر سکیں، اگر آنحضرتؐ ایسا نہ کریں تو آپ کی غرضِ بعثت رائیگاں ہو جائے گی۔ حالانکہ کوئی عقلمند اور دور اندیش انسان ایسا نہیں کر سکتا۔ چہ جائیکہ عالمین کا بشیر و نذیر ایسا کرے۔

اب دعوتِ عامِ بعثت کو دیکھیں واضح ہے کہ آنحضرتؐ کی نبوت و رسالت کے حدود قیامت کے ساتھ متصل ہیں اور یہ بدیہی ہے کہ تمام افرادِ امتِ آنحضرتؐ کے حینِ حیات میں مجتمع نہ تھے۔ بلکہ حسب اقتضائے مشیتِ ایزدی ان کا یکے بعد دیگرے آنا ضروری ہے جو لوگ آپ کے عہدِ معدلت مہد میں موجود تھے وہ تمام بھی بعد کی نسل پر باقی ہے وہ ایک حقیقی مربیِ اخلاق و مزکیِ نفوس کی اسی طرح محتاج ہے جس طرح آپ کے حینِ حیات میں محتاج تھی کہ اگر تمام روئے زمین پر فقط دو شخص باقی رہ جائیں، تو بھی ضروری ہے کہ ان میں سے ایک حجتِ خدا ہو بھی وہ راز ہے جس کی طرف احادیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔ کہ لو لم یبق علی وجہ الارض

٭ وغیرہ وجوہ کی بنا پر آنحضرتؐ کی خدمت میں باریاب نہ ہو سکے لہٰذا جب تک زمین پر نوعِ انسان باقی ہے۔

الارحلان لکان احدھما الحجۃ (اصول کافی)، پس معلوم ہوا کہ یہ دوسری غرضِ بعثت بھی جس طرح آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دورِ حیات میں تھی۔ اسی طرح ان کے بعد بھی بدستور باقی تھی۔ لہٰذا جس طرح اس وقت من جانب اللہ ایک مربی ومزکی کامل کی ضرورت تھی۔ آپ کے بعد بھی ہے۔ بے شک چونکہ دینِ مبین من حیث التنزیل مکمل ہو چکا ہے لہٰذا کسی اور نبی کے آنے کی تو ضرورت نہیں۔ لیکن وصی کے وجود کی ضرورت ناقابلِ انکار ہے۔ انما انت منذر ولکل قوم ہاد۔

اب تیسری غرضِ بعثت کو لیجیے یہ اور بھی نمایاں طور پر آنحضرت کے بعد باقی ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ جب نوعِ بشر اور اس کی اجتماعی زندگی موجود ہے اور ان میں باہمی اختلاف ونزاع بھی موجود اور برابر گناہ وعصیان کا مادہ بھی مشہود تو بدیہی طور پر وہ ایک الٰہی ناظمِ عادل کے وجود مسعود کی سخت محتاج ہے جس طرح یہ غرض وغایت بعثتِ رسولؐ کی موجب تھی اس طرح اس کا بقاء ایک سلطانِ عادل کے وجود کا مقتضی ہے۔ ان حقائق ودقائق کی روشنی میں ہم بلاخوفِ تردید کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح انہی اغراض ومقاصد کے پیشِ نظر خدائے علیم و حکیم پر ایک کامل دین کے ساتھ لطفاً بعثتِ رسولؐ لازم تھی اسی طرح اس دین کی بقاء ودوام کے لئے اس پر واجب ہے کہ کوئی مناسب انتظام کرے۔ تاکہ آنحضرتؐ کے بعد اس دین وآئین میں کسی قسم کا تغیر وتبدل واقع نہ ہو۔ اور لوگوں کا نظم ونسق اور روحانی تربیت وتزکیۂ نفوس کا سلسلہ بھی بدستور جاری وساری رہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ کا دین تنزیلی اعتبار سے کامل ومکمل ہے اور آپ خاتم النبیینؐ ہیں لہٰذا کسی اور نبی کے آنے کی تو گنجائش ہے نہیں۔ اس لئے آپ کے بعد کچھ ایسے افراد کی ضرورت ناگزیر ہے جو سوائے نبوت اور اس کے خصائص کے دیگر تمام صفاتِ کاملہ میں آپ کے مثیل ہوں کیونکہ سلسلۂ نبوت ختم ہوا ہے سلسلۂ ہدایت تو ختم نہیں ہوا۔ بلکہ وہ تو برابر قیامت تک جاری رہے گا لہٰذا یہ ضرورت آپ کے خلفاء واوصیاء ہی کے ذریعے سے پوری ہو سکتی تھی اگر آنحضرتؐ نے اپنے بعد خلیفہ وامام کے تقرر کا انتظام نہ کیا تو اس طرح آپ کی غرضِ بعثت فوت ہو جائے۔ اور لوگ پھر ضلالت وگمراہی میں گرفتار ہو جائیں گے یہ امر محتاجِ بیان نہیں کہ حکیم متعال کے لئے نقضِ غرض محال ہے۔ وما کان اللہ لیضل قوما بعد اذ ھداھم الخ خداوندِ عالم کسی قوم کو ہدایت کرنے کے بعد ہرگز گمراہ نہیں کرتا۔ ولا یرضی لعبادہ الکفر۔ اس بیان نیر البرہان سے واضح و عیاں ہو گیا۔ کہ دین ودیانت اور شرع وشریعت کا بقاء ودوام امام عالی مقام کے وجود مسعود کے ساتھ وابستہ ہے اس کے بغیر دین ہرگز باقی نہیں رہ سکتا۔ ایسی صورت میں خلاقِ عالم باہمہ علم وحکمت ولطف وعنائیت اس اہم کام کو کس طرح نظر انداز کر سکتا ہے؟ حاشا وکلا!

دوسری دلیل

جو شخص آنحضرتؐ کے عہد معدلت انگیز کا بنظر غائر جائزہ لے، آنحضرتؐ کی امت مرحومہ کے ساتھ شفقت و رأفت پر نظر کرے، شجر اسلام لگانے میں آپ کی محنتوں اور مشقتوں کو بغور دیکھے اور آپ کے ساتھ بیٹھنے والوں کے حالات و کوائف پر بھی نظر ڈالے تو اسے یقین کامل ہو جائے گا کہ آپ کے بعد نصب و تقرر خلیفہ و امام کی سخت ضرورت تھی۔ جماعت مسلمین میں ایسے لوگوں کی کثرت تھی جو ساٹھ ساٹھ بلکہ ستر ستر[1] پشتوں سے باہمی عداوتوں سے دوچار اور خانہ جنگیوں کا شکار تھے وہ تازہ تازہ نعمت اتحاد و اتفاق سے مالا مال ہو کر اس اسلامی پرچم کے نیچے جمع ہوئے تھے، جس کے پھریرے پر "انما المومنون اخوۃ" نقش تھا۔ ظاہر ہے کہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد یہ لوگ درجہ عصمت پر تو فائز نہیں ہو گئے تھے بلکہ بدستور سابق ان میں قوائے شہویہ و غضبیہ موجود تھے یہ آنحضرتؐ کے برکات وجود کا نتیجہ تھا کہ ان کو بروئے کار نہیں لاتے تھے بلکہ آں حضرتؐ کے صحابہ میں ایسے لوگوں کی بھی کمی نہ تھی جو ہر وقت ہر ممکن حیلہ و بہانہ سے شجر اسلام کو کوئی گزند پہنچانے بلکہ اس کی بیخ کنی کرنے کے در پے رہتے تھے۔ اس صورت میں سخت ضرورت تھی کہ حکیم امت اپنے بعد کچھ ایسا انتظام کر جائیں کہ پہلی قسم کے لوگ بدستور سابق اتحاد و یگانگت کے راستے پر گامزن رہیں اور دوسری قسم کے افراد

---

[1] علامہ مشرقی اپنی کتاب تذکرہ میں قرآن اور پیغمبر اسلام نے عربوں کی حالت میں جو انقلاب پیدا کیا اس کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں "یہ سب کچھ اسلام اور قرآن کا ناقابل انکار معجزہ تھا مگر عرب کی جبلت اور طینت کو کون بدل سکتا تھا؟ وہ عادتیں اور خاصیتیں جو ان کی فطرت میں ہزار دو ہزار برس پہلے سے چلی آتی تھیں کس طرح چشم زدن میں ان سے رخصت ہو کر اپنا نقش پا نہ چھوڑتیں؟ وہ قبائلی اوصاف جو قرنوں اور صدیوں پہلے ان کی مٹی میں خمیر ہو چکے تھے۔ ان کے طبعی میلان کو کیسے اثر چھوڑ دیتے؟ قرآن کی قاطع الظن کو صفحۃ الاعمال تعلیم کی فدایانہ تعمیل میں عرب اپنی ظاہری عبادات و رسومات کو بدل سکتے تھے۔ اپنی آبائی روایات و اعتقادات کو بادی النظر میں چھوڑ سکتے تھے۔ اپنے داخلی مناقشات اور قبائلی تنازعات کو علی رؤس الاشہاد محو کر سکتے تھے۔ بلاغت و فصاحت کے ذاق اور عار کو بھی طوعاً کرہاً خیرباد کہہ سکتے تھے مگر طبائع کے باطنی رجحان اور اصلی طوائق تخیل کو ہرگز نہ بدل سکتے تھے۔۔۔۔ اور وہ اصل آدمی میں رہنے والے دہم زد لوگ اور قریب اسی آب و ہوا میں پلے ہوئے فرقہ بند آدمی تھے۔ جنہوں نے وادی سینا میں موسیٰ علیہ السلام کی شریعت بیضا کو ہاتھ میں لے کر اس کی غیبت میں اپنی پرانی عادت کے مطابق اللہ سے انکار اور بچھڑے کی پرستش شروع کر دی تھی۔ (تذکرہ صفحہ ۹۶/۹۸ مطبوعہ امرتسر)

علامہ مشرقی کا یہ کلام حقیقت ترجمان جو اس کتاب میں کئی جگہ کام آئے گا آویزہ گوش بنانے کے قابل ہے (منہ عفی عنہ)

دین مبین میں کسی قسم کا رخنہ ڈال کر اسے پائمال نہ کرسکیں۔

تیسری دلیل

آں حضرتؐ کا یہ دستور تھا کہ آپ کسی غزوہ وغیرہ کے سلسلہ میں اگرچہ چند دنوں کے لئے بھی مدینہ سے باہر کہیں تشریف لے جاتے تھے۔ تو مدینہ میں اپنا کوئی نائب مقرر فرما کر جاتے تھے۔ جو اُن کی غیر موجودگی میں آپ کے فرائض کو انجام دیتا تھا اسی طرح آپ نے تمام بڑے بڑے شہروں بلکہ معمولی معمولی دیہاتوں میں بھی حاکم و والی مقرر کر رکھے تھے۔ تو کیا عقل سلیم یہ باور کرسکتی ہے کہ آپ اپنے آخری طویل سفر کے وقت جس کے متعلق انہیں یقین تھا کہ اب ان سے مراجعت نہیں ہوگی۔ اپنا کوئی نائب وجانشین مقرر کرنہ جائیں؟ حاشا وکلا

چوتھی دلیل

اس دلیل میں ہم عبداللہ ابن عمر اور جناب عائشہ کے ان کلمات کو پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جو انہوں نے حضرت عمر سے ان کے آخری لمحاتِ حیات میں اپنا نائب مقرر کرنے کی ضرورت پر کہے تھے۔ یہ الفاظ ضرورتِ خلیفہ وامام پر بڑی تیز روشنی ڈالتے ہیں۔ سنن کبریٰ بیہقی ج ۸ صفحہ ۱۴۹ طبع دکن۔ تاریخ عمر ابن الخطاب ابن جوزی صفحہ ۱۹۰ طبع قاہرہ۔ ریاض نضرۃ ج ۲ صفحہ ۷۴ مطبعہ حسینیہ مصر۔ حلیۃ الاولیاء ج ۱ صفحہ ۴۴ طبع مصر وغیرہ پر مذکور ہے۔ کہ عبداللہ بن عمر نے اپنے باپ (عمر) سے کہا۔

ان الناس یزعمون انک غیر مستخلف ولو کان لک راعی ابل اوراعی غنم ثم جاءک وترک رعیتہ ارأیت ان قد فرط ارأیت ان قد ضیع ورعیۃ الناس اشد من رعیۃ الابل والغنم ماذا تقول للہ عزوجل اذ لقیتہ ولم تستخلف علی عبادہ؟"

یعنی لوگوں کا یہ خیال ہے کہ آپ اپنا کوئی خلیفہ مقرر نہیں کرنا چاہتے۔ اگر آپ کا اونٹوں یا بکریوں کا کوئی چرواہا ہو اور وہ ان کو (جنگل میں) چھوڑ کر چلا آئے۔ تو کیا آپ ایسی خیال نہیں کریں گے۔ کہ اس نے تفریط وکوتاہی کی ہے؟ یقیناً آپ کہیں گے۔ کہ اس نے اونٹوں اور بکریوں کو ضائع کردیا ہے۔ ظاہر ہے کہ لوگوں کی دیکھ بھال اونٹوں بکریوں کے چرانے سے سخت تر ہے اور ان کے نگران کے فرائض اس چرواہے سے کہیں زیادہ ہیں۔ جب تم خداوند عالم کے بندوں پر اپنا خلیفہ مقرر کئے بغیر چلے گئے تو اسے جا کر کیا جواب دوگے؟ کتاب طبقات ابن سعد ج ۳ صفحہ ۲۴۸ طبع لیدن میں ابن عمر کی تقریر بایں الفاظ درج ہے۔

قال لعمر بن الخطاب استخلف قال من قال تجتہد فانک لست لہم برب تجتہد ارأیت لو انک بعثت الی قیم ارضک الم تکن تحب ان یستخلف مکانہ حتی یرجع الی الارض قال بلی قال ارأیت لو بعثت الی راعی غنمک الم تکن تحب ان یستخلف رجلا حتی یرجع عبداللہ نے اپنے باپ عمر سے کہا اپنا خلیفہ مقرر کیجئے حضرت عمر نے کہا کسے مقرر کروں؟ ابن عمر نے کہا کوشش کرو۔ تم ان کے

خدا تو نہیں تمہارا کام کوشش کرنا ہے (جس کو مناسب سمجھو خلیفہ مقرر کردو۔) آپ غور نہیں کرتے کہ اگر آپ اپنی زمین کے منتظم کو بلوا بھیجیں تو کیا آپ اس بات کو پسند نہیں کریں گے۔ کہ وہ اپنے واپس جانے تک اپنا کوئی نائب مقرر کرکے آئے؟ عمر نے کہا البتہ مجھے یہی پسند ہے۔ ابن عمر نے کہا! اگر آپ اپنی بکریوں کے چرواہے کو بلا بھیجیں۔ تو کیا آپ اس امر کو دوست نہیں رکھتے کہ وہ اپنے واپس جانے تک کسی آدمی کو اپنا قائمقام مقرر کرکے آئے؟ عمر نے کہا بے شک میں ایسا ہی چاہتا ہوں۔ ابن عمر نے کہا تو آپ امتِ محمدیہ کو راعی کے بغیر کیونکر چھوڑ کر جا رہے ہیں؟)

اسی طرح حضرت عائشہ کا ایک پُرمغز پیغام الامامۃ والسیاسۃ ج ا صـ۲۲ پر مذکور ہے جو انہوں نے ابن عمر کے توسط سے خلیفہ ثانی کی خدمت میں کہلا بھیجا تھا۔ فرماتی ہیں: یا بنی ابلغ عمر سلامی وقل لہ لا تدع امۃ محمد بلا راع استخلف علیہم ولا تدعھم بعدک ھملا فانی اخشی علیہم الفتنۃ فاتی عبد اللہ فاعلمہ علیہ السلام (اور انہوں نے حضرت عائشہ کا پیغام پہنچایا) لے بیٹا! حضرت عمر سے جا کر میرے سلام کے بعد کہنا امتِ محمدؐ کو راعی (حاکم) کے بغیر نہ چھوڑو۔ بلکہ ان پر خلیفہ مقرر کردو۔ اور ان کو اپنے بعد آزادانہ چھوڑو مجھے ان کے متعلق فتنہ کا خوف ہے۔

دیکھیے ابن عمر اور عائشہ نے ضرورتِ خلیفہ و امام پر کیسی ٹھوس اور ناقابلِ تردید فطری و وجدانی دلیل پیش کی ہے۔ لیکن نامعلوم اُمتِ نبیٔ اعظم کے استخلاف کے وقت اس ضرورت کو کیوں نظرانداز کر دیتی ہے اگر اہلِ سُنت کا نظریہ صحیح تسلیم کر لیا جائے۔ یعنی یہ کہ آنحضرتؐ بغیر خلیفہ مقرر کیے رحلت فرما گئے تو حضرت عائشہ و ابنِ عمر پر ایراد وارد ہوگا کہ حضرت عمر کے لیے تو ضرورتِ خلیفہ پر اس قدر شور و شین مچا رہے ہیں لیکن حضرت سرورِ کائناتؐ کی وفاتِ حسرت آیات کے وقت اس سلسلہ میں کیوں خاموشی اختیار کی۔ اگر عمر کے لیے اپنا خلیفہ مقرر نہ کرنا قبیح ہے تو حضرت رسولِ خداؐ کے لیے یقیناً قبیح ہوگا۔ انہی دونوں پر ہی نہیں بلکہ اس صورت میں یہ اعتراض تمام صحابہ کرام پر وارد ہوتا ہے کہ انہوں نے اس وقت کیوں اس ضرورت کا احساس نہ کیا؟

ازالۂ وہم

اگر اس کے جواب میں یہ کہا جائے۔ کہ صحابہ کرام آپؐ کی وفات کے وقت بعد میں رونما ہونے والے۔ اختلافات و تنازعات کی طرف متوجہ نہ تھے۔ اور بعد میں تلخ تجربہ کی بنا پر اس ضرورت کا احساس ہوا تو اس کے متعلق گذارش ہے کہ (اولاً) تو یہ کہنا کہ تمام صحابہ ان حالات سے غافل تھے۔ غلط ہے کیونکہ صحابہ رسولؐ میں بڑے بڑے جہاں دیدہ اور تجربہ کار حضرات موجود تھے جن پر خلیفہ و جانشین مقرر نہ کرنے سے پیدا ہونے والے مفاسد پوشیدہ نہیں ہو سکتے تھے۔ (ثانیاً) اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے

کہ یہ حضرات متوجہ نہ تھے تو یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا خدا و رسولؐ بھی ان حالات سے غافل تھے (معاذ اللہ) انھوں نے اس اہم فریضہ کی بجا آوری سے چشم پوشی کرتے ہوئے کیوں اسے نظر انداز کر دیا[1]؟؟ اہلِ سُنّت کے اس نظریہ کے مطابق خُدا کی خدائی اور رسولؐ کی رسالت رخصت نہیں ہو جاتی؟؟

پانچویں دلیل

امام اور خلیفہ کا تقرر اسلامی برادری کے نزدیک اس قدر ضروری ہے کہ جب ان پر شیعوں کی طرف سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ ان کے بڑے بڑے منظورِ نظر صحابۂ کرام آنحضرتؐ کو بلا غسل و کفن چھوڑ کر سقیفۂ بنی ساعدہ میں کیوں چلے گئے؟[2] اس سے تو ان کا دعوائے محبتِ رسولؐ و امام بلکہ ان کا اسلام ہی طشتِ از بام ہو کر رہ جاتا ہے جیسا کسی نے کہا ہے ؎

چوں صحابہ حبِّ دنیا داشتند   مصطفےٰؐ را بے کفن بگذاشتند

تو یہ حضرات جواب دیتے ہیں کہ بات دراصل یہ تھی کہ اس وقت صحابہ کے سامنے دو مسئلے تھے۔ ایک پیغمبرِ اسلام کی تکفین و تدفین دوسرا آنحضرتؐ کے جانشین کا تقرر۔ اور یہ دوسرا مسئلہ اس قدر اہم تھا کہ رسولؐ کے دفن و کفن کو چھوڑا جا سکتا تھا۔ مگر اُمّتِ رسولؐ کو خلیفہ و امام کے بغیر ایک لحظہ کے لئے بھی نہیں چھوڑا جا سکتا تھا۔ چنانچہ ماہنامہ الفاروق چوکیرہ کے ثانی اثنین نمبر مجریہ ۱۰ اکتوبر و یکم نومبر ۱۹۵۸ء کے صہ ۲۲ پر جناب مدیر الفاروق رقم طراز ہیں:

"حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ سوموار کے دن پہلے پہر فوت ہوئے انا للہ

---

[1] وہ یقیناً اپنے فرضِ منصبی سے واقف اور اس کی ادائیگی میں کوشاں تھے زبانی طور پر تو بہ فرض کئی مرتبہ ادا کر چکے تھے اب آخری وقت میں چاہتے تھے کہ تحریری طور پر بھی یہ فرض ادا ہو جائے اور اسی غرض سے قلم و دوات بھی طلب فرمائی مگر کچھ لوگوں نے یہ کہہ کر کہ آنحضرتؐ کو شدتِ مرض کی وجہ سے ہذیان ہو گیا ہے (معاذ اللہ) اور ساتھ حسبنا کتاب اللہ۔ کا شور بلند کر دیا اسلئے آنحضرتؐ اسے عملی جامہ نہ پہنا سکے لیکن آنحضرتؐ کے بعد بہت جلد لوگوں کو ضرورتِ خلیفہ کا احساس ہو گیا۔ حسبنا کتاب اللہ کا نعرہ بھول گیا۔ اور اس بات کا بھی احساس ہو گیا کہ خلیفہ مقرر کرنا اُمّت کا کام نہیں بلکہ یہ صاحبِ مسند کا فرضِ منصبی ہے ؏

ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا (منہ عفی عنہ)

[2] شیخین کا جنازۂ رسولؐ سے غائب رہنا یعنی حضرت ابوبکر و عمر وغیرہ کا سقیفائی کارروائی میں مشغول رہنا اور جنازۂ رسولؐ سے غائب رہنا ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے۔ عن عروۃ ان ابابکر و عمر رضی اللہ عنہما لم یشہدا دفن النبی صلعم وکانا فی الانصار فدفن قبل ان یرجعا۔ عروہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر و عمر جناب رسولِ خدا کے دفن کے وقت موجود نہ تھے بلکہ وہ انصار کے مجمع میں (تشکیلِ خلافت میں مشغول) تھے ان کی واپسی سے پہلے آنحضرتؐ دفن ہو چکے تھے۔ ملاحظہ ہو کنز العمال ج ۳ ص ۱۴۰، سیرۃ حلبیہ ج ۳ ص ۳۹۲/۳۹۴، تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۹۸/۲۰۱، کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۱۲۳) اس موضوع کی مفصل تحقیق کیلئے ہماری کتاب تجلیاتِ صداقت کی طرف رجوع کیا جائے (منہ عفی عنہ)

و انا الیہ راجعون ۔ ۱۲، ۱۳ ربیع الاول دو دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت ہوتی رہی ۔ ۱۴ ربیع الاول بدھ کی رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سپرد خاک کئے گئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کو امیر مقرر کرنے کی ہمیشہ تاکید فرمایا کرتے تھے ۔ اور اطاعت امیر کے لئے آپ کے ارشادات بے شمار ہیں کتب حدیث کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی زندگی بغیر امیر کے کوئی زندگی نہیں ہے یہاں تک کہ آپ نے دو مسلمانوں کو بھی سفر میں امیر مقرر کرنے کی اس قدر تاکید کی تھی ۔ وہ آپ کے انتقال کے وقت اس فریضہ سے کب غافل ہو سکتے تھے ۔ بالخصوص جب اس بات کو بھی ذہن میں رکھ لیا جائے ۔ کہ عرب کے بدوی قبائل اور ان کے سردار ابھی پکے پورے مسلمان بھی نہیں ہوئے تھے ۔ اسلام کی تعلیم ابھی تک ان کے رگ و ریشہ میں پیوست نہیں ہوئی تھی اور ہر آن جاہلیت کی آزادی کی لذت ابھی تک ان کے دماغوں میں باقی تھی اس لئے خطرہ تھا کہ حضورؐ کی وفات کی خبر کے منتشر ہوتے ہی کہیں بغاوت نہ ہو جائے ۔ جس پر قبضہ پانا نظم و نسق کے بغیر ناممکن ہو جاتا ہے اور نظم و نسق بغیر قوتِ حاکم کے دشوار بلکہ محال ہوتا ہے ۔ پس اس میں تاخیر کی گنجائش نہ تھی ۔ اور دفنِ پیغمبر میں دیر کرنے سے کوئی دینی یا دنیاوی نقصان رونما ہونے والا نہیں تھا ؟

مدیر محترم نے آخر کلام میں آنحضرتؐ کی تکفین و تدفین میں تاخیر کرنے کی جو وجہ تراشی ہے اس پر سر دست تبصرہ کرنا مقصود نہیں ہے ہمیں تو آں کے نقل کلام سے فقط خلیفہ و امام کی لبعد از نبی ضرورت ثابت کرنا مقصود ہے جو انہوں نے لاشعوری طور پر بہت عمدہ طریقہ سے بیان کر دی ہے اس عبارت میں چند مقامات نہایت غور طلب ہیں ۔

(۱) "حضور نبی کریم مسلمانوں کو امیر مقرر کرنے کی ہمیشہ تاکید فرمایا کرتے تھے" (۲) "مسلمانوں کی زندگی بغیر امیر کے کوئی زندگی نہیں ہے" (۳) "صحابہ کرام اس فریضہ سے کب غافل ہو سکتے تھے" (۴) "عرب کے بدوی قبائل پورے مسلمان نہیں ہوئے تھے" (۵) "خطرہ تھا کہ حضورؐ کی وفات کے بعد بغاوت نہ ہو جائے"

مقامِ تامل ہے کہ جس امر کی آنحضرتؐ زندگی بھر دوسرے لوگوں کو تاکید کریں ۔ جس چیز کے بغیر مسلمانوں کی زندگی کوئی زندگی نہ ہو جس چیز کے تقرر کے بغیر لوگوں کے گمراہ ہو جانے کا شدید خطرہ ہو جس کی اہمیت سے صحابہ غافل نہ ہو سکتے ہوں ۔ اور جس کی اہمیت کے پیش نظر تجہیز و تکفین رسولؐ کو معرض التواء میں ڈالا جا سکتا ہے ۔ یہاں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا خود حکیم امت رسولِ اکرمؐ کو بھی اس کی ضرورت کا احساس تھا یا نہ ؟ اگر یہ کہا جائے کہ غافل تھے (معاذ اللہ) تو اس سے لازم آئے گا کہ آپ کی امت آپ

سے زیادہ دور اندیش و فرض شناس ہو۔ (جو کہ بالبداہت باطل ہے اور اگر یہ تسلیم کیا جائے۔ کہ وہ اس مسئلہ کی اہمیت سے واقف تھے۔ تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خلیفہ کے تقرر پر قادر تھے یا نہ؟ مگر یہ تو کہا نہیں جاسکتا۔ کہ قادر نہ تھے۔ ورنہ اُمت کو اُن سے زیادہ صاحب اختیار ماننا پڑے گا۔ جو کہ باطل ہے اور اگر قادر تھے۔ تو پھر کیا انتظام کیا کسے اپنا جانشین مقرر کیا؟ اگر یہ کہا جائے۔ کہ جان بوجھ کر کوئی بندوبست نہیں کیا۔ تو پھر نبوت رخصت کیونکہ جو شخص جان بوجھ کر اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرے۔ وہ خدا کا رسول نہیں ہوسکتا۔ نبی ہو کر جس بات کا دوسروں کو حکم دیں خود اس پر عمل نہ کریں۔

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

بہر حال اب مسلمانوں کو اختیار ہے یا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک نافرض شناس اور ناعاقبت اندیش (خاکم بدہن) قرار دیں یا یہ تسلیم کریں کہ یہ نظریہ بالکل غلط ہے کہ "مضی النبی ولم یوص الی احد" کہ آنحضرتؐ اس حالتِ دار دنیا سے تشریف لے گئے۔ کہ اپنے بعد کسی کو خلیفہ نامزد نہیں کیا تھا۔ (شرح مواقف) اگر رسولِ اسلام کی رسالت کو بچانا ہے۔ تو شیعیان حیدر کرار کے صحیح نظریہ کو اپنانا پڑے گا۔ کہ پیغمبر اسلام اس وقت تک دنیا سے تشریف نہیں لے گئے جب تک ہزاروں کے مجمع عام میں اپنے بھائی حیدر کرار کی خلافت و امامت کا بحکم خدا اعلان نہیں کر دیا۔ یہ لوگوں کی بدبختی تھی۔ کہ خدا و رسولؐ کے مقرر کردہ امام سے انحراف کر کے سقیفائی خلافت کی غلط بنیاد رکھی۔

چھٹی دلیل

متفق علیہ حدیث ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ستفترق امتی علی ثلثۃ و سبعین فرقۃ کلھا فی النار الا واحدۃ منھا ناجیۃ "میری امت کے تہتر گروہ ہو جائیں گے سوائے ایک گروہ کے دیگر تمام جہنم میں جائیں گے جس نبی کی شفقت و رأفت کا یہ عالم ہو کہ خود خداوند خبیر خبر دے حریص علیکم و بالمومنین رؤف رحیم" اس کے متعلق یہ کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ ہمیں آنے والے فتنہ و فساد اور افتراق و انشقاق کی خبر تو دیں لیکن اس سے بچاؤ کی کوئی مناسب تدبیر نہ بتلائیں۔ وہ حکیم و شفیق امت جس نے اپنے اور اپنے یار و انصار کے مقدس خون سے شجر اسلام کو سینچا ہو۔ اس کی تربیت میں اس قدر مصائب و شدائد برداشت کئے ہوں۔ کہ بے ساختہ کہہ اٹھے ہوں "ما اوذی نبی کما اوذیت" کیا یہ ممکن تھا کہ جب اس شجر اسلام کے پھولنے پھلنے کا وقت آئے اس مربی و محافظ کو "رفیق اعلیٰ" میں بلا لیا جائے۔ اور یہ حضرت دبے پاؤں بغیر کوئی محافظ و نگہبان مقرر کئے چلے جائیں۔ اس پر طرہ یہ کہ اُمت کو آنے والے مصائب و آلام کی خبر بھی دے چکے ہوں، کیا ایسا کرنے میں آپ کی رافت و رحمت پر حرف نہیں آتا؟ کیا ایسی صورت میں آپ کی تمام محنت و مشقت کے ضائع و

برباد ہونے کا شدید خطرہ نہ تھا، بھلا کوئی عقل مند انسان ایسا کر سکتا ہے کہ ابتداء میں اس قدر اہتمام و انتظام کرے جس کی نظیر صفحاتِ تاریخ میں ملنا مشکل ہو اور آخر میں اس قدر تغافل و تکاسل برتے؟ اعقل الناس کبھی ایسا کر نہیں سکتا تھا۔ علاوہ بریں یہ بھی محال اگر پیغمبر اسلامؐ نے غفلت بھی کی تھی تو رشد و ہدایت کے متوالے یہ حوصلہ شکن پیش گوئی سننے کے بعد کس طرح خاموش رہ سکتے تھے۔ انہوں نے بھی آنے والے حوادث و اختلافات سے بچنے کے لئے کوئی مناسب تدبیر آپ سے دریافت نہ کی؟ اس سکوت و خاموشی سے تو ان کی عقل و دانش بلکہ دیانت بھی معرضِ خطر میں پڑ جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پیغمبر اسلام نے اپنے فرضِ منصبی کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کی بلکہ اس فرض شناس رسولؐ نے بطریق اتم و احسن اس فریضہ کو انجام دیا۔ چنانچہ آنحضرتؐ ہمیشہ مختلف عناوین سے ضلالت و گمراہی کے آنے والے طوفان سے بچاؤ کی تدابیر سے امت کو آگاہ فرماتے رہتے تھے کبھی فرماتے "مثل اھل بیتی کمثل سفینۃ نوح من رکبھا نجی ومن تخلف عنھا غرق وھوی کبھی فرماتے ہیں۔ مثل اھل بیتی حطۃ فی بنی اسرائیل مثل باب من دخلھا کان آمنا" کبھی یہ فرماتے۔ انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اھلبیتی حتیٰ کہ جب تک اس فریضہ کی ادائیگی سے سبکدوش نہیں ہوئے تکمیلِ دین و اتمامِ نعمت کا تمغہ نہیں ملا۔ اپنی خلافت و وصایت کا فقط قولی اعلان ہی نہیں بلکہ عملی طور پر جب تک اپنے نائب و خلیفہ کا ہاتھ پکڑ کر لوگوں کو دکھا نہیں دیا تب تک تکمیلِ دین کی سند نہیں ملی۔ اُدھر آنحضرتؐ اس بار رسالت سے عہدہ برآ ہوتے ہیں اور ادھر جبرئیلؑ امین تکمیلِ دین و اتمامِ نعمت ربّ العلمین کی سند کی آیت مبارکہ۔ "الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا" لے کر اترآتے ہیں آنحضرتؐ اپنے بار رسالت سے سبکدوش ہونے اور تکمیلِ دینِ مبین ہونے کی نعمتِ عظمیٰ کا بایں الفاظ شکریہ ادا کرتے ہیں: "الحمد للہ علی اکمال الدین واتمام النعمۃ بولایۃ علی ابن ابی طالب" (ملاحظہ ہو ما نزل من القرآن فی علیؑ از حافظ ابونعیم اصفہانی) بفضلہٖ تعالیٰ ان ادلہ و براہین سے روزِ روشن کی طرح واضح و آشکار ہو گیا کہ حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد خلفاء و آئمہ کا تقرر نہ صرف واجب بلکہ اوجب واجبات میں سے ہے۔ اس کے بغیر دینِ مبین اور شریعِ قویم کا دوام و بقاء ناممکن ہے۔ و ہو المطلوب

وجوبِ امامت عقلی ہے!

اس مطلب کے ثابت ہو جانے کے ساتھ مسئلۂ امامت کے دیگر چند اختلافی امور کا بھی تصفیہ ہو جاتا ہے جن کی طرف مقدمہ میں اشارہ کیا جا چکا ہے۔ مثلاً (۱) یہ کہ امامت کا وجوب عقلی ہے یا سمعی؟ گذشتہ بیان سے واضح ہو گیا کہ وجوبِ امامت عقلی ہے جس طرح بحکم عقل سلیم بعثتِ انبیاء واجب و لازم ہے۔ اسی طرح نصب و

تقرر اوصیاء بھی عقلاً واجب و لازم ہے۔

امامت اصول میں داخل ہے!

اسی طرح اس بیان سے اس اختلاف کا بھی فیصلہ ہو گیا کہ آیا امامت اصول میں شامل ہے یا فروع میں داخل؟ حقیقت امر یہ ہے کہ امامت اصول مذہب سے ہے کیونکہ جو چیز اس قدر اہم ہو جس کے وجود کے ساتھ دین کی بقاء و دوام وابستہ ہو اور اس کے بغیر بعثت رسول کی غرض و غایت بلکہ تمام انبیاء و مرسلین کی نبوتیں و رسالتیں اکارت و برباد ہوتی ہوں، تو یقیناً وہ چیز اصول سے ہو گی نہ کہ فروع سے!! اگر اس اجمالی بیان سے کسی کی تسلی نہ ہوئی ہو تو ہم اس پر قدرے مزید روشنی ڈال دیتے ہیں۔ حضرت رسالت مآبؐ کا ارشاد ہے۔ من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاھلیۃ جو شخص مر جائے اور اپنے امام زمانہ کی معرفت نہ رکھتا ہو اس کی موت جہالت (بجہالت کفر و شرک) واقع ہوتی ہے۔ (منصب امامت ص۲۷ طبع لاہور، مسند امام احمد ج ۴ ص۹۶ مطبع میمنیہ مصر، الکلیل الکرامہ فی تبیان مقاصد الامامۃ طبع بھوپال وغیرہ۔)

یہ حدیث شریف امامت کے اصول میں سے ہونے پر قطعی دلیل ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ فروع میں سے کسی امر کے نہ جاننے سے کوئی مسلمان جاہلیت یعنی کفر و شرک کی موت نہیں مرتا۔ بلکہ مسلمان ہی رہتا ہے زیادہ سے زیادہ فاسق ہو جاتا ہے وہ بھی اس وقت جب کوتاہی کرے۔ انہی حقائق کے پیش نظر ابن حزم اپنی کتاب المحلی ج ا صف طبع مصر میں لکھتے ہیں "لا یجوز ان یکون فی الدنیا الا امام واحد فقط ومن مات لیلۃ ولیس فی عنقہ بیعۃ مات میتۃ جاھلیۃ۔ " دنیا میں ایک وقت میں ایک ہی امام ہو سکتا ہے۔ اور جو شخص اس حالت میں ایک رات بھی گزارے کہ اس کی گردن میں امام کی بیعت نہ ہو وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ امامت اصول عقائد میں داخل ہے اگر کسی شخص کو اس بیان سے اطمینان نہ ہوا ہو تو لیجئے ہم اس بارے میں چند بزرگان اہل سنت کی تصریحات پیش کئے دیتے ہیں۔

حضرت قاضی نور اللہ شوشتری علیہ الرحمہ اپنی جلیل القدر کتاب احقاق الحق ج ۱ ص۱۹۸ طبع مصر پر رقمطراز ہیں۔ قد صرح القاضی البیضاوی فی مبحث الاخبار من کتاب المنھاج وجمع من شارحی کلامہ بان مسئلۃ الامامۃ من اعظم مسائل اصول الدین والذی مخالفتھا یوجب الکفر والبدعۃ۔ انتہی یعنی قاضی بیضاوی نے کتاب منہاج کے مبحث اخبار میں اور اس کے شارحین نے لکھا ہے کہ مسئلہ امامت اصول دین کے ان اہم مسائل میں سے ہے جن کی مخالفت موجب کفر و بدعت ہے۔

اسی طرح شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی ازالۃ الخفا ج ا ص ۱ پر لکھتے ہیں۔
(طبع بریلی)

"بعلم الیقین دانستہ شد کہ اثبات خلافت ایں بزرگواراں اصلی است از اصول دین تا وقتیکہ ایں اصل محکم نگیرند ہیچ مسئلہ از مسائل شریعت محکم نشود الخ یعنی یہ بات علم الیقین سے معلوم ہو چکی ہے کہ ان بزرگوار خلفاء راشدین کی خلافتوں کا اثبات ان اصولِ دین میں سے ہے کہ جب تک اسے مضبوطی سے نہ پکڑا جائے۔ اس وقت تک دین کا کوئی مسئلہ درست نہیں ہو سکتا"

امید ہے کہ ان حقائق پر نظر کرنے کے بعد اب امامت کے اصولِ عقائد میں سے ہونے کے متعلق کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہے گا۔ انشاء اللہ۔

امام کا تقرر خدا کے قبضۂ قدرت میں ہے!

نیز سابقہ بیانات سے اس اختلاف کا بھی فیصلہ ہو گیا کہ آیا نصب امام خدا پر واجب ہے یا خلق پر؟ واضح ہو گیا کہ مرتبۂ امامت تالیِ مرتبۂ نبوت ہے جس طرح نصب وتقرر نبی لوگوں کے بس کا روگ نہیں اسی طرح نصبِ خلیفہ وامام بھی ان کے اختیار میں نہیں بلکہ نبی کے تقرر کی طرح خداوندِ عالم کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ وربک یخلق ما یشاء ویختار ما کان لھم الخیرۃ حضرات اہلِ سنت امت پر نصب امام کے واجب ہونے پر یہ استدلال کیا کرتے ہیں کہ حدودِ الٰہیہ کا اجراء اور جہاد کے لئے تجہیز جیوش وغیرہ نظامِ اسلام کی حفاظت کے لئے امت پر واجب ہے چونکہ یہ امور وجود امام پر موقوف ہیں لہٰذا بطور مقدمۂ واجب نصب وتقرر امام امت پر واجب ہو گا؟ یہ استدلال بچند وجہ غلط ہے اولاً کہ یہ کہنا کہ اقامۂ حدود وتجہیز جیوش وبیان اغراض شرعیہ امت پر واجب ہے۔ صحیح نہیں ہے بلکہ یہ تکلیف خود نبی یا اس کے وصی کے متعلق ہے۔ جب یہ امور امت پر واجب نہ ہوئے۔ تو ان کا مقدمہ (نصبِ امام) بھی ان پر واجب نہ ہو گا۔ ثانیاً اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ امور براہِ راست امت پر واجب ہیں جب بھی یہ استدلال غلط ہے کیونکہ واجب کی دو قسمیں ہیں (۱) واجب مطلق مثل صوم وصلوٰۃ وغیرہ اور (۲) واجب مشروط مثل زکوٰۃ، حج اور خمس وغیرہ ظاہر ہے کہ جس واجب کا مقدمہ واجب ہوتا ہے وہ واجب مطلق ہے نہ واجبِ مشروط واضح ہے کہ زکوٰۃ تب واجب ہوتی ہے۔ جب مال خود بخود نصاب تک پہنچ جائے۔ خود مکلف پر اس کا حاصل کرنا واجب نہیں ہے اور اسی طرح حج وخمس کا حکم ہے۔ اسی طرح مذکورہ بالا امور یعنی اقامہ، حدود وغیرہ واجب مشروط ہیں اگر نبی یا امام موجود ہوں تو ان کا وجوب عائد ہو جاتا ہے۔ والا فلا۔

لہٰذا یہ واجب مشروط ہے تو اس کا مقدمہ واجب نہ ہو گا۔ وہو المقصود

امام کیلئے افضل ہونا ضروری ہے!

اسی طرح شرائط امامت میں یہ بھی اختلاف ہے کہ آیا امام کا عصمت و اعلمیت و اشجعیت وغیرہ صفاتِ کمالیہ سے متصف ہونا اور تمام صفات رذیلہ و عیوب خلقیہ و خُلقیہ اصلیہ و فرعیہ سے مبرا و منزہ ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ تو انہی سابقہ حجج باہرہ و دلائل قاہرہ سے اس اختلاف کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ کیونکہ یہ جب ثابت ہو چکا کہ بقاء دین و حفظِ شریعت سیّد المرسلینؐ کے لئے خلاق عالم پر اوصیاء و آئمہ کا نصب و تقرر رسول کے توسط سے لطفاً واجب و لازم ہے تو اسی سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اس مقصدِ عظیم کی انجام دہی کے لئے ضروری ہے۔ کہ خداوند عالم ایک معصوم و اعلم اور اشجع الغرض ہمہ صفت موصوف ہستی کا تقرر فرمائے کیونکہ امام سوائے مرتبۂ نبوت کے باقی تمام مراتب میں نبی کا خلیفہ و جانشین ہوتا ہے اور سوائے اس مرتبۂ خاص کے باقی تمام مراتب و فرائضِ نبوت کی انجام دہی اس کے متعلق ہوتی ہے لہٰذا لازمی ہے کہ خداوند عالم ایک ایسے آدمی کا تقرر فرمائے۔ جو ان امور سے عہدہ برآ ہو سکے۔ ظاہر ہے کہ اگر کوئی بادشاہ کسی آدمی کو کسی جگہ کا حاکم مقرر کرے۔ اور وہ جانتا ہو کہ یہ شخص فرائض حکومت کو انجام نہیں دے سکے گا۔ اور ان کے مصالح و مفاسد کی رعائت سے قاصر رہے گا تو تمام عقلائے روزگار بادشاہ کے اس فعل کی مذمت کریں گے پھر حکیم علی الاطلاق ایسا عبث و بے فائدہ کام کیسے کر سکتا ہے۔ واضح ہے کہ غیر اعلم و غیر اشجع اور غیر معصوم ان فرائض کی انجام دہی سے قطعاً قاصر ہے جو امام کے متعلق ہیں۔ امامت کا تعلق اصول و عقائد اور احکامِ شریعت بیان کرنے، کفار و بغاۃ کی سرکوبی کے لئے جہاد کرنے اور حدودِ شرعیہ کے نفاذ الغرض اسلام اور مسلمانوں کی دینی و دنیوی امور اور فلاح و بہبود کیلئے کام کرنے سے ہے واضح ہے کہ ان امور کا علم و شجاعت اور عصمت وغیرہ سے چولی دامن کا تعلق ہے اور جسم و روح کا رشتہ خلاصہ یہ کہ اگر نبی کی طرح امام بھی ممکن کے تمام صفاتِ جمیلہ سے متصف اور اس کے تمام نقائص و عیوب سے منزہ و مبرا نہ ہو تو اس کے مقرر کرنے کی جو غرض و غایت ہے وہ فوت ہو جائے گی اور اس کا تقرر عبث و بے فائدہ ہو کر رہ جائے گا۔ تعالیٰ عما یقول الظالمون علواً کبیراً۔

باب دوم

شرائط امام

شرائطِ امامت کا بیان

اگرچہ اربابِ عدل وانصاف اور صاحبانِ عقل وخرد کے لئے شرائطِ امام سمجھنے کے لئے یہی مذکورہ بالا اجمالی بیان کافی و وافی ہے لیکن اس موضوع کی اہمیت اور بعض شکی مزاج لوگوں کی تسکین وتسلی کے لئے ہم اس باب میں ذراتفصیل کے ساتھ اس موضوع پر تبصرہ کرتے ہیں اور ذیل میں ان صفاتِ جلیلہ میں سے ہر صفت کے اثبات پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہیں۔ لیحیٰ من حی عن بینتہٖ ویہلک من ہلک عن بینۃ۔

پہلی شرط اعلمیت

مخفی نہ رہے کہ منجملہ ان اختلافات کے جو مسئلہ امامت میں مسلمانوں کے درمیان ہیں ایک اختلاف شرائط امام کے متعلق ہے تمام شیعہ امامیہ اس امر کے قائل ہیں کہ امام کو ہر اس چیز کا جس کی قیامت تک لوگوں کو احتیاج ہے عالم ہونا چاہیئے خلاصہ یہ کہ امام کے لئے اعلم امت ہونا ضروری ہے لیکن ہمارے بعض برادرانِ اسلامی امام میں اعلمیت تو کجا! ان کے بعض علماء تو یہاں تک لکھتے ہیں کہ ایک جاہل بھی امام ہو سکتا ہے۔

اعلمیت امام کے دلائل

اس مسئلہ میں حق شیعہ کے ساتھ ہے۔ اس کے چند مختصر دلائل یہ ہیں (پہلی دلیل) امام وقت حجت خدا ہوتا ہے اطراف واکناف عالم سے تمام لوگ معالمِ دین معارفِ شریعت سید المرسلین اور مذہبی مناظرات وغیرہ کے لئے اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس سلسلہ میں کسی زمان ومکان اور سوال کی کوئی قید نہیں۔ بلکہ تمام لوگوں کو حکم ہے کہ جس وقت چاہیں جس جگہ چاہیں اور جس چیز کے متعلق چاہیں ان سے سوال کریں۔ ان حالات میں عقلِ سلیم وطبع مستقیم قطعی حکم لگاتی ہے کہ امام وقت کو "کل ما یحتاج الیہ الناس" کا عالم ہونا چاہیئے وہ خواہ شریعت اسلامیہ کے متعلق ہو یا شرائع سابقہ سے مرتبط گذشتہ امور سے متعلق ہو یا آئندہ سے کیونکہ ہو سکتا ہے اور کئی دفعہ ایسا ہوا بھی ہے

کہ کوئی شخص امام سے سابقہ شریعتوں کے متعلق سوال کر بیٹھے۔ اگر امام اس کا صحیح جواب نہ دے سکے تو اس کا وجود سوائے اسلام کے لئے باعث ننگ و عار ہونے کے اور کس کام کا ہو سکتا ہے؟ سائل کی نظر میں اس امام کی کیا عزت و عظمت باقی رہ سکتی ہے؟ ایسا امام کس طرح اس شخص پر حجت خدا قرار پا سکتا ہے؟ اس نقص کی بازگشت خود خلاق عالم کی طرف ہو گی کہ اس نے ایک ایسے شخص کو لوگوں پر اپنی حجت قرار دیا۔ جو تمام حجت سے قاصر ہے۔ اس طرح ضروری ہے کہ امام شریعت مقدسہ اسلامیہ کے تمام فرائض و سنن اور حدود و قیود غرضیکہ وہ دین و شریعت کا کامل علم رکھتا ہو۔ اور شرع انور کے ہر کلی و جزوی امر کا کما حقہ، عالم و عارف ہو۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو ممکن ہے کہ بیان شریعت میں غلطی کر جائے فرض کو سنت اور سنت کو فرض قرار دیدے۔ حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دے دے۔ مجرم کو رہا کر دے اور بے گناہ پر حد جاری کر دے۔ (جیسا کہ مسلمانوں کے خلفاء سے کئی مرتبہ ایسا وقوع پذیر ہوا ہے۔ اور بوجہ جہالت دین کے معاملہ میں لوگوں کے جملہ شکوک و شبہات کا ازالہ نہ کر سکے۔ واضح ہے کہ ایسی صورت میں اس کے نصب و تقرر کی جو غرض و غایت ہے، فوت ہو جائے گی اور اس کا تقرر عبث و بے فائدہ ہو کر رہ جائے گی۔ نیز سابق میں بیان ہو چکا ہے کہ امام کے تقرر کے اغراض و مقاصد میں ایک اہم غرض لوگوں کو مسائل و معارف دین مبین کی تعلیم و تلقین کرنا ہے۔ مخفی نہیں کہ یہ غرض جبھی حاصل ہو سکتی ہے کہ امام شریعت اسلامیہ کے تمام معارف و احکام اور تمام رموز و اسرار دین اسلام کا بتعلیم خدائے علام کما حقہ، عالم و عارف ہو کیونکہ یہ امر اپنے مقام پر محقق و مبرہن ہو چکا ہے کہ "فاقد شئی معطی شئی" نہیں ہو سکتا جس کی جیب میں ایک روپیہ نہ ہو وہ کبھی کسی کو دس روپے نہیں دے سکتا۔ جو خود ناخواندہ ہو وہ کبھی معلم و مدرس نہیں بن سکتا۔ بنا بریں جو امام خود تمام احکام شریعت سے واقف نہ ہو وہ دوسرے لوگوں کو کس طرح کتاب و حکمت کے درس دے سکتا ہے اور کس طرح حجت خدا بن کے لوگوں کے عذر قطع کر سکتا ہے بلکہ ایسے امام پر جو بعض مسائل کو جانتا ہو۔ اور بعض سے ناواقف ہو واجب و لازم ہے کہ خود جا کر مسائل دین کی تعلیم حاصل کرے۔ ناقص کسی کی تکمیل نہیں کر سکتا۔ ع

آں خویشتن گم است کرا رہبری کند

دوسری دلیل۔ اسی بیان سے یہ بھی واضح و عیاں ہو گیا۔ کہ امام کو اپنی تمام رعیت سے "اعلم" ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اگر افراد امت میں کوئی شخص اس سے زیادہ عالم موجود ہو تو اس صورت میں خود امام پر اس کی اقتداء و اتباع لازم ہو گی جیسا کہ ہم عنقریب مسئلہ افضلیت امام کے ذیل میں

بیان کریں گے کہ افضل کی موجودگی میں غیر افضل حاکم و امام نہیں ہو سکتا۔ تو پھر ایسا شخص کس طرح اس "اعلم" کا امام و مقتدا قرار پا سکتا ہے؟ اس طرح تو تفضیلِ مفضول بر افضل لازم آئے گی جو عقلاً و شرعاً قبیح ہے؟

تیسری دلیل :- رفع تنازعات میں لوگ مامور ہیں کہ "اولی الامر" یعنی امام وقت کی طرف رجوع کریں، لیکن جب خود ان اختلاف کنندگان میں کوئی ایسا شخص موجود ہو جو اس امام سے زیادہ عالم ہے تو اس امام کا فیصلہ کس طرح اختلاف کو رفع کر سکتا ہے؟ بلکہ اس صورت میں خود امام اس اعلم شخص کے فیصلہ کا محتاج ہو گا۔ ان حالات میں امام کی طرف رجوع کرنے کی جو غرض و غایت ہے وہ حاصل نہیں ہو گی اور ایسے امام کا ہونا بے فائدہ ہو کر رہ جائے گا۔ یہ امور جو ہم نے بیان کئے ہیں خواہ ان کو برہان کہیئے! یا آوازِ وجدان بہر حال ہیں ایسے واضح حقائق کہ کوئی صاحبِ عقل سلیم و طبع مستقیم ان میں ہرگز کسی قسم کا خدشہ و مناقشہ نہیں کر سکتا۔ لیکن خدا بُرا کرے تعصب و عناد کا کہ جب یہ کسی شخص کے اوپر غالب آجاتا ہے۔ تو اس کی خداداد بصارت و بصیرت اور عقل و دانش پر پردے پڑ جاتے ہیں۔ حق و باطل میں تمیز کرنے کی قوت بے کار ہو جاتی ہے اور بڑے بڑے بدیہی امور بھی اس کو کسبی و نظری نظر آتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب اس مرض کا غلبہ ہو جاتا ہے تو صحیح و سلیم کو چھوڑ کر غلط و سقیم کو اختیار کر بیٹھتا ہے۔ اگر آپ کو اس امر میں شک ہو تو آیئے علامہ تفتازانی کی شرح مقاصد ج ۲ ص ۲۷۲ طبع اسلامبول کا مطالعہ کریں۔ لکھتے ہیں۔ فاذا مات الامام و تصدی للامامة من یستجمع شرائطها من غیر بیعة واستخلاف وقهر الناس بشوکته انعقدت الخلافة له وکذا اذا کان فاسقاً او جاهلاً علی الاظهر الخ یعنی جب ایک امام مر جائے۔ اور امامت حاصل کرنے کے لئے ایسا شخص کھڑا ہو جائے۔ جس میں اس کی شرائط موجود ہوں بغیر بیعت اور استخلاف کے اور اپنی طاقت سے لوگوں پر غالب آجائے۔ تو اس کی خلافت و امامت منعقد ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر وہ امیدوار فاسق اور جاہل بھی ہو تو بھی علی الاظہر اس کی خلافت و امامت صحیح ہے؟ فاعتبروا یا اولی الابصار

دوسری شرط عصمت

عصمتِ امام میں مسلمانوں کے درمیان بڑا اختلاف ہے چنانچہ تمام شیعہ امامیہ اس کے قائل ہیں کہ امام کو نبی کی طرح اوّل عمر سے آخر عمر تک تمام صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے اور احکام میں ہر قسم کی خطاء و لغزش سے منزہ و مبرا اور معصوم ہونا ضروری ہے لیکن باقی فرقہ ہائے اسلام اس میں عدالت کو کافی سمجھتے

ہیں بلکہ بعض حضرات تو فاسق و فاجر کو بھی امام تسلیم کرنے میں باک محسوس نہیں کرتے حق یہ ہے
کہ اس مسئلہ میں حق حضراتِ شیعہ کے ساتھ ہے اور اس پر بکثرت دلائل عقلیہ و نقلیہ موجود ہیں
ہم ذیل میں چند عام فہم حجج و براہین ذکر کرتے ہیں، تاکہ اربابِ انصاف پر ہماری صداقت و حقانیت
واضح و آشکار ہو جائے۔ لیکن اصل مطلب پر ادلہ قائم کرنے سے پہلے بطور تمہید عصمت و عدالت
کے معنی اور ان کا باہمی فرق واضح کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ جس سے اس سلسلہ میں بہت سی
غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جائے گا۔

عصمت کی تعریف

عصمت کے معنی لغت میں "منع" یعنی روکنے اور بچانے کے ہیں جیسا کہ آیہ تبلیغ میں وارد ہے۔ "و اللہ
یعصمک من الناس" (اے رسولؐ ولایتِ علیؑ کا بے دھڑک ہو کر اعلان کر دو، خدا تمہیں لوگوں
کے شر سے بچائے گا۔) اصطلاحِ متکلمین میں اس کے معنی میں قدرے اختلاف ہے۔ علماء محققین
نے اس کی یہ تعریف کی ہے "العصمة لطف خفی یفعل اللہ تعالیٰ بصاحبها بحیث
لا یکون لہ داع الی ترک الطاعة و ارتکاب المعصیة مع قدرتہ علیٰ ذلک"
یعنی عصمت ایک ایسا لطفِ خفی ہے کہ جب خلاقِ عالم صاحبِ عصمت پر اس کا اضافہ کرتا ہے تو
اس لطف کی موجودگی میں اس شخص کے اندر اطاعت ترک کرنے اور معصیت کا ارتکاب کرنے کا
داعی و محرک پیدا ہی نہیں ہوتا۔ باوجودیکہ وہ ان امور پر قدرت رکھتا ہے؟

عدالت کی تعریف

عدالت کے لغوی معنی وسعت و استقامت کے ہیں اور اصطلاحِ فقہا میں اس کے یہ معنی بیان کئے گئے ہیں العدالة هی الملکة
الباعثة علی اجتناب الکبائر و الاصرار علی الصغائر (ملخص بعض رسائل شیخ انصاری مرحوم) عدالت
وہ ملکہ ہے جو گناہانِ کبیرہ سے اجتناب اور گناہانِ صغیرہ پر اصرار کرنے سے باز رہنے پر آمادہ کرتا ہے؟

عصمت و عدالت کا باہمی فرق

عصمت و عدالت کی تعریفات سے ان کا باہمی فرق بھی معلوم ہو گیا ہے۔ اس اجمال
کی تفصیل یہ ہے کہ عصمت و عدالت میں چند فرق ہیں (۱) یہ کہ عصمت لطف ہے اور عدالت ملکہ
اربابِ علم جانتے ہیں کہ کسی چیز کا "ملکہ" اس فعل پر بار بار کے تکرار کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ بخلاف
لطف کے کہ اس میں تکرار کی حاجت نہیں ہوتی، بلکہ ابتداءً خدائے علیم و حکیم اپنے مخصوص بندوں پر
اس کا فیضان فرما دیتا ہے۔

دوم :- صاحب عدالت عمداً ترک اطاعت اور ارتکاب معصیت نہیں کرتا لیکن بطور سہو و نسیان اس سے عصیان ہو سکتا ہے بخلاف صاحب عصمت کے کہ اس سے عمداً و سہواً ہرگز خطاء و عصیاں سرزد نہیں ہوتا۔

سوم :- عدالت رخصت بھی ہو سکتی ہے اور پھر عود بھی کر سکتی یعنی ہو سکتا ہے کہ عادل عمداً کسی گناہ کا مرتکب ہو جائے۔ لیکن بعد میں صدق دل سے توبہ کر لے اور اس طرح اس کی کھوئی ہوئی عدالت واپس پلٹ آئے بخلاف معصوم کے کہ اس میں اس امر کا تصور ہی نہیں ہو سکتا۔ کہ اس کی عصمت بھی کبھی زائل ہو جائے اور کبھی عود کر آئے!

چہارم :- عادل سے احکام شرعیہ میں خطا ہو سکتی ہے۔ لہٰذا ممکن ہے کہ وہ بیانِ احکام میں ضلال و اضلال کا شکار ہو جائے لہٰذا ہر حال میں اس کی اطاعت موجب رشد و ہدایت نہیں ہو سکتی۔ بخلاف معصوم کے کہ اس سے احکام وغیرہ تمام حالات میں کبھی بھی خطاء و لغزش نہیں ہوتی۔ اس لئے اس کی اطاعت و پیروی ہر حال میں موجب نجاح و فلاح قرار پا سکتی ہے الی غیر ذالک من الفروق التی تظہر بعد التامل! یہیں سے بعض کم علم و عرفان حضرات مثل فضل ابن روزبہان وغیرہ کے اس نظریہ کی کمزوری نمایاں ہو گئی جنہوں نے عصمت و عدالت میں غلط ملط کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ معصوم کے فرائض سے عادل بھی عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔ لہٰذا امام کے لئے صرف عدالت کافی ہے ہمارے مذکورہ بیان سے اس نظریہ کا بطلان روز روشن کی طرح واضح و عیاں ہو۔

عصمت امام پر ادلہ عقلیہ

دلیل اول چونکہ اوپر ثابت کیا جا چکا ہے کہ نصب و تقرر امام کی غرض و غایت وہی ہے جو بعثت انبیاء کی ہے آئمہ کے وہی فرائض ہیں جو انبیاء کے ہیں اگر فرق ہے تو صرف اس قدر کہ نبی کو خداوندِ عالم کی طرف سے وحی بغیر واسطۂ بشر ہوتی ہے اور امام بواسطۂ نبی احکام الٰہیہ بیان کرتا ہے بالفاظِ دیگر نبی خدا کی طرف سے شریعت لاتا ہے۔ اور امام اس کی تشریح و توضیح اور اس کی حفاظت و حراست کرتا ہے اس سے واضح ہوتا ہے۔ کہ جن دلائل و براہین کی رو سے نبی کے لئے عصمت لازمی و ضروری ہے انہی حجج و براہین کے لحاظ سے امام کے لئے بھی عصمت ضروری ہے تاکہ بیانِ شریعت، تقسیم اموال اور اجراء و حدود میں کسی قسم کی غلطی اور ظلم و زیادتی واقع نہ ہو۔

دلیل دوم :- چونکہ قرآن و حدیث میں امام کی اطاعت مطلقہ واجب قرار دی گئی ہے لہٰذا اگر امام جائز الخطا ہو تو اس کی وجہ سے اس کے ہر امر کی اطاعت کرنے میں بعض اوقات اجتماع

ضدین لازم آئے گا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ امام عدم عصمت کی وجہ سے کبھی کوئی خلاف شرع حکم دے دے اس صورت میں اطاعت امام کے واجب ہونے کے ادلہ کی رو سے اس امر میں بھی اس کی اطاعت واجب ہوگی اور ان ادلہ کی رو سے جو معصیت سے روکتے ہیں اس امر میں اس کی نافرمانی لازم ہوگی لہذا بیک وقت ایک ہی چیز میں امام کی متابعت بھی واجب ہو اور مخالفت بھی لازم یہی اجتماع ضدین ہے جو ناممکن اور باطل ہے۔ پس ماننا پڑے گا۔ کہ امام کو معصوم ہونا چاہیئے تاکہ یہ خرابی لازم نہ آئے۔

دلیل سوم اگر امام کو معصوم نہ مانا جائے بلکہ عمداً یا سہواً اس سے معصیت کے سرزد ہونے کو جائز قرار دیا جائے۔ تو اس صورت میں اس کے اوامرونواھی اور دیگر تعلیمات پہ اعتماد نہیں رہے گا کیونکہ اس صورت میں برابر یہ احتمال رہے گا۔ کہ ممکن ہے وہ بعض حقیقی اوامر کو ترک کر دے۔ اور بعض کو سہواً اپنی طرف سے بڑھا دے یا جس کا حکم دینا تھا۔ اس سے روک دے اور جس سے روکنا تھا اس کا حکم دے دے۔

دلیل چہارم اگر امام کو معصوم نہ مانا جائے بلکہ اسے جائز الخطا تسلیم کیا جائے۔ تو جب وہ کسی غلطی کا ارتکاب کرے تو بمقتضائے وجوب امر بالمعروف ونہی عن المنکر لوگوں پر واجب ہوگا۔ کہ اس کو روکیں اور ٹوکیں حالانکہ بمقتضائے آیات وروایات تمام لوگوں کو اس کی اطاعت مطلقہ کا حکم دیا گیا ہے نہ کہ اس کو روکنے ٹوکنے کا۔

ایضاح:۔ فاضل قوشجی شارح تجرید نے اس دلیل کا جواب دینے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام کی اطاعت صرف ان امور میں واجب ہے جو مخالف شریعت نہ ہوں۔ لیکن وہ امور جو مخالف شرع ہوں۔ ان کو رد کر دیا جائے گا۔ اور اگر ممکن ہوا تو امام کو امر بالمعروف کیا جائے گا ورنہ خاموشی اختیار کی جائے گی۔ فاضل موصوف کی یہ ذہنی اپج درجہ اعتبار سے ساقط ہے۔ انہوں نے اطاعت امام کو جو اس قید کے ساتھ مقید کیا ہے کہ "صرف ان امور میں کی جائے گی جو مخالف شریعت نہ ہوں" یہ قید نصوص قرآن وحدیث کے خلاف ہے۔ کیونکہ قرآن وحدیث میں رسولؐ کی طرح "اولی الامر" یعنی امام کی اطاعت مطلقہ بغیر کسی قید وشرط کے واجب قرار دی گئی ہے۔ بنابریں جب امام سے غیر معصوم ہونے کی صورت میں کوئی خلاف شرع امر سرزد ہو جائے تو اس صورت میں اس کو امر بالمعروف کرنا واجب ہے یا نہیں؟ اگر واجب ہے تو اس سے یہ محذور لازم آئے گا۔ کہ امر بالمعروف کا وجوب ختم ہو جائے گا اور جب یہ تمام شقیں باطل ہیں تو ماننا پڑے گا۔ کہ امام کا معصوم ہونا ضروری ہے۔ وھو المطلوب

ہو تو اس سے یہ خرابی لازم آئے گی کہ امام واجب الاطاعت نہیں رہے گا اور اگر واجب نہ ہو تو

دلیل پنجم اگر امام اپنی رعیت کو اوامر بجالانے اور نواہی سے روکنے کا حکم دے اور خود
بوجہ عدم عصمت اپنی تعلیمات پر عمل پیرا نہ ہو تو وہ ان آیات کی زد میں آجائے گا۔ جو "واعظانِ بےعمل"
کی مذمت میں وارد ہوئی ہیں جیسے "لم تقولون مالا تفعلون کبر مقتاً عند اللہ ان تقولوا مالا
تفعلون"۔ "اتامرون الناس بالبر و تنسون انفسکم" اس طرح لوگوں کی نظروں میں اس کی وقعت
کم بلکہ بالکل ختم ہو جائے گی اور اس کی تبلیغ غیر موثر ہو کر رہ جائے گی۔

دلیل ششم یہ امر محقق و مبرہن ہو چکا ہے کہ تقرر امام خداوند عالم کے اختیار میں ہے وہی
بتوسط نبی امام مقرر کرتا ہے۔ بنابریں کیا خدائے علیم و حکیم کے لئے جائز ہے کہ باوجودیکہ وہ قادر ہے
کہ ایک معصوم ہستی کو امام قرار دے لیکن اس کو ترک کرکے اگر ایک جائز الخطاء کو واجب الاتباع قرار
دے دے تو اس سے بڑھ کر کونسا امر قبیح و شنیع ہو سکتا ہے؟ جس سے اس کی ذات اجل و ارفع ہے
اور ایسا کرنا اس کی حکمت کے منافی ہے۔

دلیل ہفتم :۔ اگر امام سے خطاء و عصیان کا صدور جائز ہو تو اس کے مقرر کرنے کی جو غرض و
غایت ہے وہ فوت ہو کر رہ جائے گی کیونکہ اس شکل میں اس کے جنت و دوزخ وغیرہ کے وعدہ و
وعید سے اعتماد اٹھ جائے گا۔ کیونکہ اس صورت میں یہ احتمال قائم رہے گا کہ ممکن ہے اس نے جنت
وغیرہ کے جھوٹے وعدے دیئے ہوں۔ اور اس طرح اس کی عزت و عظمت لوگوں کی نظروں میں ختم
ہو جائے گی اور وہ اس سے اظہار نفرت کرتے ہوئے دور بھاگیں گے ظاہر ہے کہ اس شکل میں اس
کا تعین و تقرر عبث و بے فائدہ ہو کر رہ جائے گا۔ ظاہر ہے کہ کسی حکیم کے لئے نقض غرض قبیح ہے تو حکیم
علی الاطلاق یعنی خدائے متعال کیونکر ایسا کر سکتا ہے؟

دلیل ہشتم امام باوجودیکہ عقل و فراست اور علم و معرفت کے مدارج عالیہ پر فائز ہوتا ہے
اگر اس کے باوجود گناہ کا ارتکاب کرے۔ تو وہ مرتبہ و منزلت میں عوام کالانعام سے بھی پست تر ہو
جائے گا۔ کیونکہ وہ جو گناہ کرتے ہیں تو ان میں امام کے برابر عقل و دانش اور علم و معرفت نہیں ہوتی
لیکن امام باآں ہمہ عقل و دانش اور علم و معرفت اگر ارتکاب معصیت کرے تو یقیناً وہ ان جہال و
ضلال عوام کالانعام سے بھی بدتر و پست تر قرار پائے گا۔ (معاذ اللہ) پھر وہ کائنات کا ہادی و رہنما کیونکر
ہو سکتا ہے۔ ؟

آں خویشتن گم است کرا رہبری کند؟

اس لئے عقلِ سلیم مجبور کرتی ہے کہ امام کے لئے عصمت ضروری ہے!

ادلہ سمعیہ

دلیل نہم آیت مبارکہ اطیعو اللہ واطیعو الرسول واولی الامر منکم، اسی طرح آیۃ "یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین" وغیرہ آیات جن میں امام کی اطاعت مطلقہ کا مثل اطاعت رسولؐ حکم دیا گیا ہے یہ اس کی عصمت وطہارت کی بیّن دلیل ہیں۔ اس کا بیان وہی ہے جو اوپر دلیل دوم میں گزر چکا ہے۔ فخر الدین رازی ایسے امام المشککین نے بھی اولی الامر اور صادقین کی عصمت پر ان آیات کی دلالت کو تسلیم کیا ہے تاہم یہ اور بات ہے کہ اس نے اس سے مراد اجماع لیا ہے۔ ہم ساتویں باب میں آئمہ کی امامت کے ضمن میں ان کا پورا کلام نقل کر کے اس پر مفصل تبصرہ کریں گے۔ انشاء اللہ جس سے واضح ہو جائے گا کہ "اولی الامر" اور صادقین سے مراد آئمہ اہل بیت علیہم السلام ہیں نہ کوئی اور!

دلیل دہم آیت مبارکہ "لاینال عھدی الظالمین" عصمت امام کی قطعی دلیل ہے۔ خداوند عالم نے حضرت ابراہیمؑ کو مرتبہ نبوت وخلت عطا کرنے کے بعد جب مرتبہ امامت کبریٰ سے سرفراز فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "انی جاعلک للناس اماما" اے ابراہیمؑ میں تمہیں لوگوں کا امام قرار دے رہا ہوں" تو حضرت خلیل الرحمٰن نے اس عہدۂ جلیلہ کی اپنی ذریت میں باقی رہنے کی بارگاہ قدرت میں استدعا کی "ومن ذریتی" بارالہا! میری ذریت میں سے بھی امام بنانا" ارشاد باری ہوا۔ لاینال عھدی الظالمین" اے ابراہیمؑ! میرا عہد (امامت) ظالموں کو نہیں پہنچے گا" یعنی تمہاری ذریت میں سے امام تو ضرور بناؤں گا جس کی بشارت ایک دوسری آیت میں موجود ہے "وجعلھا کلمۃ باقیۃ فی عقبہ" لیکن تمہاری اولاد میں سے جو ظالم ہوں گے۔ ان کو یہ عہدۂ جلیلہ عطا نہیں کروں گا۔ یہ آیۂ وافی ہدایہ اس امر پر نص صریح ہے کہ امامت ایک عہدۂ الٰہی ہے جو ذریت ابراہیمؑ میں سے فقط ان بزرگواروں کو ملے گا۔ جو اول عمر سے آخر عمر تک ہر صغیرہ وکبیرہ گناہ سے مطہر ومعصوم ہوں۔ کیونکہ ہر گنہگار بنص قرآن ظالم ہے "ومن تیعد حدود اللہ فاولئک ھم الظالمون" جو لوگ حدودِ الٰہیہ سے تجاوز کریں گے وہ ظالم ہوں گے"۔ اس آیہ کریمہ نے ظالم کی امامت کی نفی کر دی ہے یہی وجہ ہے کہ ابن جریر نے مجاہد سے اس آیت کے معنی لکھے ہیں "لا اجعل اماما ظالما یقتدی بہ" یعنی میں کبھی کسی ظالم کو امام مقرر نہیں کروں گا جس کی اقتداء کی جائے" اس کی تائید مزید حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی بیان کردہ تفسیر سے بھی ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں ..... "ابطلت ھذہ الایۃ امامۃ کل ظالم الی یوم القیامۃ" یعنی اس آیہ نے قیامت تک ہر ظالم کی امامت کو باطل کر دیا (اصول کافی) ظاہر ہے کہ جو شخص مدت العمر

کسی وقت بھی ظلم کا مرتکب ہو اگرچہ اس کے بعد تائب ہی کیوں نہ ہو جائے۔ وہ ظالم کے عنوان میں داخل ہو جاتا ہے اس لئے ہرگز عہدۂ امامت کو حاصل نہیں کر سکتا۔ لہٰذا اس آیۂ مبارکہ سے واضح ہو گیا کہ امام وہی ہو سکتا ہے جو اول عمر سے آخر عمر تک کبھی کسی گناہ کا مرتکب نہ ہوا ہو۔ بالفاظ دیگر ایسے ہی شخص کو معصوم کہا جاتا ہے۔ غالباً انہی وجوہ سے مجبور ہو کر علامہ فخر الدین رازی نے بھی یہ تسلیم کر لیا ہے کہ یہ آیت عصمت امام پر دلالت کرتی ہے مگر ساتھ ہی یہ کہہ کر گلو خلاصی کرانے کی کوشش کی ہے کہ ہمارے علماء نے اس سے عدالت مراد لی ہے لکھتے ہیں: "فنقول مقتضی الآیۃ ذلک (ای) وجوب العصمۃ ظاہراً و باطناً الا انا ترکنا اعتبار الباطن فتبقی العدالۃ الظاہرۃ" تفسیر کبیر ج ۱ صہ ۴۱۲ طبع الاولیٰ بمصر یعنی ہم کہتے ہیں اس آیت کا تقاضا تو یہ ہے۔ کہ امام کے لئے ظاہری و باطنی عصمت ضروری ہے لیکن ہم نے ظاہر (عدالت) پر اکتفا کرتے ہوئے باطن (عصمت) کو چھوڑ دیا ہے: "تلک عشرۃ کاملۃ" ان ادلہ قاطعہ و براہین ساطعہ سے محقق و مبین ہو گیا۔ کہ انبیاء کی طرح اوصیاء و آئمہؑ کو بھی ہر خطاء و عصیان سے مطہر و معصوم ہونا ضروری ہے۔ وہو المطلوب و قد حصل بعون اللہ الودود۔

اس مقام پر پہنچنے کے بعد ہم چند لمحوں کے لئے ناظرین کرام کی انظار عالیہ کو علماء اہل سنت کے اقوال و آراء کی طرف مبذول کراتے ہیں قاضی ایجی اپنی کتاب مواقف مع شرح صہ ۷۳۲ طبع نولکشور میں اور ابو شا شمس الدین اصفہانی چند اختلافی شرائط امام کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ (واللفظ للمواقف) الخامسۃ ان یکون معصوما شرط الامامیۃ والاسماعیلیۃ ویبطلہ ان ابا بکر لا یجب عصمتہ "یعنی پانچویں شرط یہ ہے کہ امام معصوم ہو۔ یہ شرط امامیہ اور اسماعیلیہ نے عائد کی ہے۔ لیکن اس شرط کو یہ چیز باطل کرتی ہے۔ کہ ابوبکر امام ہے حالانکہ وہ معصوم نہیں سبحان اللہ۔ کیسی محکم اور ٹھوس دلیل ہے پڑھیے اور لطف اندوز ہوجیے یا ان لوگوں کی عقل و دانش پر صف ماتم بچھائیے جن کی چشم بصیرت کو اپنے خلفاء کی محبت نے ایسا اندھا کر دیا ہے کہ دعویٰ اور دلیل میں تمیز بھی نہیں رہی۔ یہ صاف طور پر مصادرہ علی المطلوب ہے جو تمام عقلاء کے نزدیک باطل ہے۔ اسی طرح فاضل تفتازانی شرح عقائد نسفیہ مع شرح خیالی صہ ۱۳۳ طبع مصر پر لکھتے ہیں۔ "ولا ینعزل الامام بالفسق ای بالخروج عن طاعۃ اللہ و الجور ای الظلم علی عباد اللہ لانہ قد ظہر الفسق و انتشر الجور من الائمۃ و الامراء بعد الخلفاء الراشدین والسلف کانوا ینقادون لہم" یعنی امام فسق یعنی خداوند عالم کی اطاعت سے خارج ہو جانے اور جور یعنی مخلوق خدا پر ظلم و ستم کرنے کی وجہ سے عہدۂ امامت سے معزول نہیں

ہو سکتا۔ (دلیل یہ ہے) کہ خلفاء راشدین کے بعد جو ائمہ وامراء (بنی امیہ و بنی عباس) گزرے ہیں۔ ان سے مختلف قسم کے فسق و فجور اور ظلم وجور ظہور پذیر ہوئے لیکن بایں ہمہ ہمارے اسلاف ان کے مطیع و منقاد رہتے تھے۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ جب ناقابل رد دلائل عقلیہ و سمعیہ سے امام کے لئے ان شرائط کا لزوم ثابت ہو گیا۔ تو جس مدعی امامت میں یہ شرائط موجود نہ ہوتے اس کی امامت سے دست برداری اختیار کی جاتی کیونکہ اذا فات الشرط فات المشروط۔ مگر یہ لوگ کچھ اس اندھی تقلید میں گرفتار ہیں کہ عقل و شرع سے تو دست برداری اختیار کر لیتے ہیں، مگر اپنے خود ساختہ فاقد شرائط خلفاء و ائمہ کی امامت سے دست بردار نہیں ہوتی۔ ع

ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بہ کجا

حضرات علماء اہل سنت کی تلون مزاجیوں کے بعض نادر نمونے

جب یہ حضرات عصمت امام کے ان دلائل قاطعہ کا کوئی علمی جواب پیش نہیں کر سکتے تو مختلف کروٹیں بدلتے ہیں اور اپنا پیچھا چھڑانے کے لئے عجیب و غریب چالیں چلتے رہیں۔

پہلی تلون مزاجی

کبھی تو نقضی جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر امام کے لئے معصوم ہونا ضروری ہے تو پھر علماء دین اور راویان اخبار سید المرسلین کو بھی معصوم ماننا ضروری ہوگا۔ یہ ایسا بودہ ایراد ہے جو وہی لوگ کر سکتے ہیں جن میں بات سمجھنے کی اہلیت نہ ہو ورنہ ہر عقل مند آدمی سمجھ سکتا ہے کہ اس ایراد کو ہمارے محل نزاع سے کچھ بھی مربوط نہیں ہے یہ محض ایک قیاس ہے اور وہ بھی قیاس مع الفارق جو تمام امت حتیٰ کہ خود قیاس کے قائلین کے نزدیک بھی باطل ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرات شیعہ صرف ان ذوات مقدسہ کے لئے عصمت کو ضروری سمجھتے ہیں، جن کو خلاق عالم بلا واسطہ بطور نبی و رسول یا بالواسطہ بطور اوصیاء و آئمہ اپنے دین مبین کی تبلیغ اور اتمام حجت کے لئے مقرر فرماتا ہے۔ ایک طفل ممیز بھی سمجھ سکتا ہے۔ کہ عام اہل علم اور راویان اخبار کو انبیاء و آئمہ کے مناصب عالیہ اور فرائض سامیہ سے کچھ بھی نسبت نہیں ہے پھر کس بناء پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر امام کے لئے عصمت ضروری ہے۔ تو علماء اور راویوں کو بھی معصوم ہونا چاہیئے۔ یہ بات تو بالکل ایسی ہے جیسے کوئی شخص عصمت نبی کا انکار کرتے ہوئے یہ کہدے کہ اگر ان کے لئے عصمت ضروری ہے۔ تو پھر تمام علماء ابرار اور راویان اخبار کو بھی معصوم ہونا چاہیئے۔ انبیاء و آئمہ کے فرائض قریب قریب

قریباً ایک جیسے ہیں جیسا کہ قبل ازیں اس پر تبصرہ کیا جا چکا ہے، جن بعض احادیث میں علماء عظام کو وارثانِ انبیاء علیہم السلام قرار دیا گیا ہے۔ علماء محققین کے نزدیک اُن سے مراد آئمہ دین ہیں جو حقیقی طور پر علماء دین کہلانے کے مستحق ہیں نہ وہ جن کو عرفِ عام میں علماء کہا جاتا ہے۔ اگر بالفرض اس سے تمام علماء مراد لئے جائیں تب بھی اس سے ہمارے مقصد پر کوئی زد نہیں پڑتی کیونکہ اس وراثت سے مراد صرف وراثتِ علم ہے یعنی علماء کرام بقدر وسعتِ ظرف انبیاء علیہم السلام کے وارث ہوتے ہیں اور بقدرِ وسعتِ عقول وافہام ان کے انوارِ علمیہ سے اپنے قلوب کو منور کرتے ہیں اس کا یہ مطلب تھوڑی ہے۔ کہ وہ انبیاء کے تمام فرائض ومدارج اور منازل ومراتب میں بھی ان کے وارث وشریک ہیں تاکہ انبیاء کی عصمت کے ادلہ ان پر منطبق ہوسکیں۔

دوسری تلون مزاجی

جب اس طرح بھی کام نہیں چلتا تو آخرکار یہ کہہ کر ٹال دیتے ہیں کہ عصمت خاصۂ انبیاء ہے ہم غیر انبیاء کو معصوم تسلیم نہیں کرتے۔ مگر ع

بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں ملتی

جب ان سے عصمت کے خاصۂ انبیاء ہونے کے متعلق دلیل طلب کی جاتی ہے ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین؟ تو ان کا جواب ان کی خاموشی ہوتی ہے ع

ناطقہ سر بگریباں ہے کہ اسے کیا کہیئے

ہم نے جہاں تک تتبع وتفحص کیا ہے ہمیں اس قسم کی کوئی آیت یا صحیح روایت نہیں مل سکی جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ عصمت خاصۂ انبیاء ہے اگر ان مدعیان کے پیشِ نظر اس سلسلہ میں کوئی آیت یا روایت ہو تو براہِ کرم اس کی نشاندہی کریں۔ ہم ان کے ممنونِ احسان ہوں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ عصمت انبیاء عقلی ہے ادلہ عقلیہ مجبور کرتے ہیں۔ کہ انبیاء کو معصوم ہونا چاہیئے ورنہ اس سے اس قدر مفاسد لازم آئیں گے۔ جن کا احاطہ کرنے سے قلم وزبان عاجز وحیران ہے اس کے متعلق سمعی یعنی قرآن وحدیث کی کوئی نص صریح موجود نہیں جو یہ بتلائے۔ کہ انبیاء کو ضرور معصوم ہونا چاہیئے۔ جب یہ واضح ہوگیا کہ ادلہ عقلیہ کی بناء پر ان کی عصمت ضروری ہے تو اصول کے مسلمہ قاعدہ کے بموجب کہ "العلۃ تعمم وتخصص"۔ یعنی علت تعمیم بھی دیتی ہے اور تخصیص بھی۔ مثلاً جب یہ کہا جاتا ہے کہ "الخمر حرام لانہ مسکر" یعنی شراب حرام ہے کیونکہ وہ نشہ آور ہے۔" تو جب اس کی حرمت کی علت نشہ کو قرار دیا گیا۔ تو اس سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ جس چیز میں نشہ پایا جائے گا وہ حرام ہوگی خواہ بھنگ ہو یا چرس وغیرہ پس جب واضح ہوگیا کہ اگر انبیاء کو معصوم نہ مانا

جائے تو فلاں فلاں مفاسد لازم آئیں گے۔ تو اب دیکھیں گے کہ جہاں جہاں وہ مفاسد لازم آئیں گے۔ وہاں وہاں عصمت کو ضروری سمجھا جائے گا۔ یعنی جہاں بھی عصمت انبیاء کی علت موجود ہوگی وہاں عصمت ضروری ہوگی۔ یہ بات محتاج بیان نہیں کہ جن علل واسباب کی وجہ سے انبیاء کے لئے عصمت ضروری ہے۔

وہی علل واسباب آئمہ میں بھی موجود ہیں تو لامحالہ انبیاء کی طرح ان کو بھی معصوم تسلیم کرنا پڑے گا۔

بعض سنی علماء کا اعترافِ حق

یہی وجہ ہے کہ بعض منصف مزاج علماء اہلِ سنت کو مجبوراً یہ اقرار کرنا پڑا کہ معصمت خاصۂ انبیاء نیست

چنانچہ ملا محمد معین لاہوری اپنی کتاب دراسات اللبیب مطبوعہ لاہور ص ۱۹۹ پر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا قول حضرت مہدیؑ کی عصمت کے متعلق نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں" منبہ الشیخ القدوۃ فی ھذا الکلام علی ان ثبوت العصمۃ لغیر الانبیاء علیھم الصلوۃ والسلام جائز لم ینتقض دلیل من الشرع علی استحالتھا فی غیرھم الخ (الی ان قال) فلیست العصمۃ من خواصھم" یعنی شیخ مقتداء (محی الدین) نے اپنے اس کلام میں اس امر پر تنبیہ کی ہے۔ کہ غیر انبیاء کے لئے عصمت کا ثابت ہونا جائز ہے کیونکہ غیر انبیاء میں عصمت کے محال اور ناممکن ہونے پر کوئی شرعی دلیل قائم نہیں ہوئی" (کچھ سطور کے بعد بطور نتیجۂ کلام لکھا ہے) معلوم ہوا کہ عصمت انبیاء کے خواص میں سے نہیں ہے" الحمد للہ علی وضوح الحق والحقیقہ۔

عصمت کو خاصۂ انبیاء بتانے والوں کے دعویٰ کی حقیقت

اے کاش! کہ عصمت کو خاصۂ انبیاء بتلانے والے کم ازکم انبیاء ہی کو معصوم سمجھتے لیکن بموجب "ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور" یہ حضرات کہنے کو تو کہہ دیتے ہیں کہ عصمت انبیاء کا خاصہ ہے" لیکن عملاً اس کے مخالف نظر آتے ہیں جیسے شک ہو وہ یہ دیکھے۔ یہ کن کتابوں میں مذکور ہے۔ (۱) کہ ما کذب ابراھیم الاثلاث کذبات؟ حضرت ابراہیمؑ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا مگر صرف تین مرتبہ (بخاری شریف) (۲) یہ کس مذہب کے علماء لکھتے ہیں کہ جب ملک الموت قبض روح کے لئے حضرت موسیٰؑ کے پاس آیا تو آپ نے ایک ایسا طمانچہ ان کے چہرہ پر رسید کیا کہ ان کی ایک آنکھ جاتی رہی (بخاری شریف) (۳) یہ کس مذہب کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت یوسفؑ نے زلیخا کے ساتھ ایک دفعہ زنا کا ارادہ کیا۔ بند شلوار کھول دی۔ اس اثناء میں خدا نے حضرت

یعقوب کو ان کے سامنے پیش کیا۔ انہوں نے کہا بیٹا! تمہارا نام تو فہرستِ انبیاء میں درج ہے اور تم زنا کرتے ہو۔ (العیاذ اللہ) تب باز آئے (قصص الانبیاء ثعلبی، ص۸۳) (۸) نیز یہ کس مذہب کی کتب میں مذکور ہے کہ چالیس برس تک ختمی مرتبت اپنی قوم کے دین (کفر) پر تھے (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۰۲ طبع ۱۹۹۰ء) یہ کس مذہب کی کتابوں میں مسطور ہے۔ کہ حضرت داؤد اوریا نامی شخص کی عورت کو دیکھ کر اس پر فریفتہ ہو گئے اور اس کے شوہر کو جنگی مہم پر روانہ کر دیا تاکہ اس کی عورت پر قبضہ کر سکیں (معاذ اللہ) قصص الانبیاء ثعلبی ص ۱۹۶ طبع مصر) (۹) یہ کس مذہب کے علماء نے لکھا ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد فضیخ میں چند رفقاء کے ساتھ بیٹھ کر شراب نوشی کی۔ خاک بدہن قائل (جذب القلوب) (۱۰) کس مذہب سے تعلق رکھنے والے علماء نے کتاب تخطیۃ الانبیاء (انبیاؤں کی خطائیں) تحریر کی؟ آخر قاضی عبدالجبار سُنّی عالم ہی تو اس کے مولف ہیں اور اس منحوس کتاب کا جواب باصواب کس مذہب کے علماء نے لکھا؟ دنیا جانتی ہے کہ اس میدان میں سینہ سپر ہونے والے جناب سید مرتضےٰ علم الہدیٰ اور ان کے بعد دیگر علماء امامیہ ہی تھے! بہتر ہے کہ علماء اہلِ سُنّت اپنے اصلی نظریہ کی وضاحت و صراحت کرتے ہوئے یہ اعلان کر دیں کہ انبیاء کو معصوم جاننا شیعوں کا ہی خصوصی عقیدہ ہے۔

اندکے غمِ دل بتو گفتیم و بدل ترسیدم
کہ آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

ایک ایراد کا جواب[1]

اس مقام پر مخالفین کی طرف سے عموماً ایک اشکال پیش کیا جاتا ہے جسے ہم مع جواب حاشیہ فلک النجاۃ ص۲۰۷ سے یہاں نقل کرتے ہیں "بعض مخالفین عصمت کے شرط نہ ہونے کے ثبوت میں جناب امیر کا فرمان پیش کرتے ہیں" لابد للناس من امیر برّ او فاجر یعنی لوگوں کے واسطے ایک امیر نیک یا بد کا ہونا ضروری ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت امیرؑ نے ان خوارج کے مقابلہ میں یہ فرمایا۔ جو نصب رئیس یا امیر کے منکر تھے نہ معاویہ کے قائل اور نہ جناب امیرؑ کے معتقد تھے اس لئے بدلیلِ عقلی ان کی تردید فرمائی کہ ریاست و انتظامِ سیاست بھی بغیر نصب رئیس کے ناممکن ہے خواہ نیک ہو یا بد تو تم بالکلیۃ امیر مقرر ہونے سے کیونکر انکار کرتے ہو۔ درحقیقت حضرت نے امامت فاجر کی حقانیت بیان نہیں فرمائی ورنہ معاویہ کی امامت کو تسلیم فرماتے اور مذمت نہ کرتے۔ اور اس قدر مذمت اس کی جو فرمائی نہ فرماتے اور نیک نہیں تو فاجر امیر تو تھا۔ اور جو متواتر احادیث آئمہ اشتراطِ عصمت پر دال ہیں جن کے مقابلہ میں یہ قول قوتِ معارضہ نہیں رکھتا اگر صحت اس کی ثابت ہو تو وہی معنی ہو گا جو بیان ہوا ہے۔ اس واسطے یہاں امیر کا لفظ فرمایا نہ امام کا۔" منہ عفی عنہ

تیسری شرط شجاعت

کئی بار اس بات کا اظہار کیا جا چکا ہے کہ خلیفہ و امام کے وہی فرائض و وظائف ہوتے ہیں جو اس کے مستخلف (یعنی رسول) کے ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ نبی کے فرائض میں بیانِ شریعت کے بعد جو سب سے زیادہ اہم فریضہ ہے وہ ہے کفار و مشرکین سے جہاد، ظالموں سے قصاص اور مجرموں پر شرعی حدود کا اجراء۔ لہٰذا اسی طرح یہ چیز خلیفہ و امام کے فرائض میں بھی مرکزی حیثیت رکھتی ہے ظاہر ہے کہ یہ بات اس وقت تک پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتی جب تک امام شجاع بلکہ اشجع نہ ہو۔ تاکہ وہ بلا خوف لومۃ لائم کفار و بغاۃ کی سرکوبی کر کے دین کا بول بالا اور بلا جھجک مجرموں کا منہ کالا کر سکے۔ اور اس کی شجاعت و دلیری مسلمانوں کے لئے نمونۂ عمل بن سکے۔ لہٰذا عقل سلیم یہ فیصلہ کرتی ہے کہ امام کو ایسا شجاع، قوی القلب، ثابت الجاش اور عزم و ارادہ کا ایسا مضبوط اور کوہِ گراں جیسا ہونا چاہئیے۔ اگر پوری دنیا اس کے مقابلے میں نکل آئے تو اس کے دل میں خوف و ہراس پیدا نہ ہو۔ اور بایں ہمہ اس کا جو قدم اٹھے وہ آگے کی طرف اٹھے، پیچھے نہ ہٹے۔ تاکہ اسلام و مسلمانوں کی عزت و عظمت کو چار چاند لگ جائیں۔

اگر ایسا نہ ہوا بلکہ امام کمزور اور بزدل ہوا تو اس سے اسلام کی نکبت، مسلمانوں کی رسوائی اور امام پر جگ ہنسائی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ جس کو اسلام سے زیادہ اپنی جان عزیز ہو وہ تو اسلام کا معمولی خیرخواہ بھی نہیں ہو سکتا۔ وہ اس کا سربراہ کیونکر ہو سکتا ہے؟

جو ایسا رقیق القلب ہو کہ مجرم پر حد و تعزیر جاری کرتے وقت اس کے ہاتھ کانپنے لگیں، نبضیں چھوٹنے لگیں اور آنکھیں پتھرانے لگیں وہ نظامِ شریعت کو کیونکر چلا سکتا ہے۔ اور مظلوم و بے کس کی دادرسی کیونکر کر سکتا ہے۔ اور اس کا عمل و کردار لوگوں کے لئے نمونہ کی حیثیت کیونکر اختیار کر سکتا ہے؟

چوتھی شرط ہاشمیت

امام کے لئے باعتبار نسب نہ صرف قریشی بلکہ ہاشمی ہونا ضروری ہے۔ امام کے لئے قریشی ہونے کی شرط پر تو تمام فرقہ ہائے اسلام کا اتفاق ہے۔ ہاں البتہ خوارج نے اپنی عادت کے مطابق اس مسلم الثبوت شرط میں بھی اختلاف کیا ہے لیکن روایاتِ متواترہ اور تمام مسلمانوں کے اتفاق کے مقابلہ میں ان کے اختلاف کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ بہر حال تمام صحابہ و تابعین اور جمیع مسلمین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ خلیفہ و امام قریش کے علاوہ کسی اور خاندان سے نہیں ہو سکتا۔ ہاں البتہ اگر ان کے درمیان اختلاف ہے تو صرف دو چیزوں میں ایک اس امر میں کہ آیا یہ شرط عقلاً لازم ہے یا محض تعبداً و تبرکاً ہے دوسرے

اس امر میں کہ آیا امام کے لئے خاندانِ قریش کی کسی بھی شاخ سے ہونا کافی ہے یا بالخصوص بنی ہاشم میں سے ہونا ضروری ہے؟

امر اوّل کے متعلق اکثر علماء کا یہ خیال ہے کہ یہ شرط محض تعبدی ہے لیکن حق یہ ہے کہ یہ شرط عقلی ہے جیسا کہ ابھی ذیل میں واضح ہوگا دوسرے امر میں حضرات شیعہ امامیہ اور دیگر مذاہب اسلام مختلف الخیال ہیں یعنی حضرات امامیہ ہاشمی ہونے کی شرط کو عقلاً و نقلاً ضروری سمجھتے ہیں اور دوسرے مسلمان فقط قریشی ہونے کو کافی جانتے ہیں۔

اس شرط کے اثبات پر عقلی وسمعی دلائل

حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلہ میں بھی فرقۂ شیعہ حق بجانب ہے ابھی اوپر تیسری شرط کے ضمن میں ادلۂ عقلیہ ونقلیہ سے ثابت کیا جا چکا ہے۔ کہ امام کے لئے تمام امت سے بہر لحاظ افضل واشرف ہونا لازم ہے ظاہر ہے کہ منجملہ ان امور کے جن کو کسی شخص کی فضیلت میں دخل ہے ایک نسب بھی ہے۔ چنانچہ اگر کسی شخص میں دوسری تمام جہاتِ فضل وکمال موجود ہوں لیکن باعتبارِ نسب رذیل ہو۔ تو اس کو علی الاطلاق افضل نہیں کہا جاسکتا۔ اور جو لوگ نسب میں اس سے عالی ہیں وہ ہرگز اس کی اطاعت وپیروی کے لئے آمادہ نہیں ہوتے بلکہ اس سے اپنی طبعی نفرت وکراہت کا اظہار کرتے ہیں لہٰذا اگر خدا کسی معمولی خاندان سے تعلق رکھنے والے انسان کو امام مقرر کردے۔ تو اس کے تقرر و تعین کی جو غرض وغایت ہے وہ ضائع وبرباد ہو جائے گی لہٰذا عقلِ سلیم یہ فیصلہ کرتی ہے کہ امام کو نسب کے لحاظ سے تمام لوگوں سے عالی وافضل ہونا چاہیئے۔ چنانچہ فیلسوفِ مورخین ابن خلدون اپنے مقدمہ تاریخ صد ۱۹۵ طبع مصر پر دیگر شروطِ امام کا ذکر کرنے کے بعد اس شرط کے سلسلہ میں لکھتے ہیں۔

"ونحن اذا بحثنا عن الحكمة فی اشتراط النسب القرشی ومقصد الشارع منه لم يقتصر فيه على التبرك بوصلة النبی صلی الله عليه وسلم كما هو فی المشهور الخ.....

(الی ان قال) واذا سبرنا وقسمنا لم نجدها الا اعتبار العصبية التی تكون بها الحماية والمطالبة ويرتفع الخلاف والفرقة بوجودها لصاحب المنصب فتسكن اليه الملة واهلها وينتظم حبل الالفة فيها" الخ

یعنی جب ہم نے امام میں قریشی النسب ہونے کی شرط کی حکمت اور اس سے شارعؑ کا جو مقصد وابستہ ہے کے متعلق چھان بین کی تو معلوم ہوا کہ اس میں فقط آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رشتہ داری کے ساتھ تبرک حاصل کرنے پر اکتفا نہیں کی گئی جیسا کہ مشہور ہے (پھر اس کی حکمت

کے متعلق لکھتے ہیں، جب ہم نے اس میں جو حکمت و مصلحت پوشیدہ ہے اس کے معلوم کرنے کی کوشش کی تو سوائے "عصبیت قومیہ" کے اور کسی چیز کو نہ پایا وہی عصبیت جس کی وجہ سے (واجب الحفاظت چیزوں کی) حمایت و حفاظت کی جاتی ہے اور (اپنے جائز حقوق کا) مطالبہ کیا جاتا ہے اور جب وہ صاحب منصب (امامت وغیرہ) میں پائی جائے تو لوگوں سے اختلاف و افتراق مرتفع ہو جاتا ہے (اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ) ملت و اہل ملت کا اس کی طرف میلان ہو جاتا ہے اور الفت و اتحاد کی رسی محکم ہو جاتی ہے" (برخلاف اس کے اگر امام کسی پست قوم سے ہوا. تو نتیجہ اس کے برعکس ہوگا۔

پہلی دلیل ابن خلدون کے اس بیان نیر البرہان سے واضح و عیاں ہو گیا کہ یہ شرط عقلاً ضروری ہے اور اس مطلب کے اثبات کے ساتھ ساتھ دوسرے مسئلہ یعنی شرط "ہاشمیت" کا تصفیہ بھی ہو گیا، کیونکہ جب ثابت ہو گیا کہ شرافت نسبی بھی افضلیت میں دخیل ہے اور امام کے لئے ہر لحاظ سے افضل الناس ہونا ضروری ہے تو اس سے حضرات شیعہ کے نظریہ کی صحت و صداقت بھی معلوم ہو گئی کیونکہ کتب فریقین سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ تمام روئے زمین کے شعوب و قبائل میں سے قریش افضل ہیں اور پھر قریش سے بنی ہاشم افضل و اشرف ہیں. نتیجہ ظاہر ہے کہ بنی ہاشم باعتبار نسب تمام اہل عالم سے افضل و اعلیٰ ہیں اگر کسی کو شک ہو تو وہ صواعق محرقہ صفحہ ۱۸۶ طبع مصر جدید ملاحظہ کر کے اپنے شک و شبہ کا ازالہ کر سکتا ہے مرقوم ہے۔

"اخرج مسلم والترمذی وغیرھما عن واثلۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اللہ اصطفی کنانۃ من بنی اسماعیل واصطفی من بنی کنانۃ قریشا واصطفی من قریش بنی ھاشم واصطفانی من بنی ھاشم الخ یعنی مسلم و ترمذی وغیرہما نے واثلہ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا. کہ خداوند عالم نے اولاد اسماعیل میں سے بنی کنانہ کو منتخب کیا۔ اور پھر بنی کنانہ میں سے قریش کو اور پھر قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو منتخب فرمایا" اسی صفحہ ۱۸۶ پر لکھا ہے۔

"اخرج احمد و محاملی والمخلص والذھبی وغیرھم عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال جبرئیل علیہ السلام قلبت الارض مشارقھا ومغاربھا فلم اجد رجلا افضل من محمد صلی اللہ علیہ وسلم و قلبت الارض مشارقھا و مغاربھا فلم اجد بنی اب افضل من بنی ھاشم" یعنی امام احمد محاملی. مخلص

اور ذہبی وغیرہم نے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ حضرت رسولِ خُدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے زمین کے مشارق و مغرب کو الٹا پلٹا ہے مگر کسی آدمی کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل نہیں پایا اور میں نے مشارق و مغارب کی گردش کی لیکن کسی باپ کے بیٹوں کو بنی ہاشم سے افضل نہ پایا؟

دوسری دلیل نیز ہم عنقریب نصوص امامت آئمہ اہل بیت علیہم السلام کے ضمن میں ثابت کریں گے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشہور و متفق علیہ حدیث کہ "یکون بعدی اثنا عشر ائمۃ .... کے بعض طرق و اسناد میں "کلھم من بنی ھاشم" وارد ہوا ہے۔ پس یہ اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ امامت خاندان قریش میں سے فقط قبیلۂ بنی ہاشم میں منحصر ہے

تیسری دلیل "نہج البلاغۃ ج ۲ ص ۳۷ طبع مصر پر حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا یہ ارشاد موجود ہے فرماتے ہیں" ان الائمۃ من قریش غرسوا فی ھذا البطن من ھاشم لا تصلح علی سواھم ولا تصلح الولاۃ من غیرھم یعنی آئمہ (علیہم السلام) قریش کے اسی قبیلۂ ہاشم میں مقرر کئے گئے ہیں خلافت و امامت ان کے علاوہ کسی اور کے لئے سزاوار نہیں ہے اور نہ ان کے علاوہ اور کوئی شخص والی وحاکم بننے کی صلاحیت رکھتا ہے؛ حضرت امیر علیہ السلام کے فرمان واجب الاذعان سے بھی اس امر کی تاکید اکید بلکہ تصریح صریح مل گئی۔ جب عقل و نقل کی رو سے اس شرط کا لزوم ظاہر و باہر ہوگیا۔ تو اب کسی مسلمان کو اس کے قبول کرنے میں کسی قسم تامل و تردد کی کوئی گنجائش نہیں رہتی: اذا قضی اللہ و رسولہ امرا ما کان لھم الخیرۃ:

لطیفہ حضرات اہل سنت نے اس شرط کے انکار کا جو پہلو اختیار کیا ہے وہ قابل دید ہے چنانچہ شرح عقائد تفتازانی ص ۱۱۳ طبع نولکشور لکھنؤ پر مرقوم ہے ولا یشترط ان یکون ھاشمیا او علویا لما ثبت بالدلائل من خلافۃ ابی بکر و عمر و عثمان مع انھم لم یکونوا من بنی ھاشم انتہی یعنی امام میں یہ شرط نہیں کہ وہ ہاشمی یا علوی ہو کیونکہ دلائل سے ابوبکر، عمر اور عثمان کی خلافت ثابت ہے۔ باوجودیکہ وہ بنی ہاشم سے نہ تھے؛ برادرانِ اسلام کی بے بضاعتی و بے چارگی نہایت قابلِ رحم ہے وہ جب ہمارے حجج و براہین کے مقابلہ کی تاب نہیں لا سکتے تو خلافتِ شیخین کو سپر بنا کر منہ چڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کی یہ سپر

تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ بودی اور کمزور ہے (وان اوھن البیوت لبیت العنکبوت) اربابِ بصیرت پر مخفی نہیں کہ شیخین کی خلافت درست ہے یا نہ؟ یہ ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے درمیان محلِ کلام اور موردِ نقض وابرام ہے اس کا صحیح ہونا ان حضرات کا دعویٰ ہے لہٰذا ہمارے مقابلہ میں اپنے دعویٰ کو دلیل کے طور پر پیش کرنا انکی انتہائی کمزوری اور بے مائگی کی دلیل ہے۔

اربابِ علم و اطلاع پر مخفی و مستور نہیں ہے۔ علمی اصطلاح میں اس چیز کو مصادرہ علی المطلوب کہتے ہیں۔ جو بالاتفاق باطل ہے۔ ہم عنقریب آئندہ بیانات میں ان حضرات کی خلافت کا بطلان واضح وعیاں کریں گے جس سے ان کے اس استدلال کا بالکل قلع قمع ہو جائے گا انشاء اللہ فانتظروا انی معکم من المنتظرین۔

پانچویں شرط افضلیت

امام کو تمام صفاتِ کمال میں اپنی رعیت سے افضل ہونا چاہیئے مثل دیگر صفات کے اس صفتِ جلیلہ میں بھی مسلمانوں کے درمیان اختلاف ہے تمام شیعہ امامیہ اس امر کے قائل ہیں کہ امام کے لئے عقل و دانش، علم و معرفت عفت و عصمت، سیاست و فراست، شہامت و شجاعت، صداقت و سخاوت اور اطاعت و عبادت تدبیر حرب و ضرب غرضکہ تمام صفات کمالیہ میں وحید عصر و فرید دہر و مقتدائے جمیع فضلائے روزگار اور دُنیا کا مکمل ترین انسان ہونا لازم ہے دیگر فرقہ ہائے اسلام کے اقوال و آراء اس مسئلہ میں بہت مختلف نظر آتے ہیں۔ کبھی یہ کہتے ہیں کہ تفصیل مفضول بر فاضل و ترجیح مرجوح بر راجح (یعنی افضل کی موجودگی میں اس کو نظر انداز کر کے غیر افضل کو حاکم و امام مقرر کرنا۔) جائز ہے اور دلیل میں خلافت حضرت ابوبکر سے استدلال کرتے ہیں کہتے ہیں کہ خلیفہ صاحب باوجود افضل نہ ہونے کے جب خلیفہ بنا دیئے گئے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ امام میں افضلیت کی شرط ضروری نہیں کبھی ہماری موافقت کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ ترجیح مرجوح بر راجح محال و قبیح ہے۔ دلیل میں پھر اسی خلافتِ ابوبکر کو پیش کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جب باقی صحابہ کی موجودگی میں ان کو منتخب کیا گیا تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب سے افضل تھے۔ (تفصیل بعد میں آرہی ہے)

افضلیتِ امام پر ادلۂ عقلیہ و سمعیہ

بہر حال حق اس مسئلہ میں بھی حضرات شیعہ کے ساتھ ہے اور ان کے اس نظریہ کی صحت و حقانیت پر بکثرت دلائل عقلیہ و نقلیہ موجود ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ افضل کی طرف رجوع ایسا فطری اور بدیہی مسئلہ ہے کہ یہ اپنے ثبوت میں دلائل کا محتاج نہیں جو لوگ خدا کو خدا نہیں جانتے، جو

رسول کو رسول نہیں جانتے جو حشر و نشر پر ایمان نہیں رکھتے ، وہ بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ زندگی کے
ہر شعبے میں ضرورت کے وقت افضل کی طرف رجوع کرنا چاہیئے ۔ علاج کرانا ہو تو اچھے سے اچھے ڈاکٹر سے
کرانا چاہیئے ۔ اور اگر مقدمہ لڑنا ہو تو اچھے سے اچھے وکیل کی خدمات حاصل کرنا چاہئیں ، وعلیٰ ھذا القیاس
جا بجا جن امور کو ہم دلائل کہہ رہے ہیں یہ درحقیقت تنبیہات ہیں جو خواب غفلت میں سوتے
ہوئے لوگوں کو بیدار کرنے کے لئے پیش کی جا رہی ہیں ، فلا تغفل

ہم ذیل میں چند مختصر دلائل پیش کرتے ہیں ۔

پہلی دلیل

ز از عقل سلیم تمام عقلاء کا اس امر پر اتفاق ہے "تقدیم مفضول بر افضل اور ترجیح
مرجوح بر راجح ، قبیح و فضیح ہے ۔ مذکورہ قاعدہ کلیہ میں مسلمانوں کی بھی کوئی خصوصیت
نہیں بلکہ تمام اعصار و امصار میں مسلمان اور کفار سب ہی کا اسی قاعدہ کے مطابق عمل رہا ہے
اور ہے ۔ وہ ہمیشہ اپنے تمام امور میں ارباب فضل و کمال ہی کو مقدم سمجھتے ہیں اور افضل و اعلیٰ پر
غیر افضل کی تقدیم و ترجیح کو قابل مذمت سمجھتے ہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک ایسا فطری وجدانی
امر ہے ۔ جس پر کسی دلیل و برہان کے قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے یہ تو روزمرہ کے مشاہدہ کی
بات ہے ۔ کہ زندگی کے ہر شعبہ میں اس کے ماہر ترین افراد کی طرف رجوع کرنا اسی فطری تقاضا کا
مظاہرہ ہے ۔ ہم ہمیشہ مشاہدہ کرتے رہیں کہ اگر کوئی بڑا باکمال شخص کسی چیز کے متعلق کوئی خبر دے دے
اور ایک دوسرا شخص جو فضل و کمال میں اس سے کم ہے اس کے خلاف کوئی بات کہے تو تمام ارباب
عقل و دانش صاحب کمال ہی کی بات کو ترجیح دیں گے ۔ مزید اطمینان کے لئے اسی مطلب کو
دو طبیبوں کے اختلاف تشخیص کے وقت جب کہ ان میں سے ایک ماہر حاذق طبیب ہو اور دوسرا
اس سے کم اسی طرح دو اہل علم کے اختلاف فتویٰ و فیصلہ کے وقت جب کہ ان میں سے ایک
علم و فضل میں دوسرے سے بڑھا ہوا ہو ، معلوم کر لیں ، یہی کیفیت چھوٹی بڑی عدالتوں کے فیصلہ
کے اختلاف کے وقت رونما ہوتی ہے مزید توضیح کے لئے فرض کیجیئے کہ حکومت آپ کے ضلع
میں ایک ڈی سی مقرر کرنا چاہتی ہے اور اس کے لئے دو امیدوار موجود ہوں ۔ ان میں سے ایک
تعلیمی کوائف و قانون دانی اور دیگر مصالح و مفاسد مردم غرضیکہ جتنے صفات ایک ڈی سی میں
ہونے چاہیں ان سب میں دوسرے سے زیادہ ماہر ہو ۔ اس صورت میں آپ اپنے ضمیر صافی اور
فطرت سلیمہ کی روشنی میں بتلائیں کہ اگر حکومت میں انصاف ہے تو وہ اس عہدہ کے لئے ان
دو شخصوں میں سے کس کو نامزد کرے گی ؟ اسی کو مقرر کرے گی جو علم و معرفت اور فراست و

حکمت وغیرہ میں دوسرے سے افضل ہو. مگر اس صورت میں ارباب بست وکشاد اس شخص کو جو ہر لحاظ سے اکمل وافضل تھا. چھوڑ کر دوسرے شخص کو اس عہدہ پر فائز کر دیں تو آپ ان کو "بے انصاف" "خود غرض" "رشوت خور" اور نامعلوم کن کن برے القاب کے ساتھ یاد کریں گے یہ سب کیوں؟ اسی لئے کہ چونکہ حکومت کا یہ فعل قبیح عقلِ سلیم اور طبع مستقیم کے مخالف ہے. جبھی تو قلبِ سلیم رکھنے والا اس کے اس فعل کی مذمت کرتا ہے. پھر جو چیز تمام عقلمند آدمیوں کے لئے قبیح ہے خالقِ عقل وعقلاء کل کس طرح اس کا ارتکاب کر سکتا ہے کس قدر افسوس کا مقام ہے. کہ جس چیز کو مسلمان اپنے لئے پسند نہیں کرتے اسے بڑی بے باکی سے خدا اور رسول کی طرف منسوب کر دیتے ہیں. ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ کے خطبہ میں لکھتے ہیں الحمد للہ الذی قدم المفضول علی الفاضل. تعریف ہے اس خدا کیلئے کہ جس نے مفضول کو فاضل پر مقدم کر دیا. یعنی حضرت علیؑ کو چھوڑ کر ابوبکر کو خلیفہ بنا دیا. لے معاذ اللہ. یہ خدا کی تعریف ہے یا اس کی تنقیص؟؟ لوگوں کی ایسی ہی بے انصافیوں کی وجہ سے خداوند عالم شکوہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: "ما قدروا اللہ حق قدرہ" کہ ان لوگوں نے خداوند عالم کی ایسی قدر نہیں کی. جیسی کہ کرنا چاہیئے تھی. یہی وجہ ہے کہ خلاق عالم ہمیشہ نبوت ورسالت بلکہ خلافت وامامت کے لئے بھی افضل افراد کو منتخب فرماتا رہا. کیونکہ مخلوق کے متعلق تو یہ ممکن ہے. کہ بعض اوقات اپنی اغراضِ نفسانیہ کی وجہ سے مفضول کو افضل پر ترجیح دیدیں لیکن خلاقِ عالم کے متعلق تو اس چیز کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا. بلکہ وہ تو "یوت کل ذی فضل فضلہ" وہ ہر شخص کو اس کی فضیلت کے مطابق مراتب عطا فرماتا ہے." دنیا کوئی ایسی ایک مثال پیش کرنے سے قاصر ہے کہ خداوند عالم نے کبھی کسی زمانہ میں افضل کی موجودگی میں غیر افضل کو نبوت ورسالت اور خلافت ووصایت کے درجہ رفیعہ کے لئے منتخب کیا ہو. یہ کلیہ قاعدہ سرکار خاتم الانبیاء کے وقت کیوں ٹوٹنے لگا.؟ لاحول ولا قوۃ الا باللہ. نہیں نہیں! ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا. لن تجد لسنۃ اللہ تحویلا.

دوسری دلیل

(از قرآن کریم) چونکہ یہ ایک بالکل بدیہی ووجدانی مسئلہ ہے اسی لئے خلاق عالم نے اس کے متعلق فقط تنبیہ فرمانے پر اکتفا کی ہے اور اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کی اشارۃً مذمت فرمائی ہے. ارشاد فرماتا ہے: "افمن یھدی الی الحق احق ان یتبع امن لا یھدی الا ان یھدی فما لکم کیف تحکمون" (کیا وہ شخص جو راہِ حق کی طرف ہدایت کرتا ہے وہ زیادہ حقدار ہے کہ اس کا اتباع کیا جائے. یا وہ شخص

جو خود ہدایت حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ اس کو ہدایت نہ کی جائے۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کیسے (الٹے) حکم لگاتے ہو! یہ آیت اس امر پر نص صریح ہے کہ مفضول کو چھوڑ کر افضل کی اتباع و اقتداء واجب و لازم ہے اس کی خلاف ورزی کرنے والے خداوند عالم کے نزدیک قابل مذمت و ملامت ہیں۔ اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا ہے: "هل يستوي الذين يعلمون والذين لا يعلمون انما يتذكر اولوا الالباب" آیا جاننے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں؟ (ہرگز نہیں) صاحبان عقل ہی ان باتوں کو سمجھ سکتے ہیں" اس آیہ وافی ہدایہ میں خداوند عالم نے اسی وجدانی امر پر تنبیہ فرمائی ہے کہ کبھی عالم و غیر عالم برابر نہیں ہو سکتے یعنی جہاں عالم اور غیر عالم کا مقابلہ و موازنہ ہو جائے تو عالم کو مقدم سمجھنا واجب ہے اور جب ایک عالم اور دوسرا اعلم ہو تو اعلم کو ترجیح دینا لازم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پیش نمازی میں اختلاف کے وقت اسلام کے ہر مکتب فکر کے نزدیک افقہ و اعلم کو ترجیح دی جاتی ہے (ملاحظہ کتاب ہدایہ وغیرہ) اسی طرح ارشاد رب العزت ہے "يا ايها الذين آمنوا اتقوا الله وكونوا مع الصادقين" اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو۔ اور سچوں کی معیت اختیار کرو۔ اس آیہ کریمہ میں بھی اسی امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، کیونکہ ظاہر ہے کہ صادقین کے ساتھ معیت جبھی متحقق ہو سکتی ہے جب غیر صادقین سے کنارہ کشی اختیار کی جائے کیونکہ صادق غیر صادق سے افضل ہوتا ہے لہذا خداوند عالم نے غیر افضل کو چھوڑ کر افضل کے دامن سے تمسک کرنے کو واجب و لازم قرار دیا ہے۔ نیز قصۂ آدم و ملائکہ اور بادشاہی طالوت کا واقعہ بھی اس سلسلہ میں نہایت روشن دلیلیں ہیں۔ دوسرے واقعہ کی تفصیل بعد میں بیان کی جائے گی، سر دست قصۂ آدم و ملائکہ پر محی الدین عربی کا تبصرہ پیش کیا جاتا ہے۔ موصوف اپنی کتاب "در مکنون" میں رقمطراز ہیں۔ (على مانقل عنه فى البلاغ المبين م: الخلافة الالهيه)

لما اراد الله ان يثبت الحجة لآدم عليه السلام على الملائكة واراد ان يعلمهم ان آدم احق بالخلافة منهم قال يا آدم انبئهم باسمائهم ثبت العجز على الملائكة بالمسئلة التى سئلهم اياها و عجزوا عن علمها فجعل آدم لكونه احق بالخلافة منهم لفضل علمه فمن وصل الى هذه الفضلية فقد اختصه الله تبارك وتعالى من بين عباده وجعل افضل اهل زمانه؛

یعنی جب خدا نے چاہا کہ ملائکہ پر اتمام حجت کرے اور ان کو بتلائے کہ آدم ان سے زیادہ حقدار خلافت ہیں تب فرمایا اے آدم! ان کو مخصوص اسماء بتاؤ۔ اس وقت ملائکہ کا علمی عجز ثابت ہو گیا۔ اور آدم کو بوجہ کثرت علم زیادہ حقدار خلافت ہونے کے سبب خلیفہ بنا دیا گیا۔ جو شخص اس مرتبۂ رفیعہ تک

پہنچ جائے خدا اسے اپنے تمام بندوں سے مخصوص فرما دیتا ہے اور اسے تمام اہلِ زمانہ سے افضل و اشرف قرار دیتا ہے ؛

تیسری دلیل (از حدیث سید المرسلین) کتب احادیث میں قریش کے متعلق آنحضرتؐ کا یہ ارشاد موجود ہے ابن ابی الحدید نے بحوالہ کتاب الفضائل امام احمد بن حنبل نقل کیا ہے نیز صواعق محرقہ میں بھی موجود ہے کہ آنحضرت نے جمعہ کے دن خطبہ ارشاد فرمایا۔ تعال قدموا قریشا ولا تقدموها وتعلموا منها ولا تعلموها فان قوة رجل من قریش تعدل قوة رجلین من غیرهم و امانة رجل من قریش تعدل امانة رجلین من غیرهم الخ (یعنی ہر معاملہ میں قریش کو آگے بڑھاؤ خود ان سے آگے نہ بڑھو ان سے تعلیم حاصل کرو۔ انہیں تعلیم نہ دو (اس کی وجہ یہ ہے کہ قریش میں سے ایک آدمی کی امانت و دیانت غیر قریش کے دو آدمیوں کے برابر ہے اور قریش کے ایک شخص کی قوت و طاقت غیر قریش کے دو شخصوں کے برابر ہے۔ اسی طرح حدیث ثقلین کے بعض طرق و اسناد میں آنحضرتؐ کا یہ ارشاد موجود ہے "لا تقدموهم فتهلکوا ولا تعلموهم فانهم اعلم منکم" میری عترت اہلِ بیت سے کسی معاملہ میں آگے نہ بڑھنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور ان کو تعلیم نہ دینا کیونکہ وہ تم سے زیادہ عالم ہیں" آپ کے یہ ارشادات صریحی نص ہیں کہ افضل و اشرف کے اوپر غیر افضل کو ترجیح دینا غلط اور موجبِ ہلاکت ہے۔ کتب سیر و تواریخ میں مذکور ہے کہ جب آنحضرتؐ نے اپنے مرض الموت میں ایک جنگ کے سلسلہ میں اسامہ بن زید کو بڑے بڑے مہاجرین و انصار کا امیر مقرر فرمایا۔ تو انہوں نے زبانِ اعتراض دراز کرتے ہوئے کہا کہ یہ نوجوان ہمارا کس طرح حاکم مقرر ہو سکتا ہے؟ جب آنحضرتؐ کو ان حضرات کی ایسی چہ میگوئیوں کی اطلاع ہوئی تو آپ نے ایک خطبہ میں ان کا جواب دیتے ہوئے فرمایا۔

لئن طعنتم علی فی تامیری اسامة فقد طعنتم فی تامیری اباه من قبله وایم الله انه کان لخلیقاً بالامارة وابنه من بعده لخلیق بها (الی ان قال) فانه من خیارکم۔

اگر آج تم نے اسامہ کو حاکم مقرر کرنے پر مجھ پر اعتراض کیا ہے تو اس سے پہلے اُن کے باپ (زید) کی امارت پر بھی تم نے زبانِ اعتراض دراز کی تھی حالانکہ بخدا وہ (زید) اس حکومت کا سزاوار تھا اور اس کے بعد اس کا بیٹا اسامہ اس کا اہل ہے (یہاں تک کہ فرمایا) یقیناً اسامہ تم سب سے بہتر ہے"؟ (ملاحظہ ہو شرح نہج البلاغہ حدیدی ج ۱ ص ۵۳)

خود صحابہ کرام کا بزعم خود حضرت اسامہ کو اپنے سے پست مرتبہ خیال کرتے ہوئے اس کی امارت پر اعتراض کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ مفضول و مرجوح کی امارت کو قبیح سمجھتے تھے۔ اور اسی طرح آنحضرتؐ کا جواب میں حضرت اسامہ کی افضلیت کو بیان کرنے سے ان کے اس نظریہ کی تائید مزید ہوتی ہے۔ اگر

صحابہ کا یہ نظریہ غلط ہوتا تو آنحضرتؐ بجائے اس کے کہ اسامہ کی افضلیت بیان فرماتے فقط یہی کہہ کر۔ کہ تمہارا یہ نظریہ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ افضل پر مفضول کی امارت جائز ہے ان کی زبانِ اعتراض بند کر دیتے۔ جب آنحضرتؐ نے ایسا نہیں فرمایا۔ بلکہ ان کے پہلے زعم (کہ اسامہ کا مقام ان سے پست ہے) کی رد فرماتے ہوئے فرمایا کہ وہ تم سے افضل ہے جبھی میں نے اس کو تم پر امیر مقرر کیا ہے۔ ان حجج قاطعہ و براہین ساطعہ سے واضح و آشکار ہو گیا۔ کہ امام کو تمام خصائلِ حمیدہ و صفاتِ ستودہ میں تمام امت سے افضل و اشرف ہونا لازم ہے۔

اس مسئلہ میں اہل سُنّت کے اختلاف کا ایک نمونہ!

اس مقام پر پہنچنے کے بعد آئیے آپ کو برادرانِ اسلامی کے کتب کی اجمالی سیر کراتے جائیں۔ تاکہ اس مسئلہ کے متعلق ان کے آراء و نظریات میں جو اختلاف و تناقض ہے وہ واضح ہو جائے۔ ہمارے برادرانِ اسلام کبھی تو ان ناقابلِ تردید دلائل و براہین کی بناء پر بڑے واشگاف لفظوں میں یہ کہہ دیتے ہیں " ان الجمهور من اصحابنا وغيرهم وان كانوا يقولون يجب تولية الافضل مع الامكان الخ یعنی ہمارے جمہور اصحاب اس امر کے قائل ہیں کہ حتی الامکان افضل کو حاکم بنانا واجب ہے " (منہاج السنہ ابن تیمیہ ج ۳ صفحہ ۲۷۷ طبع مصر) پھر اسی کتاب کے صفحہ ۲۷۸ پر لکھتے ہیں " واما اهل السنة فلا يحتاجون الى منع هذه المقدمه۔ بل الصديق عندهم افضل الامة الخ یعنی اہلِ سُنت اس مقدمہ (تقدیم مفضول پر فاضل کی قباحت) کو ممنوع قرار دینے کے محتاج نہیں کیونکہ صدیق (ابو بکر) ان کے نزدیک افضل اُمت ہیں الخ کتاب روضۃ الناظرین صفحہ ۲ (علی ما نقل عنہ) پر احمد ابن محمد البغدادی لکھتے ہیں " واعلم ان جماهير اهل السنة والجماعة يعتقدون ان افضل الناس بعد النبي صلى الله عليه وسلم ابوبكر ثم عمر ثم عثمان ثم علي رضي الله تعالىٰ عنهم وان المتقدم في الخلافة هو المقدم في الفضيلة لاستحالة تقديم المفضول على الفاضل الخ " یاننا چاہیئے کہ جمہور اہل سنت والجماعت کا یہ اعتقاد ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد افضل الناس ابو بکر پھر عمر پھر عثمان پھر علی رضی اللہ عنہم ہیں اور ان میں سے جو خلافت میں متقدم ہے وہی فضیلت میں متقدم ہے کیونکہ افضل پر غیر افضل کو ترجیح دینا محال و ناممکن ہے۔ اسی طرح شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی قرۃ العینین صفحہ ۱۹ طبع دہلی میں لکھتے ہیں۔ " خلافت مشروط است بہ صفات کمال و احق بالخلافت اکمل مردم است دراں صفات " لیکن جب اپنے منظورِ نظر کے سیر و حالات پر نظر پڑتی ہے تو فوراً اپنے اس نظریہ سے پچھلے پاؤں واپس ہٹ جاتے ہیں اور جس چیز کو تھوڑی دیر پہلے محال و قبیح بتلا رہے تھے۔ اس کو جائز و مباح کہنا شروع کر دیتے ہیں۔ چنانچہ سیرت حلبیہ ج ۳ صفحہ ۳۹۵ ۳۹۶ طبع مصر

مطبع مصطفیٰ محمد۔ پر مذکور ہے" ان ابابکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان یری جواز تولیۃ المفضول علی من ھو افضل منہ وھو الحق عند اھل السنۃ۔ الخ یعنی حضرت ابوبکر کی یہ رائے تھی کہ مفضول کو افضل کے اوپر حاکم بنانا جائز ہے اور یہی نظریۂ اہلِ سنّت والجماعت کے نزدیک حق ہے"۔

حضرت ابوبکر کو یہ خلافِ عقل ونقل نظریہ اختیار کرنے میں کسی حد تک معذور سمجھا جا سکتا ہے۔ کیونکہ تقریباً تیئس ۲۳ برس سے بقولِ راہب جس چیز کی (حکومت) کی طمع میں مختلف تکلیفیں برداشت کر رہے تھے۔ اگر وہ یہ رائے اختیار نہ کرتے تو وہ کس طرح ہاتھ آسکتی تھی۔ کیونکہ اگر وہ کہتے کہ افضل کی موجودگی میں غیر افضل حاکم نہیں ہوسکتا۔ تو پھر فوراً لوگ ان کو مسندِ خلافت سے اتار کر حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے لئے جگہ خالی کرا دیتے"۔ لیکن حضرات اہلِ سنّت اس اعتقاد میں کسی طرح بھی معذور نہیں قرار دیئے جا سکتے کہ یہ خلافِ حکم، عقل ونقل نظریۂ اختیار کرتے ہوئے افضل واشرف کو چھوڑ کر مفضول کو اپنا امام و مقتدیٰ قرار دیں، چونکہ خلفاء کی محبت ان کے دل ودماغ پر غالب آچکی ہے اس لئے ان کی اندھی تقلید میں کچھ سوچتا ہی نہیں، بلکہ اپنے بعض خلفاء کی حفظِ خلافت کے لئے انہوں نے یہاں تک لکھ دیا ہے۔ "قال الجمھور من اھل الاثبات واصحاب الحدیث لا ینخلع الامام بفسقہ وظلمہ وضرب الابشار وتناول النفوس المحرمۃ تضیع الحقوق وتعطیل الحدود۔ یعنی جمہور اہلِ اثبات اور اہلِ حدیث اس امر کے قائل ہیں کہ امام فسق وفجور اور ظلم وجور کرنے بے گناہ لوگوں کو زدوکوب کرنے، نفوسِ محترمہ کو قتل وغارت کرنے، حقوق کو ضائع وبرباد کرنے اور حدودِ شرعیہ کو معطل کرنے کے باوجود عہدۂ امامت سے معزول نہیں ہوسکتا"۔ (اگرچہ امت میں اس سے ہزار درجہ بہتر لوگ موجود ہوں) (کتاب التمہید طبع مصر صت ۱۸۶ تصنیف ابوبکر باقلانی)

ع
سماعِ وعظ کجا نغمۂ رباب کجا
بہ بیں تفاوت راہ از کجا است تا بہ کجا

پیچ ہے۔ ع
تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا
بدل ہی جاتے ہیں غلامی میں قوموں کے ضمیر

مرتبۂ امامت کو پست کرنے کے نتائج

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے مرتبۂ امامت کو اس قدر پست کرنے کا ہی نتیجہ تھا کہ معاویہ کو جرأت

ہوئی کہ اس نے مسجد کوفہ میں بیٹھ کر حضرت علیؑ سے برأت پر بیعت لی۔ اور منبروں پر آنجناب پر سب وشتم کیا اور کرایا۔ (النصائح الکافیہ وغیرہ)، اس عہدۂ جلیلہ کو اس قدر معمولی سمجھنے کا ثمرہ تھا کہ عبد اللہ ابن عمر امام حسین کی شہادت کے بعد اہل مدینہ کو بیعت یزید پر برقرار رہنے کی ان تھک کوششیں کیا کرتا تھا (صحیح بخاری ج ۴ ص۱۱۲ طبع مصر، صحیح مسلم ج ۲ ص۱۲۱، سنن بیہقی طبع حیدر آباد دکن ج ۸ ۱۵۹/۱۶۱)

اسی تنزل کا نتیجہ تھا کہ جب مروان ابن حکم سے کسی شخص نے کہا کہ حضرت علی علیہ السلام تو سب لوگوں سے بڑھ کر حضرت عثمان کی مدد کرنے والے تھے پھر تم کس طرح ان کو قتل عثمان کے سلسلہ میں متہم کرتے ہو اور برسر منبران پر سب وشتم کرتے ہو تو اس نے جواب میں کہا "لا یستقیم لنا الامر الا بذلک" بات یہ ہے کہ ایسا کرنے کے بغیر ہماری حکومت برقرار نہیں رہ سکتی" (صواعق محرقہ ص۳۳ طبع قدیم)

اور اسی مرتبۂ امامت کو پست کرنے کا نتیجہ تھا کہ شمر ابن ذی الجوشن قاتل حضرت سید الشہداء علیہ السلام کو بھی اس سنگین جرم سے معذرت کرنے کا موقع مل گیا۔ ابو اسحاق بیان کرتا ہے۔ کہ شمر ہمارے ساتھ نماز پڑھا کرتا تھا۔ اور نماز کے بعد یہ کہتا تھا۔ "اللّٰھم انک تعلم انی شریف فاغفرلی" اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں ایک شریف آدمی ہوں لہٰذا مجھے بخش دے ایک دن ابو اسحاق نے کہا۔ اے شمر بھلا خدا تجھے کس طرح بخش سکتا ہے۔ جب کہ تو نے فرزند رسولؐ کو قتل کیا ہے۔ شمر نے کہا "ویحک فکیف نصنع ان امرائنا ھؤلاء امرونا بامر فلم نخالفھم ولو خالفناھم کنا شرا من ھذہ الحمر الشقاۃ" افسوس ہے تجھ پر ہم کیا کرتے ہمارے ان امراء نے ہمیں حکم دیا۔ اور ہم نے ان کی مخالفت نہ کی۔ اگر ہم ان کی مخالفت کرتے تو ہم ان بدبخت گدھوں سے بھی بدتر ہوتے (میزان الاعتدال ذہبی ج ۱ ص۴۴۹)

امامت کبریٰ کے منصب میں انہی بے اعتدالیوں و کج رویوں کا نتیجہ تھا کہ آل رسولؐ کے مقدس خون سے زمین رنگین کی گئی اور مخدرات عصمت و طہارت کو قید کر کے مختلف دیار و امصار میں تشہیر کیا گیا۔ موالیان آئمہ علیہم السلام کے خون ناحق پانی کی طرح بہائے گئے اور بالخصوص حضرت امیر المومنین علیہ السلام پر برابر کم و بیش ...... نوّے سال تک مجالس و محافل میں برسر منبر سب وشتم کو جزو عبادت سمجھا جاتا تھا۔ (سیرۃ النبیؐ ج ۱ ص۹۹ شبلی وغیرہ) اگر مسلمان مرتبۂ امامت کو اس کے اصلی بلند مقام سے اس قدر نیچے نہ گراتے تو ہرگز بنی امیہ و بنی عباسیہ کے خمار و زناکار فساق و فجار اور شرار مسند خلافت پر قدم نہ رکھ سکتے اور یقیناً یہ جانگسل واقعات منصۂ شہود پر رونما نہ ہوتے اور مسلمانوں میں یہ اختلاف و افتراق نہ ہوتا اور مسلمان ہرگز اقوام عالم کے سامنے اس طرح ذلیل و رسوا نہ ہوتے اور نہ

تنزل و انحطاط کا کبھی شکار ہوتے۔ یہ سب کچھ خود مسلمانوں کے عہدۂ خلافت کو سبک سمجھنے کا نتیجہ ہے، جیسا کہ مرتبۂ نبوت کو پست کر کے پیش کرنے کا نتیجہ ہے کہ آج ہر مخبوط الحواس احمق و اجہل نبوت کا دعویدار نظر آتا ہے۔

ع اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

تنقید و تبصرہ

حضرات اہل سنت "تقدیم مفضول بر فاضل" کے جواز کو سنبھالنے کے لئے یہ کہا کرتے ہیں۔ کہ کبھی مفضول افضل سے بہتر تدبیر امور و اصلاح حالات کر سکتا ہے لہٰذا اس کو حاکم مقرر کرنے میں کون سی قباحت ہے۔ ارباب بصیرت پر مخفی نہیں کہ ان حضرات کا یہ عذر بارد و تاویل علیل درحقیقت افضل کا مفہوم نہ سمجھنے پر مبنی ہے۔ شاید ان حضرات کا یہ خیال ہے کہ "افضل" وہ ہوتا ہے جس کا صرف علم دوسروں سے بیشتر ہو یا جو زہد تقویٰ میں دوسروں پر فوقیت رکھتا ہو حالانکہ ایسا شخص "اعلم الناس" اور "ازہد الناس" ہو سکتا ہے۔ لیکن ایسے شخص کو علی الاطلاق "افضل الناس" نہیں کہا جا سکتا حالانکہ ہم یہ ثابت کر چکے ہیں۔ کہ امام کو ہر لحاظ سے افضل الناس ہونا چاہیئے۔ اور یہ تب ہی متحقق ہو سکتا ہے کہ وہ ہر ممکن صفت و کمال میں تمام اُمت پر فوقیت رکھتا ہو۔ اگر مسائل دینیہ میں افقہ ہے، تو سیاسیات ملکیہ میں ابصر و اعرف ہو۔ اگر محاکمات شرعیہ میں اقضیٰ ہے تو میدانِ جنگ میں اشجع ہو۔ اگر ضعفاء و مظلومین کے لئے ارأف ہے تو ظلمہ جابرہ کے لئے اخشن ہو۔ افضل کی یہ حقیقت سمجھ لینے کے بعد ان حضرات کے عذر کی رکاکت و کمزوری واضح ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس صورت میں یہ متصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ کہ مفضول تدبیر امور اور اصلاح احوال کرنے میں افضل سے زیادہ واقف و ماہر ہو۔ اگر فی الواقع ایسا ہے تو وہ افضل درحقیقت افضل ہی نہیں ہے۔!! معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے امام کا مفہوم یہی سمجھ رکھا ہے کہ امام وہ ہوتا ہے جو حوزۂ اسلامیہ کی حفاظت کر سکے اور امنِ عامہ کو بخوبی بحال رکھ سکے۔ حالانکہ یہ ایک زبردست اشتباہ ہے کیونکہ سابقہ تعریف امامت میں یہ امر محقق و مبین ہو چکا ہے کہ امامت امورِ دین و دنیا میں نیابۃ عن النبیؐ ایک ریاستِ عامہ الٰہیہ کا نام ہے۔ امام کے وہی فرائض ہیں جو ایک نبی و رسول کے ہوتے ہیں۔ امام امور دین و دنیا دونوں کی اصلاح کا کفیل ہوتا ہے۔ اسی لئے اس میں ان تمام صفات جلیلہ کا ہونا ضروری ہے جو ایک نبی کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ اگر برادرانِ اسلامی کے مفہوم امامت کو درخورِ اعتنا سمجھا جائے۔ تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک فاسق و فاجر بلکہ منافق و کافر شخص بھی جب ان امور کو انجام دیدے تو وہ معاذ اللہ امام ہو سکتا ہے غالباً یہی وجہ ہے۔ جس کی بنا پر ان حضرات کی تصریحات ہم اوپر نقل کر چکے ہیں کہ امام ہر قسم کے فسق و فجور و ظلم و جور کا ارتکاب

کرنے کے باوجود عہدۂ امامت سے معذول نہیں ہوسکتا جس کا بطلان ایسا واضح و عیاں ہے کہ محتاج بیان نہیں ہے ولیکن ؎

اذا لم یکن للمرء عین صحیحۃ
فلا غرو ان یرتاب والصبح مسفر

چھٹی شرط تقررِ خداوندی

اس سلسلہ میں بھی شدید اختلاف ہے کہ امام بنانا خدا کے قبضۂ قدرت میں ہے یا بندوں کے اختیار میں ہے؟ چنانچہ تمام شیعہ امامیہ اس بات کے قائل ہیں کہ نبوت کی طرح عہدۂ امامت بھی خدا کے دستِ قدرت میں ہے وہ جسے چاہے اس عہدۂ جلیلہ پر فائز کرے۔ مگر دوسری اسلامی برادری کہتی ہے کہ امام کا انتخاب بندوں کے اختیار میں ہے اسی طرح اس کے اثبات میں بھی قدرے اختلاف ہے۔ شیعہ امامیہ قائل ہیں کہ اثباتِ امامت کے دو ہی طریق ہیں (۱) یہ کہ خود نبی حکم خدا سے امام کی امامت پر نص فرمائے۔ دوم یہ کہ سابق امام لاحق امام پر نص فرمادے۔ برادرانِ اسلامی کو ان دو طریقوں کی صحت میں تو کوئی کلام نہیں ہے البتہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ان طریقوں کے علاوہ اثبات امامت کے دو اور طریقے بھی ہیں (۱) اجماع امت یعنی کسی شخص کی امامت پر افرادِ امت اجماع و اتفاق کرلیں تو اس کی امامت منعقد ہوجاتی ہے (۲) قہر و غلبہ یعنی اگر کوئی شخص امامت کا دعویٰ کرے اور پھر اپنی شوکت و طاقت یعنی قہر و غلبہ سے لوگوں کو مغلوب کرکے مسندِ خلافت و امامت پر قبضہ کرلے تو اس کی امامت بھی منعقد ہوجاتی ہے۔

دلچسپ و عجیب

اگر بہ نظرِ غائر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے یہاں خلیفہ و امام کا تقرر ان سے کسی اصول کے تابع نہیں بلکہ ان کے اصول و قوانین تقرر خلیفہ کے تابع ہیں جس طریق سے کوئی شخص منبرِ رسولؐ پر متمکن ہوجاتا ہے وہی طریق ان کے یہاں اصول قرار پا جاتا ہے۔ چنانچہ جب ان کے خلیفہ اول اجماع سے (وہ بھی ان کے زعم کے مطابق) خلیفہ بن گئے تو انہوں نے اجماع کو اصل قرار دے دیا اور جب ثانی صاحب کو پہلے صاحب کی وصیت سے مسندِ خلافت مل گئی تو انہوں نے وصیت کو اصل مقرر کرلیا اور جب "ثالث القوم" شوریٰ کی برکت سے منبرِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بیٹھ گئے تو شوریٰ معیارِ خلافت بنا دیا گیا اور جب معاویہ قہر و غلبہ اور جبر و تشدد سے منبر پر قابض ہوگئے تو ان حضرات نے قہر و غلبہ کو اصول میں داخل کرلیا۔ معلوم ہوا کہ ان کے یہاں تقرر و تعین خلیفہ ان کے کسی اصول کا مرہونِ منت نہیں کیونکہ تقرر سے پہلے ان کا کوئی اصول ہی نہیں جس کے لحاظ سے اس کا تقرر عمل میں لایا جائے۔

خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں کہ تقررِ خلیفہ ان کے اصول کا محتاج ہے،
یا ان کے آئین و قوانین تقررِ خلیفہ کے محتاج ہیں یہاں تو دلائل و براہین کی بازی ہے جس کے دلائل
و براہین قوی و متین ہوں گے۔ وہی برحق سمجھا جائے گا۔ ہم ذیل میں تمام حضرات کے دلائل ہدیۂ
ناظرین کرتے ہیں جس سے ان کو حق و باطل میں امتیاز میں سہولت ہو جائے گی پہلے ہم حضرات شیعہ کے
حجج و براہین پیش کرتے ہیں۔ اس کے بعد دوسرے فرقِ اسلام کے دلائل بیان کریں گے۔ سو واضح
ہو کہ امامیہ حضرات کے نظریۂ کی صحت و صداقت پر بکثرت دلائلِ عقلیہ و نقلیہ موجود ہیں۔ ہم یہاں
چند مختصر عقلی و نقلی دلائل پیش کرتے ہیں۔

اس موضوع پر ادلۂ عقلیہ

دلیل اوّل بدلائل قاطعہ و براہین ساطعہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد وجود امام لازمی
وضروری ہے۔ اور اس کے بغیر نظامِ اسلام قائم نہیں رہ سکتا۔ لہٰذا اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس
جلیل القدر عہدہ کے لئے جناب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت میں سے کسی شخص کو لائق
سمجھتے اور اسے پہچانتے تھے یا نہیں! اگر یہ کہا جائے۔ کہ (معاذ اللہ) کسی ایسے شخص کو نہیں پہچانتے تھے
تو یہ غلط ہے کیونکہ یہ کس طرح متصور ہو سکتا ہے کہ اعقل الناس اور مؤید من اللہ نبی اعظم تو نہ
پہچانتے ہوں، لیکن عام افرادِ امت اسے پہچان کر انتخاب کر لیں، لہٰذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ آنحضرت
ضرور پہچانتے تھے۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ اس کو مقرر و معین بھی فرمایا یا نہیں؟ اگر یہ کہا جائے کہ ہاں
جانتے تھے اور مقرر بھی فرمایا؟ ... لوگوں سے اس کا تعارف کرایا تو اس صورت میں لازم آئے گا
کہ آپ کے بعد امت میں جس قدر اختلافات و ضلالات رونما ہوئے، ہو رہے ہیں اور آئندہ ہوں
گے ان سب کا سبب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور آپ ہی اپنی امت کو ضلالت
کے گڑھے میں ڈالنے کے موجب ہیں۔ (العیاذ باللہ) اس صورت میں آپ کس طرح رحمۃ للعالمین
رہ سکتے ہیں، آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ محبت و مشفقت اور رأفت و رحمت جو امت
کے شاملِ حال تھی کہاں جائے گی جس کی خبر خود خلاقِ عالم ان الفاظ میں دیتا ہے حریص علیکم
و بالمومنین رؤف رحیم مسلمان ذرا ٹھنڈے دل سے سوچ کر انصاف سے بتلائیں کہ وہ
نبی رحمت جس نے امت کی خبر سگالی اور ان کو جادۂ رشد و ہدایت پر گامزن کرنے کے لئے
اس قدر مصائب و آلام جھیلے کہ خود فرماتے ہیں " ما اوذی نبی کما اوذیت " کیا یہ باور کیا جا
سکتا ہے۔ کہ آپ اپنا آخری رختِ سفر باندھتے وقت بغیر علم رشد و ہدایت گاڑے اور ہادیٔ خلائق

نصب کئے دبے پاؤں چلے جائیں۔ اور اپنی امّت کو قیامت تک ضلالت وغوایت کی تاریک وادیوں میں حیران وسرگرداں چھوڑ جائیں؟ بخدا معمولی عقل وحکمت رکھنے والے انسان کی طرف بھی ایسے امر قبیح کی نسبت نہیں دی جاسکتی۔ چہ جائیکہ وہ انسان کامل جو لوگوں کو عقل ودانش اور علم وحکمت کے درس دینے کے لئے آیا ہو۔ ان حقائق کی بنار پر لازم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم بحکم خُدا اپنے نائب پر نص فرمادیں۔ تاکہ ہر قسم کے فتنہ وفساد کا سدِّباب ہو جائے۔ اور اگر کچھ عناصر اس نص وصراحت رسول کے بعد بھی فتنہ وفساد برپا کریں۔ تو عنداللہ معذور نہ ہوں بلکہ ہر قسم کے عذاب وعقاب کے سزاوار قرار پائیں۔

دلیل دوم ثابت کیا جاچکا ہے کہ امام میں چند ملکاتِ قدسیہ اور نفسیات خفیہ از قسم عصمت وقداست اور عفت ونزاہت کا ہونا ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ عصمت وغیرہ ان امور باطنیہ میں سے ہیں جن پر سوائے علام الغیوب کے کوئی شخص اطلاع نہیں پا سکتا۔ ممکن ہے کہ عامۃ الناس جس شخص کو اپنے ناقص خیال میں معصوم وصالح خیال کرکے خلیفہ وامام مقرر کریں وہی بعد میں گنہگار وطالح ثابت ہو جائے۔ کیونکہ ظاہر نگاہیں باطن کا مشاہدہ کرنے سے قاصر ہوتی ہیں۔ اسی لئے خلاق عالم فرماتا ہے۔ واللہ یعلم من المصلح (خدا ہی جانتا ہے کہ مفسد کون ہے اور مصلح کون؟) اگرچہ یہ حقیقت بالکل ہی و ی۔ لیکن آج کل کے جمہوری نظامِ حکومت نے تو اس کو اور بھی واضح تر کر دیا ہے۔ آپ نے کئی بار دیکھا ہوگا۔ کہ اہلِ مملکت آج ایک شخص کو اپنے لئے بہت مفید وکارآمد خیال کرتے ہوئے اس کے نام کے ساتھ "زندہ باد" کے فلک شگاف نعرے لگا کر تختِ حکومت پر بٹھاتے ہیں، اور دوسرے دن اس کے نااہل ثابت ہونے پر "مردہ باد" کا شور مچا کر بڑی بے باکی وسفاکی کے ساتھ اس سے تخت وتاج چھین لیتے ہیں۔ اور وہ صاحب ؎

بہت بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے

وردِ زبان کرتے ہوئے نہایت خفّت وسبکی کے ساتھ کوچۂ سیاست کو چھوڑ کر اپنے دولت سرا کے کنج عافیت کا رُخ کرتے ہیں اور اس میں جاکر پناہ لیتے ہیں۔ خدا بھلا کرے برادران اسلامی کے عقائد اختراع کرنے والے حضرات کا کہ انہوں نے اس نت نئے عزل وتقرر کا یوں خاتمہ کر دیا کہ جب ایک آدمی کو اچھا سمجھ کر امام مقرر کر دیا جائے۔ تو اس کے بعد لاکھ ظالم وجابر وفاسق وفاجر اور نااہل ثابت ہو جائے عہدۂ امامت سے معزول نہیں کیا جا سکتا۔ جیسا کہ ہم اوپر شرح عقائد نسفی، شرح مواقف اور کتاب التمہید وغیرہ کے حوالہ جات نقل کر چکے ہیں۔ بہر حال لوگ اپنے عقول

وآثار ناقصہ سے ایک حقیقی مصلح و معصوم ہستی کا انتخاب ہرگز نہیں کر سکتے۔ ظاہر ہے کہ ناقص کا انتخاب ناقص ہی رہے گا۔ عام لوگوں کا ذکر اس مرحلے میں بڑے بڑے اولوالعزم نبی بھی کامیاب نہیں ہو سکے۔ اگر شک ہو تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اپنی قوم میں سے ۷۰ آدمیوں کے انتخاب کا قرآنی قصہ ملاحظہ ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بایں ہمہ عظمت و جلالت ستر ہزار افرادِ قوم میں سے سات سو کو منتخب کیا۔ اور پھر انتخاب در انتخاب کر کے سات سو میں سے فقط ستر آدمی منتخب کئے جن کی خبر خلاق عالم قرآن مجید میں بایں الفاظ دیتا ہے۔ "و اختار موسیٰ قومہ سبعین رجلاً" کہ حضرت موسیٰ نے اپنی قوم میں سے ستر آدمیوں کا انتخاب کیا۔ ان کو بخیال خود نہایت صالح و متدین سمجھ کر میقاتِ پروردگار کے لئے لے گئے لیکن بر وقت سب کے سب کافر و منافق ثابت ہوئے۔ جب انبیاء اولوالعزم کا ذاتی انتخاب کارگر نہ ہو سکا۔ تو عام لوگوں کا انتخاب کس طرح قابلِ قبول ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ خود خلاق عالم خلیفہ و امام کی تعین فرمائے۔ اور اپنے نبی کے ذریعے اس کا اعلان و اعلام کرائے وھو المقصود

دلیل سوم اگر اس عہدۂ جلیلہ کے لئے امام کا انتخاب ایسے لوگوں کے ہاتھ میں دے دیا جائے جو خود معصوم نہ ہوں۔ بلکہ ہوا و ہوس اور نفس امارہ ان پر مسلط ہو تو اس صورت میں علاوہ اس کے کہ وہ ایک واقعی جامع صفات کاملہ انسان کا انتخاب کرنے سے قاصر ہیں اس سے فتنہ و فساد قتل و غارت اور ہرج و مرج واقع ہو گا۔ کیونکہ ہر شخص کا اپنی خواہشِ نفسانی کے مطابق کسی کی طرف رجحان و میلان ہو گا اور دوسرا اس امر میں اس کی مزاحمت کرے گا۔ لہٰذا مختلف الانواع و اقسام کے فتنہ و فساد برپا ہوں گے اور یا تو بالکل انتخاب ہی نہ ہو سکے گا۔ یا اگر انجام پذیر ہو گا۔ تو بالکل ناقص۔ لوگ ایک معمولی ممبری کے لئے ایک حقیقی حقدار کا انتخاب نہیں کر سکتے جیسا کہ مشاہدہ میں ہے پھر تمام عالم کی ریاست عامہ کے لئے کس طرح ایک امام کا انتخاب کر سکتے ہیں بعض کتب میں ایک نہایت لطیف واقعہ درج ہے جو مناسبت مقام کے پیش نظر یہاں درج کیا جاتا ہے۔ اس کا ماحصل یہ ہے کہ ایک مدرسہ میں دو مدرس تھے ایک شیعہ دوسرا سنی۔ ایک دن ان کے درمیان مسئلہ امامت پر گفتگو شروع ہو گئی۔ سنی کہنے لگا کہ امام کے متعلق خدا اور رسولؐ کی نص کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ خود اُمت انتخاب کر کے اسے معین و مقرر کر سکتی ہے۔ اور اتفاق کی بات یہ ہے کہ ان دنوں یہ دونوں مدرس مدرسہ کے لئے ایک ناظم کے تعین کے متعلق غور و فکر کر رہے تھے۔ جو بچوں کے معاملات کی نگہداشت اور ان کی دیکھ بھال کرے۔ شیعہ مدرس نے سنی مدرس کے جواب سے پہلوتہی کرتے ہوئے کہا کہ مجھے بہتر معلوم ہوتا ہے۔ کہ ناظم مدرسہ کی تعیین میں ہم غور و فکر نہ کریں بلکہ اس کو بچوں کے انتخاب پر چھوڑ دیں۔ وہ خود اپنے لئے جسے مناسب

سمجھیں منتخب کریں، سُنّی مدرس مسئلہ امامت کی نزاع سے یکسر غافل ہو کر کہنے لگا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم اس اہم کام کو بچوں کے سپرد کر دیں، انہیں کیا معلوم کہ کون شخص اس عہدہ کے لئے موزوں ہے! اگر ہم اس امر کو ان کے انتخاب پر چھوڑ دیں تو ممکن ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کا انتخاب کر بیٹھیں جو سارے نظام مدرسہ کو ہی مختل اور درہم برہم کر کے رکھ دے۔ شیعہ مدرس نے کہا کہ یہ انصاف کے خلاف ہے جب تم کہتے ہو، کہ پورے عالم (بلکہ عالمین) کے ہادی و رہنما اور دین و دنیا کے امور کے مصلح کا انتخاب عام لوگ کر سکتے ہیں۔ تو پھر ایک معمولی سے مدرسے کے ناظم کا انتخاب یہ بچے کیوں نہیں کر سکتے؟ شیعہ مدرس کی یہ تقریر سن کر سُنّی مدرس لاجواب ہو کر خاموش ہو گیا۔ لہٰذا لازم ہے کہ خدائے علیم و بصیر ہی اس عہدۂ جلیلہ کے لئے ذواتِ قدسیہ کو نامزد فرمائے۔ کیونکہ وہی اپنے بندوں کے ظاہری و باطنی حالات و کیفیات سے کماحقہٗ واقف و آگاہ ہے جیسا کہ ارشاد فرماتا ہے "ان اللہ بعبادہ لخبیر بصیر"۔

دلیل چہارم ارباب علم و اطلاع پر مخفی نہیں ہے کہ تمام انبیاء سلف کا یہ دستور تھا کہ جب تک بامر الٰہی اپنے اوصیاء کا تعین و تقرر نہیں کر لیتے تھے اس وقت تک دنیا کو خیر باد کہہ کر عالم بالا کا سفر اختیار نہیں فرماتے تھے حضرت آدمؑ نے حضرت شیثؑ کو اپنا وصی مقرر کیا (تاریخ طبری ج ۱ ص ۹۶) حضرت نوحؑ نے سام کو (کامل ج ۱ ص ۲۱) حضرت ابراہیمؑ نے جناب اسحاقؑ کو اسحاقؑ نے یعقوبؑ کو اور یعقوبؑ نے یوسفؑ کو (روضۃ الصفا ج ۱ ص ۹۲-۹۴) حضرت داؤدؑ نے سلیمانؑ کو (کامل ج ۱ ص ۸۱) حضرت موسیٰؑ نے پہلے ہارونؑ کو پھر انکے انتقال کے بعد یوشع ابن نون کو (روضۃ الصفا ج ۱، طبری ج ۱ ص ۲۱۸) حضرت عیسیٰؑ نے جناب شمعون کو (ملاحظہ ہو تاریخ طبری ج ۱ ص ۶۰۸ اور کامل ج ۱ ص ۱۹۷) میں اس سلسلہ وصایت کی تفصیل مذکور ہے۔[1]

[1] علامہ مسعودی اپنی کتاب تاریخ مروج الذہب ج ۱ ص ۳۵ طبع مصر میں انبیاء علیہم السلام کے خلفاء کا بذریعہ وصیت تقرر کا تفصیلاً ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "فکانت الوصیۃ تنتقل من قرن الی قرن الی ان ادی اللہ النور الی عبد المطلب وولدہ عبد اللہ ابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھذا موضع تنازع الناس فیہ من اہل الملتمسین قال بالنص وغیرھم من اصحاب الاختیار الخ" یعنی یہ سلسلہ وصایت ایک قرن سے دوسرے قرن کی طرف منتقل ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ خدا نے نور نبی آخر الزمان کو حضرت عبد المطلب اور ان کے بعد آنحضرتؐ کے والد جناب عبداللہ تک پہنچایا۔ یہاں پہنچنے کے بعد امت مسلمہ میں اختلاف رونما ہو گیا کہ آیا خلافت بالنص ہے یا باختیار امت ہے؟ نیز انہی علامہ مسعودی کی اسی وصیت کے موضوع پر ایک لطیف کتاب بنام "اثبات الوصیۃ" موجود و مطبوع ہے جس میں انہوں نے بڑے اچھے انداز میں آدمؑ سے لے کر سرکار خاتم الانبیاءؐ تک تمام انبیاء کا اپنے بعد خلفاء کے بامر پروردگار نامزد کرنا ثابت کیا ہے۔ فراجع - منہ عفی عنہ

بنابریں آیا کوئی عقلِ سلیم یہ باور کر سکتی ہے کہ جو چیز سابق زمانہ میں انبیاء کے متعلق تھی اور امت کو اس میں ہرگز کچھ دخل نہ تھا، وہی چیز حضرت سید الانبیاء علیہ و آلہ الاف التحیۃ و الثناء سے سلب کر کے ان کی اُمّت کو دے دی جائے؟ ان ھذا الاقسمۃ ضیزیٰ۔ نہیں ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ اصول میں کبھی تغیر و تبدل واقع نہیں ہوا۔ اور نہ ہو سکتا ہے۔ لن تجد لسنۃ اللہ تبدیلاً ولن تجد لسنۃ اللہ تحویلاً لہٰذا اس سُنّۃ اللہ کے مطابق ضروری ہے کہ اس فریضہ کو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بامر ایزدی انجام دے کر دنیا سے تشریف لے جائیں۔ چنانچہ آنجناب نے بطریق احسن اس فریضہ کو انجام دیا جیسا کہ عنقریب اسے بڑی تفصیلِ جمیل کے ساتھ ثابت کیا جائے گا۔ انشاء اللہ فانتظر۔ ان اللہ مع الصابرین

ادلۂ نقلیہ!

دلیل اوّل ارشادِ پروردگار ہے "واذ ابتلی ابراھیم ربہ بکلمات فاتمھن قال انی جاعلک للناس اماما قال ومن ذریتی قال لاینال عھدی الظالمین"

اے رسول! اس وقت کو یاد کرو۔ جب خداوندِ عالم نے چند کلمات کے ساتھ حضرت ابراہیمؑ کی آزمائش کی اور انہوں نے جب ان کو پورا کر دیا۔ تو خلاقِ عالم نے فرمایا اے ابراہیمؑ! میں تمہیں لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔ ابراہیمؑ نے عرض کی بار الہٰا! میری ذریت سے بھی امام بنانا ارشاد ہوا۔ میرا یہ عہدِ (امامت) ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔ یہ آیۃ وافی ہدایہ دو طریق سے ہمارے مدعا پر دلالت کرتی ہے۔

اوّل:- یہ کہ حضرت ابراہیمؑ کا اپنی ذریت کے لئے اس عہدۂ جلیلہ کا خداوند عالم سے سوال کرنا اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ امام کا نصب و تقرر خداوند عالم ہی کے اختیار میں ہے کیونکہ اگر لوگوں کے اختیار و انتخاب سے امام کا تقرر ممکن ہوتا تو حضرت ابراہیمؑ کو یہ سوال کرنے کی ہرگز ضرورت نہ تھی۔ خود کسی کا انتخاب کر لیتے۔ جب حضرت ابراہیمؑ ایسے اولوالعزم نبی کو اس امر کا اختیار نہیں تو عام لوگوں کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

دوم:- خداوند عالم نے امامت کو اپنا عہد قرار دیتے ہوئے یہ فرمایا کہ "ظالموں کو امام نہیں بناؤں گا" یہ جوابِ ایزدی بھی اس امر کی بیّن دلیل ہے کہ اس عہدۂ جلیلہ کے لئے عہدہ داران کا انتخاب و تقرر اسی ذات ذوالجلال کے قبضۂ قدرت میں ہے کیونکہ ظاہر ہے وہ اپنا عہدہ خود ہی جسے چاہے گا اس کے سپرد کرے گا۔ لوگ کسی شخص کو انتخاب کر کے یہ عہدہ اس کو تفویض نہیں کر سکتے۔ اگر یہ نصب و تقرر خداوندِ عالم کے متعلق نہ ہوتا۔ بلکہ لوگوں کی رائے و انتخاب کو اس میں کچھ بھی دخل ہوتا تو خلاق عالم

یوں جواب نہ دیتا کہ "لاینال" الخ بلکہ یہ فرماتا اے ابراہیم! اس امر کے لئے ہم سے سوال کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ یہ امر میرے نصب و نقل پر موقوف نہیں تم خود جسے چاہو مقرر کر دو یا آئندہ لوگ جسے مناسب سمجھیں گے امام مقرر کر لیں گے۔ جب ایسا نہیں فرمایا۔ تو اس سے روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو گیا کہ نصب و تقرر امام خداوند عالم کے ہی اختیار میں ہے۔ وھو المقصود۔

ازالۂ وہم بعض متعصب حضرات اس آیۂ وافی ہدایہ میں "عہدی" سے عہدِ نبوت مراد لیتے ہیں جو عقل و نقل روایت و درایت اور ظاہر و باطن آیت کے اعتبار سے غلط محض ہے۔ یہ سوال و جواب حضرت خلیل الرحمٰن کے درجۂ نبوت پر فائز ہونے کے بعد ہوئے۔ کما لا یخفیٰ علیٰ من لہ ادنیٰ درایۃ فلا نطیل البیان بالنقض و الابرام علیٰ ھذا الکلام الصادر من بعض الغفلۃ اللئام کما لا یخفیٰ علیٰ اولی الافہام۔

دلیل دوم خدائے علیم اپنے کلام متین میں اپنے نبی کریم سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔

الم تر الی الملاء من بنی اسرائیل اذ قالوا لنبی لھم ابعث لنا ملکاً نقاتل فی سبیل اللّٰہ الخ (الیٰ ان قال)، وقال لھم نبیھم ان اللّٰہ قد بعث لکم طالوت ملکاً قالوا انی یکون لہ الملک علینا و نحن احق بالملک منہ ولم یؤت سعۃ من المال قال ان اللّٰہ اصطفٰہ علیکم و زادہ بسطۃ فی العلم و الجسم و اللّٰہ یؤتی ملکہ من یشاء واللّٰہ واسع علیم وقال لھم نبیھم ان آیۃ ملکہ ان یاتیکم التابوت فیہ سکینۃ من ربکم و بقیۃ مما ترک ال موسیٰ و ال ہارون تحملہ الملائکۃ

اے رسول! کیا تمہیں بنی اسرائیل کے گروہ کی کیفیت معلوم نہیں جنہوں نے اپنے نبی (شمویل) سے کہا کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کیجئے جس کی قیادت میں ہم اللہ کے راستہ میں جہاد کریں۔ ان کے نبی نے ان سے کہا کہ خداوند عالم نے طالوت کو تمہارا حاکم مقرر کیا ہے کہنے لگے۔ اسے ہم پر کس طرح حکومت دی جا سکتی ہے حالانکہ ہم اس سے زیادہ حکومت کے حق دار ہیں کیونکہ اس کے پاس تو زیادہ مال و دولت نہیں اور ہم بڑے مالدار آدمی ہیں۔ نبی نے کہا کہ اس میں میرا کچھ دخل نہیں۔ بلکہ خدا ہی نے اس کو تمہارے لئے منتخب کیا ہے اور علم و معرفت اور جسم و طاقت میں اس کو زیادتی عطا فرمائی ہے۔ بات یہ ہے کہ اللہ جسے چاہتا ہے اپنی حکومت اس کو دے دیتا ہے۔ اللہ بڑی وسعت رکھنے والا اور علیم ہے۔ ان کے نبی نے ان سے (یہ بھی) کہا کہ طالوت کی حکومت کی علامت یہ ہے۔

کہ: تمہارے پاس ایک تابوت آئے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے سکینہ اور آل موسیٰ وآل ہارونؑ کے باقی ماندہ اشیاء (تبرکات) بھی ہوں گے جسے ملائکہ اٹھائے ہوں گے۔"

یہ آیۃ وافی ہدایہ چند وجوہ سے ہمارے مدعا کی حقانیت وصداقت پر دلالت کرتی ہے۔

اولاً جب بنی اسرائیل نے ایک ایسے حاکم شرعی کی ضرورت محسوس کی جوان میں احکام شریعت نافذ کرے اور دشمنوں کے ساتھ جہاد کرے تو انہوں نے اپنے نبی سے یہ خواہش کی کہ ان کے لئے کوئی ایسا حاکم مقرر کیا جائے۔ اگر امام کا تقرر اپنے اختیار سے جائز ہوتا، تو وہ ہرگز اپنے نبی سے اس امر کی خواہش نہ کرتے بلکہ خود ہی ایک امام وحاکم مقرر کر لیتے لیکن ان کا ایسا نہ کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ امام کا تقرر اُن کے اختیار میں نہ تھا۔ اس سے جمہوریت کی رگِ حیات کٹ جاتی ہے ؎

بترس از طرزِ جمہوری غلام پختہ کارے شو
کہ از مغز دو صد خر فکرِ انسانے نمی آید

ثانیاً۔ ان کے نبی کا یہ کہنا کہ "خداوندِ عالم نے طالوت کو تمہارا حاکم مقرر کیا ہے" یہ نہیں کہا کہ میں نے اس کو تمہارا حاکم مقرر کیا ہے۔ اس فعل کی اللہ کی طرف نسبت صاف دلالت کرتی ہے۔ کہ نبی کو بھی بذاتِ خود تعیین امام کا کوئی اختیار نہیں بلکہ حاکمِ دین کا مقرر کرنا محض خداوندِ عالم کے متعلق ہے۔ ہاں اس امر کا اعلان اور لوگوں کو اعلام بذریعہ نبی ہوتا ہے۔

ثالثاً جب ان لوگوں نے حکومتِ طالوت کو بہ نظرِ حقارت دیکھتے ہوئے اس پر زبان اعتراض دراز کی تو ان کے نبی نے ان کے جواب میں یہ فرمایا کہ خداوندِ عالم نے اس کو منتخب کیا ہے۔ اور علم وشجاعت میں اس کو تم پر فضیلت عطا فرمائی ہے اس سے بھی واضح ہوتا ہے۔ کہ امامت اصطفاء وانتخاب الٰہی پر موقوف ہے۔ لوگوں کے اختیار وانتخاب کو اس میں کچھ دخل نہیں۔ لیکن کمال افسوس ہے کہ مسلمان ایسی روشن آیتوں کو پڑھتے ہیں اور ان جہات پر نظر وفکر نہیں کرتے۔ یا اگر کرتے ہیں تو پھر ان پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں: وجحدوا بها واستیقنتها انفسهم انہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کر دیا۔ حالانکہ ان کی حقیقت کا انہیں یقین ہے واللہ یهدی من یشاء الی صراط مستقیم۔ نیز یہ آیت اس امر کی بھی قطعی دلیل ہے کہ حکومتِ الٰہیہ کا معیار افضلیت ہے اور افضلیت کا میزان زیادتی علم وشجاعت ہے۔ جس کا علم بیشتر اور شجاعت زیادہ ہوگی وہی اس عہدہ کا حق دار ہوگا نہ وہ جس کے پاس مال ودولت کی کثرت ہو۔ دنیا دار "غنی" کا انتخاب کرتے ہیں لیکن خداوندِ عالم بوریا نشین "سلونی قبل ان تفقدونی" کہنے والے ذواتِ قادسہ کا انتخاب

فرماتا ہے۔ ظاہر ہے کہ خدائے تعالیٰ کا منتخب شدہ انسان خود اسی کے بیان سے ہی معلوم ہو سکتا ہے، خواہ بطور آیہ صریحہ ہو یا بتوسط نبی اس کا تعارف کروائے۔

رابعاً۔ ان آیات میں جو یہ بیان کیا گیا ہے کہ "ان آیۃ ملکہ الخ" یہ اس امر کی قطعی دلیل ہے۔ کہ جب مسئلہ امامت میں کچھ نزاع ہو تو حقیقی امام کی شناخت اظہار معجزہ پر موقوف ہے اس سے حضرات شیعہ خیرالبریہ کے نظریہ کی تائید کید ہوتی ہے جو امام کے لئے معجزہ کو ضروری سمجھتے ہیں۔ معلوم ہوا۔ کہ اثباتِ امامت نص و برہان اور معجزہ پر موقوف ہے نہ کہ اختیار و انتخاب مردم پر۔ لقد کان فی قصصہم عبرۃ۔

توضیحِ مرام مخفی نہ رہے کہ بنی اسرائیل میں "ملک" کا مفہوم وہی ہے جو اس امت میں امام کا ہے کیونکہ امام کا تقرر اقامۂ حدود، امضاء احکام، نشر حقائق و معارفِ شریعت، اخذِ قصاص، تجہیز جیش کافروں باغیوں کے ساتھ جہاد کرنے کے لئے عمل میں لایا جاتا ہے بنی اسرائیل میں یہی فرائض "ملوک" کے متعلق تھے یہ ایک ایسی واضح حقیقت ہے جس کا اقرار و اعتراف صاحب تحفۂ اثناعشریہ نے بھی بایں الفاظ کیا ہے۔ "پس طالوت امام مفترض الطاعۃ بود بنصب الہیٰ" (تحفۂ اثناعشریہ ص مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور) یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ آیۂ وافی ہدایہ ان آیات محکمات میں سے ہے جن کا حکم اس امت میں بھی جاری و ساری ہے کیونکہ مفسرین عامہ و خاصہ میں سے کسی نے بھی یہ ذکر نہیں کیا کہ یہ آیت منسوخ ہے یا اس کا حکم فقط بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص ہے حق یہ ہے کہ اس کا حکم عمومی ہے۔ اسی لئے خداوند عالم نے کے طرز عمل کا ہمیں علم ہو جائے۔ "سنۃ اللہ فی الذین خلوا ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا"۔ خداوند عالم کا گذشتہ لوگوں میں یہی طریقہ رہا ہے اور تم طریقۂ خداوندی میں تبدیل نہیں پاؤ گے۔ فاقصص القصص لعلہم یتفکرون۔ اگر کوئی شخص اس بات کا مدعی ہے۔ کہ یہ آیت امم سابقہ کے ساتھ مخصوص ہے تو اس پر لازم ہے کہ اپنے اس دعویٰ پر دلیل و برہان قائم کرے۔ فان من ادعیٰ فعلیہ اقامۃ البرہان۔

دلیل سوم قرآن میں بہت سی ایسی آیات ہیں جن میں خداوند عالم نے اس مرتبہ کے تقرر کو اپنی ذات کی طرف منسوب کیا ہے مثلاً ارشاد فرماتا ہے کہ: انی جاعلک للناس اماما۔ انی جاعل فی الارض خلیفۃ"۔ وجعلناھم ائمۃ یھدون بامرنا۔ الخ۔ اسی طرح ارشادِ ایزدی ہے کہ "وربک یخلق مایشاء ویختار ماکان لھم الخیرۃ" اے رسول تیرا پروردگار ہی جسے چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ اور جسے چاہتا ہے اختیار کرتا ہے ان لوگوں کو ہرگز کوئی اختیار نہیں؟

یعنی اس کا تذکرہ فرمایا ہے تاکہ اس سے امم سابقہ میں اس کے طرزِ عمل

یہ بھی آیۃ و فی ہدایہ نے ہر قسم کے اختیار کی لوگوں سے نفی کر دی خواہ امور تکوینیہ میں ہو یا امور تشریعیہ میں جس طرح مارنا و جلانا، رزق دینا، بیماروں کو شفا دینا وغیرہ امور تکوینیہ خداوند عالم کے قبضہ قدرت میں ہیں اور لوگوں کو ان میں ہرگز کسی قسم کا کچھ دخل نہیں۔ اسی طرح امورِ تشریعیہ میں کسی چیز کا حلال و حرام کرنا اور کسی چیز کو مقدم و مؤخر کرنا بھی خلاق عالم کے اختیار میں ہے۔ لوگوں کو ان میں ہرگز کچھ حق مداخلت نہیں۔ یہ کہنا کہ لوگ امام کا اختیار و انتخاب کر سکتے ہیں۔ اس آیۃ وافی ہدایہ اور دیگر آیات کی رو سے، بالکل غلط ہے ان آیات مبارکہ سے لبعارۃ النص واضح ہوتا ہے۔ کہ (الف) خلیفہ خدا منتخب کرتا ہے (ب) خلافت الٰہی کا مستحق وہ ہے جو افضل ہو (ج) افضلیت کا معیار علم لدنی الٰہی ہے (د) لوگ اجماع کر کے کسی کو خلیفہ نہیں بنا سکتے جب ملائکہ جیسی معصوم مخلوق کو یہ حق حاصل نہیں تو دوسری کسی مخلوق کو کیونکر یہ حق دیا جا سکتا ہے؟

ازالۂ وہم خیال کیا گیا ہے کہ چونکہ بندوں کے تمام افعال کی نسبت خداوند عالم کی طرف ہے لہٰذا لوگوں کے انتخاب کو اپنی جانب منسوب کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ میں خلیفہ بناتا ہوں۔ حالانکہ واقعاً خلیفہ لوگ بناتے ہیں؟ یہ خیال باطل اور محال ہے۔ یہ وہم مسئلہ جبر پر مبنی ہے۔ جس کا بطلان مضبوط اور ناقابلِ ردّ دلائل کی روشنی میں واضح ہے تفصیل کے لئے ہماری کتاب احسن الفوائد کا مطالعہ کیا جائے۔ خداوندِ عالم نے اپنی حکمتِ بالغہ سے بندوں کو خیر یا شر کے اختیار کرنے اور بجالانے ہی میں فاعلِ مختار بنایا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ انا ھدینا ہ السبیل اما شاکراً و اما کفوراً۔ لہٰذا ان کا اچھا یا بُرا فعل انہی کی طرف منسوب ہوگا۔ کیونکہ وہی اس کے حقیقی فاعل ہیں نہ خداوندِ عالم کی طرف۔ اور اگر کبھی اس کی طرف نسبت ہوئی تو من باب المجاز ہوگی۔ والاصل فی الکلام الحقیقۃ کما لا یخفیٰ علی اہل العربیۃ۔

دلیل چہارم کتب سیر و تواریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائے بعثت میں بعض قبائل نے اس شرط پر اسلام قبول کرنا چاہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی خلافت کے لئے ان کو نامزد کریں۔ لیکن آنحضرتؐ نے صاف لفظوں میں اُن سے فرمایا کہ یہ تمہارے اور میرے بس کی بات نہیں۔ بلکہ اس کا اختیار خداوند عالم کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ وہ جسے چاہے گا اس عہدۂ جلیلہ کے لئے منتخب کرے گا۔ اور میں اس کا اعلان کر دوں گا۔ اور بس چنانچہ سیرتِ ابن ہشام ج ۲ ص ۳۳ الروض الانف ج ا ص ۲۶۴ سیرت حلبیہ ج ۲ ص ۳ سیرتِ نبویہ زینی دحلان ج ا ص ۳۰۲ مطبوعہ بر حاشیہ سیرتِ حلبیہ وغیرہ کتب میں مرقوم ہے

کہ جب آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبائل عرب کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو بنی عامر بن صعصعہ نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی "ارائیت ان نحن بایعناک علی امرک ثم اظہرک اللہ علی من خالفک ایکون لنا الامر من بعدک قال الامر الی اللہ یضعہ حیث یشاء" یعنی ہمیں یہ بتلایئے کہ اگر ہم اس امر (اسلام) میں آپ کی متابعت کریں اور پھر خداوند عالم آپ کو مخالفین پر ظفر و غلبہ عطا کر دے تو کیا آپ کے بعد امر خلافت ہمیں ملے گا؟ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ امر خلافت (امامت) خداوند عالم کے اختیار میں ہے وہ جہاں چاہے گا اس کو مقرر کرے گا۔" یہ حدیث بھی ہمارے مدعا پر نص صریح ہے الحمد للہ ان عقلی و نقلی دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ سے کالشمس فی رابعۃ النہار واضح و آشکار ہو گیا کہ نبی و رسول کی طرح امام کا تقرر بھی خداوند علیم کے اختیار و انتخاب سے ہوتا ہے نبی کا کام فقط اس کا اعلان و اعلام ہے اس کے علاوہ جتنے طریق بیان کئے جاتے ہیں از قسم اجماع اور قہر و غلبہ وغیرہ وہ سب فاسد و کاسد اور باطل و عاطل ہیں۔ قد فصلنا الآیات لقوم یذکرون۔

غلط روش کا اعادہ

برادران اسلام سے جب ان ادلۂ قطعیہ کا کوئی جواب نہیں بن پڑتا۔ تو اپنی عادت کے مطابق اس مسئلہ میں بھی خلافت ابوبکر سے ہی سہارا لیتے ہوئے کہتے ہیں کہ "اگر ان لوگوں کے اختیار و انتخاب سے امام و خلیفہ کا تقرر کرنا صحیح نہ ہو۔ تو ابوبکر کی خلافت صحیح نہیں رہتی حالانکہ ان کی خلافت صحیح ہے پس معلوم ہوا کہ لوگوں کے اجماع سے امام کا انتخاب کرنا صحیح ہے"؛ یہ استدلال بالکل ہی مضحکۃ الاطفال ہے۔ اور بوجہ مصادرہ علی المطلوب ہونے کے غلط محض ہے۔ وہی دعویٰ اور وہی دلیل ہے یہ تو وہی بات ہوئی۔ ؂

خود کوزہ خود گل کوزہ۔ و خود کوزہ گر

حالانکہ بات بالکل صاف اور سادہ ہے کہ جب سابقہ ادلہ قاطعہ سے لوگوں کے انتخاب کا بطلان واضح وعیاں ہو گیا تو اس انتخاب سے عمل میں لائی ہوئی خلافت کس طرح صحیح ہو سکتی ہے؟ ہاں اگر یہ حضرات پہلے لوگوں کے انتخاب کی صحت ثابت کر دیتے۔ تب البتہ اس سے کسی کی صحت خلافت پر استدلال کر سکتے تھے ودانی لہم ذلک؟

تحیر و تعجب کا مقام

کس قدر مقام تعجب ہے کہ حضرات کے وہ بڑے بڑے علماء جنہوں نے "مصادرہ" اور "دور" کا بطلان اپنی کتب فن میں مضبوط دلیل

و براہین سے واضح وعیاں کیا ہے۔ وہی جب اس مقام پہ پہنچتے ہیں تو اپنے خلفاء کی اندھی محبت ان پر اس طرح مسلط ہو جاتی ہے کہ اور چشم بصیرت پر اس طرح پردے پڑ جاتے ہیں کہ ممکن و ممتنع میں تمیز نہیں رہتی جس امر کو بارہا ممتنع و محال بتا چکے تھے اب اسی سے استدلال کرنا شروع کر دیتے ہیں یالعجب العجاب۔!

ان لوگوں کے یہاں دلائل کے فقدان کا یہ عالم ہے کہ ہر ہر مسئلہ میں بس خلافت شیخین ہی کا سہارا لیتے ہیں جو بجائے خود تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ غور تو فرمایئے جب شیعوں نے دلائل و براہین سے ثابت کیا کہ امام کو "اعلم" ہونا چاہیئے۔ تو انہوں نے جواب میں جھٹ کہہ دیا۔ کہ نہیں "اعلم" ہونے کی کوئی ضرورت نہیں غیر اعلم بھی امام ہو سکتا ہے اور دلیل یہ پیش کی کہ حضرت ابوبکر امام ہیں حالانکہ وہ اعلم نہ تھے۔ اسی طرح جب حضرات شیعہ نے حجج باہرہ سے یہ واضح کر دیا کہ امام کو معصوم ہونا چاہیئے تو اس وقت بھی ان حضرات نے جواب میں یہی کہا کہ امام کے لئے عصمت ضروری نہیں کیونکہ ...... ابوبکر امام ہیں حالانکہ وہ معصوم نہیں۔

اسی طرح جب شیعیان علیؑ نے براہین قاطعہ سے یہ محقق کر دیا کہ امام کو افضل الناس ہونا چاہیئے تو ان حضرات نے کہا کہ امام کے لئے افضل ہونا ضروری نہیں کیونکہ حضرت ابوبکر امام ہیں مگر افضل نہیں اور جب شیعہ امامیہ نے ادلۂ قطعیہ سے مبرہن کر دیا کہ امام کو خاندان بنی ہاشم سے ہونا چاہیئے۔ تو ان حضرات نے جواب میں کہا یہ شرط لازمی نہیں کیونکہ حضرت ابوبکر امام ہیں مگر ہاشمی نہیں؟ اسی طرح جب شیعیان حیدر کرار نے دلائل و براہین قویہ سے یہ واضح و لائح کر دیا۔ کہ امام کو منصوص من اللہ ہونا چاہیئے۔ تو اس مقام پر بھی ان عقلمند حضرات نے یہی جواب دیا۔ کہ نص کا ہونا ضروری نہیں کیونکہ ابوبکر صاحب امام ہیں مگر منصوص نہیں۔ ذالک مبلغھم من العلم؟

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

ارباب عقل و دانش پر مخفی نہیں کہ اگر کوئی طفلِ غیر ممیز ایسا بودہ استدلال کرتا تو شاید محلِ تعجب نہ ہوتا۔ مگر تعجب تو یہ ہے کہ یہاں تو وہ مدعیانِ عقل و فہم اور فضل و کمال جو علوم و فنون میں کسی کو اپنا ہم پلہ نہیں سمجھتے وہ یہ استدلال پیش کر رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب آدمی صراطِ مستقیم سے بھٹک جائے۔ تو اس کی کوئی بات قرین عقل و دانش نہیں ہوتی جو بات کرے گا وہی الٹی ہوگی۔ جو

استدلال کرے گا۔ وہی ٹیڑھا ہوگا اور جو جواب دے گا، وہی غلط ہوگا۔ دراصل آغا مریدوں کا قصور نہیں جتنا پیروں کا ہے ان کے پلے کچھ نہیں ہے۔

وکم قد راینا من فروع کثیرۃ
تموت اذا لم تحیهن اصول!

ان دلائل و براہین کا تقاضا تو یہ تھا کہ یہ لوگ ان کی بنیاد پر خلفاء ثلاثہ کی امامت و خلافت کے بطلان کا اعتراف کر لیتے۔ انہوں نے یہ کیا کہ

جب یہ دلائل ان کی خلافت سے ٹکرائے تو انہوں نے ان کی خلافت کو سنبھالنے کے لئے ان عقلی و نقلی دلائل سے ہاتھ اٹھا لیا، لیکن ان کی خلافتوں کا دامن نہ چھوڑا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

لطیفہ:۔ یہ تو وہی بات ہوئی کہتے ہیں ایک مرتبہ ایک عالم دین وضو کی اہمیت بیان کرتے ہوئے کہنے لگے "وضو درست بکنید کہ بلا وضو نماز نمی شود" یعنی وضو درست کرو۔ کیونکہ وضو کے بغیر نماز نہیں ہو سکتی۔ بعض منچلے حاضرین نے کہا۔ آغا چہ می فرمائی ما بارہا کردیم و شد" آغا! آپ کیا فرما رہے ہیں؟ ہم نے کئی مرتبہ وضو کے بغیر نماز پڑھی ہے اور وہ ہو گئی بلا تشبیہ یہ حضرات بھی گویا زبان حال سے کہہ رہے ہیں امامت کے شرائط کیا ہیں؟ ہم نے بلا شرائط امام بنتے دیکھے۔ ہیں کہ وہ مسند امامت پر بیٹھ گئے اور امام بن گئے فاعتبروا یا اولی الابصار

بابِ سوم

اصحابِ ثلاثہ کی خلافتوں کا ابطال

دوسرے باب میں شرائط امامت کے سلسلے میں جو حقائق بیان کئے گئے ہیں اگرچہ خلفاء ثلاثہ کی خلافتوں کا بطلان ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کیونکہ جب ان مزعومہ خلفاء میں ان شرائط کا فقدان ہے۔ تو بموجب "اذا فات الشرط فات المشروط" ان کی خلافت رخصت ہو جاتی ہے۔ تاہم ذیل میں کچھ تفصیل کے ساتھ اس موضوع پر تبصرہ کیا جاتا ہے۔

خُلفاء ثلاثہ کی خلافتوں کا بطلان شرائطِ خلافت کی روشنی میں

اصحابِ ثلاثہ میں اعلمیت کا فقدان

افسوس کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ یہ شرط جو مقصود اہم اور رکنِ اعظم ہے۔ ان حضرات کے کمال کا سب سے زیادہ کمزور پہلو ہے (اعلمیت تو بجائے خود) انکی واقفیت مسائلِ شرعیہ میں اتنی بھی نہ تھی جتنی عام صحابہ کی تھی۔ ایسے اتفاقات بھی ہوئے کہ فیصلہ غلط کیا اور کسی صحابی نے اعتراض کر دیا۔ فوراً فیصلہ بدل دیا۔ ابوبکر کو اپنی مختصر مدت خلافت میں ایسے بعض واقعات پیش آگئے جن میں آپ کو زحمت سے دوچار ہونا پڑا۔ اس سلسلہ میں میراثِ جدّہ کا مسئلہ بہت مشہور ہے۔ ابن تیمیہ نے "رفع الملام عن الآئمۃ الاعلام صـ۲۲ طبع مصر میں لکھا ہے کہ جب آپ سے میراثِ جدّہ کے بارے میں سوال ہوا۔ تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اس مسئلہ کا علم نہیں ہیں لوگوں سے دریافت کروں گا۔ چنانچہ آپ نے دریافت کیا۔ مغیرہ بن شعبہ محمد بن مسلم نے بتایا کہ رسول اللہ نے اس کو سدس عطا کیا ہے" (کذا فی اسد الغابۃ ج ۳ صـ۲۹۵۔

آیتِ مبارکہ فاکہۃً واباً" کے معنیٰ میں ہمیشہ متحیر رہے (اتقان سیوطی ج ۲ صـ۱۱۵ طبع مصر۔ چور کا بایاں ہاتھ کٹوا دیا۔ فجاءہ سلمی کو آگ میں جلوا دیا۔ علامہ قوشجی کو بھی تسلیم کرنا پڑا ہے کہ یہ آپ کی غلطی تھی ...... حضرت عمر کے دور میں ان واقعات کی بہت کثرت ہے۔

علامہ ابن تیمیہ نے رفع الملام صہ۲۲ طبع مصر میں لکھا ہے...... کہ حضرت عمر حسب ذیل مسائل کو نہ جانتے تھے۔ سنت استئذان، میراث دیت، حکم مجوس باعتبار جزیہ، انگلیوں کے بارے میں غلط فیصلہ کیا ہے۔ معاویہ نے اپنے دور میں منسوخ کیا؟ کلالہ کے معنی کبھی آپ کی سمجھ میں نہ آئے (تفسیر در منثور ج ۲ صہ۲۴۹)

اس قسم کے واقعات کا نتیجہ تھا کہ مسائل شرعیہ میں آپ کے کسی حکم کا کوئی وزن عام نظروں میں باقی نہیں رہا تھا۔ آپ نے اعلان کیا کہ عورتوں کے مہر میں زیادتی نہ کی جائے۔ ایک عورت نے کہا کہ یہ حکم خدا کے خلاف ہے۔ آپ نے قرآن کی آیت پڑھ دی، تب آپ کو اعتراف کرنا پڑا۔ (رفع الملام صہ۲۲ تفسیر کشاف ج ۱ صہ۳۵۷)

ابی بن کعب پر آپ نے قرآن کی کسی آیت کے بارے میں اعتراض کیا انہوں نے فوراً کہدیا "انہ القرآن یلہینی القرآن ویلہیک الصفق با الاسواق" میں رسول اللہ سے قرآن کا علم حاصل کرتا تھا، آپ کو بازاروں میں خرید و فروخت سے فرصت نہ تھی اسی لئے آپ مختلف صحابہ سے اس مرحلہ میں مدد حاصل کرتے رہتے تھے جن میں ایک یہی ابی بن کعب ہیں (اصابہ ج ۱ صہ۳۱) یہاں تک کہ ابن عباس جو رسول اللہ کے زمانہ میں کم سن تھے اور انہوں نے صحابہ سے علم حاصل کیا تھا، حضرت عمر کے ملجا و ماویٰ تھے۔ (ملاحظہ ہو اسد الغابہ ابن اثیر جزری ج ۳ صہ۱۹۱) یہ ابن عباس وہ تھے جو حضرت علیؑ کے شاگرد تھے۔ پھر کیا تعجب ہے اگر حضرت عمر مسائل شرعیہ میں حضرت علیؑ کی طرف رجوع کریں، چنانچہ اس قسم کے بے شمار واقعات ہیں ایسے ہی مواقع پر آپ کی زبان سے یہ نقرہ نکلا کرتا تھا۔ جو زبان زد خلائق ہے۔ "لو لا علی لہلک عمر" اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔ اور "اعوذ باللہ من معضلۃ لیس لہا ابو الحسنؑ" خدا سے پناہ مانگتا ہوں اس مشکل سے جس کے لئے ابو الحسنؑ (علیؑ) نہ ہوں۔ (ملاحظہ ہو تاویل مختلف الحدیث ابن قتیبہ دینوری صہ۲۰۱ طبع مصر استیعاب ج ۲ صہ۴۷۴ طبع حیدر آباد، اسد الغابہ جزری ج ۴ صہ۲۲ طبع مصر، تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی ج ۷ صہ۳۳۷ طبع حیدر آباد۔ فصول مہمہ صہ۱۸ شرح مواقف صہ۴۲۳ طبع لکھنؤ۔ صواعق محرقہ صہ۷۸ طبع مصر تاریخ الخلفاء سیوطی صہ۶۶ طبع مصر۔ نور الابصار صہ۷۳ وغیرہ)

مثل مشہور ہے کہ "الناس اعداء لما جہلوا" بادشاہ وقت میں جتنا علمی ذوق اعلیٰ پایہ کا ہو گا۔ اتنا وہ علوم و فنون کی طرف زیادہ متوجہ ہو گا۔ لیکن دوسری صورت میں اس کے برعکس صورت پیدا ہونا یقینی ہے۔ یہ تاریخ کی مسلمہ حقیقت ہے کہ حضرت عمر کے دور میں مسلمانوں کی علمی ترقی میں بہت

بڑی رکاوٹ پیدا ہوئی چنانچہ آپ نے اپنے زمانہ میں احادیث کی روایت سے ممانعت کردی تھی، اور بہت سختی کرتے تھے۔ چنانچہ اس مصیبت سے جناب ابو ہریرہ کو بھی دوچار ہونا پڑا (شرح نہج البلاغہ حدیدی ج ۴ ص ۲۱)

مسلم نے اپنی کتاب (صحیح مسلم) کے مقدمہ میں اس حقیقت کا اعتراف کیا "اختلفوا فی کتابۃ الحدیث فکرھہ جماعۃ منہم عمر بن الخطاب" احادیث کے قلمبند کرنے کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک جماعت نے اس کو ناپسند کیا جن میں حضرت عمر ہیں"

اور عقائد کے معاملہ میں جو شبہات پیدا ہوتے تھے۔ ان کا حل علمی دلائل کے بجائے آپ کی جانب سے بزور تازیانہ کیا جاتا تھا۔[1] امام غزالی کی احیاء العلوم میں اس کی کافی تفصیل موجود ہے اہلِ انصاف فرمائیں، وہ دور کس حد تک روشن کہے جانے کے قابل ہے جس میں معارف و حقائق کا چرچا نہ ہو فلسفۂ الہیات اور علمِ کلام کے مسائل گوشۂ گمنامی میں پڑ جائیں۔ تصنیف و تالیف کا دروازہ بند ہو اور روایتِ احادیث پر پابندیاں ہوں؟"

باقی رہے حضرت عثمان۔ ان کی علمی حالت عیاں راچہ بیان کی مصداق ہے، آپ کو اس مسئلہ کا بھی علم نہیں تھا کہ زوجہ کو اپنے شوہر کی وفات کے بعد اسی مکان میں رہنا چاہیے جہاں اس نے چھوڑا تھا یہاں تک فریعہ بنت مالک (ابوسعید خدری) کی بہن نے آپ کو اس مسئلہ سے آگاہ کیا تھا؟ (رفع الملام ابن تیمیہ ص۱۷ طبع مصر)

اصحابِ ثلاثہ میں عصمت و عدالت کا فقدان

جہاں تک ان حضرات میں عصمت کے فقدان کا تعلق ہے وہ عیاں را چہ بیان کی مصداق ہے کیونکہ کوئی مسلمان ان کی عصمت کا مدعی ہی نہیں۔ تاہم دیدہ رسد بلکہ یہ حقیقت ہے کہ وہاں عدالت بھی نمارد ہے۔ اگرچہ عام مسلمان تو بموجب "الصحابۃ کلہم عدول" ان کو عادل مانیں گے۔ مگر تحقیق کی کسوٹی پر ان کی عدالت پوری نہیں اترتی۔۔۔ اگر

---

[1] کسی نے آپ سے قرآن کی کسی متشابہہ آیت کے معنی دریافت کئے، آپ نے کوڑے لگائے اتنے کہ وہ زخمی ہو گیا۔ اور سر سے خون جاری ہو گیا۔ (تفسیر اتقان سیوطی ص۲۸۶ طبع دہلی) اس صورتِ حال میں کیا کسی مسلمان کو جرأت ہو سکتی تھی کہ وہ کسی علمی مسئلہ کا تذکرہ زبان پر لائے؟ کیا اس طرح عقول و افکار کو زنگ آلود نہیں بنایا گیا، کیا خلیفۂ رسول کو یہی علمی فریضہ انجام دینا چاہیے؟؟ (منہ عفی عنہ)

عدالت کو عام معنی میں لیا جائے جسے کہتے ہیں کبائر سے اجتناب اور صغائر پر عدم اصرار تو قرآن و حدیث اور تاریخ " فرار عن الزحف " ہی کا وہ مرقع پیش کر دے گی جس کے سامنے دعوائے عدالت سر بگریباں ہو جائے۔ اور رسول اللہ کی زندگی کے بالکل آخری حصہ میں جیش اسامہ سے تخلف کا قصہ سامنے آجائے گا جس کی معافی کی سند بھی ڈھونڈے سے دستیاب نہیں ہو سکتی لیکن جبکہ عدالت کو محدود معنوں میں مسلمانوں کے ساتھ انصاف اور اموال مسلمین منصفانہ رعایت کے ساتھ حفاظت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو " فدک " کا معاملہ سامنے آجاتا ہے جس میں شیعہ تو شیعہ بہت سے بتحقیق شیوہ علمائے اہل سنت بھی انگشت بدنداں نظر آتے ہیں۔ پھر حضرت عثمان کے زمانہ میں تو تقسیم اموال کی جو صورت ہوئی وہ ایسی ہے۔ کہ تمام صحابہ فریادی نظر آتے ہیں یہ واقعات تاریخ اسلام میں تفصیل کے ساتھ موجود ہیں۔ طول کے اندیشہ سے ان کا تذکرہ یہاں ترک کیا جاتا ہے۔

اصحاب ثلاثہ میں شجاعت کا فقدان

یہ انتہائی مایوسی کی جگہ ہے۔ پورے اسلامی غزوات کی تاریخ میں نہ کوئی ان حضرات کے ہاتھ کا کشتہ نظر آتا ہے اور نہ یہ حضرات کسی سے کوئی زخم کھاتے نظر آتے ہیں جس جنگ میں بھی شامل ہوئے راہ فرار میں سلامتی دیکھی۔ یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی ان کو کوئی ذمہ دارانہ منصب سپرد نہیں کیا بلکہ ہمیشہ دوسروں کے ماتحت رکھا۔ صرف جنگ خیبر میں شیخین کو پرچم اسلام سپرد کیا گیا مگر ناکام واپس آئے (تاریخ خمیس ج ۲ صفحہ ۵۳ سیرت ابن ہشام ج ۲ صفحہ ۲۲۹ برحاشیہ روض الانف) اور میدان جنگ سے واپس بھی اس طرح آئے۔ کہ ساتھ والے ان پر بزدلی کا الزام لگاتے تھے اور آپ ساتھیوں پر، (تاریخ طبری ج ۳ صفحہ ۹۳) اسی طرح کسی اور اسلامی جنگ میں ان کا کوئی کارنامہ نظر نہیں آتا۔ اسلام کی سب سے پہلی لڑائی جس کا نام جنگ بدر ہے حضرت ابوبکر نے اس لڑائی میں کوئی عملی حصہ نہیں لیا۔ بلکہ وہیں " عریش " پر بیٹھے رہے (ملاحظہ تاریخ طبری ج ۲ صفحہ ۲۸۰ ابو الفداء ج ۱ صفحہ ۱۲۸ تاریخ خمیس ج ۱ صفحہ ۴۱۹ طبقات ابن سعد ج ۲ صفحہ ۹)

اور حضرت عثمان اس جنگ میں شامل ہی نہیں ہوئے۔ (طبری ج ۲ صفحہ ۲۹۶ ابو الفداء ج ۱ صفحہ ۱۲۶ طبقات ابن سعد ج ۲ صفحہ ۶) سنہ ۳ھ میں جنگ احد ہوئی یہ وہ سخت و فیصلہ کن جنگ تھی۔ جسے قدرت کو مسلمانوں کے عزم و ثبات کی کسوٹی بنانا مقصود تھا۔ جب مسلمان "ہزیمت آور وند"

رسول اللہ را تنہا گذاشتند" تو انہی جھگڑوں میں اصحاب ثلاثہ کے نام بھی نمایاں نظر آتے ہیں ۔
(فرار ابوبکر . تاریخ خمیس ج ۱ صہ ۴۸۹ . فرار عمر . تفسیر جامع البیان ابن جریر ج ۴ صہ ۹۶ وتفسیر کبیر
ج ۳ صہ ۹۷ . فرار عثمان . تاریخ طبری ج ۳ صہ ۲۱ استیعاب ج ۲ صہ ۵۲ تفسیر جامع البیان ج ۴ صہ ۹۶)
۵ھ میں جنگِ خندق واقع ہوئی . جب عمرو بن عبدود نے جوش و خروش کے ساتھ
مبارز طلبی کی تو تاریخ کا بیان ہے " الاصحاب ساکتون کانما علی رؤ سہم الطیر" اصحاب
اس طرح خاموش تھے کہ گویا ان کے سروں پہ طائر بیٹھا ہوا ہے "
اور ۷ھ میں جنگِ خیبر واقع ہوئی ، اس جنگ میں ان حضرات نے اسلام کی جو خدمت
انجام دی ، اس کا تذکرہ ابھی اوپر کیا جا چکا ہے .
۸ھ کے اواخر میں حنین کی جنگ ہوئی . یہ رسول اللہ کی آخری لڑائی تھی اس میں بھی
حضرات نے راہِ فرار اختیار کی . " صحیح بخاری میں ابو قتادہ کی روایت ہے . "تمام مسلمانوں نے
راہِ فرار اختیار کی اور میں بھی ان کے ساتھ بھاگا ، ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ سب کے ساتھ
حضرت عمر بھی ہیں ، میں نے کہا یہ کیا ہوا ، آپ نے فرمایا . کیا بتاؤں خدا کی مرضی ؛ پھر اس کے
بعد رفتہ رفتہ لوگ رسالتمآب کے پاس واپس آگئے " (بخاری ج ۳ صہ ۱۳)
نوٹ :- ان اسلامی غزوات میں حضرت امیر المومنین علی بن ابیطالب نے کیا کیا
زریں کارنامے انجام دیئے ان کی تفصیلات ہماری کتاب تجلیات صداقت میں اور اجمالی بیان
اسی کتاب کے چھٹے باب میں ملاحظہ ہو)
اور اپنی خلافتوں کے زمانہ میں ان حضرات نے کبھی اس طرح کا موقع آنے ہی نہیں دیا ،
کہ خود میدانِ جنگ میں جاتے . کیونکہ ہمیشہ دوسرے سپہ سالاروں کو لڑنے کے لئے بھیجا اور خود
مرکزِ خلافت سے قدم نہیں اٹھایا ." (ماخوذ از خلافت و امامت با دنیٰ تفاوت)

اصحابِ ثلاثہ میں ہاشمیت کا فقدان

اور جہاں تک اصحاب ثلاثہ کا بنی ہاشم سے
نہ ہونے کا تعلق ہے وہ محتاجِ بیان نہیں ،
حضرت ابوبکر بنی تیم حضرت عمر بنی عدی اور حضرت عثمان بنی اُمیہ کے چشم و چراغ ہیں کما لایخفیٰ

اصحابِ ثلاثہ میں افضلیت کا فقدان

باقی رہا ان حضرات میں افضلیت کا فقدان سو
وہ بھی بالکل واضح وعیاں ہے ہم دوسرے باب
میں محقق و مبرہن کر چکے ہیں ، (مزید تبصرہ چوتھے باب میں کیا جائے گا) کہ افضلیت کا معیار علم و

طاقت کی زیادتی ہے۔ جس کا علم اور جسمانی طاقت سب سے زیادہ ہوگی وہی افضل الناس ہو گا۔ اور ابھی سطور بالا میں واضح کیا جا چکا ہے کہ علم و طاقت میں ان حضرات کا حصہ نہ ہونے کے برابر ہے لہٰذا ان کی افضلیت کی اساس ہی ندارد ہوگئی۔ والحمد للہ۔

اصحابِ ثلاثہ میں نص کا فقدان

اور جہاں تک اس سلسلہ کی آخری شرط یعنی نص کے فقدان کا تعلق ہے وہ روزِ روشن سے بھی واضح و آشکار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خود اہلِ سنت بھی اس کا ادعا نہیں کرتے بلکہ وہ اجماع اور شوریٰ وغیرہ کا سہارا لیتے ہیں۔ پس ان حقائق کی روشنی میں ثابت ہوگیا کہ جب ان حضرات میں خلافت و امامت کے مسلمہ شروط موجود نہیں ہیں تو ان کی خلافت عقلی و شرعی نقطۂ نظر سے غلط محض اور باطل ہے۔ وہو المقصود۔

اب ہم ذیل میں ان کے اجماع و شوریٰ کے سلسلے کا ابطال پیش کرتے ہیں اور واضح کرتے ہیں کہ یہ سہارا تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ بودا اور کمزور ہے اور الگ الگ ہر سہ خلافتوں کے انعقاد کی کیفیت اور اس کے بطلان کو واضح و عیاں کیا جاتا ہے

خلافتِ اولیٰ کے انعقاد کی کیفیت اور اس کا بطلان

برادران اسلام کہتے ہیں۔ کہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت امت مرحومہ کے اجماع سے عمل میں آئی ہے۔ قطع نظر اجماع کی صحت یا عدم صحت کے یہ حضرات جس اجماع کا دعویٰ کرتے ہیں وہ سرے سے متحقق ہی نہیں ہوا۔ اور نہ ہی ہو سکتا ہے۔

اجماع میں اجماع الکل شرط ہے

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ان حضرات کے یہاں ایک حدیث نبوی مشہور ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ لا تجتمع امتی علی ضلالۃ کہ میری اُمت کبھی ضلالت و گمراہی پر مجتمع نہ ہوگی۔ اس کا مطلب ان کے علماء اعلام نے یہ لکھا ہے کہ تمام امتِ مرحومہ باطل پر اجماع نہیں کر سکتی۔ لیکن اگر امت میں سے ایک آدمی بھی مخالف ہو تو یہ اجماع متحقق نہیں ہوتا۔ چنانچہ کتاب نور الانوار مطبوعہ یوسفی لکھنؤ ص۲۲ پر لکھا ہے۔

"والشرط اجماع الکل وخلاف الواحد مانع کخلاف الاکثر یعنی فی حین انعقاد الاجماع لو خالف واحد کان خلافہ معتبرا ولا ینعقد الاجماع لان لفظ الامۃ فی قولہ علیہ السلام لا تجتمع امتی علی الضلالۃ یتناول الکل فیحتمل ان یکون الصواب مع المخالف"

اجماع کی شرط یہ ہے کہ تمام اُمّت کا ہو۔ ایک آدمی کی مخالفت اکثر لوگوں کی مخالفت کی طرح اجماع سے مانع ہوتی ہے۔ یعنی اجماع کے وقت اگر ایک شخص بھی مخالف ہو تو اس کا خلاف معتبر سمجھا جائے گا لہذا اجماع منعقد نہ ہوگا کیونکہ اُمّت" کا لفظ جو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حدیث لایجتمع امتی علی الضلالۃ" میں موجود ہے۔ تمام اُمّت کو شامل ہے لہذا اگر ایک شخص بھی مخالف ہو تو احتمال ہے کہ حق اسی مخالف کے ساتھ ہو اور باقی سب باطل پر ہوں"۔ بعینہ یہی بات نووی نے شرح مسلم ج۲۔ ص ۴۵ پر لکھی ہے۔

ایسا اجماع ثابت نہیں ہے

ظاہر ہے کہ ایسا اجماع چونکہ عنقا ہے اسی لئے بعض علمائے اہل سنت نے اس کے وجود کا انکار کر دیا ہے۔ ترجمان القرآن ج ۱ ص ۱۱۸ پر ہے امام اہل سنت احمد بن حنبل نے انکار اجماع کیا کیونکہ بعد قول بحجیت و امکان اجماع وجود اس کا امت میں نہایت مشکل پڑ گیا ہے الخ۔ ابن حزم نے اپنی کتاب محلّیٰ ج ۵ ص ۵ میں کہا ہے کہ "رحمہ اللہ احمد ابن حنبل فلقد صدق اذ یقول من ادعی الاجماع فقد کذب" خدا احمد بن حنبل پر رحم کرے کہ انہوں نے سچ کہا ہے کہ جو اجماع کا دعوی کرتا ہے وہ جھوٹا ہے۔ اسی کتاب محلّیٰ ج ۵ ص ۱۷۰ مسئلہ ۵۸۶ میں لکھا ہے: "وما صح فیہ خلاف من واحد منھم او لم تبیقن ان کل واحد منھم عرفہ ودان بہ فلیس اجماعًا لان من ادعی الاجماع فیھا فقد کذب الخ۔ ہر وہ مسئلہ جس میں صحابہ کرام میں سے ایک صحابی کی مخالفت صحیح طور پر معلوم ہو جائے۔ یا یہ یقین نہ ہو سکے۔ کہ ان میں سے ہر ایک آدمی اس مسئلہ کو پہچانتا اور اس پر عمل کرتا تھا، تو وہ مسئلہ اجماعی نہیں ہو سکتا۔ جو شخص ایسے مسئلہ میں دعوی اجماع کر دے، وہ جھوٹا ہے"۔ (بحوالہ فلک النجاۃ)

باخبر حضرات جانتے ہیں کہ خلافت جناب ابوبکر پر ایسا اجماع ہرگز نہیں ہوا بلکہ پوری اُمّت تو درکنار صرف اہل مدینہ ہی کا اس پر اتفاق ثابت نہیں ہوا کیونکہ حقیقی مشیر یعنی بنی ہاشم تو سقیفہ میں موجود ہی نہ تھے۔ اور جو لوگ موجود بھی تھے ان میں بعض بڑے بڑے صحابہ کی مخالفت کرنا اور بعض کا تا دم زیست اپنی مخالفت پر باقی رہنا کتب سیر و تواریخ سے ثابت ہے ملاحظہ ہو کتاب امامت و سیاست ص ۱۰ طبع مصر لکھا ہے۔

تخلف سعد ابن عبادۃ فکان سعد لا یصلی بصلوتھم ولا یجمع بجمعتھم ولا یفیض بافاضتھم ولو یجد علیھم اعوانًا لصال بھم ولو بایعہ احد علی قتالھم لقاتلھم فلم یزل کذلک حتی توفی ابوبکر وولی عمر ابن الخطاب

یبایع لاحد رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (الیٰ ان قال) وان بنی ہاشم اجتمعت عند بیعۃ الانصار الی علی ابن ابی طالب ومعھم الزبیر بن العوام رضی اللہ عنہ۔

حضرت سعدؓ ابن عبادہ رئیس انصار نے بھی بیعتِ ابوبکر سے تخلف اختیار کیا۔ سعد نہ تو ان کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ نہ ان کے جمعہ میں شریک ہوتے تھے۔ اور نہ ان کے ساتھ حج کرتے تھے۔ اگر وہ (منتخب خلیفہ) کے خلاف مددگار پاتے تو یقیناً ان پر دھاوا بول دیتے۔ اگر کوئی آدمی ان کے ساتھ جنگ کرنے پر سعد کی بیعت کر لیتا تو یقیناً ان کے ساتھ جنگ کرتے۔ سعد اسی طرز عمل پر قائم رہے یہاں تک کہ ابوبکر وفات پا گئے۔ اور عمر ابن الخطاب حاکم مقرر ہوئے۔ اس وقت یہ بزرگوار شام کی طرف چلے گئے۔ اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ لیکن انہوں نے کسی (خلیفہ) کی بیعت نہیں کی۔ ان پر خدا کی رحمت ہو" اور انصار کی بیعت کے وقت بنی ہاشم حضرت علی ابن ابیطالب (علیہ السلام) کے پاس جمع تھے ان کے ساتھ زبیر بن عوام بھی تھے۔ کذا فی بقیۃ الجزء الثانی من تاریخ ابن خلدون صفحہ ۶۴ طبع قدیم مصر)

اگر جناب سعدؓ ابوبکر صاحب کی بیعت نہ کرنے اور ان کو واجب القتل جاننے کے باوجود بھی رحمتِ الٰہیہ کے مستحق ہیں تو بے چارے شیعوں نے کون سا جرم کیا ہے جس کی وجہ سے اہل سنت ان سے برادران یوسفؑ والا سلوک کرتے ہیں؟ اگر کوئی اور مخالف نہ بھی ہوتا تو فقط سعدؓ کی مخالفت اجماع کے ثابت نہ ہونے کے لئے کافی ووافی تھی۔ چہ جائیکہ سعد سے زیادہ جلیل القدر ہستیاں یہاں مخالف نظر آتی تھیں چنانچہ حضرت علی علیہ السلام اور زبیر بن العوام اور ان کے ساتھیوں کے تخلف کا تذکرہ خود حضرت عمر کی زبانی بخاری شریف میں موجود ہے۔

حضرت عمر اپنے سقیفائی حالات وکوائف کی کارروائی نقل کرتے وقت کہا کرتے تھے۔ "وخالف عنا علیؓ والزبیر ومن معھما: کہ علیؓ وزبیر اور ان کے ساتھیوں نے تخلف کیا۔ یعنی سقیفائی کارروائی میں شریک نہ ہوئے۔ (بخاری جلد ۴ صفحہ ۱۱ کتاب الحدود وکنز العمال ج ۳ صفحہ ۱۳۶) اسی طرح ازالۃ الخفاء ج ۲ صفحہ ۲۹ پر ہے۔ "علی وزبیر خارج از بیعت شدند اخرجہ الحاکم"

جس اجماع میں حضرت علیؑ شامل نہ ہوں اس پر لعنت ہے!

معلوم ہوا کہ حضرت علیؑ بھی اس اجماع میں شریک نہ تھے۔ اور جس اجماع میں حضرت علیؑ شریک نہ ہوں اس کے متعلق اہل سُنّت کے بہت بڑے عالم جلیل ابن حزم ظاہری کا فتویٰ بھی سن لیجئے۔ وہ اپنی کتاب محلّٰی کے سفر پنجم وہفتم

میں بذیل مسئلہ نسخ قرعہ، صد ۲۸۶ پر لکھتے ہیں۔ "والعنة الله علی کل اجماع خرج منہ علی
ابن ابی طالب الخ" خدا کی لعنت ہو اس اجماع پر جس سے حضرت علیؑ خارج ہوں۔ اور ج ۵
صد ۱۲۷ طبع مصر پر لکھا ہے "قال ابو محمد ان کل اجماع یخرج منہ علی ابن ابی
طالب و... سیف سدیف ہے اس اجماع پر جس میں حضرت علیؑ شامل نہ ہوں"

ایک مشہور شبہ کا ازالہ

اس مقام پر حضرات اہل سنت کہا کرتے ہیں کہ یہ ٹھیک ہے کہ حضرت علیؑ نے چھ مہینے تک بیعت نہیں کی جیسا کہ بخاری شریف وغیرہ میں مذکور ہے۔ چنانچہ تلخیص الصحاح مترجم اردو ج صد ۳۲۰ طبع صدیقی لاہور بلفظ بخاری و مسلم مروی ہے کہ زہری سے کسی نے پوچھا کیا حضرت علیؑ نے چھ مہینے تک بیعت نہیں کی تھی؟ کہا نہیں لیکن اس کے بعد انہوں نے بیعت کر لی تھی۔ لہٰذا اس طرح اجماع متحقق ہو جائے گا۔ اس کے متعلق گزارش ہے کہ یہ شبہ بچند وجہ باطل ہے۔

اولاً اکثر علماء امامیہ کے نزدیک حضرت امیرؑ کی بیعت ہرگز ثابت ہی نہیں نہ طوعاً اور نہ کرہاً لہٰذا یہ استدلال ہی بے بنیاد ہے۔ (اس موضوع پر تفصیلی تبصرہ بعد میں کیا جائے گا انشاء اللہ)

ثانیاً بخاری کی جس روایت سے تمسک کیا گیا ہے، اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے بھی زیادہ سے چھ ماہ کے بعد بعض مجبوریوں کے تحت ابوبکر سے مصالحت ثابت ہوتی ہے نہ بیعت۔ مصالحت اور بیعت میں جو نمایاں فرق ہے وہ صاحبان عقل و علم پر پوشیدہ نہیں ہے۔ بیعت صرف نبی یا امام برحق کی ہو سکتی ہے جبکہ صلح کفار سے بھی جائز ہے۔ "والصلح خیر"
(ملاحظہ ہو بخاری شریف ج ۲ صد ۶۱ طبع مجتبائی دہلی)۔

ثالثاً:۔ اگر بفرض محال چند لمحات کے لئے اختلاف کے بعد یہ تسلیم بھی کر لی جائے تب بھی اس سے اہل سنت کے اصول کی بناء پر اجماع متحقق نہیں ہو سکتا کیونکہ انہی کے ذمہ دار علماء نے کہا ہے کہ اگر پہلے ایک شخص مخالفت کرے۔ اور بعد میں موافق ہو جائے تو اس سے مسئلہ اجماعی نہیں بن سکتا۔ چنانچہ فاضل نووی نے شرح مسلم شریف ج ۱ صد ۵ پر لکھا ہے۔

ان الاجماع بعد الخلاف هل یرفع الخلاف ویصیر المسئلة مجمعاً علیه والاصح عند اصحابنا انه لا یرفعه بل یدوم الخلاف ولا یصیر المسئلة بعد ذالک مجمعاً علیها ابداً وبه قال القاضی ابوبکر الباقلانی

یعنی آیا مخالفت کے بعد اجماع کا ہونا سابقہ خلاف کو اٹھا دیتا ہے۔ اور اس طرح مسئلہ اجماعی بن جاتا ہے یا نہ؟ ہمارے اصحاب کے نزدیک صحیح یہی ہے کہ یہ اختلاف کو برطرف

نہیں کرتا، بلکہ وہ باقی رہتا ہے اور ہمیشہ کے لئے مسئلہ ہرگز مجمع علیہ نہیں بن سکتا۔ قاضی ابوبکر باقلانی بھی اسی امر کے قائل ہیں۔

اسی طرح علامہ فخرالدین رازی اپنی تفسیر کبیر ج ۶ ص ۳۲۱ پر بلاکسی تردید کے لکھتے ہیں "فالاجماع الحاصل عقیب الخلاف لایکون حجتہ"۔ اختلاف کے بعد جو اجماع حاصل ہو، وہ حجت نہیں ہوتا۔

رابعاً۔ جناب سعد بن عبادہ انصاری کا تادم مرگ انکار بیعت پر قائم رہنا ابھی اوپر ثابت کیا جاچکا ہے لہٰذا یہ اجماع الکل کہاں رہا۔؟

ایک شاطرانہ چال

یہی وجوہ تھے کہ جب بیدار مغز علمائے اہل سنت نے دیکھا کہ اس طرح اجماع سے کام نہیں بنتا تو انہوں نے اس "اجماع الکل" کی قید کو اڑا دیا اور کہہ دیا کہ تمام اُمّت کا اجماع و اتفاق ضروری نہیں ہے۔ بلکہ صرف تمام ارباب حل و عقد کا کسی امر پر اجماع کرلینا اس کی صحت کے لئے کافی ہے چنانچہ شرح مسلم نووی ج ۲ ص ۱۰۲ پر لکھا ہے "ان الاجماع لاینعقد اذا خالف من اهل الحل والعقد واحد وهذا هو الصحیح المشهور" یعنی صحیح اور مشہور یہ ہے کہ اگر ارباب بست و کشاد میں سے کوئی آدمی بھی مخالف ہو تو اجماع منعقد نہیں ہو سکتا۔ مگر جب اس گروہ سے بھی زیادہ دور اندیش حضرات نے یہ دیکھا کہ تمام ارباب حل و عقد کے اجماع کی شرط لگانے سے بھی ہماری کشتی بسلامتی ساحل مراد تک نہیں پہنچ سکتی کیونکہ حضرت امیرؑ و دیگر بنی ہاشم جناب سلمانؓ۔ ابوذرؓ، عمارؓ، مقدادؓ اور سعد بن عبادہؓ کو ارباب حل و عقد سے خارج نہیں کر سکتے۔ اور ان کی مخالفت ثابت ہے تو انہوں نے تمام اہل حل و عقد کے اجماع کی شرط بھی ختم کردی اور صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ ارباب حل و عقد میں سے اگر فقط ایک یا دو آدمی بھی کسی کی بیعت کرلیں۔ تو اس شخص کی خلافت منعقد ہو جاتی ہے اور دلیل میں خود بیعت ابوبکر کو پیش کردیا۔

خلافت ابوبکر صرف عمر کے بیعت کرنے سے عمل میں آئی

جو صرف حضرت عمر یا ان کی دھینگا مشتی سے چند اور صحابہ کی بیعت کرلینے سے عمل میں آئی تھی، اگر اس حقائق پر یقین نہ آئے تو شرح مواقف ص ۶۰۰ طبع نولکشور ملاحظہ فرمائیں لکھتے ہیں۔

"اذا ثبت حصول الامامۃ بالاختیار والبیعۃ فاعلم ان ذالک الحصول لایفتقر الی

الاجماع من جميع اهل الحل والعقد اذ لم يقم عليه (اى على هذا الافتقار) دليل من العقل والسمع بل الواحد والاثنان من اهل الحل والعقد كاف فى ثبوت الامامة ووجوب الاتباع للامام على اهل الاسلام وذلك لعلمنا ان الصحابة مع صلابتهم فى الدين "اكتفوا فى عقد الامامة بذلك من الواحد والاثنين كعقد عمر لابى بكر وعقد عبد الرحمن بن عوف لعثمان فلم يشترطوا فى عقدها اجتماع من فى المدينة من اهل الحل والعقد فضلاً من اجماع لامة من علماء الامصار الاسلام مجتهدى جميع اقطارها ولم ينكر عليه احد" انتہی

یعنی جب ثابت ہو گیا کہ امامت اختیار وبیعت سے حاصل ہو جاتی ہے تو جاننا چاہیئے کہ (اس کا حصول) تمام اہل حل وعقد کے اجماع کا محتاج نہیں کیونکہ اس امر پر کوئی عقلی وسمعی دلیل قائم نہیں ہو سکی بلکہ اہل حل وعقد میں سے صرف ایک یا دو آدمیوں کا بیعت کر لینا ثبوت امامت اور تمام مسلمانوں پر اس امام کے وجوب اتباع کے لئے کافی ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ ہمیں علم ہے کہ صحابہ نے باوجود دین میں متصلب ہونے کے امامت میں اسی طریق کار پر اکتفا کی ہے جیسے عمر نے ابو بکر اور عبد الرحمٰن ابن عوف نے عثمان کے لئے عقد بیعت کیا اور انہوں (صحابہ) نے اس عقد بیعت میں مدینہ کے تمام اہل حل وعقد تک کے اجماع کی شرط نہیں لگائی چہ جائیکہ تمام اُمّت کا اجماع یعنی تمام شہروں کے علماء اور تمام اقطار واطراف کے مجتہدین کے اجماع کی شرط لگائی جائے۔ اور ان کے اس خیال کو کسی نے ناپسند نہیں کیا۔

کجا آں شورا شوری اور کجا ایں بے نمکی

شرح مواقف کے اس بیان اور دیگر بیسیوں شواہد ودلائل سے واضح ہو گیا کہ حضرت ابوبکر کی بیعت نہ تمام امت کے اجماع سے واقع ہوئی۔ اور نہ ہی تمام اہل حل وعقد کے اتفاق رائے سے عمل میں آئی بلکہ فقط حضرت عمر اور ان کے بعد ان کی دھینگا مشتی سے حاضرین سقیفہ میں سے چند لوگوں کی بیعت سے واقع ہوئی۔

سقیفائی کارروائی کا اجمالی خاکہ

تمام بنو ہاشم، بنو زہرہ۔ اکثر مہاجرین تو سقیفہ میں حاضر ہی نہیں ہوئے اور جو موجود تھے۔ وہاں مہاجرین وانصار سے ہر ایک فریق نے ناقۂ خلافت کی مہار اپنی طرف کھینچنے کی انتہائی کوشش کی۔ طرفین سے زوردار تقریریں کیں اپنا اپنا استحقاق ظاہر کیا۔ ایک دوسرے پر نوک جھونک بھی کی دھمکیاں بھی دیں

جب دیکھا کہ ایک ۔ فریق پر سب کا اتفاق نہیں ہوتا تو "منّا امیر و منکم امیر" (ایک امیر ہم سے اور ایک تم سے) کا نعرہ بلند کیا گیا ۔ اس نازک صورت حال میں قریب تھا کہ سعد بن عبادہ (رئیس الانصار) کی بیعت ہو جائے ۔ مگر عرب کے مشہور جذبہ حسد نے ابو بکر کے لئے زمین ہموار کر دی ۔ ہوا یوں کہ جب بشیر بن سعد انصاری نے (جو ایک قبیلہ کا سردار تھا) نے دیکھا کہ انصار سعد کی بیعت کرنا چاہتے ہیں بشیر کی سعد سے رنجش تھی اسے حسد دامنگیر ہوا کہ کہیں سعد خلیفہ نہ بن جائے ۔ اس نے مہاجرین کی ہمنوائی کرتے ہوئے انصار کو بیعت ابوبکر پر آمادہ کیا ۔ عمر صاحب نے موقع کی نزاکت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ابوبکر سے کہا کہ ہاتھ بڑھاؤ پھر جھٹ سے ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور پھر ایسی دھینگا مشتی ہوئی کہ اگرچہ بعض صحابۂ کرام کی پسلیاں ٹوٹ گئیں اور اقتلوا سعدا قتل اللہ سعدا کی آوازیں بلند ہوئیں (قول عمر ابن خطاب ، سیرت حلبیہ ج ۲ ص ۳۹۶) اور بعض صحابہ نے سقیفہ کمیٹی کے منتظم اعلیٰ کی ریش مبارک کو پکڑ کر جھنجھوڑا ، (سیرت حلبیہ ج ۲ ص ۳۹۶ طبع مصر) ان ہنگاموں ، سیاسی قلابازیوں سے تخت حکومت پر ابوبکر صاحب کو بٹھایا گیا ، تفصیل واقعات دیکھنے کے شائقین درج ذیل کتابوں کی طرف رجوع کریں ، امامت و سیاست دینوری ج ۱ ص ۶ سے ص ۱۲ تک ۔ تاریخ ابن خلدون جزء ۲ ص ۹۲ تاریخ ابو الفداء ج ۱ ص ۱۵۶ بخاری باب فضائل اصحاب النبی ، تاریخ الطبری ج ۳ از ص ۱۹۹ تا ص ۲۰۳ و از ص ۲۰۷ تا ص ۲۱۳ وغیرہ

بیعتِ ابوبکر فلتہ تھی

یہی وجہ ہے کہ خود حضرت عمر کہا کرتے تھے کہ " کانت بیعۃ ابی بکر فلتۃ وقی اللہ شرھا فمن عاد الیٰ مثلھا فاقتلوہ " بیعت ابوبکر ایک ناگہانی بیعت تھی (جو بغیر مشورہ اور غور و فکر کے عمل میں آئی تھی) اس لئے ایسی صورت میں فتنہ و فساد کا بڑا خوف (تھا) لیکن خدا نے اس کے شر سے بچا لیا ۔ (ملاحظہ ہو بخاری جلد ۴ ص ۱۱۱ و ملل و نحل ص ۸ طبع بمبئی)

باقی رہا صاحب شرح مواقف کا یہ کہنا کہ اس اصول جانشینی کو سب صحابہ نے قبول کر لیا ، اور کسی نے ناپسند نہیں کیا ، یہ حقائق و واقعات سے جہالت یا تجاہل پر مبنی ہے ورنہ ارباب اطلاع جانتے ہیں کہ بہت سے بزرگ مرتبہ صحابہ نے نہ صرف اس کارروائی کو ناپسند کیا بلکہ منتخب خلیفہ سے محاسبہ کیا ۔ آئندہ اس کے متعلق مفصل بیان آئے گا ۔ انشاء

اجماع شرعاً حجت نہیں ہے

اب تک کے کلام کا رُخ اجماع کے عدم تحقق کی طرف تھا بحمدہ تعالیٰ ناظرین کرام پر بخوبی واضح ہوگیا کہ ان حضرات نے خلافتِ ابوبکر پر جس اجماع کا دعویٰ کیا تھا وہ ہرگز واقع نہیں ہوا اب ہم بنا بر تنزل کہتے ہیں کہ اگر بفرضِ محال ثبوتِ اجماع تسلیم بھی کر لیا جائے تاہم اس سے ان حضرات کی مقصد برآری نہیں ہو سکتی کیونکہ محققین علماء اہلسنت نے اجماع کے حجتِ شرعیہ ہونے کا انکار کیا ہے چنانچہ امام شوکانی نیل الاوطار ج ۱ ص ۶۶ پر رقمطراز ہیں "ولا یخفی علی المنصف ما فی حجیة الاجماع من النزاع والاشکالات التی لا مخلص عنها" اجماع کی حجیت میں جو نزاع ہے اور اس پر جو ناقابلِ جواب اشکالات وارد ہوتے ہیں وہ کسی اہلِ انصاف پر مخفی نہیں ہیں۔ نیز اسی کتاب کے ص ۱۸۵ پر لکھتے ہیں کہ "لا یخفی علی المنصف ما ورد علی اجماع الامة من الایرادات التی لا یکاد ینهض معها الحجة بعد تسلیم امکانه ووقوعه" یعنی منصف مزاج آدمی پر مخفی نہیں کہ جو اعتراضات اجماع امت پر وارد کئے گئے ہیں۔ ان کے ہوتے ہوئے اجماع حجت قرار نہیں پا سکتا اگرچہ اس کا امکان و وقوع تسلیم بھی کر لیا جائے"۔ نواب صدیق حسن خان اپنی کتاب منہج الوصول الی اصطلاح احادیث الرسول ص ۱۲ مطبوعہ شاہجہانی پر رقمطراز ہیں۔ (علی ما نقله فی فدک النجاة) "خود ثبوتِ اجماع باوجود آں در احکام خیلے عسیر است ولہذا امام احمد بن حنبل انکار وجودش کردہ و جمعے از محققین قائل بہ حجیت آں نشدہ وهو الحق والبحث فی ذلک یطول ولیس هذا موضعه وانما موضعه علم اصول الفقه" انتہی خلاصۂ مطلب یہ کہ "اجماع کا وجود بہت مشکل ہے۔ اسی لئے امام احمد نے اس کے وجود کا انکار کر دیا۔ اور علماء محققین کی ایک جماعت اجماع کو دلیل شرعی نہیں سمجھتی۔ مؤلف فرماتے ہیں کہ حق بھی یہی ہے کہ اجماع حجت نہیں اور اس مسئلہ کی تنقیح کا مقام اصولِ فقہ ہے"۔ ہمارے ان بیانات شافیہ اور تحقیقات کافیہ سے محقق و مبین ہوگیا کہ خلافتِ ابوبکر پر ہرگز تمام امت بلکہ تمام اہل حل وعقد بلکہ تمام اہل مدینہ کا بھی اجماع و اتفاق واقع نہیں ہوا۔ اور بالفرض تسلیم علماء اہل سنت کی تحقیق کی بنا پر اجماع حجتِ شرعیہ نہیں ہے لہٰذا اس سے تو کوئی فرعی مسئلہ بھی ثابت نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ امامت و خلافت ایسا اصولی مسئلہ ثابت کیا جائے ؟! "ودون اثباته خرط القتاد"۔

ایک توہم فاسد کا ازالہ

اگر اس مقام پر کوئی شخص یہ توہم کرے کہ مذہب شیعہ میں تو اجماع کو حجتِ شرعیہ سمجھا جاتا ہے لہذا شیعہ کیونکر اس کی حجیت پر اعتراض کر سکتے ہیں؟ اس کے متعلق گزارش ہے کہ یہ توہم بچند وجوہ فاسد ہے۔

اولاً:۔ تمام علماء شیعہ کا اس کی حجیت پر اتفاق نہیں ہے کیونکہ اس مسئلہ میں حضرات محدثین واصولیین کا اختلاف اربابِ بصیرت پر مخفی نہیں۔ تمام محدثین اور بعض اصولیین اس کی حجیت کے قائل نہیں بنا بریں اس کی حجیت کو مذہب شیعہ کی طرف منسوب کرنا بہتانِ عظیم ہے لہذا برادرانِ اسلام کا اس سے خلافتِ ابوبکر پر استدلال کرنا ان کی انتہائی ہٹ دھرمی اور سینہ زوری یا بے حد سادگی و کمزوری کی بیّن دلیل ہے ورنہ کوئی صاحب عقل و انصاف خلافت ایسے اہم مسئلہ کے اثبات میں ایسی کمزور دلیل کے ساتھ استدلال نہیں کر سکتا۔

ثانیاً:۔ ہمارے جو علمائے کرام اس کی حجیت کے قائل ہیں وہ بھی اس کو اس لحاظ سے حجت سمجھتے ہیں کہ قولِ امامؑ اجماع کنندگان کے اقوال کے اندر داخل ہوتا ہے لہذا درحقیقت اس کی حجیت کا دارومدار قولِ معصوم پر ہے۔ ہم اس موضوع پر اپنی بعض دوسری کتابوں میں کافی روشنی ڈال چکے ہیں۔ یہاں فقط ایک عالم جلیل کی فرمائش نقل کی جاتی ہے جناب محقق حلی اپنی کتاب "معتبر" کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"اما الاجماع فعندنا هو حجة بانضمام المعصوم فلو خلا المائة من فقهائنا عن قوله ما كان حجة ولو حصل في اثنين كان قولهما حجة لا باعتبار اتفاقهما بل باعتبار قوله" یعنی اجماع ہمارے نزدیک ارشادِ امام کے شامل ہونے کی وجہ سے حجت ہے لہذا اگر ہمارے ایک سو عالم کسی مسئلہ پر متفق ہو جائیں لیکن قولِ معصوم ان کے ساتھ نہ ہو تو وہ حجت نہ ہوگا۔ اور صرف دو آدمیوں میں قولِ امام شامل ہو تو ان کا قول حجت ہوگا ان کے اتفاق کی وجہ سے نہیں بلکہ قولِ امام کے سبب سے۔" معلوم ہوا کہ علمائے شیعہ کے اجماع کو حجت سمجھنے کی وجہ امام ہی کا قول ہے ظاہر ہے کہ امام کے ارشاد کی حجیت میں کسی مسلمان کو شک وشبہ نہیں ہو سکتا۔ بنابریں اجماع فی نفسہ حجت نہیں ہے بلکہ اصل حجتِ شرعیہ یعنی قولِ معصومؑ کے معلوم کرنے کا ایک طریق ہے۔

ثالثاً:۔ جس اجماع کی حجیت میں اشکال ہے وہ عام امت کا اجماع ہے ورنہ اہل بیتؑ رسالت کے اجماع کی حجیت پر تو فریقین کے علماء محققین کا اتفاق ہے۔ بعض علمائے

اہلِ سنت نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ اجماع عترتِ رسول ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ چنانچہ کتاب نور الانوار (حنفی اصولِ فقہ) صفحہ ۲۲ مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ پر لکھا ہے۔

"قال بعضھم لا اجماع الا لعترتہ صلعم ای نسلہ و اہل قرابتہ لانہ علیہ السلام قال انی ترکت فیکم ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا کتاب اللہ و عترتی الخ"

یعنی بعض علماء نے کہا ہے کہ کوئی اجماع (حجت) نہیں ہے۔ سوائے عترتِ رسول کے اجماع کے کیونکہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے انی ترکت الخ میں تم میں دو ایسی چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر ان سے متمسک رہے تو ہرگز میرے بعد گمراہ نہ ہوگے۔ ایک قرآن اور دوسری میری عترت اہلِ بیتؑ۔

سابقاً ثابت کیا جا چکا ہے کہ سردار اہلِ بیتؑ حضرت امیر المومنین علیہ السلام اور اسی طرح دیگر آئمہ معصومین علیہم الصلوٰۃ والسلام اس اجماع میں شریک نہ تھے۔ بلکہ انہوں نے اس کی مخالفت فرمائی، حضرت امیر المومنینؑ ابوبکر کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

ان کنت بالشوریٰ ملکت امورھم
فکیف بھذا والمشیرون غیب

اے ابوبکر! اگر تم شوریٰ و اجماع سے خلیفہ بن بیٹھے ہو تو کیا حاصل؟ حقیقی مشیر (اہلِ بیت رسولؐ) تو غائب تھے۔ (پھر اجماع و شوریٰ کیسے متحقق ہو گیا؟) (نہج البلاغہ ج ۲ صفحہ ۱۹۵ طبع مصر)

رابعاً۔ جو علمائے شیعہ اجماع کی حجیت کے قائل ہیں وہ بھی اسے فروعِ دین میں حجت سمجھتے ہیں نہ کہ اصول و عقائد میں اور ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ امامت اصولِ مذہب سے ہے پس جس طرح نبوت اجماع سے درست نہیں ہو سکتی اسی طرح امامت بھی اس سے ثابت نہیں ہو سکتی بلکہ یہ اشکال حضرات اہلِ سنت پر بھی وارد ہے کیونکہ جب سابقاً علمائے فریقین کی تحقیق سے واضح ہو چکا ہے کہ امامت اہمیت میں ہم مرتبۂ نبوت ہے اور وہ اصول میں سے ہے تو کیا وجہ ہے کہ ایک میں تو اجماع درست ہے اور دوسری میں ناجائز۔ اگر جائز ہے تو دونوں میں جائز ہونا چاہیئے۔ اور اگر ناجائز ہے تو بھی دونوں میں ناجائز ہونا چاہیئے۔ یہ تفریق یعنی چہ؟ بہر حال ہمارے اس بیان سے واضح

عیاں ہوگیا کہ اجماعِ اہلِ سُنّت کو ہمارے اجماع پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے جو عند الکل باطل ہے۔ والحمد للہ علی وضوح الحق والحقیقہ۔

تذکرہ و تبصرہ

ان بیانات و تحقیقات سے واضح ہوگیا۔ کہ خلافتِ ابوبکر پر ہرگز اجماعِ امت متحقق نہیں ہوا۔ دعویٰ اجماع محض ایک بے اصل و بے حقیقت افسانہ ہے جو ہواخواہانِ اربابِ سقیفہ نے تراشش رکھا ہے نیز ان بیانات سے علماء اہلِ سنت کی اس سلسلہ میں تلوّن بیانی کی کہانی بھی خود انہی کی زبانی واضح ہوگئی کہ کبھی یہ کہتے ہیں کہ اجماع میں تمام افرادِ امت کا اجماع ضروری ہے کبھی فقط تمام اربابِ بست و کشاد کے اتفاق پر اکتفا کرتے ہیں اور کبھی اربابِ بست و کشاد میں سے بھی فقط ایک یا دو آدمیوں کی بیعت کو کافی بتلاتے ہیں ان پر شاعر کا یہ شعر پوری طرح صادق آتا ہے۔

کبھی جھکتا ہوں ساغر پر کبھی گرتا ہوں مینا پر
میری بے ہوشیوں سے ہوش ساقی کے بکھرتے ہیں

اور اگر ابھی تک کچھ کسر باقی تھی تو انہی کے بعض علماء نے اجماع کو غیر حجت قرار دے کر نکال دی۔ سچ ہے کہ الحق یجری علی اللسان۔ لان الحق یعلو ولا یعلیٰ علیہ۔

حضرات کی ایک اور قلابازی

یہی وجہ ہے کہ جب بعض علمائے اہلِ سُنّت جیسے ابنِ حزم اور ابن حجر مکی نے یہ دیکھا کہ اس اجماع سے ان کی مطلب برآری نہیں ہوتی بلکہ اس سے تو ان کی سقیفائی خلافت کی اساس ہی منہدم ہوا چاہتی ہے۔ تو کہہ دیا کہ حضرت ابوبکر کی خلافت اجماعی نہیں بلکہ نصّی ہے اور پھر بموجب "الغریق یتشبث بکل حشیش" (ڈوبتے کو تنکے کا سہارا) اِدھر اُدھر ہاتھ پیر مار کر بزعمِ خود کچھ نصوص فراہم کر کے خلافتِ منصوصہ کا قصر تعمیر کرنے لگے جو کہ پادر ہوا اور نقش بر آب سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔

پیشنمازی ابوبکر سے استدلال اور اس کا ابطال

چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت ابوبکر کی پیشنمازی کو بھی پیش کرتے ہیں کہ حضرت سرورِ کائنات ؐ نے اپنے آخری ایامِ حیات میں حضرت ابوبکر کو حکم دیا تھا۔ کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں اور اس میں اشارہ تھا کہ یہی آپ کے جانشین ہیں (صواعق ابن حجر و فصل ابن حزم وغیرہ)

ان حضرات کا یہ استدلال بچند وجہ درجۂ اعتبار سے ساقط ہے۔

اولاً:۔ قطع نظر اس واقعہ کی صحت و سقم کے اس پیشنمازی سے حضرت ابوبکر کی خلافت

پر استدلال کرنا خود اجماع اہل سنت کے خلاف ہے کیونکہ جمہور علماء اہل سنّت کے نزدیک ان کا اس امر پر اتفاق ہے کہ حضرت ابوبکر کی خلافت اجماع سے منعقد ہوئی ہے نہ نص سے ان کا خیال ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنے کسی خلیفہ پر نص نہیں فرمائی چنانچہ شرح مواقف صـ۲۳۲ پر ہے "واما النص فلم یوجد" بہرحال نص سو وہ کسی کے متعلق نہیں پائی گئی۔" حتیٰ کہ خود ابن حجر نے صواعق محرقہ صـ۱۵ پر لکھا ہے: "قال جمہور اہل السنۃ والخوارج والمعتزلہ انہ لم ینص علی احد" یعنی جمہور اہل سنّت، خوارج اور معتزلہ اس امر کے قائل ہیں کہ آنحضرتؐ نے کسی پر نص نہیں فرمائی۔" چنانچہ نووی نے قائل بالنص کی ردّ کرتے ہوئے لکھا ہے: "فی ھذا الحدیث دلیل علی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم ینص علی خلیفۃ وھو اجماع اھل السنۃ وغیرھم" یعنی یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ آنحضرتؐ نے کسی خلیفہ پر نص نہیں فرمائی۔ اسی پر تمام اہل سنّت وغیرہ کا اجماع ہے۔" لہٰذا ان مدعیان نص کی ردّ میں مزید لکھا ہے: "ھذہ دعاوی باطلۃ وجسارۃ علی الافتراء" یہ دعوائے باطل ہیں اور افتراء پردازی پر جسارت ہے۔" (نووی شرح مسلم ج ۲ صـ۱۲۱)

خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

ثانیاً:۔ یہ روایت بنا بر اصول روایت و درایت موضوع و مجعول ہے۔ روایتہً اس طرح کہ اس واقعہ کے متعلق جتنی روایات بیان کی جاتی ہیں باعتبار مطالب و معنی ان میں بہت اختلاف و اضطراب ہے جو اصل واقعہ کے بے اصل ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ بقدرِ ضرورت اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ابن ابی ملیکہ از عائشہ کی روایت میں یوں وارد ہے۔ کہ جب بلالؓ نے اذان کہی تو آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی علیہ السلام اور فضل ابن عباس کے کاندھوں کا سہارا لے کر مسجد میں تشریف لے گئے۔ جب ابوبکر نے یہ محسوس کیا کہ آپ تشریف لے آئے ہیں۔ تو چاہا کہ مصلیٰ سے ہٹ جائیں لیکن آپ نے ان کو وہیں کھڑا رہنے دیا۔ اور آپ ایک طرف بیٹھ گئے آپ نے تکبیر کہنا شروع کی اور لوگ ابوبکر کی تکبیر کے ساتھ تکبیر کہہ رہے تھے۔" یہ روایت اس قدر مجمل ہے کہ پتہ نہیں چلتا کہ آیا آنحضرتؐ امام تھے اور ابوبکر مکبر یا بالعکس جس کا اعتراف خود علمائے اہل سنت نے بھی کیا ہے جیسا کہ عنقریب بیان ہوگا۔ ابن ارقم از ابن عباس کی روایت میں یوں وارد ہے کہ "آپؐ نے پہلے ابوبکر کو امامت نماز

کا حکم دیا لیکن بمشورہ عائشہ عمر کو اس پر مامور کیا لیکن بروقت خود تشریف لے گئے اور جاکر نماز پڑھائی، اور زہری از انس ابن مالک کی روایت اس طرح ہے کہ آپ نے فرمایا کہ بلال ؓ سے کہو کہ کسی شخص سے نماز پڑھانے کے لئے کہہ دے۔ چنانچہ بلال ؓ نے ابوبکر سے کہا اور انہوں نے نماز پڑھائی الی غیر ذالک من الاختلافات الفاحشہ۔ بعض علماء اہل سنت نے بھی اس اختلاف شدید کو تسلیم کیا ہے اور بالآخر فیصلہ یہ صادر فرمایا ہے کہ صحیح یہی ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھائی، چنانچہ امام شوکانی اپنی کتاب نیل الاوطار ج ۳ صفحہ ۱۶۰ پر تحریر فرماتے ہیں۔

"وقد اختلف فی ذالک اختلافاً شدیداً کما قال الحافظ ففی روایۃ لابی داؤد ان رسول اللہ کان المقدم بین یدی ابی بکر وفی روایۃ لابن خزیمہ فی صحیحہ عن عائشۃ انہا قالت من الناس من یقول کان ابوبکر المقدم بین یدی رسول اللہ ومنہم من یقول کان النبیؐ المقدم الی ان قال الحافظ تضافرت الروایات عن عائشۃ بالجزم بما یدل علی ان النبیؐ کان ھو الامام فی تلک الصلوٰۃ الخ (الی ان قال) والظاہر من روایۃ حدیث الباب المتفق علیہما ان النبیؐ کان اماما وابوبکر کان مؤتماً فان الاقتداء المذکور المراد بہ الائتمام ویؤید ذالک روایۃ مسلم الخ"

یعنی اس (پیش نمازیٔ ابوبکر) میں بڑا اختلاف کیا گیا ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ ابن داؤد کی روایت میں یہ ہے کہ رسولِ خدا ابوبکر سے آگے تھے۔ یعنی آپ امام تھے۔ اور ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں جو روایت عائشہ سے نقل کی ہے اس میں ہے کہ عائشہ کہتی تھیں کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ابوبکر رسولؐ سے آگے تھے۔ اور کچھ کہتے ہیں، کہ خود آنحضرتؐ مقدم تھے۔ الخ ..... (کچھ سطور کے بعد حافظ موصوف نے لکھا ہے۔) کہ بکثرت ایسی روایات حضرت عائشہ سے مروی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ جناب عائشہ کو (بعد میں) جزم و یقین ہو گیا تھا۔ کہ اس نماز میں رسولؐ خدا ہی امام تھے۔ الخ (اور آخر میں نتیجۂ کلام یہ بیان کیا ہے۔) کہ اس باب کی روایات سے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امام اور ابوبکر ماموم تھے۔ اور اس کی تائید صحیح مسلم کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔ الخ ...... ؟ اسی طرح نووی نے شرح مسلم ج ۱ صفحہ ۱۷۷ پر اسی قول کو تقویت پہنچائی ہے اس اختلاف کا ذکر کرنے کے بعد پیشنمازی ابوبکر کی رد کرتے ہوئے

لکھا ہے۔ "ولکن الصواب ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان ھو الامام و قد ذکرہ مسلم بعد ھذا الباب صریحاً انتہیٰ"۔ یعنی صحیح یہی ہے کہ جناب رسولِ خدا ہی امام تھے اور اس کا ذکر مسلم نے اس باب کے بعد صراحتاً کیا ہے۔

ایک تاویل علیل کا جواب

بے خبر و اطلاع حضرات ان روایات مختلفہ کے درمیان یوں جمع کرتے ہیں کہ یہ واقعہ کئی بار پیش آیا کبھی آنحضرتؐ امام ہوتے تھے اور کبھی ابوبکر اس کے متعلق یہ گذارش ہے کہ یہ محض ان حضرات کی خوش فہمی ہے جو حدودِ ظنون و اوہام سے خارج نہیں ہے (ان الظن لا یغنی من الحق شیئاً) ورنہ کسی صحیح روایت میں تعددِ واقعہ کا ذکر نہیں جتنا اختلاف ہے وہ سب ایک ہی نماز کے متعلق ہے جیسا کہ شوکانی وعسقلانی اور نووی کی مذکورہ بالا عبارات سے ظاہر ہے اگر اس تعدد واقعہ کی کوئی حقیقت واصلیت ہوتی تو یہ حضرات اس کو اختیار فرماتے یہ نہ کہتے کہ "صحیح یہی ہے کہ رسولؐ خدا ہی پیش نماز تھے"۔ معلوم ہوا کہ تعدد واقعہ کا احتمال بالکل غلط ہے۔ من ادّعی ذالک فعلیہ اقامۃ الدلیل ولکن لیس لہ الی یوم القیمۃ من سبیل۔ رہ گیا اس واقعہ کا درایۃً بطلان تو اس کا بیان یہ ہے کہ تمام اہل سیر و تواریخ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ حضرت ابوبکر لشکر اسامہ ابن زید میں داخل تھے۔ چنانچہ فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۶۹ مناقب زید بن حارث میں مرقوم ہے: "کان فی الجیش الذی کان علیہم اسامۃ، ابوبکر و عمر" یعنی جو لشکر آنحضرتؐ نے اسامہ کی ماتحتی میں تیار کیا تھا اس میں حضرت ابوبکر و عمر بھی داخل تھے! (نیز ملاحظہ ہو مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۵۳۰/۵۳۱ طبع کانپور۔ شرح نہج البلاغہ حدیدی ج ۱ ص ۵۳)

آنحضرتؐ بار بار انہیں جلدی روانہ ہونے کی تاکید فرما رہے تھے۔ یہاں تک فرما دیا تھا کہ "لعن اللہ من تخلف عن جیش اسامۃ"۔ جو شخص لشکر اسامہ میں شامل نہ ہوگا اس پر خدا کی لعنت ہے۔ (ملاحظہ ہو ملل ونحل شہرستانی ج ۱ ص ۱۱ طبع مصر و حجج الکرامہ۔ نواب صدیق حسن خان)

ان حالات میں یہ کیسے متصور ہو سکتا ہے کہ آپ نے ابوبکر کو مسجد نبوی میں نماز پڑھانے پر مامور کیا تھا! بعض علماء نے لکھا ہے کہ دو تین روز تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ ظاہر ہے کہ اس امر کے لئے ضروری ہے کہ ابوبکر صاحب آپؐ کے پاس موجود ہوں اور حضور مسجد سے کوئی عقلی و شرعی مانع نہ ہو۔ حالانکہ یہاں مانعِ شرعی لشکر اسامہ میں شمولیت کا حکم محکم موجود تھا یعنی اس صورت میں وہ کس طرح نماز پڑھا سکتے تھے؟ "ان ھذا الا تناقض صریح" جسے کوئی

عقلِ سلیم قبول نہیں کرتی۔

ثالثاً:- علماء اہلِ سنّت نے لکھا ہے کہ صحابہ کرام نے آپ کی نمازِ جنازہ فرداً فرداً پڑھی اور باجماعت اس لئے نہیں پڑھی کہ آنحضرتؐ حین حیات و بعد از ممات امام تھے، ان کے سامنے کوئی شخص امامت نہیں کرا سکتا۔ چنانچہ ماہوار رسالہ الفاروق ثانی اثنین نمبر بابت ۱۵ر اکتوبر و یکم نومبر ۱۹۵۸ء کے ص۲۵ پر مدیر محترم لکھتے ہیں۔

"جب تعینِ خلیفہ کے فرائض سے صحابہ کرام فارغ ہو گئے تو نمازِ جنازہ کی جانب متوجہ ہوئے تمام مہاجرین اور انصار نے حضرت ابوبکر صدیق سے عرض کیا کہ آپ اس نماز میں امامت کے فرائض انجام دیں مگر آپ نے فرمایا کہ آنحضورؐ زندگی میں امام تھے۔ اب موت کے بعد بھی وہی امام ہیں کسی دوسرے امام کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔"

اس سے پہلے یہی صاحب اسی رسالہ کے ص۲ پر لکھ چکے ہیں۔

"کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اپنی مرضِ وفات میں ابوبکر کے پیچھے اقتدار کرکے تین دفعہ نماز پڑھی ہے۔ اور اس بات کا انکار وہی شخص کرے گا جو علم روایت سے جاہل ہو۔"

سچ ہے کہ "دروغ گو را حافظہ نہ باشد"۔ ایک طرف تو یہ کہہ رہے ہیں کہ جب آنحضرتؐ کی نمازِ جنازہ پڑھانے کے لئے ابوبکر سے کہا گیا تو انہوں نے یہ کہہ کر کہ "آپ زندگی میں بھی امام تھے اور موت کے بعد بھی امام ہیں"۔ امامت سے انکار کیا۔ اور دوسری طرف یہ کہہ رہے ہیں کہ آنحضرتؐ نے اپنے حینِ حیات میں تین دفعہ ابوبکر کے پیچھے اقتدار کرکے نماز پڑھی ہے" یہ ہے وہ کھلم کھلا تناقض و تباین۔ جس کا اقرار وہی شخص کر سکتا ہے کہ جو روایت و درایت کا جاہل ہونے کے ساتھ ساتھ عقل و فہم سے بھی بالکل عاری ہو۔ کما لا یخفیٰ۔

رابعاً:- اب تک جو کچھ ہم نے لکھا ہے وہ محض اس واقعہ کے بے اصل و بے حقیقت ہونے کے متعلق تھا۔ جو بحمد اللہ روایت و درایت کی رو سے واضح و لائح ہو گیا۔ اب ہم اس کی دلالت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر بفرضِ محال چند لمحوں کے لئے اس واقعہ کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے۔ جب بھی اس کو ان حضرات کے مقصد کے ساتھ کوئی ربط و تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ حضرات اہلِ سنّت کا مسلمہ اصول ہے۔ بلکہ ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر ص۹۱ طبع دہلی میں اس امر کو علاماتِ اہلِ سنّت میں سے قرار دیا ہے۔" من علامات اھل السنۃ الصلوۃ خلف کل بر و فاجر" کہ ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔" تو ان

کے اس اصول کی بنا پر کسی شخص کی پیش نمازی سے اس کی ہرگز کوئی فضیلت بھی ثابت نہیں ہوتی، چہ جائیکہ اس سے اس کی خلافت و امامت ثابت کی جائے۔ "ان ھذا الا اختلاق"۔

خامساً۔ کتب سیر و تواریخ شاہد ہیں کہ آنحضرتؐ کا یہ دستور تھا کہ آپ جب کسی غزوہ پر تشریف لے جاتے تھے۔ تو مدینہ میں کسی نہ کسی شخص کو اپنا نائب بنا جاتے تھے۔ جو پیش نمازی وغیرہ کے فرائض انجام دیتا تھا۔ اسی طرح جب کسی جنگ میں آپ بنفس نفیس تشریف نہیں لے جاتے تھے، تو آپ کے حکم سے رئیس لشکر ہی امامت نماز کے فرائض انجام دیتا تھا۔ لہٰذا اگر آنحضرتؐ کا کسی شخص کو امامت نماز کا حکم دے دینا اس کی خلافت کی دلیل ہے تو یہ سب حضرات خلفاء رسول قرار پائیں گے۔ اگر یہ کہا جائے کہ جب تک خود آنحضرتؐ کسی کے پیچھے نماز نہ پڑھیں فقط دوسروں کو نماز پڑھانے کا حکم دینا دلیل خلافت نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کتب اہل سنت میں مذکور ہے کہ آنحضرتؐ نے عبدالرحمن ابن عوف اور عبداللہ ابن ام مکتوم کی اقتدا میں نماز پڑھی ہے۔ (موطا امام مالک، وغیرہ)

پس آنحضرتؐ کا کسی کے پیچھے نماز پڑھنا اس کی خلافت و امامت کی دلیل ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اہل سنت عبدالرحمن اور عبداللہ کو خلیفہ رسول نہیں سمجھتے؟

سادساً۔ اگر اس واقعہ کی کوئی حقیقت ہوتی یا اس واقعہ کو مسئلہ خلافت سے کوئی ربط و تعلق ہوتا تو سب سے پہلے خود خلیفہ صاحب سقیفہ بنی ساعدہ میں مہاجرین و انصار کے اختلاف کے وقت اس سے استدلال کرتے۔ لیکن کسی ضعیف سے ضعیف روایت میں بھی اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ ان کا اس واقعہ کے ساتھ تمسک نہ کرنا اس امر کی بیّن دلیل ہے کہ یہ ایک افسانہ ہے اور اس سے ان کی خلافت پر استدلال کرنا "مدعی سست و گواہ چست" والا معاملہ ہے۔

ہمارے اس بیان نیر البرہان سے روز روشن کی طرح واضح و عیاں ہو گیا کہ اس واقعہ سے حضرت ابوبکر کی خلافت پر استدلال کرنا حضرات مستدلین کی انتہائی علمی بے بضاعتی و کمزوری باطل کوشی اور حقائق سے چشم پوشی پر مبنی ہے ورنہ کوئی صاحب عقل سلیم و طبع مستقیم ایسی بودی دلیل سے استدلال نہیں کر سکتا۔ جس سے سوائے جگ ہنسائی اور رسوائی کے کچھ حاصل نہ ہو۔

واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

روایت اقتدوا بالذین بعدی الخ کے ساتھ تمسک کا جواب

جب یہ حضرات دیکھتے ہیں کہ پیش نماز

والا حربہ بھی کار آمد نہیں ہوا تو ایک اور گھڑی ہوئی حدیث پیش کرتے ہیں جو ان کے ترکش دلائل کا آخری تیر ہے اور وہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر۔ میرے بعد دو شخصوں کی یعنی ابوبکر و عمر کی اقتداء کرنا۔ ان لوگوں کا اس بے سروپا روایت کے ساتھ استدلال کرنا بچند وجہ درست نہیں ہے۔

اولاً ۔ یہ روایت پہلی روایت کی طرح بعض اہلِ سُنّت کے متفردات میں سے ہے یعنی اسے صرف اہلِ سُنّت نے نقل کیا ہے ظاہر ہے کہ ان کی روایت صحیح ہی کیوں نہ ہو۔ اصول مناظرہ کے مطابق ہمارے برخلاف حجت نہیں ہو سکتی۔ کما لا یخفی علی من لہ ادنی معرفۃ بقواعد المناظرۃ

ثانیاً ۔ خود اہلسنت کے حفاظِ کبار اور نقادِ اخبار نے اس حدیث کو موضوع و مصنوع قرار دیا ہے۔ چنانچہ علامہ مناوی نے فیض القدیر شرح جامع صغیر میں اسی حدیث کے ذیل میں لکھا ہے۔ "واعلہ ابوحاتم وقال البزار کابن حزم لا یصح لان عبدالملک لم یسمعہ من ربعی وربعی لم یسمع من حذیفہ" یعنی ابوحاتم نے اس حدیث کو معلل قرار دیا ہے۔ اور بزاز نے ابن حزم کی طرح (صاف لفظوں میں کہا ہے۔) کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ عبدالملک (راوی روایت نے اسے ربعی سے نہیں سُنا اور ربعی نے اُسے حذیفہ سے سماعت نہیں کیا۔" یہ روایت مدلس و معلل ہونے کی وجہ سے ناقابلِ اعتماد و اعتبار ہے۔

شیخ محمد ابن عمر عقیلی نے جو حفاظِ کبار اہلِ سنّت میں سے ہیں اپنی کتاب ضعفاء میں اس حدیث کو بالکل بے اصل قرار دیا ہے چنانچہ ابن حجر عسقلانی نے لسان المیزان ج ۵ ص ۲۳۷ طبع حیدر آباد دکن میں محمد ابن عبداللہ بن عمر عدوی عمری کے حالات میں اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے "ذکرہ العقیلی فقال لا یصح حدیثہ ولا یعرف بنقل الحدیث الخ نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما مرفوعاً اقتدوا بالذین الخ فھذا لا اصل لہ" یعنی ابن عبداللہ کی حدیث صحیح نہیں ہوتی اور وہ نقلِ حدیث میں غیر مشہور ہے اس نے نافع سے اور نافع نے ابن عمر سے اقتدوا بالذین الخ والی روایت نقل کی ہے اور یہ روایت بالکل بے اصل ہے؟ اس کے بعد لکھا ہے "قال العقیلی بعد تخریجہ ھذا حدیث منکر لا اصل لہ" یعنی عقیلی نے اس حدیث کو درج کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے اس کی کوئی اصلیت

نہیں ہے: پھر دار قطنی کا قول نقل کیا ہے کہ "لا یثبت والعمری ضعیف" یعنی یہ حدیث ثابت نہیں ہے اور عمری ضعیف ہے"۔ اسی طرح لسان المیزان ج۵ صفحہ ۲۸۶ طبع حیدرآباد دکن پہ ابن حبان کا قول درج کیا ہے کہ "لا یجوز الاحتجاج بہ" یعنی اس روایت سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے"۔

اسی طرح شمس الدین محمد ابن احمد ذہبی نے (جو اہل سُنت کے نزدیک محک الرجال مانے جاتے ہیں) اپنی کتاب میزان الاعتدال میں کئی مقامات پر اس حدیث کی تضعیف بلکہ تغلیط کی ہے۔ بذیل ترجمہ احمد ابن صلیح ذوالنون مصری از مالک از نافع از ابن عمر یہی حدیث اقتدا بالذین بعدی الخ نقل کرنے کے بعد لکھا ہے "وھذا غلط واحمد لا یعتمد علیہ" یہ روایت غلط ہے اور احمد ناقابلِ اعتماد ہے"۔ (میزان الاعتدال ج ا ص۱۴۲ طبع مصر)

اسی طرح اور متعدد مقامات پر مثلاً محمد ابن عبداللہ بن عمر عمری علوی وغیرہ کے حالات میں عسقلانی اور دارقطنی کی بعینہٖ مذکورہ بالا تحقیقات کو نقل کیا ہے نیز اسی ذہبی نے تلخیص المستدرک میں اس روایت کو بسند ابن مسعود درج کرنے کے بعد آخر میں لکھا ہے۔ "قلت سندہ واہٍ جداً" یعنی میرے نزدیک اس حدیث کی سند بہت ہی کمزور اور واہیات ہے"۔ ابو محمد علی ابن حزم ظاہری معروف بہ ابن حزم نے جو اہلِ سُنت کے بزرگ ترین محققین و سترگ ترین ناقدین سے شمار کئے جاتے ہیں۔ اور ابن حجر مکی کی طرح خلافتِ ابوبکر کو منصوص سمجھتے ہیں۔ بصراحت تمام اس حدیث کو غلط اور ناقابلِ استدلال قرار دیا ہے۔ وہ اپنی کتاب فصل ج ۴ صفحہ ۱۰۸ طبع مصر طبع اوّل میں بذیل بحث استخلاف ابی بکر اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں "قال ابو محمد ولو اننا نستجیز التدلیس والامر الذی لو ظفر بہ خصومنا طاروا بہ فرحا او ابلسوا اسفاً لاحتججنا بما روی اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر قال ابو محمد ولکنہ لم یصح ویعیذنا اللہ من الاحتجاج بما لا یصح" "ابو محمد (مولف کتاب) کہتے ہیں، کہ اگر ہم تدلیس و تلبیس (دھوکا بازی) کو اور ایسے امر کو جسے اگر ہمارے حریف (شیعہ) دیکھ لیں تو فرحت وانبساط سے اڑنے لگیں، جائز سمجھتے تو یقیناً ہم روایت اقتدوا بالذین بعدی ابی بکر وعمر کے ساتھ استدلال کرتے۔ ابو محمد کہتے ہیں لیکن یہ روایت صحیح نہیں ہے اور خدا ہمیں اس سے محفوظ رکھے کہ ہم ایسی چیزوں سے استدلال کریں جو صحیح نہ ہوں"۔

نوٹ:۔ ابن حزم کے اس کلام سے چند امور واضح ہو جاتے ہیں۔

(۱) باوجودیکہ جمہور اہلِ سُنّت کی مخالفت کرکے ابن حزم حضرت ابوبکر کی خلافت کو بالنص ثابت کرنے کی کوشش میں منہمک ہے اور اس سلسلہ میں بہت سی ضعیف بلکہ موضوع روایات کے ساتھ تمسک بھی کیا ہے۔ لیکن یہ روایت اس کی نظر میں اس قدر بیہودہ ہے کہ اس نے اسے ناقابلِ احتجاج قرار دیا ہے؟

(۲) ان کا یہ کہنا کہ اگر تدلیس و تلبیس جائز ہوتی تو وہ اس روایت سے استدلال کرتے۔ اس سے واضح ہوگیا کہ جو حضرات مثل ابن حجر مکی وغیرہ اس روایت سے استدلال کرتے ہیں، وہ درحقیقت تلبیسِ ابلیس کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

(۳) ابن حزم کے نزدیک، یہ حدیث، درجۂ حجیت سے اس قدر ساقط ہے کہ اس سے احتجاج کرنے کو عظیم گناہ سمجھتے ہوئے اس سے خدا کی پناہ مانگ رہے ہیں (از عبقات الانوار)

اگرچہ اس حدیث کے موضوع و مکذوب ہونے کے متعلق اور بھی بہت سے علماء کی شہادتیں ہمارے پیشِ نظر ہیں مگر انہی چار علمائے کبار کی شہادتوں پر اکتفاء کی جاتی ہے۔ امید کامل ہے کہ اربابِ عدل و انصاف کو ان معتبر شہادتوں کے بعد اس روایت کے موضوع و مصنوع ہونے کے متعلق بقدر سر سوزن بھی شک و شبہ باقی نہیں رہ جائے گا۔

ثالثاً: یہاں تک ہم نے قانون روایت کے اعتبار سے اس حدیث پر گفتگو کی ہے جس سے بحمد اللہ اس کا مکذوب و موضوع ہونا بالکل واضح و لائح ہوگیا اب آئیے درایت، اور متنِ الفاظ کے اعتبار سے بھی اس کا جائزہ لیں۔ اگر اقتداء و اتباع سے مراد یہ ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد ہر لحاظ سے اقتداء انہی دو شخصیتوں ابوبکر و عمر میں منحصر ہے۔ تو اس سے حضرت علیؑ و عثمان نیز دیگر خلفاء کی خلافت و امامت ختم ہو جائے گی اور اگر اس اقتداء سے مراد فی الجملہ بعض امور میں اقتداء کرنا ہے تو پھر ممکن ہے کہ ان بعض امور کا مسئلہ خلافت و امامت سے کوئی تعلق ہی نہ ہو۔ لہٰذا اس صورت میں کس طرح اس حدیث کو نصِ خلافت سمجھا جا سکتا ہے؟ (اذا قام الاحتمال بطل الاستدلال۔)

رابعاً: ان حضرات کے یہاں ایک حدیث مشہور ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: "اصحابی کالنجوم بایّہم اقتدیتم اھتدیتم" (میرے اصحاب مثل آسمانی ستاروں کے ہیں جس کی اقتداء کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔) اس میں تمام صحابۂ رسول کے ساتھ اقتداء کا حکم دیا گیا ہے اور سب کی اقتداء کو موجب رشد و ہدایت قرار دیا گیا ہے۔ لیکن سابقہ حدیث (اقتدوا باللذین بعدی)

ے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت کے بعد اقتدار انہی دو شخصوں میں منحصر ہے۔ لہٰذا اس طرح ان حدیثوں کے درمیان تعارض واقع ہو جائے گا اس لئے ان میں سے ایک کو لامحالہ غلط ماننا پڑے گا۔ اب ان حضرات کو اختیار ہے جسے چاہیں موضوع قرار دیں۔ بہر صورت ہمارا مقصد حاصل ہے۔

خامسًا:۔ اس سلسلہ میں آخری اور فیصلہ کن بات یہ ہے کہ اگر اس حدیث کی کوئی حقیقت و واقعیت ہوتی تو سب سے پیشتر حضرت ابوبکر سقیفہ بنی ساعدہ میں اسے پیش فرماتے کیونکہ وہاں اس قسم کی احادیث کی بڑی سخت ضرورت تھی۔ مگر جب انہوں نے پیش نہیں کیا تو اس سے واضح ہو گیا کہ یہ حدیث بالکل وضعی وجعلی ہے اور بنا بر ثبوت اس کو مسئلہ خلافت و امامت سے کوئی ربط و تعلق نہیں ہے۔ لہٰذا کوئی عقل و فہم اور علم و دانش رکھنے والا کسی ایسی خانہ ساز حدیث سے استدلال و احتجاج نہیں کر سکتا۔

ایضاح ابن حجر وغیرہ نے خلافتِ ابوبکر کے بالنص اثبات میں اپنے نامۂ اعمال کی طرح کتاب کے متعدد اوراق سیاہ کئے ہیں جن میں بزعمِ خویش بہت سی آیات و روایات ذکر کی ہیں۔ لیکن ان حضرات کی عمدہ دلیلیں یہی دو تھیں جن کو ہم نے "ھباءً منثورًا" کر دیا۔ باقی روایات و آیات محتاج جواب نہیں ہیں کیونکہ آیات ایسی ہیں جنہیں ان کے مقصد سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں اور روایات بعض بالکل بے ربط اور بعض بالکل موضوع و مکذوب ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جمہور اہلِ سنّت نے (جس کا اعتراف خود ابن حجر مکی کو بھی ہے) ان ناقابلِ استدلال نصوص سے اعراض کر کے خلافت ابوبکر کو اجماعی قرار دیا ہے۔ اگر ان دلائل و نصوص کی کوئی حقیقت ہوتی تو جمہور اہلِ سنّت ہرگز ان سے عدول کر کے اجماع کے ساتھ تمسک نہ کرتے۔ جو خود "فرّ من المطر وقام تحت المیزاب" کا مصداق ہے۔ یعنی ان رکیک دلائل سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ جیسا کہ اس کی وضاحت کی جا چکی ہے۔ بہرحال خلافتِ ابوبکر کے اثبات کے دو ہی طریق تھے: (۱) اجماع یا (۲) نص اور جب بعونہٖ تعالیٰ یہ دونوں راستے غلط ثابت ہو گئے۔ تو اس سے مسلمانوں کی خلافتِ اولیٰ کی اساس بھی بالکل منہدم ہو گئی۔ والحمد للہ علی احسانہٖ

طریفہ انہی وجوہ کی بنا پر خود حضرت ابوبکر کو بھی اپنے خلیفہ ہونے کا یقین نہ تھا، بلکہ وہ اپنے کو خالفہ سمجھتے تھے، نہ خلیفہ، چنانچہ نہایہ ابنِ اثیر (طبع ایران) پر مرقوم ہے کہ "جاء اعرابی فقال لہ انت خلیفۃ رسول اللہ صلعم قال لا قال

خلافت؟ قال لا انا الخالفۃ بعدہ یعنی حضرت ابوبکر کے پاس ایک اعرابی آیا اور کہا کیا آپ ہی خلیفہ رسول ؐ ہیں؟ حضرت ابوبکر نے کہا نہیں! اعرابی نے کہا تو پھر آپ کون ہیں، کہا میں تو آپؐ کے بعد خالفہ ہوں! (ھکذا فی مجمع البحار مطبوعہ نول کشور ج ا ص۳۷۰) اس مقام پر خلیفہ اور خالفہ کے معنی یہ تحریر کئے ہیں، الخلیفۃ من یقوم مقام الذاھب ویسد مسدہ والخالفۃ من لا غنا عندہ ولاخیر فیہ یعنی خلیفہ وہ ہوتا ہے جو جانے والے کا قائم مقام ہو اور اس کی کمی کو پورا کرسکے۔ اور خالفہ وہ ہوتا ہے جو بالکل بیکار ہو اور اس میں کوئی خیر و خوبی نہ ہو۔ اور قاموس (ج ۲ ص۱۳۷ طبع مصر) میں اس کے معانی میں ایک معنیٰ "احمق" بھی لکھے ہیں۔ ابن اثیر نے یہ واقعہ لکھنے کے بعد لکھا ہے۔ "قال ھضما لنفسہ" کہ آپ نے کسرِ نفسی سے کام لے کر ایسا کہا۔ ان سے کوئی پوچھے کسرِ نفسی بھی اپنے موقع و محل پر اچھی ہوتی ہے۔ اس بات کا کیا تُک ہے کہ ایک سائل کسی عرض کے تحت بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوتا ہے اور ناواقفی کی بناء پر صاحب مسند سے دریافت کرتا ہے کیا آپ خلیفۂ رسولؐ ہیں؟ اور وہ جواب میں فرماتے ہیں نہیں میں تو ایک احمق ہوں، یہ کسرِ نفسی نہیں بلکہ واقعاً حماقت ہے یا پھر "الحق یجری علی اللسان" کا مظاہرہ ہے جب رسولؐ نے ان کو اپنا خلیفہ مقرر نہیں کیا تو پھر وہ کیونکر خلیفۂ رسولؐ ہو سکتے ہیں! اس لئے خدا نے ان سے حق کا اقرار کرا لیا۔ "ان فی ذلک لآیات لقوم یعقلون۔"

خلافتِ ثانیہ کے انعقاد کی کیفیت اور اس کا بطلان

سابقہ بیان حقائق ترجمان سے جہاں خلافتِ اولیٰ کا بطلان واضح و عیاں ہوگیا وہاں اس سلسلہ کی خلافتِ ثانیہ کا شجرِ اساس بھی گر گیا۔ جس سے قصرِ خلافتِ عمریہ کا منہدم ہوجانا قطعی و یقینی امر ہے۔ کیونکہ ان کی خلافت خلیفۂ اوّل کی وصیت سے عمل میں آئی تھی۔ اور جب خلیفۂ اوّل کی خلافت باطل ہوگئی تو ان کی وصیت سے منعقد شدہ خلافت کا بطلان ضروری و بدیہی ہے اس لئے اس سلسلہ میں ہم مزید خامہ فرسائی کی چنداں ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ فقط اجمالاً چند جملے اس کے متعلق عرض کئے دیتے ہیں جس سے ناظرین کرام پر حضرت عمر کی خلافت کے انعقاد کی کیفیت واضح و عیاں ہوجائے گی۔ سابقہ تحقیقات سے محقق و مبرہن ہو چکا ہے کہ خلافتِ ابوبکر جناب عمر کی کوششوں کی مرہونِ منت تھی، اگر آنجناب کی ان تھک کوششیں نہ ہوتیں تو پہلے خلافتِ مآب کو ہرگز مسندِ اقتدار نصیب نہیں ہوسکتی تھی۔ ڈھائی سال کی مدت کوئی مدت نہیں، کل کی بات ہے کہ حضرت عمر نے ان کو

منبرِ رسولؐ پر متمکن کیا۔ لہٰذا حضرت ابوبکر جناب عمر کے اس احسان و امتنان کو کب بھول سکتے تھے۔ ھل جزاء الاحسان الا الاحسان۔ اگرچہ وہ اپنی خلافت کے دوران میں بھی گاہ بگاہ اس تشکر کے مظاہرے کرتے رہتے تھے۔ لیکن اس کا عمدہ مظاہرہ اپنی وفات کے قریب کیا۔ جس کی پیش گوئی حضرت امیر المومنینؑ خلافتِ اولیٰ کے انعقاد کے وقت فرما چکے تھے۔ چنانچہ جب حضرت ابوبکر کا وقتِ وفات قریب آیا تو انہوں نے وصیت نامہ تحریر کرنے کے لئے حضرت عثمان کو بھیجا۔ کانوں کان بعض اکابر صحابۂ رسول کو بھی پتہ چل گیا۔ کہ وہ عمر کو اپنا خلیفہ مقرر کرنا چاہتے ہیں انہوں نے خلافتِ عمر سے اپنی ناراضگی کا اظہار مختلف الفاظ میں کیا کسی نے کہا "ما تقول لربک اذا لقیتہ غدا و استخلفت علینا عمر" اے ابوبکر! تم کل فردائے قیامت اپنے خدا کو کیا جواب دو گے۔ جبکہ تم عمر ابن خطاب ایسے شخص کو خلیفہ مقرر کر کے جا رہے ہو (کنز العمال ج ۳ ص ۱۴۶ طبع حیدر آباد دکن) بعض حضرات نے تو اس کے متعلق یہاں تک کہا: "استخلفت علینا عمر فظا غلیظا فلو قد ولینا کان افظ و اغلظ" اے ابوبکر! خدا سے ڈرو۔ کیا تم عمر ایسے سخت تند مزاج اور درشت خو آدمی کو ہمارے اوپر خلیفہ مقرر کر رہے ہو (ازالۃ الخفاء، کنز العمال ج ۳ ص ۱۴۶ ج ۹ ص ۲۱۲) صحابہ کی اس تمام داد و فریاد کے باوجود حضرت ابوبکر نے ان کی ایک نہ سنی اور عثمان سے کہا لکھو "اما بعد استخلفت علیکم" (اور بعض روایات میں بجائے "استخلفت" "انی عہدت الخ" وارد ہے) "......... این سخن راگفت و بیہوش شد و عثمان آنچہ راگفتہ بود بعمل آورد و از پیش خود نوشت کہ عمر ابن الخطاب را خلیفہ ساختم"

"اما بعد میں نے تمہارے اوپر خلیفہ مقرر کیا (ابھی تک خلیفے کا نام نہیں لیا تھا) کہ بیہوش ہو گئے۔ (عثمان نے ان کی منشا کے مطابق عمر بن خطاب کا نام لکھ دیا۔" یعنی عمر کو۔ جب ہوش میں آئے، تو عثمان سے دریافت کیا کہ تم نے کیا لکھا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ جو کچھ انہوں نے لکھوایا تھا۔ وہ لکھ دیا ہے اور اپنی طرف سے حضرت عمر کا نام بھی لکھ دیا ہے حضرت ابوبکر نے اس اضافہ کو پسند کیا؟ (ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ۱۷۴ و کنز العمال ج ۳ ص ۱۴۶)

مقامِ عبرت وافسوس

کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ پیغمبرِ اسلامؐ نے آخری وقت ہدایتِ امت کے لئے کچھ لکھنے کے متعلق قلم و دوات طلب فرمائی تو ان پر بے ہوشی اور ہذیان کا بہتان باندھ کر کچھ نہ لکھنے دیا۔ نہ قلم دوات حاضر کی گئی لیکن جب خلیفۂ اوّل نے اس امر کا اظہار کیا تو باوجودیکہ ان پر غشی کے دورے پڑ رہے

تھے۔ لیکن کسی نے یہ اعتراض نہ کیا کہ ان کا دماغی توازن درست نہیں، بلکہ فوراً سب کچھ مہیا کر دیا گیا، قلم دوات بھی حاضر ہو گئی، کاتب بھی آ گیا وصیت بھی لکھوائی گئی۔ اسے معتبر بھی سمجھ لیا گیا اور عمر صاحب اسی تحریر کی برکت سے سریر آرائے حکومت بھی ہو گئے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون!!

ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا!

مقامِ تعجب ہے کہ آج عمر صاحب تمام صحابۂ کرام اور تمام عالمِ اسلام کی رضامندی وخوشنودی حاصل کئے بغیر (بلکہ باوجود ان کے اعتراض کرنے کے) حضرت ابوبکر کی وصیت کرنے سے اپنے استخلاف پر کس طرح رضامند ہو گئے۔ حالانکہ اس سے قبل کل ہی صاحب حضرت ابوبکر عیینہ بن حصین اور اقرع بن حابس کو کچھ زمین دے دینے پر معترض نظر آتے تھے۔ کہ: تمہیں کس چیز نے آمادہ کیا کہ دوسرے مسلمانوں کو چھوڑ کر فقط ان دو آدمیوں کو یہ زمین دے دی؟

"ابوبکر: میں نے اپنے گرد بیٹھنے والے مسلمانوں سے اس امر میں مشورہ کیا، جب انہوں نے رضامندی ظاہر کی تب میں نے ان کو یہ زمین دی!

"عمر: اس میں تو تمام مسلمانوں کی رضامندی لازمی ہے فقط چند حاشیہ نشینوں کی خوشنودی سے تمام مسلمانوں کی رضامندی کس طرح معلوم ہو سکتی ہے؟

"ابوبکر: میں نے پہلے روز سقیفہ بنی ساعدہ میں ہی تم سے کہہ دیا تھا کہ تم اس امر خلافت کے لئے مجھ سے زیادہ موزوں ہو۔ لیکن تم نے مجبوراً مجھے بنا دیا اور اب مجھ پر زبانِ اعتراض دراز کرتے ہو۔؟ (یعنی خود کردہ را علاجے نیست)

حضرت عمر نے اس گفتگو سے پیشتر ان آدمیوں سے الاٹ منٹ والا کاغذ لے کر اسے تھوک سے محو کر ڈالا تھا۔ (درمنثور ج ۳ صـ۲۵۲ بحوالہ ابن ابی شیبہ وبخاری در تاریخ ویعقوب ابن سفیان وبیہقی وابن عساکر) اللہ اللہ!! معمولی امور میں تو اس قدر اہتمام کہ تمام مسلمانوں کی رضامندی نہ حاصل ہونے کی وجہ سے خلیفۂ وقت کے پروانہ کو تھوک سے محو کر دیا جاتا ہے۔ حالانکہ کم از کم اس میں حاضرینِ بزم کی رضامندی تو حاصل کر لی گئی تھی لیکن آج خلافت ایسے اہم امر میں حضرت ابوبکر کی وصیت کر دینے پر باوجودیکہ اکابر صحابہ معترض ہیں لیکن حضرت کی زبان پر مہرِ سکوت لگی ہوئی ہے معلوم ہوا کہ جس طرح بقولِ حضرت عمر خلافتِ اولیٰ "فلتۃ" (اچانک بغیر مشورہ وغیرہ) عمل میں آئی تھی جس سے آپ ہمیشہ لوگوں کو ڈراتے رہتے

تھے۔ خود آپ کی خلافت بھی "فلتۃ" ہی واقع ہوئی غالباً یہی وجوہ تھے کہ خود حضرت عمر کہا کرتے
تھے کہ" واللہ ما ادری اخلیفۃ انا ام ملک، خدا کی قسم مجھے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ آیا میں
خلیفہ ہوں یا بادشاہ ہوں! (ازالۃ الخفاج ا صہ۲۲۷ و تاریخ الخلفاء مطبوعہ لاہور صہ۱۳۹) مسلمانو! خدارا
کچھ تو سوچو جس شخص کو خود اپنی خلافت کا جزم و یقین نہیں تم کس طرح اسے خلیفہ رسولؐ کہہ سکتے
ہو؟ کیا یہ مدعی سست و گواہ چست والا معاملہ نہیں ہے؟؟ تم کس منہ سے ان کی خلافت
کے منکرین پر کفر و شرک کے فتوے لگاتے ہو

شرم تم کو مگر نہیں آتی؟

الحمد للہ خلافت عمریہ کا بطلان بھی واضح ہوگیا۔ اور اس کے بطلان کے ساتھ ساتھ
خلافت ثالثہ یعنی خلافت عثمانیہ کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ اگرچہ خلافت اولیٰ کے بطلان سے یہ سب
خلافتیں باطل ہو جاتی ہیں کیونکہ خلافت اولیٰ ہی ان تمام خلافتوں کی اصل و اساس ہے۔ ظاہر ہے
کہ بطلان اصل مستلزم بطلان فرع ہے۔ اور اس کا انہدام در و دیوار کے انہدام کا موجب۔ اگرچہ
خلافت ثالثہ کا بطلان محتاج بیان نہیں رہا لیکن تاہم اس کے متعلق چند جملے ہدیہ قارئین
کئے جاتے ہیں جس سے کیفیت انعقاد خلافت عثمانیہ قدرے اجاگر ہو جائے گی!

خلافت ثالثہ کے انعقاد کی کیفیت اور اس کا بطلان

ہمارے برادران اسلامی کی تیسری اصل جس سے کسی
شخص کی خلافت و امامت ثابت کرتے ہیں، "شوریٰ" ہے حضرت عمر نے بوقت وفات، چھ اشخاص
یعنی حضرت علیؑ، عثمان، طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمٰن ابن عوف کے درمیان مسئلہ
خلافت کو شوریٰ قرار دیا۔ جناب عمر کے ایسا کرنے میں اگرچہ بظاہر دیانتداری کا ملمع چڑھا ہوا ہے

حضرت علیؑ کو اقتدار سے محروم کرنے کی شورائی تدبیریں

لیکن درحقیقت حضرت علیؑ کو اس سے محروم رکھنے اور جناب
عثمان کو برسر اقتدار لانے کے لئے وہ "لطائف الحیل" عمل میں لائے گئے کہ انہیں دیکھ کر انسانیت
شرما جاتی ہے۔ اس اجمال کی بقدر ضرورت تفصیل یہ ہے۔

(۱) اس شوریٰ سے باقی تمام مہاجرین و انصار کو خارج کرکے۔ فقط چھ آدمیوں میں آکے
منحصر کیا گیا ہے۔ حالانکہ باقی صحابہ رسولؐ میں ایسی ہستیاں بھی موجود تھیں جو سوائے حضرت
علیؑ باقی ارباب شوریٰ سے بدرجہا بہتر و افضل تھیں؟

(۲) ان چھ شخصیتوں میں عبدالرحمٰن ابن عوف کو میر مجلس قرار دیا گیا۔ کنز العمال ج ۳ ص ۱۶۰ پر حضرت عمر کا یہ قول موجود ہے کہ انہوں نے ارکان شوریٰ کو فہمائش کی۔ فایعنی الممن بایع لہ عبدالرحمٰن ابن عوف فمن ابی فاضربوا عنقہ؛ کہ جس کی عبدالرحمٰن ابن عوف بیعت کریں تم بھی اس کی بیعت کرنا اور جو شخص اس سے انکار کرے اس کی گردن اُڑا دینا! عبدالرحمٰن کا جھکاؤ کس طرف تھا؟ کس کی مخالفت کا اندیشہ تھا؟ اس حکم میں کیا راز مضمر تھا؟ یہ حقائق ارباب علم و اطلاع پر مخفی نہیں ہیں؟

خوش آں باشد کہ سر دلبراں گفتہ آید در حدیث دیگراں

(۳) شوریٰ کی ساخت و پرداخت ہی بتاتی ہے کہ یہ جناب امیر علیہ السلام کو حق خلافت سے محروم کرنے کی سیاست تھی اور یہ سب کارروائی صرف ظاہر داری کی خاطر تھی عبدالرحمٰن بن عوف۔ عثمان کے قریبی رشتہ دار تھے۔ عبدالرحمٰن کی بیوی اُم کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط عثمان کی مادری ہمشیرہ تھی۔ سعد بن ابی وقاص عبدالرحمٰن کے نزدیکی رشتہ دار تھے۔ نیز سعد ماں کی طرف سے اموی تھا۔ اس کی ماں حمنہ بنت امیہ بن عبدالشمس تھی۔ طلحہ کو حضرت علیؑ سے پرانی عداوت تھی۔ وہ تیمی تھے اور ابوبکر کے ابن عم۔ یہ سب حضرت علیؑ کے خلاف تھے باقی رہے زبیر وہ ابوبکر کے داماد تھے۔ اور اُن کی والدہ صفیہ بنت عبدالمطلب تھیں۔ گویا وہ اُدھر بھی تھے اِدھر بھی پہلے حضرت امیرؑ کی طرف میلان ظاہر کیا۔ مگر جب دیکھا کہ عبدالرحمٰن عثمان کے لئے کوشاں ہے تو اُن کے ساتھ ہو گئے۔ ان حالات کے پیش نظر یہ چیز کھل کر سامنے آ جاتی ہے۔ کہ یہ تمام کارروائی حضرت امیرؑ کو ان کے حق سے محروم کرنے کے لئے عمل میں لائی گئی تھی۔

(۴) اب مذکورہ بالا تنقیح کی روشنی میں حضرت عمر کے اس حکم کا جائزہ لیجئے کہ اس کی بیعت کرنا جکی بیعت عبدالرحمٰن بن عوف کرے۔ اور جو اس کی مخالفت کرے اسے قتل کر دینا۔ عمر صاحب اچھی طرح جانتے تھے۔ کہ عبدالرحمٰن اور دیگر ممبران کی اکثریت عثمان کے ساتھ ہو گی۔ اگر اندیشہ تھا تو جناب امیر علیہ السلام کی مخالفت کا لہٰذا ان کا یہ حکم کہ مخالف کو قتل کر دینا۔ درحقیقت حضرت علیؑ کے قتل کا فتویٰ دینا ہے۔ ورنہ بتایا جائے کہ عبدالرحمٰن میں وہ کون سی ایسی خصوصیت تھی جس کی بنا پر حضرت عمر نے یہ کہا تھا۔ کہ خلیفہ وہی ہو گا۔ جس کی بیعت عبدالرحمٰن کریں گے؟ پیغمبر خدا تو یہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ حق اُدھر ہو گا۔ جدھر حیدرؑ کہ جہاں ہوں گے (منصب امامت مترجم اقدم

(۵) بعض آثار سے یہ بھی واضح و آشکار ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے اپنے بیٹے عبداللہ کو بھی سرپنچ بنایا تھا۔ اور اسے حکم دیا تھا کہ "یا عبداللہ ان اختلف القوم فکن مع الاکثر فان تساووا فکن مع الحزب الذی فیہ عبدالرحمن بن عوف": اگر ارکان شوریٰ میں اختلاف رونما ہو تو تم اکثریت کا ساتھ دینا اور اگر برابر برابر ہوں تو پھر اس گروہ کا ساتھ دینا جس میں عبدالرحمن بن عوف ہوں۔ (تاریخ طبری ج ۵ ص ۳۵ کامل بن اثیر ج ۳ ص ۲۰) اب اس میں جو راز مضمر ہے وہ دیدۂ بینا رکھنے والوں کے لئے کوئی راز نہیں ہے۔

ع انیہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

(۶) اگر دیانت داری سے اس معاملہ کو طے کرنا مقصود تھا تو حضرت عمر کے اس سے پہلے اس اعلان کے کیا معنی ہیں، کہ میرے بعد عثمان خلیفہ ہوگا، چنانچہ کنز العمال ج ۳ ص ۵۸ (حیدرآباد دکن) پر حذیفہ سے روایت ہے "قال قیل لعمر ابن الخطاب و ہو بالمدینۃ یا امیر المؤمنین من الخلیفۃ بعدک قال عثمان ابن عفان" جناب حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر سے کہا گیا جب کہ وہ خلیفہ حضرت عثمان ہی کو بنانا چاہتے تھے۔ اور اس کے متعلق انہوں نے ایک منظم سازش کر رکھی تھی۔ فقط ظاہرداری کے طور پر یہ شوریٰ قرار دیا گیا تھا۔

(۷) سیرت شیخین کے اتباع کی شرط مقرر کر دی گئی تھی جس کے متعلق انہیں یقین تھا کہ حضرت علی علیہ السلام اسے ہرگز قبول نہیں کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب عبدالرحمن نے "سوچی سمجھی سکیم کے تحت" کتاب و سنت کے ساتھ اتباع سیرت شیخین کی شرط پر خلافت کو حضرت علیؑ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے سیرت شیخین پر چلنے سے انکار فرما دیا۔ شرح فقہ اکبر مطبوعہ محمدی لاہور ص ۸۳ پر ہے۔ "فابی علیؑ ان یقلدہما!" حضرت علیؑ نے سیرت شیخین کے اتباع سے انکار کر دیا؛ پھر جب اسی شرط پر جناب عثمان کو اس کی پیش کش کی گئی تو انہوں نے بصد شکریہ اسے قبول کر لیا اور عبدالرحمن ابن عوف نے فوراً ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔ (کذا فی التاریخ للطبری والکامل ج ۳ ص ۲۷ وابن خلدون لقیہ الجزء الثانی ص ۱۲۶ وغیرہ) اس منظم سازش کا نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہیئے تھا۔ یعنی حضرت عثمان خلیفہ بن بیٹھے اور حضرت علی علیہ السلام آزردہ خاطر ہو کر یہ فرماتے ہوئے باہر تشریف لائے۔ کہ "لیس ہذا اول یوم تظاہرتم علینا من دفعنا عن حقنا والاستئثار علینا۔ فصبر جمیل واللہ المستعان علی ما تصفون" یہ پہلا دن نہیں ہے کہ

تم نے ہمیں اپنے حق سے ہٹانے اور دوسرے لوگوں کو ہم پر ترجیح دینے میں ہمارے خلاف سازشیں کیں (بلکہ اس سے پہلے دو موقعے اور بھی گزر چکے ہیں جن میں اسی طرح ہماری حق تلفی کا مظاہرہ کیا جاچکا ہے) پھر آیت نصیر جمیل تلاوت فرمائی۔ (شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید معتزلی ج ۲ صف طبع مصر تاریخ ابو الفداء ج ۱ صفحہ ۱۶۴/۱۶۵)

اس مقام پر دو شبہوں کا ازالہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

کتاب مستطاب فلک النجات میں موجود ہے جسے ہم من و عن

پہلا شبہ مع جواب

یہاں نقل کئے دیتے ہیں:- اہل تسنن کہتے ہیں کہ خدا کا حکم ہے وشاورھم فی الامر لہٰذا مشورہ سے خلیفہ بنالینا چاہیئے: اب دیکھنا یہ ہے کہ ہر امر میں مشورہ کا حکم ہے یا امور خاصہ حرب وغیرہ میں اگر ہر امر میں حکم ہو تو لازم آتا ہے کہ کبھی نبی بھی مشورہ سے بنالینا چاہیئے یا نبی کی تصدیق کے لئے اُمت مشورہ کرے۔ اگر پاس کرے کہ اس کو نہیں ماننا چاہیئے۔ بے فائدہ ہم پر ایک ریاست قائم کرے گا۔ پابندی احکام سے مقید کرے گا توحسب الحکم مشورہ کے یہ عمل انکار نبوت صحیح ہو حالانکہ صحیح نہیں اور خلیفہ دوم بغیر مشورہ کیونکر حق پر ہوئے۔ حالانکہ اس امر آیت کے خلاف مقرر ہوئے۔ حقیقت میں اس مشورہ کا حکم امور جنگ اور دنیاوی امور کے لئے ہے۔ نہ امامت کبریٰ جیسے امور دینی میں جس کے لئے باطنی علوم و صفائی کی ضرورت ہے جس کو خدا کے بغیر کوئی نہیں جانتا یا جیسے نبوت اسی طرح ہے۔ دیکھو تفسیر کبیر ج ۲ صفحہ ۱۲۱ (طبع اسلامبول) بذیل آیت۔ وشاورھم فی الامر قال الکلبی وکثیر من العلماء ھذا الامر مخصوص بالمشاورۃ فی الحروب: یعنی کلبی اور بہت علماء اسی کے قائل ہیں کہ یہ امر مشورہ جنگ کے کاموں سے مخصوص ہے پھر لکھا اس مشورہ سے نبی کو کسی سے رائے و علم لینے کی فی الحقیقت ضرورت نہ تھی۔ اور نہ آپ کو اس کی احتیاج تھی۔ فقط تالیف قلوب کے لئے یہ حکم تھا جیسا کہ تفسیر ابن جریر طبری ج ۴ صفحہ ۹۴ طبع مصر پر مرقوم ہے کہ سب کو مشورہ میں شامل کرنے سے ہر ایک اپنا کام سمجھے گا۔ دلی توجہ سے جنگ کریں گے یہ نہ سمجھیں کہ ہم کو کسی تو شمار میں لیتے نہیں ہم کیا سر کٹاتے پھریں۔ پھر فخر الدین رازی اسی کبیر ج ۲ صفحہ ۱۲۲ میں اس حکم کے مشار الیھم ابوبکر و عمر کا قول بیان کرکے اس کی تردید کرتا ہے: (مترجم)

علاوہ بریں ظاہر ہے کہ شاورھم فی الامر کا خطاب اولاً و بالذات سرکار ختمی مرتبت

کرے۔ اگر مشورہ میں عمومیت ہوتی جیسا کہ بعض اہل تسنن کا خیال ہے کہ آنحضرتؐ کو حکم تھا کہ تمام امور میں صحابہ سے مشورہ کریں۔ تو پھر لازم تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک اجتماع کرکے اپنے خلیفہ کے بارے میں ان سے مشورہ لیتے لیکن کتب سیر و تواریخ اور احادیث اس سلسلہ میں خاموش ہیں۔ کسی کتاب میں یہ نہیں ملتا کہ آنحضرتؐ نے کوئی جلسہ منعقد کرکے ایسا مشورہ کیا ہو۔ اس صورت میں لازم آئے گا۔ کہ معاذ اللہ رسولؐ اسلام نے ایک واجبی حکم کی مخالفت کی۔ حالانکہ کوئی کلمہ گو اس کو تسلیم نہیں کرسکتا لہٰذا ماننا پڑے گا۔ کہ مشورہ کا یہ حکم خلافت و امامت ایسے امور کے متعلق نہیں ہے جن کا تعلق نص خداوندی سے ہے۔ وھو المراد۔ یہ ایک ایسی مسلمہ حقیقت ہے کہ جس پر فخر الدین اتفاق و اجماع کا دعویٰ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ المسئلۃ الثالثۃ اتفقوا علی ان کل ما نزل فیہ وحی من اللہ لم یجز للرسول ان یشاور الامۃ لانہ اذا جاء النص بطل الرای والقیاس (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۲۱) یعنی سب علماء کا اتفاق ہے کہ جن امور کا تعلق وحی سے ہے۔ ان امور میں رسولؐ کے لئے امت سے مشورہ کرنا جائز نہیں ہے۔ بنابریں جب خلافت، نصی ہے جیسا کہ قبل ازیں اسے ثابت کیا جا چکا ہے اور اس موضوع پر متعدد نصوص مثل یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک الخ اور انما ولیکم اللہ و رسولہ الایۃ وغیرہ موجود ہیں تو پھر اس مسئلہ میں مشورہ کرنے کا کیا مقام و محل ہے؟؟

اس شبہ کی جوابی تقریر سے ایک اور شبہ کا بھی ازالہ ہو گیا۔ جو بعض حضرات آیت "وامرھم شوریٰ بینھم" سے پیش کرتے ہیں۔ کیونکہ اس سے مراد بھی عام دنیاوی امور ہیں۔ یہ مومنین کی صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ باہمی مشورہ سے ان امور میں اقدام کرتے ہیں نہ یہ کہ خلافت و امامت ایسے خالص دینی مسائل کو بھی شامل ہو ورنہ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ لوگ اپنے باہمی مشورہ سے امور دینیہ میں مداخلت کرکے احکام شریعت بھی از خود معین کر لیں۔ جو کہ بالبداہت باطل ہے۔ علاوہ بریں کتب تفاسیر کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ آیت انصار کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ تفسیر بیضاوی ج ۲ ص ۲۰۰ طبع اسلامبول اور مدارک ج ۴ ص ۸۳ پر لکھا ہے۔ والذین استجابوا لربھم و اقاموا الصلوٰۃ و امرھم شوریٰ بینھم و مما رزقنٰھم ینفقون وہ لوگ جنہوں نے اپنے رب کے پیغام کو قبول کیا۔ اور نماز قائم کی اور اپنے معاملات کو باہمی صلاح و مشورہ سے طے کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے

ان کو دیا ہے اس سے خروج کرتے ہیں نزلت فی الانصار دعاھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الی الایمان فاستجابوا الہ۔ یہ آیت انصار کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ جب ان کو آنحضورؐ نے دعوتِ ایمان دی تو انہوں نے اسے قبول کر لیا۔ ایسا ہی تفسیر جلالین کے حاشیہ نمبر ۲ پر مرقوم ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ یہ آیت انصار کے حق میں نازل ہوئی۔ کہ وہ آنحضرتؐ کی تشریف آوری سے پہلے اپنے امور مشورہ سے طے کر لیا کرتے تھے۔ طرفہ تماشا یہ ہے۔ کہ یہ آیت تو انصار کے حق میں نازل ہوئی اور حکومت پر قابض ہو گئے مہاجرین! آج انہیں کی اثباتِ خلافت کے لئے اس آیت کو پیش کیا جاتا ہے اور جن کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی تھی۔ ان کو حکومت کا کچھ حصہ بھی نہ ملا۔ اگرچہ وہ "منا امیر و منکم امیر" کی گردان کرتے رہ گئے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔!!

دوسرا شبہ! حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے کلام معجز نظام مندرجہ نہج البلاغة ج ۳ ص ۸ طبع مصر کہ بایعنی القوم الذین بایعوا ابابکر و عمر علی ما بایعوھم علیہ۔ (الی ان قال) وانما الشوریٰ للمہاجرین والانصار فان اجتمعوا علی رجل و سموہ اماما کان للہ رضی الخ معاویہ کے نام لکھتے ہیں کہ میری بیعت انہی لوگوں نے کی ہے۔ جنہوں نے ابو بکر و عمر کی بیعت کی تھی۔ اور اسی امر (خلافت) پر کی ہے۔ جس پر ان کی تھی۔ الخ اور مشورہ کا حق مہاجرین و انصار کو حاصل ہے اگر وہ کسی پر متفق ہو کر اس کو امام بنا دیں تو اس میں خداوند عالم کی رضامندی ہوتی ہے؟ کہا جاتا ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ نے کس وضاحت و صراحت سے شوریٰ کی حقانیت کو بیان فرمایا ہے اور نیز اس سے شیخین کی خلافت کی حقانیت پر بھی کافی روشنی پڑتی ہے؟

اس شبہ کا بچند وجہ جواب دیا جا سکتا ہے۔

اولاً:۔ آنحضرتؑ کا یہ کلام الزامی ہے نہ تحقیقی۔ جیسا کہ فنِ جدل و مناظرہ سے معمولی واقفیت رکھنے والے حضرات پر مخفی و مستور نہیں ہے آنجنابؑ کا مقصد یہ ہے کہ اے معاویہ! تمہارا یہ خیال ہے کہ مہاجرین و انصار کے شوریٰ سے خلافت منعقد ہو سکتی ہے اسی بنا پر تم اپنے خلفاء ثلثہ کی خلافت کو صحیح سمجھتے ہو پھر کیا وجہ ہے کہ تم مجھے خلیفۂ رسول نہیں سمجھتے حالانکہ تمہارے اس مقرر کردہ معیار پر میں پورا اترتا ہوں۔ کیونکہ میری بیعت بھی انہی لوگوں نے کی ہے جنہوں نے شیخین کی کی تھی۔ اور اسی خلافت پر کی ہے جس پر ان کی کی تھی! لہٰذا اب تیرے سامنے دو

ہی راستے ہیں۔ یا تو میری بیعت میں داخل ہو جا یا پھر پہلے تینوں خلفاء کی خلافتوں کا بھی انکار کرنا پڑے گا۔ ان دو شقوں میں سے جس کو چاہے اختیار کر۔

آنجناب اور معاویہ کی خط و کتابت کا یہ سلسلہ بہت طولانی ہے جو کتب تواریخ میں مرقوم ہے جس سے اس جواب کے الزامی ہونے پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ کتاب العقد الفرید ج ۲ ص۲۲۳ مطبوعہ مصر طبع اول میں مذکور ہے۔

"وکتب علیؑ الی معاویۃ بعد وقعۃ الجمل سلام علیک اما بعد فان بیعتی بالمدینۃ لزمتک وانت بالشام لانہ بایعنی الذین بایعوا ابابکر وعمر وعثمان علی ما بویعوا علیہ" یعنی حضرت علیؑ نے جنگ جمل کے بعد معاویہ کو یہ خط لکھا۔ اما بعد! سلام علیک۔ اے معاویہ! میری بیعت جو مدینہ میں واقع ہوئی ہے تم پر لازم ہو گئی ہے۔ حالانکہ تم شام میں ہو کیونکہ میری بیعت انہی لوگوں نے کی ہے جنہوں نے ابوبکر وعمر اور عثمان کی بیعت کی تھی۔

لیجئے اس مکتوب میں لزوم کا لفظ بھی موجود ہے۔ جس سے اس کا الزامی دلیل ہونا واضح ہو جاتا ہے یہی وجہ تھی کہ معاویہ بھی اس لزوم کو مسترد نہ کر سکا۔ اور فرار کی ایک اور راہ اختیار کی اسی العقد الفرید ج ۲ ص ۲۲۳ پر معاویہ کا جواب مذکور ہے۔

"فکتب الیہ معاویۃ سلام علیک اما بعد فلعمری لو بایعک الذین ذکرت وانت بریٔ من دم عثمان لکنت کابی بکر وعمر وعثمان ولکنک اغریت بدم عثمان الخ۔ یعنی معاویہ نے حضرت علیؑ کو (جواباً) یہ خط لکھا۔ سلام علیک! (اے علیؑ!) مجھے اپنی زندگی کی قسم اگر وہ لوگ جن کا آپ نے ذکر کیا ہے۔ (یعنی مہاجرین وانصار) آپ کی بیعت کر لیتے اور آپ خونِ عثمان سے بری الذمہ ہوتے تو یقیناً آپ (بیعت کے معاملہ میں) ابوبکر، عمر اور عثمان کی طرح ہوتے لیکن آپ نے لوگوں کو قتلِ عثمان پر برانگیختہ کیا الخ بعد ازیں حضرت علیؑ کا جواب الجواب بھی اس کتاب کے اسی صفحہ پر مرقوم ہے بخوفِ طوالت ہم اسے نقل کرنے سے معذور ہیں شائقین کتاب مذکور کی طرف رجوع فرما سکتے ہیں۔ بہر حال اس خط و کتابت سے روزِ روشن کی طرح واضح و آشکار ہو گیا کہ آنجنابؑ کا یہ کلام الزامی ہے اور معاویہ اس جواب سے لاجواب بھی ہو گیا تھا۔ لیکن چونکہ اسے بیعت نہ کرنی تھی۔ نہ کی۔ اور خونِ عثمان کا شاخسانہ کھڑا کر کے اور بہتان تراشی سے کام لے کر اپنی گلو خلاصی کرائی۔ آنجنابؑ کا تحقیقی نظریہ اس مسئلہ کے متعلق دیکھنا ہو تو نہج البلاغہ جلد ۲ ص۸ ملاحظہ ہو۔ جس میں آپؑ آیہ مبارکہ فان تنازعتم فی

شيئٍ فردوه الى الله والرسول (جب کسی چیز میں تنازعہ ہو جائے تو اسے خدا و رسول کی طرف لوٹاؤ) کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں " فرده الى الله ان نحكم بكتابه ورده الى الرسول ان ناخذ بسنته فان احكم بالصدق فى كتاب الله فنحن احق الناس به وان حكم بسنة رسول الله صلى الله عليه وآله فنحن اولاهم " یعنی خداوند عالم کی طرف رجوع کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم کتاب کے مطابق عمل کریں۔ اور رسولؐ کی طرف رجوع کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ہم ان کی سنت پر عمل کریں لہٰذا اگر کتاب خداوندی سے سچائی کے ساتھ فیصلہ لیا جائے تو ہم تمام لوگوں سے زیادہ حقدار خلافت و امامت ہیں اور اگر سنتِ رسولؐ کے مطابق حکم کیا جائے تو بھی ہم سب لوگوں سے اس کے زیادہ لائق ہیں " مطلب یہ کہ لوگ اجماع و شوریٰ کر کے جس کو چاہیں مسندِ اقتدار پر بٹھا دیں۔ مگر اس مسئلہ کا تعلق قرآن و سنت یعنی نص سے ہے۔ اور اس کے اعتبار سے ہم ہی اس کے حقدار ہیں "

ثانیاً :- تمام امت خواہ مہاجرین ہوں یا انصار سب کو اتباعِ ثقلین کا حکم ہے لہٰذا اگر مہاجرین و انصار باہم دیانتداری سے مشورہ کر کے کسی خلیفہ کا انتخاب کریں گے تو لامحالہ یہ انتخاب اہل بیتؑ نبوی ہی کے کسی فرد کا ہو گا کیونکہ ان کی موجودگی میں کسی دوسرے کو مطاع و مقتدا قرار دینا حدیث ثقلین اور دیگر ان متعدد نصوص کی صریحی مخالفت ہو گی جن میں تمام لوگوں کو عترتِ نبویہ کی اقتداء کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ اس طریقہ سے بھی آنجنابؑ کا مقصود اپنی احقیت بالخلافت ثابت کرنا ہے وبس۔

ثالثاً :- اگر حقیقتاً تمام مہاجرین و انصار کسی امر پر اتفاق کریں تو لامحالہ اہلبیتِ رسولؐ بھی ان میں شامل ہوں گے۔ لہٰذا ان لوگوں کا اجماع جو حجت ہو گا۔ تو وہ عترتِ رسولؐ کی شمولیت کی برکت سے ہم اوپر اہلبیت رسولؐ کے اجماع کی حجیت کو ثابت کر چکے ہیں لیسے اجماع سے تمسک کرنا اور اس کو شرعی حجت، و دلیل سمجھنا فی الحقیقت عترت و قرآن کے ساتھ تمسک کرنا ہے (لانهم مع القرآن والقرآن معهم) جس کی حجیت میں کسی مسلمان کو کلام نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس سے اس کلام سے استدلال کرنے والے حضرات کو کچھ فائدہ نہیں پہنچتا۔ کیونکہ ہم اوپر خلافتِ ابوبکر کے انعقاد کی کیفیت کے ضمن میں ثابت کر آئے ہیں، کہ حقیقی مشیر اس اجماع میں شریک نہیں ہوئے۔ اور اگر خلافتِ ثالثہ کے وقت موجود بھی تھے۔ تو وہ اس خلافت پر رضامند نہ تھے۔ جیسا کہ ابھی اوپر انعقادِ خلافت شورائی کے ضمن میں واضح کیا جا چکا ہے۔

رابعاً۔ اگر آنجنابؑ کے اس کلام کو نقضی والزامی قرار نہ دیا جائے۔ بلکہ اسے حقیقت پر محمول کیا جائے۔ تو اس سے مسلمانوں کی تینوں خلافتوں کا قلع قمع ہو جائے گا۔ کیونکہ واضح ہے کہ ان حضرات کی بنا پر انعقادِ خلافت کا انحصار تمام مہاجرین وانصار کے اجماع وشوریٰ پر ہے حالانکہ یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ایسا اجماع واتفاق تینوں خلافتوں میں سے ایک پر بھی واقع نہیں ہوا۔ کیونکہ خلافتِ اولیٰ فقط حضرت عمر یا ان کی دھینگا مشتی سے چند دیگر افراد کی بیعت کرنے سے عمل میں آئی۔ اور خلافتِ ثانیہ فقط خلیفہ اوّل کی وصیت سے منعقد ہوئی اور خلافت ثالثہ بظاہر چھ اشخاص اور درحقیقت فقط عبدالرحمٰن ابن عوف کی بیعت کرنے سے بروئے کار آئی؛ جیسا کہ اس کی تفصیلات سابقہ بیان میں مذکور ہیں۔ بہرنوع ان حقائق کی روشنی میں آنجنابؑ کے اس کلام کو الزام پر محمول کرنا پڑے گا۔ ورنہ بصورتِ دیگر خلفائے ثلاثہ کی خلافتوں کا قصر منہدم ہو جائے گا۔ جس سے ہمارے استدلال کنندگان حضرات کو بجائے نفع کے الٹا نقصان ہو گا۔

چوتھا طریق اثباتِ خلافت قہر وغلبہ اور اس کا بطلان

برادران اسلامی کے نزدیک اثباتِ خلافت کا چوتھا طریقہ قہر وغلبہ ہے۔ اربابِ دانش وبینش پر مخفی ومحتجب نہیں ہے۔ کہ یہ تسلط وغلبہ قطعاً کوئی شرعی بلکہ عقلی دلیل بھی نہیں ہے۔ خواہ مخواہ صحابہ پرست گروہ نے اسے اپنے اصول میں داخل کر رکھا ہے حقیقت امر یہ ہے جس کی طرف اوپر بھی اشارہ کیا جا چکا ہے۔ کہ ان حضرات کے اصول تقرر خلفاء کے تابع ہیں۔ یعنی جس طریقہ سے کوئی صاحب مسندِ خلافت پر متمکن ہو گیا وہی طریقہ ان کے اصول میں داخل ہو گیا ایسا نہیں کہ تقررِ خلفاء ان کے کسی قاعدہ وقانون کا ممنونِ احسان ہو۔ اتفاق سے چونکہ ان کے خلفاء کا تقرر انہی چار طریقوں سے عمل میں آیا۔ لہٰذا یہ طرقِ اربعہ ان کے اصول قرار پا گئے اس چوتھے طریق میں تو انہوں نے افراتفری کی حد کر دی۔ دوسرے سہ طرق میں عصمت، اہلیت اور افضلیت نہ سہی۔ کم از کم عدالت، قرشیت اور حریت (آزاد ہونے) کو تو خلیفہ کے لئے ضروری سمجھا گیا تھا۔ لیکن اس مقام پر پہنچ کر تو یہ شروط بھی ختم کر دی گئیں۔ اور بڑے واشگاف لفظوں میں کہہ دیا گیا کہ اگر کوئی غلام ہونے کے علاوہ فاسق وفاجر بھی ہو لیکن لاٹھی کے زور سے منبر رسولؐ پر بیٹھ جائے۔ تو اس کی خلافت وامامت منعقد ہو جاتی ہے۔ اور سب لوگوں پر اس کی اطاعت واجب اور مخالفت حرام قرار پاتی ہے۔ چنانچہ ترمذی شریف ج اص۲۶۹ مطبوعہ مجتبائی دہلی کے حاشیہ پر مجمع البحار سے نقل کیا گیا ہے۔

قیل شرط الامر الاسلام والحریۃ والقریشیۃ وسلامۃ الاعضاء قلت نعم لو انعقد باھل الحل والعقد امامن استولی بالغلبۃ تحرم مخالفتہ وتنفذ احکامہ ولو کان عبداً وفاسقاً مسلماً"

یعنی کہا گیا ہے کہ خلیفہ کے لئے شرط ہے کہ وہ مسلمان، آزاد، قریشی اور سلیم الاعضاء ہو۔ میں کہتا ہوں۔ ہاں! یہ شرطیں ضروری ہیں مگر اس وقت جب کہ خلافت اہل حل وعقد کے ذریعے سے منعقد ہو لیکن جب کوئی شخص قہر وغلبہ سے مسلط ہو جائے۔ تو اس کی مخالفت حرام ہو جاتی ہے اور اس کے احکام نافذ سمجھے جاتے ہیں۔ اگرچہ وہ غلام اور فاسق وفاجر مسلمان ہی کیوں نہ ہو" اسی طرح شرح مقاصد ج ۲ ص ۲۷۲ طبع اسلامبول میں ہے۔" فاذا مات الامام وتصدی للامامۃ من یستجمع شرائطھا من غیر بیعۃ واستخلاف وقہر الناس بشوکتہ انعقدت الخلافۃ لہ وکذا اذا کان فاسقاً او جاھلاً علی الاظہر" یعنی جب ایسا شخص امامت حاصل کرنے کی کوشش کرے، جس میں شرائطِ امامت موجود ہوں۔ لیکن نہ ارباب بست وکشاد نے اس کی بیعت کی ہو۔ اور نہ خلیفہ نے اسے منتخب کیا ہو۔ بلکہ خود اپنے دبدبہ سے لوگوں کو مقہور ومغلوب کر دے۔ تو امام بن جائے گا۔ اور اظہر قول یہی ہے کہ وہ غالب آنے والا اگر فاسق وفاجر اور جاہل ہو تو اس کا حکم بھی یہی ہے کہ وہ اس طرح خلیفہ بن جائے گا"

لطیفہ طریفہ شرح مقاصد میں مذکورہ بالا عبارت کے بعد مرقوم ہے۔" واذا ثبت الامام بالقھر والغلبۃ ثم جاء آخر فقھرہ انعزل وصار القاھر اماماً" یعنی جب ایک شخص کی امامت قہر وغلبہ کے ساتھ ثابت ہو جائے۔ اور پھر ایک اور شخص اگر اس کو مقہور ومغلوب کر دے۔ تو اب پہلا غالب شخص جو اب مغلوب ہو چکا ہے۔ عہدۂ امامت سے معزول ہو جائے گا۔ اور دوسرا شخص جو اب قاہر ہے امام بن جائے گا" فاعتبروا یا اولی الابصار!

اہلِ عقل وانصاف فرمائیں کہ اس طریقۂ کار کا بطلان بھی کسی دلیل وبرہان کا محتاج ہے؟ لا واللہ!

سُبحان اللہ! مسلمانوں نے عہدۂ جلیلہ امامت کبریٰ کو اس قدر لپیٹ کر دیا کہ امامت ہر قہار وجبار کے دروازہ پر ٹھوکریں کھاتی پھرتی ہے۔ اسے کہتے ہیں "جس کی لاٹھی اسی کی بھینس" اور اسی کو کہتے ہیں لعبۃ الصبیان یعنی بازیچۂ اطفال۔ یعنی یہ امامت نہ ہوئی بلکہ بچوں کا کھلونا

ہوگیا۔ (معاذ اللہ) مرتبۂ امامت کو اس قدر پست کرنے سے جو بُرے نتائج برآمد ہوئے اور جن مصائب وشدائد سے اخیار وابرارِ امت کو دوچار ہونا پڑا۔ ان کا ایک شمہ ہم اوپر افضلیت امام کے ذیل میں ذکر کر آئے ہیں۔

خلافتِ یزید مسلمانوں کے گلے کا پھندا ہے!

برادرانِ اسلامی کی اس بے احتیاطی اور افراط وتفریط کا ثمرہ ہے کہ یزید ابن معاویہ کی خلافت ان کے لئے گلے کا پھندا بن کر رہ گئی ہے نہ تو اس کا انکار کر سکتے ہیں کیونکہ مذکورہ بالا نابکار اصولِ اربعہ جو باقی خلفاء میں فرداً فرداً پائے جاتے تھے۔ اس میں اجتماعی طور پر موجود ہیں یہاں نام نہاد اجماع نص شوریٰ اور قہر وغلبہ سب موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر علماء اہل سنت نے اس کو چھٹا خلیفہ شمار کیا ہے۔ جیسا کہ تاریخ الخلفاء ص۱۱ طبع مصر جدید شرح فقہ اکبر ص۸۳ طبع دہلی وغیرہ کتب میں مذکور ہے۔ ابن حجر مکی نے تو غزالی وغیرہ کے حوالہ سے اس کی حمایت میں یہاں تک لکھ دیا ہے۔ کہ "لا یجوز لعن یزید ولا تکفیرہ فانہ من جملۃ المومنین" یعنی یزید پر لعنت بھیجنا اور اس کو کافر کہنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ وہ مومنوں میں داخل ہے "صواعق محرقہ ص۲۲۱ طبع جدید) اور نہ ہی عوامی سطح پر کھل کر اس کا اقرار کر سکتے ہیں کیونکہ اس طرح ان کے دعوائے محبت اہلبیتؑ بلکہ دعوائے اسلام کا بھانڈا چوراہے پر آ پھوٹتا ہے۔ بلکہ بعض منصف مزاج علماء اہلسنت نے تو اس شقی بدبخت کے ظلم واستبداد اور فتنہ وفساد بلکہ کفر وارتداد پر نظر کر کے اپنے اصولوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے صاف صاف لکھ دیا کہ "فنحن لا نتوقف فی شانہ بل فی ایمانہ۔ لعنۃ اللہ علیہ وعلی انصارہ واعوانہ" (شرح عقائد نفتازانی ص۱۱۸ طبع استنبول) ایں ہے خلفاء اہلسنت کے تقرر کے اصولوں کی اجمالی کہانی جو انہی کی زبانی ہم نے نہایت اختصار کے ساتھ بیان کر دی ہے سہ

حکایت بود طولانی بہ خاموشی ادا کردم

ع

ان فی ذلک لآیات لقوم یعقلون

باب چہارم

حضرت امیر المومنینؑ کی امامت کا اثبات

سابقہ ابواب میں محقق و مبرہن کیا جاچکا ہے کہ خلافت و امامت مثل نبوت نصی ہے۔ نہ اجماعی و شورائی وغیرہ یعنی نبی کی طرح امام کا تقرر بھی خدا کرتا ہے ہاں البتہ مقامِ اثبات میں یعنی اگر یہ معلوم کرنا ہو کہ خدا نے منصب خلافت و امامت کے لئے کس شخص کو مقرر و معین فرمایا ہے؟ تو بحکم عقل و استقراء اس کے چار طریق ہیں۔

(۱) عقل سلیم (۲) کلام رب العالمین (۳) احادیث سید المرسلینؐ (۴) مسلم الثبوت امام سابق کی تصریح ان طرق اربعہ میں سے ہر ایک طریق کسی خلیفۂ امام کی خلافت و امامت ثابت کرنے کے لئے کافی ووافی ہے چہ جائیکہ جب کسی شخص کی اثباتِ امامت پر یہ سب طرقِ اربعہ جمع ہو جائیں۔ جیسا کہ حضرت امیر المومنینؑ کی امامتِ حقہ و وصایت مطلقہ اور بلا فصل خلافت حقّہ پر جمع ہیں تو اس کی امامت کو چار چاند لگ جائیں گے۔ اور وہ اہل نظر کے لئے روز روشن سے بھی زیادہ واضح و آشکار ہو جائے گی

ع الاعلی اکمہ لایبصر القمرا

اثبات امامت جناب امیر المومنینؑ عقل سلیم کی روشنی میں

اس طریق سے بہ سہ وجہ استدلال کیا جا سکتا ہے!

وجہ اوّل :- جب کسی چیز کا حقدار ہونے میں دو شخصوں کے درمیان نزاع ہو جائے اور یہ معلوم ہو کہ کوئی تیسرا شخص اس میں دخیل نہیں۔ حق انہی دو میں سے کسی ایک کا ہے۔ پھر ان دو میں سے کسی ایک کے دعویٰ کے بطلان پر ناقابلِ رد دلیل و برہان قائم ہو جائے تو اس سے عقلاً دوسرے شخص کا حق بجانب ہونا خود بخود واضح ہو جاتا ہے اور مزید کسی دلیل و برہان کے قائم کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ یہ ایک ایسا عقلی مسلمہ ہے جس میں کسی بھی صاحب عقل کو کسی

قسم کا کوئی شک وشبہ نہیں ہو سکتا۔ دنیا بھر میں لوگوں کے تمام باہمی تنازعات کا فیصلہ عموماً اسی طریقہ پر کیا جاتا ہے بنا بریں حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی وفاتِ حسرت آیات کے بعد مسئلہ خلافت وامامت کی نزاع دو شخصوں یعنی حضرت علیؑ وابوبکر کے درمیان دائر ہے۔ حضرات اہلِ تسنن اس مقامِ رفیع کے لئے حضرت ابوبکر کو نامزد کرتے ہیں۔ اور حضرات اہلِ تشیع حضرت امیرالمومنینؑ کی خلافتِ الٰہیہ کے قائل ہیں۔ بالاتفاق حقِ خلافت ووصایت انہی دو حضرات کے درمیان منحصر ہے لیکن چونکہ باب سوم میں خلافتِ ابوبکر کا بطلان قطعی دلائل وبراہین سے واضح وعیاں کر دیا گیا ہے تو اس کے بطلان کے ساتھ خود بخود حضرت امیرالمومنینؑ کی خلافت وامامت ثابت ہو جائے گی اور اس کے ساتھ ہی دیگر آئمہ طاہرین کی امامت ووصایت بھی واضح ولائح ہو جائے گی۔ کما لایخفی علی اولی الابصار فضلاً عن العلماء الکبار!!

وجہ دوم:۔ جب کسی شخص میں وہ تمام صفاتِ جلیلہ وجمیلہ موجود ہوں جو ایک حقیقی خلیفہ وامام میں ہونا چاہئیں۔ (جن کا تفصیلی تذکرہ دوسرے باب میں کیا جا چکا ہے۔) پھر وہ شخص دعوائے امامت کرے اور مزید برآں عند الضرورۃ اپنے دعویٰ کی صداقت پر معجزہ بھی پیش کر دے تو اس صورت میں ہر عقلِ سلیم اور طبعِ مستقیم اس کی امامت حقہ کا جزم ویقین کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے یہ وجہ بھی مثل وجہِ اول ایسی محکم ومضبوط ہے جس کی صحت وصداقت میں کوئی بھی عقلمند کلام نہیں کر سکتا۔ اگرچہ حضرت امیرؑ کا علم وفضل، عصمت وطہارت، شجاعت وشہادت اور افضلیت واکملیت اتنی روشن حقیقتیں ہیں کہ ان کے متعلق کچھ خامہ فرسائی کرنے کی ضرورت نہیں، تاہم مزید اطمینانِ قلب اور اتمامِ حجت کی خاطر ہم ذیل میں بڑے اختصار کے ساتھ ثابت کرتے ہیں کہ حضرت امیرالمومنینؑ اس معیار پر پورے اترتے ہیں یعنی جس قدر صفاتِ جلیلہ کسی شخص کی امامت کے لئے لازم ہوتے ہیں وہ سب ان میں بطریق اتم واکمل پائے جاتے ہیں، نیز انہوں نے بھی امامت کا ادعا بھی فرمایا ہے اور عند الضرورۃ معجزات بھی پیش فرمائے ہیں۔ اس مرحلہ کے طے ہو جانے کے بعد کسی بھی صاحب عقل وسلیم ومزاج مستقیم کو آنجنابؑ کی امامت مطلقہ وخلافتِ حقہ کا اقرار واعتراف کرنے میں ہرگز کسی قسم کا پس وپیش نہیں ہو گا۔ فاستمع لما یتلی علیک ولا تکن من الجاحدین۔

اعلمیت امیرالمومنینؑ قرآن کریم کی روشنی میں

دوسرے باب میں ثابت کیا جاچکا ہے کہ امام کے لئے اعلم اُمّت ہونا عقلاً و شرعاً ضروری ہے حضرت امیرالمومنینؑ اس معیار پر پورے اُترتے ہیں تمام امتِ مرحومہ سے آپ کی اعلمیت قرآن، حدیث، اقوالِ صحابہ اور خود آنجنابؑ کی زبانِ حق ترجمان کی رو سے مسلم الثبوت ہے۔ قرآن مجید میں بکثرت ایسی آیات موجود ہیں جو آنجنابؑ کی اعلمیت پر دلالت کرتی ہیں اس مختصر کتاب میں اتنی گنجائش نہیں کہ ان کا آیات عشرِ عشیر بھی بیان کیا جاسکے۔ یہاں فقط دو تین آیات وافی ہدایات پیش کرنے پر اکتفا کی جاتی ہے۔

(۱) ارشاد ہوتا ہے کہ قل کفیٰ باللہ شہیدا بینی وبینکم ومن عندہ علم الکتاب (پ ۱۳ رکوع ۷) اے رسول! کفار و مشرکین سے کہہ دو کہ میری نبوت کی گواہی کے لئے ایک خداوند عالم اور دوسرا وہ شخص کافی ہے جس کے پاس تمام کتاب کا علم ہے۔ تمام محقق مفسرین عامہ و خاصہ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ "الکتاب" سے مراد قرآن مجید ہے جس کا دعویٰ ہے کہ " لارطب ولایابس الافی کتاب مبین" اور تبیانا لکل شیئٍ کی مصداق ہے اہل سنت کے علماء محققین کے نزدیک بھی من عندہ علم الکتاب سے مراد حضرت امیر المومنین علیہ السلام ہیں (ملاحظہ ہو ینابیع المودۃ باب ۳۰ ص $\frac{103}{104}$ ارجح المطالب باب ۲ ص ۱۱ وغیرہ۔

لہٰذا اس سے بصراحت معلوم ہوگیا کہ آنجنابؑ کے پاس تمام قرآن کا علم ہے اور یہ ایسی بڑی فضیلت ہے جس میں سوائے حضرت ختمی مرتبت اور ان کی اولاد طاہرین کے اور کوئی شخص ان کا شریک و سہیم نہیں ہے پھر جب کہ قرآن مجید جو دین و دنیا کے بارے میں تمام احکام و ہدایات کا جامع اور انفس و آفاق کے تمام علوم پر حاوی ہے تو جو شخص اس کے علوم و معارف کا عالم و عارف ہوگا۔ وہ سب سے بڑا عالم ہوگا اور چونکہ حضرت امیرالمومنینؑ اس کے کل و جزو کے عالم ہیں اس لئے ساری امت سے ان کی اعلمیت ایک ایسی کھلی ہوئی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

(۲) ارشادِ قدرت ہے۔ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون (پ ۱۴ س النحل ع ۶) اے مسلمانو! جس بات کا تمہیں علم نہیں وہ اہلِ ذکر سے پوچھو! ظاہر ہے کہ جن کو سوال کرنے کا حکم دیا جارہا ہے۔ ان کا علم کم اور جن سے سوال کرنے کا حکم ہے ان کا علم زیادہ ہوگا۔ حضرت امیرالمومنین

فرماتے ہیں۔ "نحن اهل الذکر" وہ اہلِ ذکر جن سے لوگوں کو پوچھنے کا حکم دیا گیا ہے ہم ہیں۔ (ارجح المطالب باب ۷ صہ ۱۰۸ وغیرہ) اس آیت سے بھی آنجنابؑ کی اعلمیت روزِ روشن کی طرح واضح و آشکار ہے۔

(۳) ارشاد رب العزت ہے "ثمّ اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا (۲۲ پ س فاطر ع ۴) پھر ہم نے قرآن کا وارث اپنے ان خاص بندوں کو بنایا ہے جن کو ہم نے تمام لوگوں سے منتخب کیا ہے" ینابیع المودة صہ ۳۶ پر مذکور ہے "المراد بذلک العترة الطاہرة" خدا کے ان منتخب روزگار بندوں سے مراد عترتِ رسول ہے جس کے پہلے مصداق جناب امیر علیہ السلام ہیں۔ جو اس کتاب کے علم کے وارث ہیں جس میں تمام علومِ اولین و آخرین درج ہیں اس لئے ان کو تمام امت سے اعلم تسلیم کرنا پڑے گا۔ وہو المطلوب۔

اعلمیت امیرالمومنینؑ احادیث سید امیر المرسلینؐ کی روشنی میں

اس سلسلہ میں احادیث اس قدر ہیں کہ ان سب کا احصار اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے یہاں صرف چند احادیثِ شریفہ درج کی جاتی ہیں۔

(۱) جناب رسولِ اکرمؐ کی صحیح اور متفق علیہ حدیث ہے فرمایا "انا مدینة العلم وعلی بابھا" "میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کے دروازے ہیں" تمام حفاظ و آئمہ حدیث نے اس حدیث شریف کو مثل ارسال مسلمات اپنی اپنی کتب میں درج کیا ہے (ملاحظہ ہو مناقب احمد ابن حنبل، مطالب السئول، صحیح ترمذی، ذخائر العقبیٰ، مناقب خوارزمی، طبرانی در اوسط، حاکم در مستدرک ج ۳ صہ ۱۲۶/۱۲۷، ابو نعیم اصفہانی در معرفة الصحابہ، ریاض نضرہ ج ۳ صہ ۱۹۳ باب ۴ حیوة الحیوان دمیری ج ۱ صہ ۵۵ صواعق محرقہ صہ ۷۳ باب ۹ کنز العمال ج ۶ صہ ۱۵۲ و صہ ۴۰۱ خطیب بغدادی در تاریخ بغداد، ابن حجر مکی در فتاویٰ حدیثیہ صہ ۱۹۷ استیعاب ابن عبد البر ج ۲ صہ ۴۶۱ صہ ۴۶۲ اشعة اللمعات شرح مشکوٰة ج ۴ صہ ۶۶۹ اسعاف الراغبین برحاشیہ نور الابصار صہ ۱۴۳، صہ ۱۴۲ المشرف المؤبد صہ ۱۱۱ وغیرہ)

سرکار علامہ سید حامد حسین صاحب قبلہ لکھنوی نے عبقات الانوار کی جلد پنجم راجع بحدیث مدینة العلم میں اس حدیث شریف کو ایک سو بیالیس کتب اہل سنت سے نقل کیا ہے۔ یہ حدیث اگرچہ بظاہر دو جملوں پر مشتمل ہے لیکن مطالب و معانی کے بحار بے کنار اس کے اندر موجزن ہیں اور بالکل "بحر در سبو" والا معاملہ ہے شرح و بسط کی یہاں گنجائش نہیں اجمالاً اتنا لکھ دینا

کافی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس ارشاد باسداد کے ذریعہ حضرت امیر علیہ السلام کو علم ومعرفت میں اپنا شریک وسہیم قرار دیا ہے جن جن علوم ومعارف سے خود آپ آگاہ تھے ان سب مراتب ومدارج علمیہ کو حضرت علی علیہ السلام کے لئے بھی ثابت فرمایا ہے اور ان کو اپنے شہر علم کا دروازہ کہہ کر کنایۃً طالبانِ علم نبوی کی راہبری فرمائی ہے مقصد یہ ہے کہ اگر میرے علوم ومعارف حاصل کرنا چاہو تو حضرت علیؑ کے درِ اقدس پر حاضر ہو کر مقصود ہاتھ آجائے گا بعض طرقِ حدیث میں اس امر کی تصریح بھی موجود ہے فرمایا "فمن اراد العلم فلیأت من الباب" جو میرا علم حاصل کرنا چاہے تو اسے چاہیئے کہ اسی در سے آئے"۔ ظاہر ہے کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام امت سے اعلم ہیں تو جو ان کا شریک علم ہوگا اور ان کے شہرِ علم کا در وہ بھی تمام امت سے اعلم ہوگا۔ نیز اس فرمانِ نبوتؐ سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ نظرِ رسولؐ میں پوری امت میں حضرت علیؑ سے اعلم تو کجا ان کے برابر بھی کوئی نہ تھا۔ ورنہ بغیر آنحضرتؐ کے دامنِ عصمت پر جانبداری کا الزام عائد ہوگا۔ کہ جو علم میں حضرت امیرؑ کے مساوی تھا اُسے نظر انداز کر کے آنحضرتؐ نے آنجنابؑ کو مدینۃ العلم کا باب کیوں قرار دیا؟ لہذا آنحضرتؐ کی عصمت وعدالت اسی صورت میں بچ سکتی ہے کہ حضرت امیرؑ کو اعلم الامۃ تسلیم کیا جائے۔ وہو المقصود۔

(۲) ینابیع المودۃ باب ۱۴ صـ۶۵ مطالب السئول ج ۱ صـ۲۰ وغیرہ میں ابن عباس سے مروی ہے آنحضرتؐ نے فرمایا۔ "قسم الحکمۃ عشرۃ اجزاء فاعطی علی تسعۃ اجزاء وھو اعلم بالعشر الباقی" یعنی حکمت کو دس حصوں پر تقسیم کیا گیا ہے اور جن میں سے نو حصے حضرت علیؑ کو دیئے گئے ہیں اور دسواں حصہ باقی لوگوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور اس حصے میں بھی حضرت علیؑ شریک غالب ہیں"۔

اسی مضمون کی ایک روایت استیعاب ابن عبد البر ج ۲ صـ۴۶۳ طبع حیدر آباد میں ابن عباس سے یوں مروی ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا! "واللّٰہ اعطی علیؑ تسعۃ اعشار العلم وایم اللّٰہ لقد شارککم فی العشر العاشر"۔ خدا کی قسم حضرت علیؑ کو علم کے ۹ حصے دے دیئے گئے ہیں۔ اور بخدا وہ دسویں حصہ میں بھی تمہارے ساتھ شریک ہیں"۔ اس حدیث سے جس طرح حضرت امیرؑ کی اعلمیت پر تیز روشنی پڑتی ہے وہ کسی تشریح کی محتاج نہیں ہے"۔

(۳) آنحضرتؐ فرماتے ہیں: "اقضٰی امتی علی بن ابیطالب" میری امت میں سب سے بہتر

فیصلہ کرنے والے حضرت علیؑ ہیں (ینابیع باب ۴۲ صفحہ ۵ فصول مہمہ مالکی صفحہ ۱۷ فصل الکفایۃ الطالب صفحہ ۱۰۴ وغیرہا) ظاہر ہے کہ فیصلہ کی عمدگی وبہتری کثرت علم وعقل پر موقوف ہے تو سب سے بہتر فیصلہ اسی کا ہوگا جس کا علم وفضل سب سے زیادہ ہوگا۔

۴) اگر اس سے بھی زیادہ وضاحت وصراحت درکار ہو تو آنحضرتؐ کا یہ ارشاد ملاحظہ ہو فرماتے ہیں: "اعلم امتی علی" میری تمام امت میں سب سے بڑے عالم حضرت علیؑ ہیں۔ (مناقب خوارزمی اور شرح رسالہ فتح مبین از محمد ابن علی الحکیم الترمذی۔ فرائد السمطین سمہودی باب ۱۸) پس ان فرمائشات نبویہ سے حضرت امیر علیہ السلام کی اعلمیت کالشمس فی رابعۃ النہار واضح وآشکار ہوگئی۔ ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدیٰ نولہٖ ما تولّٰی ونصلہ جھنم وساءت مصیرا۔

اعلمیت امیر المومنینؑ اصحاب رسولؐ کریم کے اقوال کی روشنی میں

اس کے متعلق بہت سے اخبار وآثار کتب سیر وتواریخ میں مذکور ہیں حضرت ابن عباس کا یہ قول مشہور ہے "ما علمی وعلم اصحاب محمد فی علم علی الا کقطرۃ فی سبعۃ ابحر" میرے اور سب اصحاب رسولؐ کے علم کو حضرت علیؑ کے علم کے ساتھ وہی نسبت ہے جو ایک قطرہ کو سات سمندروں سے ہوتی ہے۔ (کتاب الشرف المؤبد طبع مصر صفحہ ۵۸ ینابیع المودۃ صفحہ ۵۰) زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں مزید اطمینان کے لئے صواعق محرقہ صفحہ ۸ طبع جدید پر حضرت عمر کا یہ قول ملاحظہ کر لیجئے: "قال عمر ابن الخطاب علیؑ اقضانا" یعنی حضرت علیؑ ہم سب سے زیادہ عمدہ اور بہتر فیصلہ کرنے والے ہیں۔"

علامہ سیوطی نے تاریخ الخلفاء ج ا صفحہ ۶۶ پر متعدد طرق واسناد سے اسی اثر کو نقل کیا ہے (والفضل ما شہدت بہ الاعداء)

ارباب بصیرت پر مخفی نہیں کہ مسند قضاوت پر متمکن ہونے کے لئے بہت سے علوم بالخصوص علوم شرعیہ میں مہارت رکھنا ضروری ہے تو جب حضرت علیؑ اقضی الامت ہیں تو سب علوم میں بھی اعلم الامۃ ہوں گے۔" علاوہ بریں مسائل مشکلہ اور قضایائے معضلہ میں بڑے بڑے صحابہ کرام بالخصوص جناب عمر کا آپؐ کی طرف رجوع کرنا اور حضرت امیرؑ کی عقدہ کشائی کرنے پر "لولا علی لھلک عمر" کا نعرہ بلند کرنا جو کہ زبان زد خلائق ہے (شرح مواقف تفسیر کشاف واستیعاب ج ۲ صفحہ ۴۷۴ ریاض نضرہ ج ۲ صفحہ ۱۹۴ باب ۴۔ مطالب السؤول صفحہ ۲۹ فصل سادس وغیرہا)

لیکن جناب امیرؑ کا کسی مسئلہ میں کسی کی طرف رجوع نہ کرنا آپ کی اعلمیت اور امام الکل ہونے کی نہایت بیّن اور واضح دلیل ہے۔

گرنہ بیند بروز شپرہ چشم ۔ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ؟؟

اعلمیت امیر المومنینؑ خود اقوال امیر المومنین کی روشنی میں

باقی رہا خود آنجنابؑ کا ادعاء اعلمیت کرنا تو کتب سیر و تواریخ پر نظر رکھنے والوں پر پوشیدہ نہیں ہے کہ آنجنابؑ نے مختلف پیرایوں میں اس حقیقت کا اظہار فرمایا ہے کبھی فرمایا۔ لو شئت لاوقرت سبعین بعیراً من تفسیر فاتحۃ الکتاب: "اگر میں چاہوں تو صرف سورۂ فاتحہ کی تفسیر سے ستر اونٹ کا بار بن جائے"۔ (تفسیر اتقان سیوطی ج ۲ ص ۸۹ و تقطیع صغیر ص ۳۱۷ طبع مصر میزان الکبریٰ ج ۱ ص ۹۲ طبع مصر) اور کبھی یوں فرمایا لو ثنیت لی الوسادۃ وجلست علیہا لافتیت اہل التوراۃ بتوراتہم واہل الانجیل بانجیلہم واہل الزبور بزبورہم واہل القرآن بقرآنہم حتی ینطق کل کتاب من کتب اللہ فیقول صدق علیؑ لقد افتاکم بما انزل اللہ فی "اگر میرے لئے مسند قضا بچھادی جائے، اور میں اس پر بیٹھ جاؤں تو اہل تورات کو ان کی تورات سے، اہل انجیل کو ان کی انجیل سے اہل زبور کو ان کی زبور سے اور اہل قرآن کو ان کے قرآن سے (ایسا مطابق واقع) فتویٰ دوں گا کہ ہر کتاب (زبان حال سے) کہہ اٹھے گی کہ علیؑ نے سچ کہا۔ انہوں نے تمہیں وہی فتویٰ دیا ہے۔ جو خداوند عالم نے مجھ میں نازل کیا ہے"۔ (ینابیع المودۃ ص ۷۰ طبع بمبئی ارجح المطالب ص ۱۳۰ وغیرہ) اور کبھی آپ نے اپنی قرآنی ہمہ دانی کا اعلان اس طرح فرمایا۔ "ما من آیۃ فی کتاب اللہ الا وانا اعلمہا باللیل نزلت ام بنہار فی سہل ام فی جبل الخ" "مجھے قرآن کی ہر ہر آیت کے متعلق علم ہے کہ رات کو نازل ہوئی یا دن کو۔ مکہ میں اتری یا مدینہ میں، سفر میں نازل ہوئی یا حضر میں، ناسخ ہے یا منسوخ محکم ہے یا متشابہ الخ (صواعق محرقہ ص ۱۲۶ طبع جدید ینابیع المودۃ ص ۵۷ طبع بمبئی، تاریخ الخلفاء ص ۱۲۴، کنز العمال ج ۲ ص ۳۹۴ تفسیر اتقان ج ۲ ص ۸۷ استیعاب ج ۲ ص ۴۶۳) علاوہ بریں حضرت کا وہ فرمان جو زبان زد خلائق ہے۔ آپ کے ادعائے اعلمیت اور اس کے مبنی بر حقیقت ہونے کی بہترین و کامل ترین دلیل ہے جو آپ عموماً فرمایا کرتے تھے۔ "سلونی سلونی قبل ان تفقدونی" "جو چاہو مجھ سے پوچھ لو قبل اس کے کہ مجھے نہ پاؤ"۔ (کنز العمال ج ۷ ص ۲۲۶ شرف مؤبد ص ۵۸، فرائد السمطین ج ۱ ص

ارجح المطالب صد ۱۳۲، استیعاب ج ۲ صد ۴۶۵ کنز العمال ج ۶ صد ۳۹۶ الریاض النضرۃ ج ۲ صد ۱۹۸ باب ۴ طبقات کبریٰ ج ۲ صد ۱۰۱ ق ۲ وغیرہا)

آنجنابؑ کا یہ وہ دعویٰ ہے جس کے متعلق ابنِ حجر مکی نے صواعق محرقہ صد ۱۲۵ میں لکھا ہے: لم یکن احد من الصحابۃ یقول سلونی غیر علیؑ " یعنی صحابۂ رسولؐ میں سوائے حضرت امیرؑ کے اور کوئی ایسا شخص نہ تھا جو سلونی قبل ان تفقدونی کا دعویٰ کرتا ہو ایسا ہی استیعاب ابن عبدالبر ج ۲ صد ۴۶۲ میں مذکور ہے۔ بلکہ اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو حضرت علیؑ کا یہ وہ بلند پایہ دعویٰ ہے۔ جس کی نظیر سوائے ختم المرسلین کے باقی انبیاء کے حالات میں بھی ڈھونڈنے سے نہیں ملتی۔ ہاں آنجنابؑ کے بعد بعض اعداءِ علی نے اس بلند دعویٰ میں آنجنابؑ کی ہمسری کرنے کی مذموم کوشش ضرور کی مگر تاریخ گواہ ہے کہ ان کو بروقت ایسا قدرتی تازیانۂ عبرت لگا کہ اپنا سامنہ لے کر رہ گئے اور دوسروں کے لئے سامانِ عبرت بن گئے۔ اگر خوفِ طوالت مانع نہ ہوتا تو تفریحِ طبعِ ناظرین کے لئے ایسے واقعات لکھے جاتے لیکن اختصار مانع ہے۔ دیکھنے کے شائقین حضرت علامہ امینی مرحوم کی "الغدیر" کا مطالعہ فرمائیں۔ بفضلہ تعالیٰ ان مسلمہ حقائق کی روشنی میں حضرت امیر المومنینؑ اول الائمۃ الطاہرینؑ کی اعلمیت ثابت ہو گئی۔ والحمد للہ علی احسانہ

عصمتِ حضرت امیر المومنینؑ

واضح ہو کہ امیر المومنینؑ کی عصمت و طہارت اور قداست و نزاہت پر دلائلِ وافرہ و براہین متکاثرہ قائم ہیں۔ ان تمام کا احصاد و شمار کرنا علاوہ مشکل ہونے کے وضعِ کتاب کے بھی منافی ہے لہٰذا بموجب "مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ" ذیل میں قرآن و حدیث سے ماخوذ صرف چند دلائل پیش کئے جاتے ہیں!

عصمتِ امیر المومنین از روئے قرآن کریم!

اس سلسلہ میں اگرچہ قرآن مجیدہ کی آیاتِ کثیرہ پیش کی جاسکتی ہیں۔ لیکن بنظرِ اختصار یہاں فقط ایک آیت کے بیان پر اکتفا کی جاتی ہے۔ "انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا (پ ۲۲ س ع) اہلِ بیتِ رسولؐ! اللہ کا یہ ارادہ ہے کہ ہر قسم کے رجس کو تم سے دور رکھے اور تمہیں ایسا پاک و پاکیزہ رکھے جیسا پاک رکھنے کا حق ہے"

تقریبِ استدلال!

خلاقِ عالم نے اس آیہ مبارکہ میں اہلِ بیتِ نبوتؐ سے ہر قسم کے رجس کے اذہاب کا تذکرہ فرمایا ہے اب غور طلب

امر یہ ہے کہ "رجس" کے معنی کیا ہیں اور اس کے دامن میں کس قدر گہرائی و گیرائی ہے چونکہ یہ لفظ عربی زبان کا ہے لہذا اس کا مطلب و مفہوم سمجھنے کے لئے علمائے لغتِ عرب کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ وہ جو کچھ لکھیں گے اس کو اس سلسلہ میں اصل مقصد تک پہنچنے کے لئے مشعلِ راہ بنایا جائے گا۔ کتب لغت میں اس لفظ کے مندرجہ ذیل معانی بیان کئے گئے ہیں۔

رجس کے معانی

(۱) قذر (ناپاکی) (۲) عقاب (۳) غضب (۴) حرام (۵) فعلِ قبیح (۶) لعنت (۷) کفر (۸) متنفن (بدبودار شے) (۹) موجبِ عذاب عمل (۱۰) شک (تلک عشرۃ کاملۃ)

چنانچہ جوہری نے صحاح میں لکھا ہے۔ "الرجس القذر" وقال فراء فی قولہ تعالیٰ ویجعل اللہ الرجس علی الذین لا یعقلون انہ العقاب والغضب" یعنی رجس کے معنی ہیں "قذر" اور فراء نحوی نے قول خدا "ویجعل الرجس" الخ میں کہا ہے کہ اسی سے مراد عقاب و غضب ہے (۲) ابنِ اثیر جزری نے نہایہ میں لکھا ہے کہ "الرجس القذر وقد یعبر بہ عن الحرام والفعل القبیح والعذاب و اللعنۃ والکفر" یعنی رجس کے معنی قذر کے ہیں اور کبھی اس سے فعلِ حرام، فعلِ قبیح، عذاب، لعنت اور کفر مراد لیا جاتا ہے (۳) فیومی نے مصباح منیر میں لکھا ہے۔ "الرجس المنتن وقال الفارابی کل شیئ یستقذر فھو رجس والرجس النجس" یعنی رجس کے معنی ہیں "منتن" (بدبودار) اور فارابی نے کہا ہے کہ ہر وہ چیز جو قابلِ نفرت ہو اُسے رجس کہا جاتا ہے اور رجس کے معنی نجس بھی ہیں (۴) صاحب اقرب الموارد نے اس لفظ کے معنی عملِ قبیح، قذر، ماثم (گناہ) اور ہر عمل جو مؤدی الی العذاب ہو۔ شک، عقاب اور غضب لکھے ہیں۔

اہلِ لغت کی ان تصریحات سے واضح ہو گیا۔ کہ لفظ "رجس" کا استعمال نجاست و قذارت، عذاب و عقاب، شک و شبہ، فعل قبیح، حرام اور گناہ و عصیاں میں ہوتا ہے خلاصہ یہ کہ جو بھی جسمانی یا روحانی۔ ظاہری و باطنی۔ کوئی ناپسندیدہ صفت و کیفیت متصور ہو سکتی ہے ان سب کو لفظ "رجس" اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے اور جب یہی "رجس" عترتِ طاہرہ سے جس کے فردِ اول و اکمل جناب امیر المومنینؑ ہیں مسلوب ہے اور ان سے دور کر دیا گیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان ذواتِ مقدسہ کا دامن تمام نقائص و عیوب جسمانی و روحانی سے منزہ و مبرہ ہے ظاہر ہے کہ انہی عیوب و معاصی سے پاک و پاکیزہ ہونے کا دوسرا نام "عصمت" ہے۔ اگرچہ اہلِ عقل و فکر

کے لئے یہی بیانِ حقیقت ترجمان قلبی اطمینان حاصل کرنے کے لئے کافی ہے مگر ہم مزید تسلی وتشفی کے لئے چند مفسرینِ اسلام کی تحقیقات متینہ پیش کئے دیتے ہیں۔

۱ مفسر کبیر ابن جریر اپنی تفسیر جامع البیان ج ۲۲ ص۵ طبع مصر پر بذیل آیہ تطہیر رقمطراز ہیں: انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس الخ۔ السوء والفحشاء یا اہل بیت محمد ویطھرکم من الدنس الذی یکون فی اھل معاصی اللہ۔ اے اہل بیت محمد! خدا کا یہ ارادہ ہے کہ تم سے "رجس" یعنی ہر برائی اور فحش بات کو دور رکھے اور تمہیں ہر ایسی گندگی سے پاک رکھے جو گنہگاروں میں پائی جاتی ہے۔"

۲ مفسر نیشاپوری اپنی تفسیر غرائب القرآن معروف بہ تفسیر نیشاپوری مطبوعہ بر حاشیہ تفسیر ابن جریر ج ۲۲ ص۸ پر لکھتے ہیں "فاستعار للذنوب الرجس وللتقوی الطھر" یعنی خداوند عالم نے "گناہوں کے لئے لفظ رجس اور تقویٰ کے لئے لفظ طہر کو بطور استعارہ استعمال فرمایا ہے خلاصہ یہ کہ اہل بیت رسول سب گناہوں سے پاک ہیں، اور درجہ رفیعہ تقویٰ و طہارت پر فائز ہیں۔"

۳ بعینہٖ اسی طرح علامہ زمخشری نے اپنی تفسیر کشاف ج ۲ ص۲۱۲ پر افادہ فرمایا ہے۔ نیز

۴ کتاب اسعاف الراغبین مطبوعہ برحاشیہ نور الابصار ص۱۵۴ پر ہے "المراد من الرجس الذنب ومن التطھیر التطھیر من المعاصی" یعنی رجس سے مراد گناہ ہیں اور تطہیر سے مراد گناہوں سے پاک کرنا ہے" بحمدہ تعالیٰ ان علماء اہل سنّت کی پیش کردہ تحقیقات سے بھی تمام آئمہ طاہرین کی عصمت بالعموم اور حضرت امیر المومنینؑ کی عصمت وطہارت بالخصوص واضح ولائح ہوگئی۔ اگر خدانخواستہ کسی کو کسی قلبی مرض کی وجہ سے تاحال اطمینانِ قلب کی دولت حاصل نہ ہوئی ہو، تو آیئے حقیقی مبین و مفسر قرآن یعنی جناب پیغمبر اسلام علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کی بیان کردہ تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی تفسیر درِ منثور میں بحوالہ حکیم ترمذی و مردویہ وابونعیم و بیہقی باسنادِ خود ابن عباس سے ایک بہت طولانی حدیث شریف اسی آیت مبارکہ کی تفسیر میں نقل فرمائی ہے جس کے ضمن میں مذکور ہے کہ سرکار ختمی مرتبت نے اس آیہ مبارکہ کی تلاوت کرنے کے بعد فرمایا۔

"انا واھل بیتی مطھرون من الذنوب" یعنی میں اور میرے اہل بیت سب گناہوں سے مطہر و معصوم ہیں"! لیجئے اب تو پیغمبرِ اسلام کی تصریح صریح بھی اہلبیتؑ کی عصمت

طہارت کے متعلق مل گئی! غالباً اب تو کسی اسلام کے کلمہ گو کے لئے اس امر میں کسی قسم کی چون وچرا کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے فماذا بعد الحق الا الضلال۔ فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر، واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔ باقی رہا یہ امر کہ اہل بیتؑ کا مصداق کون ہیں؟ ہم اپنی کتاب "تحقیقات الفریقین" میں ادلہ قطعیہ کے ساتھ ثابت کر چکے ہیں کہ یہ آیتِ مبارکہ جناب علی مرتضیٰؑ فاطمۃ الزہراؑ اور شہزادگان کونین حضرت امام حسنؑ و امام حسینؑ کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ شائقین تفصیل اس کتاب کی طرف رجوع کریں۔ [1] ویسے برادرانِ اسلامی کی صحاح ستہ میں بھی اس امر کے کئی شواہد موجود ہیں ظاہر ہے کہ اس خانوادۂ عصمت و طہارت کے راس و رئیس حضرت امیر المومنین علیہ السلام ہیں۔

آیہ تطہیر کی اس تفسیر پر چند شبہات کے جوابات!

اس آیت کی دلالت نہایت قطعی ہے لیکن ارباب زیغ و ضلال کی چیرہ دستیوں سے محفوظ و مصون نہ رہ سکی۔ انہوں نے اس پر چند اعتراضات وارد کئے ہیں جو عند التحقیق تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ بودے اور کمزور ہیں۔

اگرچہ مذکورہ بالا بیان حقیقت ترجمان کے بعد ان شبہات کے دفعیہ کی چنداں ضرورت تو نہیں رہتی لیکن محض اس خیال کے پیشِ نظر کہ شاید کوئی سادہ لوح انسان ان شبہات کو دیکھ کر دھوکا کھا جائے ان کا مختصراً دفعیہ مناسب خیال کیا گیا۔

پہلا شبہ:- اگر لفظ "رجس" کو بیک وقت ان تمام معانی میں استعمال کیا جائے تو لازم آئے گا کہ ایک لفظ بیک وقت چند معنوں میں استعمال ہو جو صحیح نہیں ہے۔

الجوابُ بفضلِ اللہ التواب

یہ شبہ بدو وجہ درجۂ اعتبار سے ساقط ہے۔ اولاً اس لئے کہ جب کسی لفظ میں عمومیت پائی جائے۔

---

[1] ہماری تازہ علمی پیش کش "تجلیات صداقت" میں اس موضوع پر اور بھی تفصیل کے ساتھ تبصرہ کیا گیا ہے۔ جو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے

(منہ عفی عنہ)

اور وہ چند معانی پر مشتمل ہو تو اس سے بیک وقت وہ معانی مراد لینے سے ہرگز کسی قسم کا محذور لازم نہیں آتا۔ بالمخصوص جبکہ وہ معانی باہم متناقض نہ ہوں۔ یہاں ایسا ہی ہے کیونکہ "رجس" کے اوپر جو "الف لام" ہے یا تو وہ "جنسی" ہے یا "استغراقی" صورت اولیٰ میں مطلب یہ ہوگا کہ جنس رجس اہلبیتؑ سے مسلوب ہے ظاہر ہے کہ انتفائے جنس مستلزم انتفائے جمیع افراد ہے اور صورت ثانیہ میں مطلب یہ ہوگا کہ "تمام افراد رجس" ان حضرات سے دور کر دیئے گئے ہیں۔ یہ اتنی واضح چیز ہے جس کا اقرار ابن تیمیہ ایسے متعصب سنی عالم نے بھی کر لیا ہے چنانچہ منہاج السنۃ ج ۴ صفحہ ۲۲ پر لکھتے ہیں۔ "ولفظ رجس عام یقتضی ان اللہ یذھب جمیع الرجس فان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا بذلک الخ یعنی لفظ رجس عام ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ خداوند عالم نے ہر قسم کا رجس ان سے دور کر دیا ہے کیونکہ پیغمبر اسلام نے اسی کی دعا کی تھی۔"

ثانیاً: اگر بایں ہمہ کسی صاحب کو اس استعمال کے عدم جواز پر اصرار ہو تو بعض روایات کی رو سے کہا جا سکتا ہے کہ اس آیۂ مبارکہ میں "رجس" سے مراد گناہ ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ خداوند عالم نے ان سے ہر قسم کے گناہ وعصیاں کو دور کر دیا ہے اس کے بعد بھی ہمارے مطلب کو کوئی ٹھیس نہیں لگتی کیونکہ مقصد اثبات عصمت جناب امیرؑ ہے جو بہر حال ثابت ہے۔ والحمد للہ۔

دوسرا شبہ ابن تیمیہ حرانی نے یہ شبہ پیدا کیا ہے کہ اگرچہ اس آیت کے نزول کے بعد ان حضرات کی عصمت وطہارت تسلیم بھی کر لی جائے، تب بھی اس کے نزول سے پہلے ان کی طہارت کی کیا دلیل ہے کیونکہ یہ آیت تو آنحضرتؐ کی دعا کا نتیجہ ہے کہ آپ نے اصحاب کساء کو زیر عبا لے کر یہ دعا کی: "اللھم ھؤلاء اھلبیتی فاذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا" خلاق عالم نے ان کی دعا مستجاب فرمائی اور یہ آیہ نازل کی۔

الجواب بعون اللہ الملک الوھاب

یہ شبہ بھی بدو وجہ باطل ہے۔

اولاً: یہ مسلم نہیں کہ آنحضرتؐ نے پہلے دعا فرمائی اور بعد میں آیہ مبارکہ نازل ہوئی بلکہ بہت سے مفسرین نے لکھا ہے کہ پہلے آیۂ مبارکہ نازل ہوئی اس کے بعد آنحضرتؐ نے دعا فرمائی چنانچہ ابو القاسم حسکانی نے باسناد جابر لکھا ہے۔

"قال نزلت ھذہ الآیۃ علی النبی ولیس فی البیت الا فاطمۃؑ والحسنؑ والحسینؑ وعلیؑ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت الآیۃ۔

فقال النبی اللّٰھم ھؤلاء اھلی"

یعنی جب یہ آیہ مبارکہ آنحضرتؐ پر نازل ہوئی اس وقت گھر میں سوائے حضرت فاطمہؑ اور امام حسنؑ و حسینؑ اور جناب امیرؑ کے اور کوئی نہ تھا۔ اس وقت آنحضرتؐ نے یہ عرض کیا۔ اے پروردگار! یہ ہیں میرے اہلبیتؑ الخ!

اسی طرح ہماری تفاسیر مجمع البیان، منہج الصادقین، وغیرہ میں بعض آثار و اخبار سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنحضرتؐ نے دعا بعد میں کی۔ یہاں اگر یہ کہا جائے۔ کہ جب آیت تطہیر نازل ہو چکی اعلان تطہیر ہو گیا، تو پھر دعا کرنے کے کیا معنی ہیں۔ تو اس کے متعلق گذارش ہے کہ جس طرح دعا حصول مطلب کے لئے کی جاتی ہے اسی طرح مطلوب کے دوام و استمرار کے لئے بھی کی جاتی ہے مقصد یہ ہوگا۔ کہ اے پروردگار عالم جس طرح تو نے ان حضرات کو عصمت و طہارت عطا فرمائی ہے اس کو استمرار و دوام بھی مرحمت کرنا۔

ثانیاً :- اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ آنحضرتؐ نے پہلے دعا کی اور بعد میں یہ آیہ نازل ہوئی جیسا کہ مشہور و منصور ہے۔ جب بھی ہمارے مدعا کو اس سے کچھ صدمہ نہیں پہنچتا کیونکہ ابھی اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ دعا ہمیشہ غیر حاصل شدہ مطلب ہی کے لئے نہیں کی جاتی بلکہ بعض اوقات حاصل شدہ چیز کے دوام و استمرار کے لئے بھی کی جاتی ہے جیسا کہ عام دعائیہ فقرات جیسے "عافاکم اللّٰہ"، "سلمکم اللّٰہ"، "حفظکم اللّٰہ" وغیرہ جو کہ صحیح و سلامت اشخاص کے حق میں استعمال کیے جاتے ہیں اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ مخاطب پہلے لامحالہ مریض ہونا چاہیئے۔ تاکہ اس کی صحت و عافیت کی دعا کی جائے۔ بلکہ جس طرح مریض کے لئے یہ جملے استعمال کئے جاتے ہیں، ایسے ہی ایک صحیح و سالم شخص کے حق میں بھی ان کا استعمال صحیح ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ اگر مریض کے حق میں ان کو استعمال کیا جائے تو مقصود ازالۂ مرض ہوتا ہے اور اگر صحیح و تندرست کے حق میں استعمال کئے جائیں تو مقصود بقاء و دوام صحت و سلامتی ہوتا ہے۔ اسی طرح سورۃ الحمد میں دعائیہ جملہ "اھدنا الصراط المستقیم" کے متعلق علمائے اعلام نے ذکر کیا ہے کہ اگر غیر ہدایت یافتہ آدمی اسے پڑھے تو اس سے مقصود ہوتا ہے "ارنا و ارشدنا" یعنی بارالہا ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ اور اگر ایک ہدایت یافتہ شخص پڑھے تو اس کا مطلب ہوتا ہے "ثبتنا" اے اللہ! ہمیں سیدھے راستے پر ثابت قدم رکھ۔ اور اگر ثابت قدم پڑھے تو مطلب یہ ہوگا کہ بارالہا! میرے مدارج ہدایت میں مزید ترقی عطا فرما۔ (تفسیر اتقان سیوطی)

اس بیان سے یہ بھی واضح ہوا۔ کہ جو حضرات ہمیشہ " اھدنا الصراط المستقیم " کے معنی اے اللہ! ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ قرار دیتے ہیں وہ غیر شعوری طور پر ابھی تک اپنے کو غیر ہدایت یافتہ تصور کرتے ہیں، ورنہ ہر جگہ یہ معنی ہرگز مراد نہ لیتے۔ بنا بریں یہاں مقصودِ رسول یہی دوسرے معنی ہیں۔

بہرحال آنحضرتؐ کو علم تھا کہ یہ بزرگوار درجۂ عصمت پر تو پہلے ہی سے فائز ہیں اس لیے یہ دعا فقط دوام و ثبات کے لئے اور عصمت کے درجات کی بلندی کے متعلق تھی جسے خداوند عالم نے قبول فرماتے ہوئے یہ آیت نازل کر کے ان بزرگوں کی عصمت و طہارت پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مہر ثبت فرما دی، اس میں کوئی محلِ تعجب نہیں کیونکہ خود آنحضرتؐ بھی باوجود درجۂ عصمت پر فائز ہونے کے اپنے لئے گناہوں سے بچنے کی ہمیشہ دعا فرمایا کرتے تھے جیسا کہ اربابِ اطلاع پر مخفی و مستور نہیں ہے۔ اگر کسی دشمنِ اہلبیتؑ کو نزولِ آیت سے پہلے عصمتِ اہلبیتؑ میں کلام ہے تو وہ اس سے قبل ان کا کوئی گناہ ثابت کرے۔ نیز یہ بھی ملحوظ رہے۔ کہ شہزادگانِ کونین جناب امام حسنؑ و امام حسینؑ تو ویسے بھی اس وقت صغیر السن بچے تھے۔ اس لئے وہاں تو اذہابِ رجس سے سوائے دوام و بقاءِ عصمت کے اور کوئی معنیٰ مراد ہی نہیں ہو سکتے کما لا یخفیٰ۔

تیسرا شبہ!

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے تحفہ اثنا عشریہ میں مفادِ آیت پر یہ شبہ پیش کیا ہے کہ اگر آیت تطہیر اہلبیت کی عصمت و طہارت مراد ہو تو پھر آیت "یرید اللہ لیذھب عنکم رجز الشیطان" (جو کہ اہلِ بدر کے بارے میں نازل ہوئی ہے) سے استدلال کر کے اہلِ بدر کو کیوں نہ معصوم و مطہر سمجھا جائے؟؟

الجواب واللہ المعین علی نیل الصواب

تفسیر بیضاوی ج ۱ ص ۴۶۹ طبع اسلامبول وکشاف ج ۱ ص ۲۹۸ طبع قدیم مصر وغیرہ میں اس آیت کی شانِ نزول یہ لکھی ہے کہ جنگِ بدر میں بعض صحابہ کو احتلام ہو گیا، اتفاق سے ان کے پاس غسل کے لئے پانی موجود نہ تھا۔ خداوند عالم کی طرف سے ایک موسلا دھار بارش ہوئی جس سے ان حضرات نے غسل کیا۔ خداوند عالم اس آیۂ مبارکہ میں اپنے اس خصوصی احسان کا ذکر فرما رہا ہے یہ ہے اس آیت کی حقیقت جس کو مخالفین آیۂ تطہیر کے مقابلہ میں پیش کر کے اپنی کور باطنی کا ثبوت دیتے ہیں۔ قطع نظر تفسیری ثبوت کے خود اس آیت کا صدر مطلب مذکور پر بطور نص دلالت کرتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے " وینزل علیکم من السماء ماءً لیطھرکم،

ویذہب عنکم رجز الشیطان ۔ اس آیت کی تفسیر میں بیضاوی نے لکھا ہے۔ لیطہرکم من الحدث والجنابۃ رجز الشیطان یعنی الجنابۃ لانہ من تخیلہ۔ یعنی خدا نے بارش نازل کی تاکہ تم کو رجز شیطان یعنی حدث جنابت سے پاک کرے جو کہ شیطانی خیالات سے پیدا ہوتا ہے" نیز آیت تطہیر میں لفظ رجس اور یہاں "رجز" وارد ہے۔ والفرق واضح"

چوتھا شبہ! کہا جاتا ہے کہ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ حضرت علی علیہ السلام اس آیہ مبارکہ کے مصداق ہیں۔

الجواب واللہ المرشد للسداد والصواب تسلیم کرنے یا نہ کرنے سے حقائق پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ نہ ماننے والے تو خدا تک کو نہیں مانتے۔ لیکن طالبان حقیقت کے لئے رشد و ہدایت کے چراغ روشن ہیں جن کی ضیا پاشیوں سے وہ بآسانی اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں۔ جناب امیرؑ کے مصداق آیہ تطہیر ہونے کے لئے مندرجہ ذیل کتابوں کی طرف رجوع کی جائے۔

(صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۸۵، الشرف المؤبد ص ۶/۷، تفسیر در منثور ج ۵ ص ۱۹۸/۱۹۹، صواعق محرقہ ص ۸۵، ینابیع المودۃ ص ۲۲۹ طبع بمبئی مسند امام احمد ج ۱ ص ۳۳۱ ج ۳ ص ۲۸۵ اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۶۷۸ مصابیح السنۃ ج ۲ ص ۲۷۸)

بحمد اللہ تعالیٰ یہ سب شبہات ھباءً منثورا ہو گئے اور آیہ مبارکہ کی دلالت بالکل ہی بے غبار ہو گئی۔

یرید الجاحدون لیطفؤہ
ویابی اللہ الا ان یتمہ

عصمت امیر المومنین از روئے حدیث سید المرسلین! عصمت جناب امیر علیہ السلام کے متعلق متعدد

ارشادات نبویہ کتب فریقین میں موجود ہیں (۱) اس سلسلہ میں حدیث الثقلین کو ملاحظہ فرمایئے یہ حدیث شریف بوجوہ آنجنابؑ کی عصمت پر نہایت تیز روشنی ڈالتی ہے:

(۲) آنحضرتؐ نے تمام امت کو ضلالت و گمراہی سے بچنے اور جادۂ رشد و ہدایت پر گامزن ہونے کے لئے قرآن و عترت سے تمسک کرنے کو واجب و لازم قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مقصد جبھی پورا ہو سکتا ہے کہ عترت طاہرہ اپنے قرین و عدیل یعنی قرآن مجید کی طرح ہر علمی و عملی

لغزش وخطاء سے منزہ ومبرہ اور درجہ رفیعہ عصمت وطہارت پر فائز ہو۔

(۲) مخبر صادقؐ نے خبر دی ہے کہ قرآن وعترت قیامت تک ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے اس عدم جدائی کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ بزرگوار ہر قول وفعل میں قرآن کے ساتھ ہوں گے۔ اور قرآن ان کے ساتھ ہوگا۔ اگر عمداً یا سہواً ان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے، تو لازم آئے گا۔ کہ یہ قرآن سے جُدا ہو جائیں۔ حالانکہ یہ امر مستلزم تکذیب رسولؐ ہے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ یہ بزرگوار من المہد الی اللحد ہر کبیرہ وصغیرہ گناہ سے ہر حالت میں منزہ ومبرہ ہیں یہی معنی ہیں ان کے معصوم ومطہر ہونے کے۔

(ج) اسی حدیث شریف کے بعض طرق واسانید میں مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: انہم لن یدخلوکم باب ضلالۃ ولم یخرجوکم من باب ھدی" یعنی یہ بزرگوار تم کو ہرگز ضلالت وگمراہی میں داخل نہیں کریں گے اور کبھی تمہیں رشد وہدایت سے خارج نہیں کریں گے"۔ ظاہر ہے کہ جو شخص اپنے پیروؤں کو کبھی اور کسی حال میں جادۂ مستقیم سے نہ ہٹائے اور کبھی انہیں وادیٔ ضلالت میں نہ ڈالے وہ معصوم ہی ہو سکتا ہے۔ اسی حدیث شریف سے دیگر آئمہ اہلبیتؑ کے علاوہ جناب امیر المومنینؑ کی عصمت وطہارت واضح ہو گئی۔

(د) بہت سے محدثین جیسے ابن عقدہ، شریف سمہودی، ابن حجر مکی، سلیمان قندوزی، دارقطنی بزاز۔ ابن ابراہیم بلخی وغیرہ نے حدیث ثقلین کے ذیل میں یہ تتمہ درج کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے امیر المومنینؑ کا ہاتھ پکڑ کے فرمایا: "ھذا علی مع القرآن والقرآن مع علی لا یفترقان حتی یردا علی الحوض" اس ارشاد میں صاف موجود ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ اور قرآن کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ساتھ ہے۔ ظاہر ہے کہ مخبر صادقؐ کی یہ پیشگوئی غلط نہیں ہو سکتی۔ کھلی ہوئی بات ہے۔ کہ قرآن کے ساتھ ہمیشہ وہی رہ سکتا ہے۔ جس کے قول وفعل میں غلطی کا امکان نہ ہو۔ خطاکار انسان کا اور قرآن کا دائمی ساتھ محال وممتنع ہے۔

(۲) صواعق محرقہ ینابیع المودہ اور دیگر کتب اہلسنت میں آنحضرتؐ کا یہ ارشاد موجود ہے۔ "علی مع الحق والحق مع علی اللھم ادر الحق حیث ما دار علی" ارباب عربیت کو معلوم ہے آنحضرتؐ نے یہاں جملہ اسمیہ خبریہ استعمال فرمایا ہے جو دوام واستمرار پر دلالت کرتا ہے اس کے معنی یہ ہوں گے کہ امیر المومنینؑ اور حق کے درمیان کبھی جدائی نہیں ہو سکتی اس کے علاوہ آنحضرتؐ کی امیر المومنینؑ کے حق میں دعا بھی قابل لحاظ ہے۔ زبان رسالت سے نکلی ہوئی دعا

ناممکن ہے کہ قبول نہ ہو۔ آنحضرتؐ نے دعا کی جو یقیناً قبول ہوئی نتیجہ صاف ہے کہ اس کے بعد امیر المومنینؑ کا ہر قول و فعل حق کے ساتھ بلکہ عین حق قرار پا جاتا ہے۔ اور ایسے ہی شخص کو معصوم کہا جاتا ہے۔

(۲) اگر ان قطعی دلائل سے بھی کسی شخص کی تشفی نہ ہو تو پیغمبر اسلامؐ کی تصریح ملاحظہ فرمائیں۔ فرائد السمطین ج ۲ باب ۳۱ اور ینابیع المودہ باب ۵۶ میں ابن عباس سے روایت کرتے ہیں، قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول انا وعلی والحسن والحسین وتسعۃ من ولد الحسین مطہرون معصومون" ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے پیغمبر اسلامؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں، علیؑ، حسنؑ، حسینؑ اور حسینؑ کے نو فرزند (از امام زین العابدینؑ تا حضرت مہدیؑ) یہ سب کے سب مطہر و معصوم ہیں" اس قدر صراحت کے بعد بھی وضاحت کا کوئی اور درجہ باقی رہ جاتا ہے؟ اگر بایں ہمہ کوئی شاک و مرتاب شکوک و شبہات کی وادیوں میں چکر لگاتا ہے اور ان دلائل و براہین کی روشنی میں اپنی چشم بصیرت کو جلا دے کر اپنے قلب کو نورِ ایمان سے منور نہ کرے تو یہ اس کی خیرہ چشمی کی بیّن دلیل ہے۔ سچ ہے من لم یجعل اللہ لہ نوراً فمالہ من نور۔

حضرت امیر المومنینؑ اشجع الناس ہیں

دنیا میں بڑے بڑے بہادر گزرے ہیں جنہوں نے اپنے اپنے کارنامے پیش کئے مگر ایسا بہادر جو کسی جنگ میں کسی حالت میں نہ گھبرایا ہو۔ اور نہ کبھی پیچھے قدم ہٹایا ہو ناممکن ہے کہ تاریخ پیش کر سکے یہ خصوصیت صرف علیؑ کو حاصل تھی آپ کی ساری زندگی میدان جنگ میں گزری لیکن کبھی کوئی حرکت و سکون ایسا سرزد نہیں ہوا جس میں شجاعت کے خلاف ایک شائبہ بھی پایا جائے۔ آپ نہ کسی مقابلہ میں خائف ہوئے، اور نہ آپ کبھی کثرتِ سپاہ کو نگاہ میں لائے۔ تن تنہا ہزاروں کا مقابلہ کیا اور فتح یاب رہے۔ ابن ابی الحدید معتزلی شرح نہج البلاغۃ ج ۱ صفحہ ۹ پر حضرت امیر المومنینؑ کے فضائل و کمالات کا تذکرہ کرتے ہوئے اور یہ ثابت کرنے کے بعد کہ تمام اسلامی علوم و فنون کی بازگشت آپؑ کی ذات والا صفات کی طرف ہے صفحہ ۹ پر ان کی خداداد شجاعت و شہامت کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

"اما الشجاعۃ فانہ انسی الناس فیہا ذکر من کان قبلہ، ومحی اسم من یاتی بعدہ ومقاماتہ فی الحرب مشہورۃ یضرب بہا الامثال الی یوم القیامۃ وھو

الشجاع الذی ما فرقط ولا ارتاع من کتیبۃ ولا بارز احدًا الا قتلہ ولاضرب ضربۃ قط فاحتاجت الاولیٰ الی الثانیۃ (الی ان قال)، وکانت العرب تفتخر بوقوفھا فی الحرب فی مقابلتہ فاما قتلاہ فافتخار رھطھم بانہ علیہ السلام قتلھم اظھر واکثر قالت اخت عمرو بن عبد ود ترثیہ۔

لوکان قاتل عمرو غیر قاتلہ بکیتہ ابدًا مادمتُ فی الابد

لکن قاتلہ من لا نظیر لہ وکان یدعی ابوہ بیضۃ البلد

(الی ان قال)، وجملۃ الامر ان کل شجاع فی الدنیا الیہ ینتھی وباسمہ ینادی فی مشارق الارض ومغاربھا الخ

یعنی جہاں تک آپؑ کی شجاعت کا تعلق ہے۔ آپ وہ بہادر ہیں جس نے بہادری میں پہلے بہادروں کا ذکر بھلا دیا۔ اور آنے والے بہادروں کے ناموں کو (بہادری کی فہرست سے) مٹا دیا۔ آپ کے جنگی کارنامے مشہور ہیں جو قیامت تک ضرب المثل رہیں گے۔ آپ وہ بہادر ہیں جو نہ کبھی جنگ سے بھاگتے تھے اور نہ کبھی کثرتِ سپاہ سے گھبراتے تھے۔ جب بھی کوئی شخص آپ کے مقابلے میں آیا آپ نے اسے قتل کر دیا۔ آپ میدانِ جنگ میں شجاعت کے وہ یکہ تاز بہادر ہیں کہ آپ نے کبھی ایک ضرب لگانے کے بعد دوسری ضرب کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ عرب آپ کے بالمقابل آنے پر فخر و مباہات کرتے تھے اور مقتولین کے وارث اس بات پر فخر کرتے کہ ان کا مقتول آپ کے ہاتھ سے قتل ہوا ہے۔ چنانچہ عمرو بن عبدود کی بہن بھائی کے مرثیہ میں کہتی ہے۔ "اگر عمرو کا قاتل اس کے قاتل (حضرت علیؑ) کے علاوہ کوئی اور ہوتا۔ تو میں زندگی بھر اس پر گریہ و بکاء کرتی۔ لیکن اس کا قاتل وہ بزرگ ہے جس کی کوئی نظیر نہیں۔ اور اس کا والد ماجد بھی سردار شہر پکارا جاتا تھا۔ ..... خلاصۂ کلام یہ کہ دنیا کا ہر بہادر آپ ہی کی ذات تک منتہی ہوتا ہے اور مشرق و مغرب میں آپ ہی کے نام کے نعرے لگاتا ہے جو (نعرہ حیدریؑ۔ یا علیؑ)۔ اللّٰھم صل علی محمد و آل محمد۔

غرض کہ زمانۂ رسولؐ والی جنگیں ہوں یا زمانہ مابعد والی۔ ان کے جس قدر حالات کتب سیر و تواریخ میں مرقوم ہیں۔ ہر ہر واقعہ آپ کی شجاعت پر شاہد عادل ہے اس سے بھی بڑھ کر آپ کی شجاعت کا شاہکار یہ ہے کہ تین خلافتوں کے دور میں اپنا حق غصب ہوتا دیکھتے ہیں، بنت رسولؐ کو مصائب اُمّت میں گرفتار دیکھتے ہیں، مگر باایں ہمہ شجاعت محض اسلام کی خیر خواہی

اور وصیتِ رسالت پناہی کے پیشِ نظر تلوار کو میان سے باہر نہیں کھینچتے۔ ستم بالائے ستم یہ ہے کہ مقامِ فضیلت میں آپ کے مقابلہ میں ان لوگوں کا نام لیا جاتا ہے۔ جن کے متعلق مورخین لکھتے ہیں کہ "ما ضربوا و لا ضربوا قط"۔ "نہ کبھی کسی کو کوئی ضرب لگائی تھی اور نہ کبھی کسی سے کوئی چوٹ کھائی تھی"۔ آیا ان حقائق کی روشنی میں حضرت امیر علیہ السلام کے "اشجع الناس" ہونے میں کوئی شک و شبہ باقی رہ جاتا ہے؟ لا والله الله۔

افضلیت امیر المومنین علیہ السلام

مسئلہ تفضیل حضرت امیر المومنین بر شیخین (وغیرهما) یا تفضیل شیخین بر علیؑ قدیم الایام سے مسلمانوں کے درمیان معرکۃ الآرا چلا آرہا ہے۔

اس سلسلہ میں اختلافِ آراء کا نمونہ!

تمام شیعہ امامیہ اور محققین اہل سنت اس امر کے قائل ہیں کہ حضرت ختمی مرتبتؐ کے بعد افضل الناس حضرت امیر علیہ السلام ہیں لیکن جمہور اہلسنت افضلیتِ ابوبکر اور ان کے بعد عمر کے قائل ہیں۔ لیکن حضرت علیؑ و عثمان کے متعلق ان کے درمیان پھر اختلاف ہے اکثر حضرت عثمان کو افضل بتاتے ہیں، اور بعض جنابؑ کو افضل قرار دیتے ہیں اور بعض لوگ جو بزعم خود محتاط ہیں وہ اس امر میں توقف کرتے ہیں۔ بہرحال شریعتِ مقدسہ اسلامی کا وہ کونسا مسئلہ ہے جو مسلمانوں کی چیرہ دستیوں اور اختلاف آرائیوں سے محفوظ رہا ہو۔ اور ان کے باہمی اختلافات کی آماجگاہ نہ بنا ہو ...... اس تلخ حقیقت کے ثبوت میں ایک دو نہیں سینکڑوں شواہد پیش کیے جا سکتے ہیں۔ دور جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ خود اسی مسئلہ افضلیت کو لے لیجئے باوجودیکہ یہ مسئلہ عقل سلیم، قرآن کریم اور حدیث سرکار سید المرسلین کی روشنی میں ایسا واضح ہے کہ کوئی ناظر بصیر اور ناقد خبیر افضلیت حضرت امیر میں سرمو شک و شبہ نہیں کر سکتا، لیکن بایں ہمہ اسی میں جو اختلافات ہیں ان کی ایک اجمالی فہرست کی روشنی میں اس مسئلہ کا جائزہ لینا چاہتے ہیں، قبل اس کے کہ اصل مسئلہ میں وارد ہوں اور دلائلِ افضلیتؑ کا بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

معیار و میزان افضلیت کیا ہے؟

جب دو یا اس سے زیادہ شخصوں میں سے کسی شخص کی افضلیت معلوم کرنا ہو تو اس کے کئی طرق ہو سکتے ہیں، لیکن علمائے محققین نے اس سلسلہ میں دو طریقے بیان کیے ہیں۔

(۱) کثرتِ ثوابِ ربانی (جو کہ "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" کا مفاد ہے۔

ہو حضرت امیرؑ پیش کریں بطور مقدمہ پہلے معیار افضلیت کا بیان الخ

(۱) کثرتِ فضائل نفسانی (یعنی جس شخص کا عند اللہ ثواب زیادہ ہو یا جس کے فضائل نفسانیہ زیادہ ہوں، اسی کو افضل سمجھا جائے گا۔ (جو کہ ان اللہ اصطفٰہ علیکم وزادہ بسطۃً فی العلم والجسم کا مفاد ہے۔ (شرح عقائد نسفی وغیرہ)

یہ مقدمہ ذہن نشین کر لینے کے بعد اب ہم ذیل میں اس معیار و میزان کی رو سے عقل و قرآن اور حدیث کی روشنی میں حضرت امیر علیہ السلام کی افضلیت کو ثابت کرتے ہیں۔

افضلیت حضرت امیرؑ عقل کی روشنی میں

ابھی بیان ہوا ہے کہ معیارِ افضلیت کثرتِ ثواب یا کثرتِ فضائل و مناقب ہے۔ جو شخص اس میدان میں پیش پیش ہو گا۔ عقلِ سلیم اس کی افضلیت کا حکم لگانے میں ہرگز تامل نہیں کرے گی۔ اب صرف یہ دیکھنا ہے کہ اس میزان میں کس کا پلہ بھاری ہے اور اس میدان میں گوئے سبقت کس کے ہاتھ میں ہے؟ اگر چشم بصیرت سے تعصب و عناد کی عینک اتار کر نظرِ غائر سے حقائق کو دیکھا جائے تو ان دونوں باتوں میں حضرت امیر المومنینؑ سب سے پیش پیش نظر آتے ہیں۔ کوئی دوسرا شخص ان کی ہمسری و برابری تو درکنار ان کی گرد پا کو بھی نہیں چھو سکتا۔

ظاہر ہے کہ جس قدر عبادت گرانقدر ہو گی۔ اسی قدر اس کا ثواب بھی بیشتر ہو گا۔ کیونکہ اس کے علاوہ کثرتِ ثواب معلوم کرنے کا اور کوئی طریقہ ہے ہی نہیں۔ بنابریں جس شخص کی عبادت کی یہ کیفیت ہو کہ اس کی ایک ضربت کو دیکھ کر جو کہ عمرو بن عبدود کے سر پر لگی، پیغمبر اسلامؐ کہہ اٹھے۔ ضربۃ علی یوم الخندق افضل من عبادۃ الثقلین" علی کی ایک ضربت جنگِ خندق کے دن جن و انس کی عبادت سے افضل ہے (حیوۃ الحیوان۔ تفسیر کبیر ج ... اربعین رازی وغیرہا)

اس کے باقی عبادات کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ حضرت امیرؑ کی اس ضربت کو معمولی نہ سمجھنا چاہیئے۔ اس کی قدر و منزلت دیکھنا ہو تو پیغمبر اسلام کی زبان حق ترجمان سے نکلے ہوئے الفاظ پر غور کیجیئے یا ان لوگوں کے کلام کو دیکھئے جنہوں نے تاریخ اسلام کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا ہے۔ ایک ایسا ہی شاعر کہتا ہے۔

اسلام کے دامن میں اور اس کے سوا کیا ہے؟
اک ضرب یداللہیؑ اک سجدۂ شبیریؑ (وقار انبالوی)

بعد ازیں آنحضرتؐ کے باقی عبادات یعنی کثرتِ صوم و صلوٰۃ اور حج و زکوٰۃ وغیرہ کا ذکر کرنا چنداں فائدہ نہیں رکھتا۔ جس کے ذکر و مدح سے قرآن مجید اور احادیث بھرے ہوئے ہیں۔ العاقل تکفیہ الاشارہ

اس کے بالمقابل جب فریق ثانی کے کارناموں پر نظر کی جاتی ہے تو نتیجہ صفر نظر آتا ہے رہی فضائل ومناقب کی کثرت تو قسام ازل نے جس قدر فضائل و فواضل حضرت امیر المومنینؑ کی ذاتِ والاصفات کو عنایت فرمائے ہیں۔ سوائے سرکار ختمی مرتبت کے باقی کسی ذات کو مرحمت نہیں فرمائے۔ ہماری کیا بساط ہے کہ ان فضائل کا عشر عشیر بلکہ ہزارواں حصہ بھی بیان کر سکیں۔ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما گئے ہیں۔ "لو کان الریاض اقلاما والبحر مدادا والجن حسابا والانس کتابا ما احصوا فضائل علی ابن ابی طالب" اگر تمام درخت قلم بن جائیں تمام سمندر سیاہی بن جائیں۔ تمام جن حساب کرنے بیٹھ جائیں اور انسان لکھنا شروع کر دیں تو بھی حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کے فضائل ومناقب کا احصار و شمار نہیں کر سکیں گے۔ (مناقب خوارزمی صد۲ طبع ایران وکفایۃ الطالب شیخ محمد ابن طلحہ گنجی الشافعی صد۱۲۳ طبع نجف اشرف)

نیز آنحضرتؐ سے مروی ہے۔ فرمایا۔ "ان اللہ جعل لاخی علی فضائل لا تحصی کثرۃ" یعنی خداوند عالم نے میرے بھائی علیؑ بن ابی طالبؑ کو اس قدر فضائل عطا فرمائے ہیں۔ جن کا بہ سبب کثرت احصار بھی نہیں ہوسکتا۔ (ینابیع المودۃ)

امام احمد بن حنبل، اسماعیل قاضی اور ابو علی کا قول ہے کہ "لم یرد فی فضائل احد من الصحابۃ بالاسانید الحسان مایروی فی فضائل علی بن ابی طالب" یعنی صحابہ کرام میں سے کسی کے متعلق بسند ہائے حسن اس قدر فضائل وارد نہیں ہوئے۔ جس قدر حضرت علیؑ ابن ابی طالب کے فضائل وارد ہوئے ہیں۔ (ملاحظہ ہو۔ تاریخ الخلفاء سیوطی طبع مصر صد۶۵ مستدرک حاکم طبع حیدر آباد دکن ج ۳ صد۱۰۷ ریاض نضرہ ج ۲ صد۲۱۳ مسند امام احمد ج ا صد۲۱۱ نور الابصار صد۷۳ استیعاب صد۴۷۹ ج ۲، صواعق محرقہ صد۷۲)

ابن حجر مکی جیسے متعصب سنی عالم نے صواعق محرقہ میں صراحتاً اقرار کیا ہے۔ کہ "مناقب علی وفضائلہ اکثر من ان تحصی" یعنی حضرت علیؑ کے مناقب و فضائل اس سے کہیں زیادہ ہیں کہ ان کا احصاء کیا جائے۔ (صواعق محرقہ صد۱۳۱ طبع مصر جدید)

ان حقائق کی روشنی میں روزِ روشن کی طرح واضح و آشکار ہوگیا کہ کثرتِ ثواب و کثرتِ فضائل کے اعتبار سے حضرت امیر المومنینؑ کا پلہ سب لوگوں سے بھاری ہے۔ بعد ازیں عقل سلیم کو آنجنابؑ کی افضلیت کا فیصلہ صادر کرنے میں ہرگز کوئی پس و پیش نہیں ہوتی وہ بلا جھجک آنجنابؑ کی افضلیت کا فیصلہ کرتی ہے؟

افضلیت حضرت امیرؑ کتاب اللہ کی روشنی میں

قرآن مجید میں بہت سی ایسی آیات ہیں جو حضرت امیر المومنینؑ کی افضلیت پر دلالت

کرتی ہیں، جن سب کا گنوانا موضوعِ بحث سے خروج کا باعث ہوگا۔ لہٰذا یہاں فقط دو آیتوں پہ اکتفا کی جاتی ہے۔

پہلی آیت مباہلہ!

ارشادِ قدرت ہے۔ و من حاجک فیہ من بعد ما جاءک من العلم فقل تعالوا ندع ابناءنا و ابناءکم و نساءکم و انفسنا و انفسکم الخ۔ تمام محققین و مفسرین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اس آیۂ کریمہ میں "انفسنا" سے مراد حضرت امیر المومنین علیہ السلام ہیں۔ بنص آیہ کریمہ آنجناب نفسِ رسولؐ قرار پائے۔ ظاہر ہے کہ نفسِ رسولؐ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے۔ کہ دونوں کے درمیان اتحاد جسمی وشخصی ہو گیا۔ کیونکہ یہ تو محالات عقلیہ میں سے ہے۔ ماننا پڑے گا۔ کہ اس اتحاد و یگانگت سے مراد کمالات و فضائل میں اتحاد ہے۔ ظاہر آیت کا تقاضا تو یہ تھا۔ کہ حضرت علیؑ تمام صفاتِ کمالیہ حتیٰ کہ مرتبۂ نبوت میں بھی آنحضرتؐ کے شریک ہوں لیکن بموجب (الآیات تفسر بعضہا بعضًا) دوسری آیات و روایات مثل حدیث منزلت (یا علی انت منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی) اور آیہ مبارکہ "ختم نبوت" (ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین) کی وجہ سے ہم اس ظاہر سے دستبردار ہوگئے۔ اور آنجنابؑ کے مرتبہ نبوت کے قائل نہیں ہو سکتے۔ لیکن اس مرتبہ کے علاوہ باقی کسی فضیلت کی نفی پر کوئی دلیل تمام نہیں ہوتی بلکہ سینکڑوں آیات و روایات فضائل وغیرہ میں شرکت پر دلالت کرتی ہیں۔ ماننا پڑے گا کہ سوائے مرتبۂ نبوت اور اس کے خصائص کے باقی تمام کمالات میں حضرت امیر علیہ السلام شریکِ رسالت ہیں ظاہر ہے کہ منجملہ فضائلِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنحضرت کا تمام امت سے افضل ہونا بھی ہے۔ تو جو شخص بنص آیت نفسِ رسولؐ یعنی آپ کے فضائل ومناقب میں شریک ہوگا، وہ بھی تمام امت سے افضل ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ خود حضرت امیر علیہ السلام نے شوریٰ کے دن اپنی افضلیت پر اس آیہ مبارکہ سے اپنی افضلیت پر استدلال فرمایا تھا:

"فقال لھم انشدکم باللہ ھل فیکم احد اقرب الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی الرحم منی ومن جعلہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نفسہ وابناءہ ابنائی ونساءہ نسائی قالوا اللھم لا۔ (ملاحظہ ہو صواعق محرقہ ابن حجر مکی) (میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں میرے سوا تم میں کوئی ایسا ہے جسے آنحضرتؐ نے اپنا نفس قرار دیتے ہوئے اس کے بیٹوں کو اپنا بیٹا، بیبیوں کو اپنی بی بیاں قرار دیا ہو، سب نے کہا نہ تھا)

فقط امتِ محمدیہ سے افضلیت کا تذکرہ ہم محض تنزل کے طور پر اور یہی موضوع بحث ہونے کی وجہ سے کر رہے ہیں ورنہ دامنِ آیت میں اس سے کہیں زیادہ وسعت ہے کیونکہ افضلیتِ رسول فقط آپ کی امت تک ہی محدود نہیں بلکہ تمام انبیاء کرام اور ان کی امم کو شامل ہے تو بنا بریں جو شخص اس افضلیت میں شریک رسولؐ ہوگا وہ بجز آپ کے باقی تمام انبیاء و امم سے افضل ہوگا۔ فتدبر ولا تکن من الجاحدین۔

دوسری آیت "ان الذین آمنوا وعملوا الصلحت اولئک ھم خیر البریۃ" جو لوگ ایمان لائے اور اس کے بعد اعمالِ صالحہ بجالائے وہی سب لوگوں سے افضل ہیں۔ تفسیر در منثور سیوطی ج ۶ صفحہ ۳۷۹ باسناد ابن عساکر جابر ابن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں

قال کنا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاقبل علی فقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والذی نفسی بیدہ ان ھذا وشیعتہ ھم الفائزون یوم القیمۃ ونزلت ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات اولئک ھم خیر البریۃ فکان اصحاب النبی اذا اقبل علی قالوا جاء خیر البریۃ۔ الخ وکذا فی تفسیر الطبری ج ۳۰ صفحہ ۱۷۱

یعنی جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو آنحضرتؐ نے فرمایا۔ اے علیؑ خیر البریہ تم ہو اور تمہارے شیعہ ہیں۔ یہی تفسیر باختلاف یسیر مناقب خوارزمی صفحہ ۶۶ و صفحہ ۱۷۸ پر بحوالہ مناقب ابن مردویہ اور فصول المہمہ صفحہ ۱۲۲ ابن صباغ مالکی صواعق محرقہ صفحہ ۹۶ طبع جدید بذیل آیہ ہذا بحوالہ حافظ جمال الدین زرندی باسناد ابن عباس اسی طرح نور الابصار شبلنجی صفحہ ۷۸، ۱۱۲ پر مذکور ہے۔ وہکذا فی کفایۃ الطالب صفحہ ۱۱۹ طبع نجف۔ ان کتب میں اس آیہ کی تفسیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا "علی خیر البریہ" یعنی سب لوگوں سے بہتر حضرت علیؑ ہیں چنانچہ آنحضرتؐ کی زبان وحی ترجمان سے نکلا ہوا حضرت امیرؑ کا یہ لقب مبارک اس قدر مشہور و معروف ہوگیا تھا کہ جب آنجناب کا کسی بزمِ صحابہ میں نزولِ اجلال ہوتا تھا تو وہ کہہ اٹھتے تھے "جاء خیر البریۃ، جاء خیر البریۃ" [1]

---

[1] ینابیع المودۃ صفحہ ۹۲ باب ۳۴ پر مرقوم ہے کہ جب حضرت علیؑ نے بر سر منبر دعویٰ سلونی فرمایا تو ابن کوا نے کھڑے ہو کر اسی آیہ خیر البریہ کے متعلق استفسار کیا آپ نے فرمایا۔ اولئک نحن واتباعنا۔ وہ ہم اور ہمارے پیرو ہیں۔ منہ عفی عنہ

بلکہ آثار و اخبار سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنجنابؑ کا یہ لقبِ مبارک قرنِ اوّل میں اس قدر شہرت اختیار کر چکا تھا کہ معاویہ ایسے آپؑ کے سخت دشمن بھی اس کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکے۔ وہ اپنے ایک مشہور خصوصی مشاعرہ میں (جس کے شرکاء معاویہ، یزید اور عمرو بن عاص تھے) کہہ گئے ہیں۔

خیر البریة بعد احمد حیدر ؏

الناس ارض والوصی سماء

یعنی احمد مجتبیٰؐ کے بعد تمام لوگوں سے افضل حیدر کرارؑ ہیں۔ تمام لوگ (از روئے پستی) بمنزلۂ زمین اور وصیٔ رسول (حضرت علیؑ از روئے رفعتِ شان) بمنزلۂ آسمان ہیں (تاریخ اسلام مولفۂ سید محمد ہاشم وغیرہ)

الحمدللہ اس آیۂ مبارکہ نے نہایت صراحت کے ساتھ افضلیت حضرت امیرؑ پر مہر ثبت کر دی ہے

افضلیت حضرت امیرؑ احادیثِ نبویہ کی روشنی میں

اس سلسلہ میں اس قدر احادیث موجود ہیں جن کا احصار نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ اہل ولا کی چشمِ بصیرت کو جلا اور اہل عناد کے قلوب کو کباب کرنے کے لئے فقط چند احادیثِ معتبرہ پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) کتاب، ذخائر العقبیٰ ص۹۵ طبع مصر، مناقبِ خوارزمی، فرائد السمطین، مناقب ابن مغازلی، مطالب السؤل، فصول مہمہ ابن صباغ مالکی، سنن بیہقی، ینابیع المودۃ باب ۵۹ ص۳۶ طبع بمبئی، شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید، مسند امام احمد بن حنبل، کفایۃ الطالب، مودۃ القربیٰ، الریاض النضرۃ ج ۲ ص۲۱۸ باب ۴ اربعین رازی وغیرہا میں معمولی اختلافِ الفاظ کے ساتھ یہ حدیث شریف مذکور ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا۔ "من اراد ان ینظر الی آدم فی علمہ والی نوح فی فہمہ والی ابراھیم فی حلمہ (فی خلتہ) والی موسیٰ فی بطشہ والی یحییٰ ابن زکریا فی زہدہ فلینظر الی علی ابن ابی طالب": جو شخص حضرت آدمؑ کا علم و عرفان، حضرت نوحؑ کا فہم و ذکا، حضرت ابراہیمؑ کا ضبط و حلم (یا ان کی نبوت و خلت) حضرت موسیٰؑ کا رعب و دبدبہ اور حضرت یحییٰؑ کا زہد و تقویٰ دیکھنا چاہیئے، وہ علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام کو دیکھ لے" کیونکہ ان کے دیکھنے سے تمام انبیاء ماسلف کے انفرادی کمالات مجموعی طور پر آنجنابؑ میں مل جائیں گے۔ ولقد اجاد من افاد

؏ لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

یعنی خداوند عالم کی قدرت سے یہ امر بعید نہیں ہے کہ تمام عالم کو ایک ذات میں جمع کر دے

اس مفہوم کو فارسی زبان کے ایک شاعر نے اس طرح ادا کیا ہے۔

ع حسنِ یوسفؑ، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا داری   آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

یہ حدیث شریف بھی منجملہ ان ادلہ و براہین کے ہے جو بجز سرکار ختمی مرتبت باقی سب انبیاء پر حضرت علیؑ کی افضلیت پر دلالت کرتے ہیں۔ کیونکہ اس حدیث شریف میں چند اولوالعزم انبیاء کے نمایاں کمالات کو مجموعی طور پر حضرت امیر علیہ السلام کے لئے ثابت کیا گیا ہے ظاہر ہے کہ جو شخص مجموعۂ کمالاتِ انبیاء ہوگا وہ فرداً فرداً ہر نبی سے افضل ہوگا۔ خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا جو نوکِ قلم سے نکل گیا۔ کیونکہ سردست ہمارا موضوع بحث تفضیل الآئمۃ علی الانبیاء نہیں بلکہ علی الامۃ المحمدیہ ہے لہٰذا ہم بنا بر تنزل کہتے ہیں کہ اس حدیث شریف سے اس قدر تو ثابت ہو ہی گیا۔ کہ حضرت علیؑ انبیاء ماسلف کے مساوی ہیں اور تمام اہلِ اسلام کا اتفاق ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام عام افرادِ امتِ محمدی سے جن میں صحابہ کرام بھی داخل ہیں یقیناً افضل ہیں۔ لہٰذا جو شخص افضل کا مساوی و ہم پلہ ہوگا وہ بھی ان سے افضل ہوگا۔

(۴) اگر مذکورہ بالا بیان حق ترجمان سے کماحقہ اطمینان حاصل نہ ہوا ہو تو آیئے اس امر کی تصریح پیغمبرِ اسلام کی زبان فصیح البیان سے سن لیجئے۔ باسناد جناب جابر و حذیفہ اور عائشہ مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا "علی خیر البشر من شک فیہ فقد کفر" بے شک علیؑ خیر البشر ہیں جو اس میں شک کرے گا۔ کافر ہو جائے گا۔ (ینابیع المودۃ صہ ۲۰۲ طبع بمبئی مودۃ القربیٰ صہ ۳۵ مناقب ابن مردویہ۔ کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق للمناوی مطبوعہ برحاشیہ جامع الصغیر سیوطی ج ۲ صہ ۱۶ طبعۂ رابعہ مصر کنز العمال ج ۶ صہ ۱۵۹ نیز اسی صفحہ پر بایں الفاظ یہ بھی مذکور ہے۔" من لم یقل علی خیر الناس فقد کفر" بحوالہ خطیب باسناد ابن مسعود از علیؑ۔ اسی طرح کفایۃ الطالب صہ ۱۱۹ طبع نجف اشرف پر یہ حدیث طرق متعددہ سے نقل کی گئی ہے۔ حتیٰ کہ ایک شیعہ عالم شیخ ابو محمد جعفر ابن احمد ابن علی قمی نے ایک کتاب مسمی بہ "نوادر الاثر فی کون علی خیر البشر" اس حدیث کے طرق و اسناد کے متعلق تالیف کی ہے جس میں انہوں نے تقریباً پچھتر طرق و اسانید سے اس حدیث شریف کو نقل کیا ہے۔ کتاب مذکور ۱۳۶۹ھ میں طہران میں طبع ہو چکی ہے۔ شائقین تفصیل اس کی طرف رجوع کریں ظاہر ہے کہ متکلم ایسے مقامات پر خارج ہوا کرتا ہے۔ بنا بریں اس حدیث شریف کا صاف و صریح مطلب یہ ہوگا۔ کہ سوائے سرکارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے باقی تمام نوع بشر سے حضرت امیر علیہ السلام افضل و اشرف و ارفع ہیں اور نوع بشر اشرف الانواع ہے اس طرح وہ سوائے سرکارِ رسالت کے باقی تمام کائنات سے افضل ہیں۔

ے بعد از مصطفیٰؐ در کلِ عالم   نہ بد فاضل تر و بہتر ز حیدرؑ

عقلاً بھی اس بات کی شدید ضرورت تھی کہ خاتم الانبیاء کا جانشین سابقہ انبیاء کے کمالات کا جامع ہو تاکہ ان کے مشن کو نہ صرف جاری رکھ سکے بلکہ اس کو مزید ترقی بھی دے سکے: احادیث میں سے اسی قلیل مقدار پہ اکتفا کی جاتی ہے۔ وفیہ کفایۃ لمن لہ ادنی درایۃ ودرایۃ۔

ع سفینہ چاہیئے اس بحرِ بیکراں کے لئے

کسی کی کیا مجال ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ کے فضائل و مناقب کا احصار کر سکے۔ جب کہ خود حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم فرما چکے ہیں۔ " ان اللہ جعل لاخی علی فضائل لا تحصی کثرۃ (خداوند عالم نے میرے بھائی علیؑ کو اس قدر فضائل عطا کئے ہیں۔ جن کا کثرت کی وجہ سے احصار نہیں ہوسکتا۔) (مطالب السئول) و لنعم ما قیل۔

ع فضائلِ علیؑ بہ گفتگو ممکن نیست گنجائش بحر در سبو ممکن نیست

افضلیتِ جناب حضرت امیرؑ خود اپنے کلام کی روشنی میں

اس خیال کے پیشِ نظر کہ شاید کوئی کوتاہ نظر ہمیں یہ طعنہ دے کہ تم تو حضرت امیر المومنینؑ کو افضل الامۃ قرار دیتے ہو۔ کبھی خود حضرت امیرؑ نے بھی اپنی افضلیت کا دعویٰ کیا تھا؟ اس لئے یہ مناسب سمجھا کہ آنجنابؑ کا ادعائے افضلیت بھی نقل کر دیا جائے تاکہ واضح ہوجائے۔ کہ آنجنابؑ نے دعویٔ افضلیت کیا اور خدا و رسول نے بھی ان کی تائید و تصدیق فرمائی لیکن جو معاندین بایں ہمہ اپنے عناد سے باز نہیں آتے ان کی سرکوبی کے لئے شیعیانِ حیدرؑ کرار اپنے شانِ قلم کو حرکت دیتے ہیں۔ بل نقذف بالحق علی الباطل فید مغہ؛

پیراں نمی پرند مریداں می پرانند کا مصداق دوسرا فریق ہے جیسا کہ ہم عنقریب ثابت کریں گے۔ انشاء
بہرحال آنجنابؑ کے دعوائے افضلیت سے کتبِ فریقین کے بطون مملو و مشحون ہیں۔ بطور نمونہ مشتے از خروارے۔ ذیل میں آنجنابؑ کے چند اشعار آبدار نقل کئے جاتے ہیں۔ ابنِ حجر مکی اپنی کتاب صواعق محرقہ ص ۱۳۰ طبع جدید پر رقمطراز ہیں۔ " لما وصل الیہ فخر من معاویۃ قال لغلامہ اکتب الیہ ثم املا علیہ؛

ع محمد النبیؐ اخی و صھری	و حمزۃ سید الشھداء عمی
و جعفر الذی یمسی و یضحی	یطیر مع الملائکۃ ابن امی
و بنت محمد سکنی و عرسی	منوط لحمھا بدمی و لحمی

وسبط احمد ابنای منہا   فایکم لہ سہم کسہمی

سبقتکم الی الاسلام طرًّا   غلامًا ما بلغت اوان حلمی"

"یعنی جب حضرت امیر المومنین کو یہ خبر پہنچی کہ معاویہ نے آپ کے اوپر کچھ فخر و مباہات کیا ہے تو آنجناب نے اپنے غلام سے فرمایا معاویہ کی طرف لکھو پھر آپ نے یہ اشعار املا فرمائے۔ جن کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ میرے بھائی اور خسر ہیں۔ اور حضرت حمزہ سید الشہداء میرے چچا ہیں جعفر طیار جو کہ صبح و شام جنت میں ملائکہ کے ساتھ اڑتے ہیں، وہ میرے بھائی ہیں بنت رسول (فاطمہ بتول) میری زوجہ ہیں اور حضرت احمد مجتبےٰ کے دونوں نواسے انہی (فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا) سے میرے بیٹے ہیں تم میں سے کون ہے (کہ جس کا حصہ فضائل و مناقب میں) میرے حصے کے برابر ہو۔ میں نے تم سب سے اظہار اسلام میں اس وقت سبقت کی جب کہ میں ابھی سن بلوغ کو بھی نہیں پہنچا تھا"۔

آپ کے آخری ارشاد سے سبقت اسلامی والا مسئلہ بھی واضح ہو جاتا ہے آنجناب کے دیوان شعر میں مذکورہ بالا اشعار* درج کرنے کے بعد ابن حجر نے علامہ بیہقی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "ان ھذا الشعر یجب علی کل متوان فی علی حفظہ لیعلم مفاخرہ فی الاسلام الخ" ہر وہ شخص جو حضرت علی علیہ السلام کے حق میں کوتاہی کرتا ہے۔ اس کے اوپر واجب ہے کہ ان اشعار کو حفظ کرے تاکہ اسے حضرت علی کے اسلامی مفاخر و مناقب معلوم ہو جائیں"۔ بعد ازاں خود ابن حجر لکھتے ہیں "مناقب علی وفضائلہ اکثر من ان تحصیٰ" کہ حضرت علی کے فضائل و مناقب احصاء و شمار سے باہر ہیں"۔ بفضلہ تعالیٰ حضرت امیر کے کلام حق ترجمان، کلام ملک منان، احادیث سید الانس والجان اور عقل و خرد انسان کی رو سے حضرت امیر مومناں علیہ صلوات الرحمٰن کا تمام امت سے افضل ہونا ہر منصف مزاج مسلمان پر اس طرح واضح ہو گیا۔ جس طرح زمین پر بلندی آسمان"۔

مقام تحیر یا مقام تعجب

جب ایک طرف سیرت حضرت امیر المومنین اور دوسری طرف سیرت شیخین پر نگاہ کی جاتی ہے۔ اور پھر مسلمانوں کے نظریہ (تفضیل شیخین) پر امیر المومنین پر نظر پڑتی ہے۔ تو تعجب کی کوئی حد نہیں رہتی۔ آخر ان اللہ کے بندوں سے کوئی پوچھے تو سہی کہ آیا یونہی زبانی کسی کو افضل کہہ دینے سے افضل بن جاتا ہے۔ یا اس کا کوئی میزان و معیار بھی ہے؟ یقیناً ہر صاحب دانش و بینش جواب میں اسی آخری شق کو ہی اختیار کرے گا۔ ہم دوبارہ استفسار کرتے ہیں کہ وہ میزان و معیار افضلیت کیا ہے؟ خود تمہارا ہی فیصلہ ہے کہ معیار فضیلت کثرت

---

* بلکہ اس کے بعد یہ شعر بھی درج ہے کہ؎ لقد علم الاناس بان سہمی ＝ من الاسلام یفضل کل سہم   یعنی سب لوگ جانتے ہیں کہ اسلام میں میرا

علم و عمل اور کثرتِ فضائل نفسانیہ ہے. جس کا ثمرہ کثرتِ ثواب ہے. (شرح مواقف وغیرہ) اس مقام پر ہم سہ بارہ یہ دریافت کرتے ہیں کہ جب تم یہ تسلیم کرتے ہو کہ معیار و میزان افضلیت کثرتِ ثواب اور کثرتِ فضائل و مناقب ہے تو خدارا ہمیں یہ بتاؤ کہ حضراتِ شیخین نے وہ کون سی عبادت کی ہے جس کی بناء پر تم ان کے ثواب کو حضرت امیر المومنینؑ کے ثواب سے بیشتر سمجھتے ہو یا فضائل و کمالات میں وہ کون سی صفتِ کمال ہے جس میں تمہارے شیخین امام الثقلین پر تفوق رکھتے ہیں؟ خدا شاہد ہے ہم نے اس سلسلہ میں نہایت دیانت داری اور غیر جانبداری کے ساتھ غور و تامل کیا ہے مگر معاملہ بالعکس دیکھا ہے یعنی جس عبادت پر نظر پڑتی ہے. خواہ صوم ہو یا صلوٰۃ حج ہو یا زکوٰۃ خمس ہو یا جہاد سب میں جناب حیدر کرارؑ کا پلہ بھاری نظر آتا ہے اور تمام فضائل و مناقب میں اور مدائح و محامد میں خواہ علم ہو یا عمل. ایمان ہو یا ایقان. زہد ہو یا تقویٰ شجاعت ہو یا شہامت انصاف ہو یا عدالت سیادت ہو یا نجابت غرضیکہ تمام صفات کمالیہ میں آنجنابؑ سب پر فوقیت رکھتے ہیں اور ہر صفت کے مرحلہ میں پیش پیش نظر آتے ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے (اگرچہ وہ بہت ہی تلخ ہے) والحق مر کہ حضرت امیر المومنینؑ کے اوصافِ جلیلہ کا خلفائے ثلاثہ کے اوصاف کے ساتھ موازنہ کرتے ہوئے اور ان کو ان پر فضیلت دیتے ہوئے خجالت دامنگیر ہوتی ہے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ مفضّل (جس کو فضیلت دی جائے. اور مفضّل علیہ (جس پر فضیلت دی جائے) کا اس فضیلت میں اشتراک ہونا ضروری ہے. مثلاً جب یہ کہا جائے کہ زید عمر سے زیادہ عالم ہے. تو یہ اس وقت صحیح ہو سکتا ہے کہ جب زید و عمر اصل عالم ہونے میں شریک ہوں. لیکن زید کا جذبۂ علمیہ بھاری ہو. اب اگر عمرو علم سے بالکل ہی بے بہرہ ہو تو اس صورت میں یہ کہنا کہ زید عمر سے زیادہ عالم ہے غلط ہو گا. اسی طرح یہ کہنا کہ زید بکر سے زیادہ بہادر ہے اس وقت صحیح ہو گا. جب دونوں بہادر ہونے میں باہم شریک ہوں، ہاں البتہ زید کی بہادری کا پلہ بھاری ہو. لیکن اگر صورتِ حال یہ ہو. کہ بکر میں بہادری کا نام ہی نہ ہو. تو پھر یہ کہنا کہ زید بکر سے بڑا بہادر ہے درست نہیں ہو سکتا"

ہمارے موضوعِ بحث میں بھی ہوئے اتفاق سے کچھ یہی صورتِ حال ہے کیونکہ حضرت امیر المومنینؑ کے مقابلہ میں جو حضرات پیش کئے جاتے ہیں. ان میں سرے سے ان صفات کا فقدان ہے. جو حضرت امیر المومنینؑ کے لئے مایۂ امتیاز ہیں اگر ہمارے اس بیان سے اطمینان نہ ہو تو آئیے ہم اس تلخ حقیقت کا ایک مختصر سا نقشہ آپ کے سامنے پیش کئے دیتے ہیں. تاکہ بعد ازیں آپ کو ہمارے بیان کی تائید و تصدیق کرنے میں کوئی چیز سدِّ راہ نہ ہو سکے. اور منکرین پر اتمامِ حجت میں کوئی کمی نہ رہ جائے!

مختصر موازنہ صفات جناب امیرؑ با صفات شیخین!

حضرت امیرؑ کا فطری اسلام

حضرت علیؑ کے متعلق اہل سیر و تواریخ کا اتفاق ہے کہ لم یکفر باللہ طرفۃ عین کہ آنجنابؑ نے ایک لمحہ کے لئے بھی کفر و شرک اختیار نہیں کیا۔ چنانچہ ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ صفحہ ۱۱۸ پر آنجنابؑ کے اسم گرامی کے ساتھ "کرم اللہ وجہہ" کہنے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ "لانہ لم یعبد لصنم قط" کہ انہوں نے کبھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا تھا۔ کیونکہ وہ فطری اور پیدائشی مسلمان کامل تھے۔

شیخین کی بت پرستی

ان کے مقابل دوسری طرف کم و بیش پینتیس پینتیس چالیس چالیس سال تک اصنام کی بت پرستی جاری رہتی ہے

ایمانِ علوی کا بیان

جناب امیر علیہ السلام کے ایمان کا یہ عالم ہے کہ جنگ خندق میں عمرو ابن عبدود کے مقابلہ میں حضرت امیرؑ کو تشریف لے جاتے ہوئے دیکھ کر حضرت رسول اکرمؐ فرماتے ہیں، "برز الایمان کلہ الی الکفر کلہ" کہ کل کا کل ایمان کل کے کل کفر کے مقابلہ میں جا رہا ہے۔ (حیوۃ الحیوان ج ۱ ص ۲۷۴ ۔ ۲۴۹ مطبوعہ مصر) عن عمر بن الخطاب قال اشھد علی رسول اللہ لسمعتہ یقول ان السموات السبع والارضین السبع وضعت فی کفۃ ووضع ایمان علیؑ فی کفۃ لرجح ایمان علیؑ (الریاض النضرہ ج ۲ ص ۲۲۶ باب ۴ کنز العمال ج ۶ ص ۸۶ حدیث ۱۲۱۱ وغیرہ) جناب عمر بیان کرتے ہیں کہ میں جناب رسولؐ خدا پر گواہی دیتا ہوں کہ میں نے آنحضرتؐ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اگر سات آسمان اور سات زمینیں (عدل و انصاف کے ترازو کے) ایک پلڑے میں رکھ دیئے جائیں اور علیؑ کا ایمان دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے۔ تو جس میں علیؑ کا ایمان ہے وہ بھاری ہوگا۔" نیز آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ جب خداوند قدیر نے مجھے شرفِ معراج بخشا تو میں نے سدرۃ المنتہی کے نزدیک ملائکہ کی آواز سنی جو کہہ رہے تھے "علی امیر المومنین" (اصابہ ج ۲ ص ۲۷۳ بذیل ترجمہ عبد اللہ بن سعد)

شیخین کا شرک و نفاق

دوسری طرف یہ عالم کہ ایک صاحب کے متعلق آنحضرتؐ فرماتے ہیں یا ابا بکر الشرک فیکم اخفی من دبیب النملۃ اے ابوبکر! تم میں شرک چیونٹی کی رفتار سے بھی زیادہ مخفی چلتا ہے۔ (منتخب کنز العمال ج ۱ ص ۲۷۱ و تفسیر ابن کثیر بر حاشیہ مسند امام احمد)

حاشیہ تفسیر فتح البیان طبع مصر ج ۵ ص۱۲۹ تفسیر درمنثور ج ۳ ص۵۴) اور جناب ثانی اپنی زبان سے اقرار کر رہے ہیں کہ "یاحذیفة باللہ انا من المنافقین" اے حذیفہ! بخدا میں منافقوں میں سے ہوں (میزان الاعتدال ذہبی ج ۱ ص۲۶۵)

جناب امیر المومنینؑ کا ایقان

جناب امیر علیہ السلام کے ایقان کا یہ عالم ہے کہ خود ارشاد فرماتے ہیں: "لو کشف الغطاء لما ازددت یقیناً" اگر واجب اور ممکن کے درمیانی حجاب اٹھا دیئے جائیں۔ تو بھی میرے یقین و معرفت میں کوئی زیادتی نہ ہوگی۔ (شرح فقہ اکبر مطبوعہ گلزار محمدی لاہور ص۵۶)

شیخین کی کمزوری یقین

دوسری طرف ضعف یقین کی یہ حالت ہے۔ کہ ایک صاحب سے پیغمبر خدا فرماتے ہیں "ولا ادری ما تحدثون بعدی" مجھے کیا معلوم میرے بعد تم کیا کیا احداث و بدعات پھیلاؤ گے؟ (موطائے مالک ص۱۸۲ طبع دیوبند) ارشاد رسولؐ بابی بکر اور دوسرے صاحب صلح حدیبیہ کے موقع پر فرماتے ہیں "ماشککت منذ اسلمت الا یومئذ" میں جب سے اسلام لایا ہوں کبھی شک نہیں کیا مگر اس دن۔ (تفسیر درمنثور ج ۶ ص۷۷)

علم علوی کا تذکرہ

حضرت امیر علیہ السلام کے علم و عرفان کی یہ حالت ہے کہ سرکار رسالت فرماتے ہیں۔ "انا مدینة العلم و علی بابھا۔ (حدیث نبوی متفق علیہ) اسی مدینۂ علم نبوی ہونے کا نتیجہ تھا کہ ببانگ دہل ارشاد ہو رہا ہے۔ سلونی سلونی قبل ان تفقدونی۔ جو چاہو مجھ سے پوچھو قبل اس کے کہ مجھے نہ پاؤ۔ (کنز العمال ج ۷، ص۲۲۶ صواعق محرقہ ص۱۲۵ وغیرہ)

جناب رسولؐ خدا فرماتے ہیں علم و حکمت کو دس حصوں پر تقسیم کیا گیا ہے جس میں سے ۹ حصے تو تنہا علیؑ کو دے دیئے گئے ہیں: "و ہو اعلم بالعشر الباقی" اور دسویں حصہ میں بھی وہ شریک غالب ہیں۔ (مطالب السئول ص۶۱ ج ینابیع المودہ ص۷۵ باب ۱۴) اسی وجہ سے جناب امیرؑ فرمایا کرتے تھے کہ میں قرآن کی ہر ہر آیت کے متعلق جانتا ہوں کہ وہ رات کی تاریکی میں اُتری ہے یا دن کے اُجالے میں پہاڑوں کی بلندیوں پر اُتری ہے یا زمین کی پستیوں پر، مکہ میں اُتری ہے یا مدینہ میں، سفر میں یا حضر میں محکم ہے یا متشابہ (صواعق محرقہ ص۱۲۶ تاریخ الخلفا ص۱۲۲ وغیرہ)

شیخین کی علمی حالت

دوسری طرف یہ عالم ہے کہ خلیفہ اول سے "فاکھة" و ابا" کے معنی پوچھے جاتے ہیں تو اپنی لاعلمی کا اظہار کرتے ہیں۔ (تفسیر اتقان ج ۲ ص۱۱۵) دادی آکر خلیفہ صاحب سے اپنے پوتے کی وراثت کا مسئلہ دریافت کرتی ہے۔ تو فرماتے ہیں اس

وقت واپس چلی جاؤ۔ تاکہ میں اس بارے میں لوگوں سے معلومات حاصل کرلوں (صواعق محرقہ ص۲۲ ازالۃ الخفاء وغیرہ)
دوسری طرف وہ باب مدینۂ علم نبیؐ ہیں جو بانگ دہل ارشاد فرما رہے ہیں۔ "سلونی سلونی قبل ان تفقدونی" جو چاہو مجھ
سے پوچھو قبل اس کے کہ مجھے نہ پاؤ" (کنز العمال ج۶) جناب رسول خدا فرماتے ہیں "علم و حکمت کو دس حصوں پر تقسیم کیا گیا ہے
جن میں سے نو حصے تو صرف علیؑ کو دیئے گئے ہیں "وھو اعلمہم بالعشر الباقی" اور وہ
دسویں حصہ میں بھی شریک غالب ہیں۔ (مطالب السئول ج۱ ص۶۱ ینابیع المودہ باب ۱۴ ص۵۵) اسی بنا پر جناب امیر علیہ السلام
فرمایا کرتے تھے کہ میں قرآن کی ہر ہر آیت کے متعلق جانتا ہوں کہ وہ رات کی تاریکی میں اتری ہے۔ یا دن کے اجالے میں
پہاڑوں کی بلندیوں پر اتری ہے یا زمین کی پستیوں پر۔ مکہ میں اتری ہے یا مدینہ میں۔ سفر میں نازل ہوئی ہے یا حضر
میں محکم ہے یا متشابہ، ناسخ ہے یا منسوخ اور عام ہے یا خاص ہے۔ دوسرے صاحب علمی ٹھوکریں کھاتے ہیں اور جب
جناب امیر المومنینؑ راہنمائی فرماتے ہیں تو صاف لفظوں میں اقرار کرتے ہیں۔ "لولا علی لھلک
عمر" (شرح مواقف ص۴۴۳ طبع نولکشور) خلیفہ صاحب کی تمام زندگی ختم ہو جاتی ہے مگر کلالہ والا مسئلہ سمجھ میں نہیں آتا
تفسیر در منثور ج۲ ص۲۴۹) بلکہ علمی بے بضاعتی کا یہ عالم ہے کہ مسئلہ "مغالات در مہور" کے سلسلہ میں ایک
بوڑھی عورت ان کو بر سر منبر ٹوکتی ہے اور ایسا قرآنی مضبوط استدلال پیش کرتی ہے کہ خلافت مآب لاجواب ہو کر
اپنی تہی دامنی کا بایں الفاظ اعتراف کرتے ہیں: "کل الناس افقہ من عمر حتی المخدرات" "تمام لوگ حتی کہ بوڑھی عورتیں
بھی عمر سے زیادہ عالم و فقیہ ہیں۔ ازالۃ الخفاء ج۱ ص۱۵۰ ۲۲۴ تفسیر کشاف ج۱ ص۲۵۴ کنز العمال ج۸ ص۲۹۸
فتوحات اسلامیہ لزینی دحلان ج۲ ص۴۷۷ وغیرہ)

شجاعت علویہ کا تذکرہ

حضرت امیر خیبر گیر کی شجاعت کا یہ عالم ہے کہ ہاتف غیبی:۔
لا فتیٰ الا علی۔ لا سیف الا ذوالفقار۔ پکار رہے ہیں۔ (الریاض النضرہ ص۱۹۰
ذخائر العقبیٰ ص۴۴، معارج النبوۃ رکن ۴ ص۱۰۰ مدارج النبوۃ ج۲ ص۱۶۸ وغیرہ) اخبار و آثار سے واضح و آشکار
ہوتا ہے کہ وہ ہاتف غیبی جناب جبرئیل تھے۔ جیسا کہ جناب حسان بن ثابت کے اشعار سے بھی ظاہر
ہوتا ہے۔

جبریل نادی معلنا والنقع لیس ینجلی

والمسلمون قد احدقوا حول النبی المرسل

لا سیف الا ذوالفقار!

ولا فتی الا علی[۳]

(مناقب خوارزمی ص۱۰۶ کفایۃ الطالب ص۱۵۴ تذکرہ سبط ابن الجوزی ص۱۵)

---

۱) صواعق محرقہ ص۱۲۶ تاریخ الخلفاء ص۱۲۶ ۲) ج۷ ص۲۲۶ ۳) صواعق محرقہ ص۱۲۵

پیغمبر اسلام حضرت امیر علیہ السلام کو کرار غیر فرار کا جلیل القدر لقب عطا فرما کر ان کی جوانمردی و بہادری پر مہر ثبت کر چکے ہیں (استیعاب ج ۲ ص ۴۳ خصائص نسائی ص ۵ وغیرہ لاعطین الرایۃ غداً رجلاً کراراً غیر فرار یحب اللہ ورسولہ ویحبہ اللہ ورسولہ لا یرجع حتی یفتح اللہ علی یدیہ۔)

شیخین کی بہادری

دوسری طرف بہادری اور جاں نثاری اور رسولِ اسلام سے وفاداری کا یہ عالم ہے کہ آنحضرت کو نرغۂ اعداء میں گھرا ہوا چھوڑ کر اپنی جان بچانے کی خاطر پہاڑوں کی چوٹیوں کا سہارا لیا جا رہا ہے۔ قرآن نے اس واقعہ کی اس طرح تصویر کشی کی ہے۔ "اذ تصعدون ولا تلوون علی احد والرسول یدعوکم فی اخراکم" یاد کرو جب پکار رہا تھا۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۲/۲۲) اس پر طرہ یہ کہ جب تین دن کے بعد واپس لوٹے تو فخریہ انداز میں فرماتے تھے کہ میں سب سے پہلے واپس آنے والا تھا۔ (سیرت حلبیہ ج ۲ ص ۲۲۵) جنگ خیبر میں جب بے نیل مرام واپس آتے ہیں تو فوج انکو بزدل کہتی ہے۔ اور وہ فوج کو بزدل قرار دیتے ہیں (تاریخ طبری)

خلاصۂ کلام

یہ ہے کہ صفاتِ کمالیہ کے پورے دفتر کا مطالعہ کر جائیے دیکھئے گا کہ جہاں ہر صفتِ کمال جناب امیرؑ کی ذاتِ گرامی میں پائی جاتی ہے۔ وہاں اس کی ضد (صفت رذیلہ) شیخین میں موجود ہے۔ مبارک باشد۔

ایں سعادت بزور بازو نیست!!

وبھم عرفنا فضلہ — وبضدھا تتبین الاشیاء

یہ ہے اس موازنہ کا ایک شمہ جو بطور مثال پیش کیا گیا ہے۔ ان حالات میں ہم تمام عقلائے روزگار سے دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ وہ لمحات فرصت میں ذرا سوچ بچار کر کے ہمیں بتلائیں کہ کس قاعدہ و قانون کی رو سے حضرات شیخین کو یعسوب الدین سید المرسلین وسر اللہ فی العالمین حضرت امیر المومنین صلوات اللہ علیہ وآلہ اجمعین پر تفضیل دیتے ہیں!! یہ ایک ایسا مشکل مرحلہ ہے۔ جس سے تا قیام قیامت کوئی اہل سنت عہدہ برآ ہوتا نظر نہیں آتا۔

دیدۂ بینا رکھنے والوں کے لئے سامانِ عبرت

اور بھلا آج کل کے مدعیانِ علم و فضل اس سے کیا عہدہ برآ ہو سکیں گے۔ جب کہ ان کے علامہ تفتازانی ایسے محقق و مدقق عالم اس امر میں نہایت تہی دست اور حیران و سرگرداں نظر آتے ہیں۔ شرح عقائد نسفی میں ہاتھ پیر تو بہت مارے ہیں لیکن جب کچھ بن نہیں پڑا تو بموجب "ڈوبتے کو تنکے کا سہارا" آخر کار اپنے سلف صالحین کے اجماع و اتفاق سے مدد لیتے ہوئے اپنی گلو خلاصی کرائی ہے چنانچہ اس کتاب کے ص ۱۱۳ طبع استنبول پر لکھتے ہیں "والظاہر ان لم یکن لھم دلیل علی ذالک لما حکموا بذالک" ظاہر یہی ہے کہ اگر ہمارے سلف کے پاس کوئی دلیل

نہ ہوتی تو وہ اس افضلیت ابوبکر و عمر پر علی کا حکم نہ لگاتے ۔ سچ ہے کہ "حب الشئی یعمی و یصم" ان حضرات کو فرطِ محبت ثلاثہ کی وجہ سے یہ بھی نہیں سوجھتا کہ شیعہ خیر البریہ کے سامنے افضلیت شیخین ثابت کرنے کے لئے سنی حضرات ہی کے اتفاق و اجماع کا پیش کرنا بوجہ "مصادرہ" ہونے کے بالکل باطل ہے۔ کیونکہ جو حسن ظنی ان حضرات کو اپنے گذشتگان کے ساتھ ہے وہ شیعہ حضرات کو تو نہیں ہو سکتا وہ اس سے بھی اسی طرح دلیل و برہان کا مطالبہ کریں گے۔ جس طرح کہ ان حضرات سے کرتے ہیں یہ حضرات اجماع کے کچھ ایسے دلدادہ ہو گئے کہ جب ہر چہار طرف سے ناامیدی کی گھٹائیں ان پر چھا جاتی ہیں تو اس اجماع ہی کو اپنا ملجاو ماوا قرار دیتے ہیں۔ بلا تشبیہ ان حضرات کا طرزِ استدلال ایسا ہی ہے جیسے آج کل کسی مرزائی سے یہ پوچھا جائے کہ تمہارے پاس مرزا کی نبوت کی صداقت کی کیا دلیل ہے ؟ اور وہ جواب دے کہ میرے پاس تو کوئی معقول دلیل نہیں ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اگر ہمارے اسلاف کے پاس جو آج سے پچاس ساٹھ برس پہلے اس کو نبی مان چکے ہیں اس کی صداقت پر کوئی دلیل نہ ہوتی تو ہرگز اس کا اجماع نہ کرتے"۔ ناظرین کرام ! انصاف سے فرمائیں کہ ایسے شخص کی عقل و دانش پر گریہ کیا جائے گا یا نہیں ؟ واقعاً جس شخص کی بے بضاعتی و کم مائگی کا یہ عالم ہو کہ دعویٰ اور دلیل میں فرق بھی نہ کر سکے تو ضرور اس کے حالِ خسران مآل پر گریہ و بکا کرنا چاہیئے۔

؎ بدیں عقل و دانش بباید گریست

مدعی سست گواہ چست

علاوہ بریں لطف یہ ہے کہ خود حضرات اہل سنت اس مسئلہ میں مدعی سست اور گواہ چست کے مصداق ہیں۔ قاعدہ ہے کہ کسی شخص کی تصدیق یا تکذیب اس وقت کی جاتی ہے جب وہ کسی چیز کا دعویٰ کرے اگر وہ کوئی دعویٰ ہی نہ کرے تو اس کی تصدیق یا تکذیب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ برادرانِ اسلامی کا یہ فرضِ اولین تھا کہ پہلے خود حضرات شیخین کا ادعائے افضلیت ثابت کرتے اور پھر ان کی تصدیق یا تکذیب کی بحث کرتے لیکن وہ ان کے دعویٰ کو تو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اور افضل الناس بعد النبی فلاں و فلاں کی گردان کئے جاتے ہیں۔ اسے کہتے ہیں۔ ؎ پیراں نمی پرند مریداں می پرانند۔

ہم نے تو جہاں تک جستجو کی ہے ہماری نظر سے تو کسی قابل اعتبار کتاب میں شیخین کا دعوئے افضلیت نہیں گزرا برخلاف اس کے ان کا ایسا کلام ضرور ملتا ہے جس سے ان کی مفضولیت ظاہر ہوتی ہے۔ حضرت ابوبکر کا وہ مشہور خطبہ جو انہوں نے قمیص خلافت زیب تن کرنے کے بعد پہلے پہل پڑھا اس میں مندرجہ ذیل فقرات خاص طور پر قابل توجہ ہیں۔ کہتے ہیں۔

"اقیلونی فلست بخیرکم ان لی شیطانا یعترینی فاذا زغت فسددونی" اے لوگو! مجھے چھوڑ دو! میں تم سے بہتر نہیں ہوں کیونکہ میرے اوپر بعض اوقات شیطان مسلط ہو جاتا ہے۔ لہٰذا جب یہ دیکھو کہ میں راہ راست سے بھٹک گیا ہوں تو مجھے راہ راست پر لگا دینا"۔ (صواعق محرقہ ص۸ طبع جدید و امامت و سیاست)

ص ۱۶/۳ تاریخ کامل ج ۲ ص ۱۲۹ کنز العمال ج ۳ ص ۱۳۰) اور بعض کتب میں یہ الفاظ موجود ہیں "اقیلونی فلست بخیرکم وعلی فیکم" اے لوگو! مجھے چھوڑ دو میں تم سے افضل نہیں ہوں۔ حالانکہ تمہارے درمیان علی موجود ہیں (یعنی حضرت علی مجھ سے افضل ہیں لہٰذا ان کی موجودگی میں تم مجھے کیوں خلیفہ مقرر کرتے ہو۔) (شرح نہج البلاغہ حدیدی ج ۲ ص ۱۲۹ و تذکرہ خواص الامہ سبط ابن جوزی ص ۳۶) اسی طرح حضرت خلیفہ ثانی کا مسائل مشکلہ میں بارہا حلالِ مشکلات کی طرف رجوع کرنا اور بار بار "لولا علی لہلک عمر" کہنا بھی صریحاً اپنی مفضولیت اور آنجناب کی افضلیت کا اقرار کرنے کے مترادف ہے۔ (استیعاب ابن عبدالبر ص ۲۷۴ نور الابصار ص ۷۱/۷۲ مطالب السئول ج ۱ ص ۲۹ وغیرہ) خلیفہ صاحبان کے دعویٰ اور خلیفہ نوازوں کے دعویٰ میں جو نمایاں فرق ہے وہ کسی شخص پر مخفی و مستور نہیں۔ یہ ہمارے برادرانِ اسلام ہی کی کرشمہ سازیاں ہیں۔ کہ

ع خرد کا نام جنون رکھ دیا اور جنوں کا خرد

ہم اس مقام پر بپاس ادب و بپاس خاطر یہی عرض کر سکتے ہیں کہ:۔

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

بہر حال اب دونوں دعوے ناظرین کے پیش نظر ہیں جس کو چاہیں اختیار کر لیں۔ لیکن یہ یاد رہے کہ اگر خلیفہ صاحب کو اپنے دعویٰ میں سچا تسلیم کیا گیا تو ان کے ہوا خواہوں کی تکذیب لازمی ہے۔ اور اگر مریدوں کے دعویٰ کو صحیح مانا گیا تو خود پیر صاحبان کی تکذیب ضروری ہے (لان النقیضین لا یجتمعان) بہر حال مسلمانوں کی بدذوقی دیکھ کر مجبوراً یہ کہنا پڑتا ہے۔

ع تو بتاریکی علی را دیدۂ زیں سبب غیرے برو بگزیدۂ

اے مسلمانو! خدارا اپنے حال پر رحم کرو اور خدا اور رسول کے مقابلہ میں اپنی دو کا نداری چھوڑ دو۔ جب کہ عقل سلیم، قرآن کریم، احادیث سید المرسلینؐ اور اقوال صحابہ و تابعین کی روشنی میں حضرت امیر المومنینؑ کی افضلیت ثابت ہو گئی تو تم اس کے قبول کرنے میں کیوں پس و پیش کرتے ہو آؤ ہم تم گلے لگ جائیں۔ اور حضرت امیر علیہ السلام کی افضلیت کا جشنِ مسرت منائیں اگر اس سے گھبراتے ہو کہ یہ مسئلہ ہمارے مختصات میں سے ہے تو یہ تمہارا خیال غلط ہے۔ کیونکہ بقولِ خود تمہارے محققین علماء کے صحابہ و تابعین کی ایک بڑی جماعت آنجناب کی افضلیت کی قائل تھی۔

چنانچہ علامہ وحید الزمان انوار اللغت پ ۲۳ ص ۴۲ پر رقمطراز ہیں "ایک جماعت صحابہ اور تابعین سے ابن عبدالبر نے نقل کیا ہے کہ وہ حضرت علیؑ کو تمام صحابہ سے افضل جانتے تھے۔ اس لئے اگر کوئی حضرت امیرؑ کو ان سے افضل

سمجھے تو اس پر کوئی طعن نہیں ہو سکتا نہ اس کو بدعتی ہی کہہ سکتے ہیں۔ جیسے بعض متعصب سنیوں نے قرار دیا ہے کہ وہ تفضیلیہ کو بدعتی کہتے ہیں۔ ان حقائق کو دیکھنے کے بعد یہ حقیقت بالکل بے غبار ہو جاتی ہے کہ

بعد از مصطفیٰ در کل عالم ۔۔۔ نہ بد فاضل تر و بہتر ز حیدرؑ

قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی ۔۔۔ اتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ

حضرت امیر المومنین بنی ہاشم کے چشم و چراغ ہیں

منجملہ شرائط امام کے ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ خاندانی اعتبار سے بنی ہاشم میں سے ہو جیسا کہ دوسرے باب میں اس پر تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ حضرت امیر المومنین کا بنی ہاشم سے بلکہ سردار بنی ہاشم ہونا۔

ع آنجا کہ عیاں است چہ حاجت بیان است

کا مصداق ہے کسی دلیل کا محتاج نہیں۔ آپ والد اور والدہ ہر دو کی طرف سے ہاشمی ہیں آپ کا سلسلہ نسب یوں ہے علی بن ابیطالب بن عبدالمطلب بن ہاشم۔ علی بن فاطمہ بنت اسد بن ہاشم ۔

شرف تتابع کابر عن کابر

کالرمح انبوبا علی انبوب

حضرت امیر المومنینؑ منصوص من اللہ والرسول ہیں

منجملہ شرائط امامت کے ایک اہم شرط یہ بھی ہے کہ خلیفہ و امام کا انتخاب خدا کرتا ہے اور اعلان رسول! ہم عنقریب دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ سے جو آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے ماخوذ و مستنبط ہیں۔ محقق و مبرہن کریں گے کہ حضرت امیر المومنین منصوص من اللہ والرسول ہیں جس کے بعد کسی صاحب عقل و انصاف کو ہرگز کسی قسم کی چون چرا اور پس و پیش کی گنجائش نہیں رہے گی۔ انشاء اللہ العزیز۔

حضرت امیر المومنین اپنی خلافت و امامت کے مدعی ہیں

چونکہ ہم عقلی دلیل سے جناب امیر علیہ السلام کی امامت کو ثابت کر رہے ہیں۔ اسی لئے ہم نے صدر مسئلہ میں یہ بیان کیا تھا کہ جس شخص میں امامت کے تمام لازمی صفات موجود ہوں۔ اس کے بعد وہ شخص دعوائے امامت بھی کرے اور اپنے دعوے کے ثبوت میں معجزہ بھی پیش کر دے تو عقل سلیم اس کی حقیقت امامت میں ہرگز شک و شبہ نہیں کرتی اور اس کی تصدیق و تائید کو اپنا فرض اولین سمجھتی ہے۔ اور ہم نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ حضرت امیر

علیہ السلام اس معیار پر کامل العیار اترتے ہیں۔

اب تک اس باب میں ہم نے قرآن وحدیث کی روشنی میں جو کچھ لکھا ہے اس سے بفضلہ تعالیٰ یہ بات روز روشن کی طرح آشکار ہو گئی ہے کہ حضرت امیر المومنین کی ذات والا صفت میں تمام وہ صفات جلیلہ جو ایک امام کے لئے ضروری ہیں۔ بوجہ اتم وکمل پائی جاتی ہیں۔ اب فقط دو مرحلے باقی ہیں۔

ایک یہ کہ آنجناب نے دعوائے امامت کیا؟

دوسرے یہ کہ اگر دعویٰ کیا تو اپنے دعویٰ کے ثبوت میں کوئی معجزہ بھی پیش کیا!

پہلے مرحلے کے متعلق گزارش ہے کہ اگرچہ بعض بے خبر و بے بصیرت حضرات یہ کہا کرتے ہیں۔ کہ حضرت امیر المومنینؑ نے خلفائے ثلاثہ کے عہد میں اپنی خلافت و امامت کا کبھی ادعا نہیں فرمایا تھا۔ لیکن ارباب اطلاع پر مخفی نہیں ہے کہ ان حضرات کا کہنا ان کی جہالت یا تجاہل پر مبنی ہے۔ جس سے وہ بے چارے سادہ لوح مسلمانوں کی آنکھوں میں دھول ڈال کر ان کو جہالت وضلالت کی تاریک وادیوں میں سرگرداں وحیران باقی رکھنا چاہتے ہیں کیونکہ ان رہزنان دین مبین کی دنیوی خیرسگالی اسی میں مضمر ہے۔ ورنہ کتب فریقین آنجناب کے دعوائے امامت وخلافت کے ذکر سے مملو ہیں آنجناب کے دعوائے خلافت کی تفصیل تو ہم بعد میں نصوص قرآنیہ ونبویہ سے آنجناب کی امامت و خلافت بلافصل ثابت کرنے کے بعد اس پر وارد شدہ شبہات کی رد کے ضمن میں بیان کریں گے یہاں فقط چند کتابوں کے حوالہ پر اکتفا کی جاتی ہے۔ جن میں آنجناب کا خلافت اولیٰ وثانیہ اور ثالثہ کے دور میں اپنی خلافت بلافصل و امامت حقہ کا دعویٰ کرنا مذکور ہے۔ اس امر کے لئے کتب ذیل ملاحظہ ہوں۔

(۱) کتاب الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ دینوری طبع مصر صـ۱۱ (۲) صحیح مسلم ج ۲ صـ ۹۱ (۳) صحیح بخاری ج ۳ صـ ۳۵ (۴) تاریخ طبری طبع مصر طبع اوّل ج ۲ صـ ۲۰۲ (۵) استیعاب ابن عبدالبر مطبوعہ بر حاشیہ اصابہ طبع مصر ج ۱ صـ ۵۰۲۔ حرف الراء ذیل ترجمہ رفاعہ بن رافع" وغیرہا)

حضرت امیر المومنین صاحب معجزات ہیں

دوسرے مرحلہ کے متعلق واضح ہو کہ حضرت امیر علیہ السلام کا صاحب معجزات باہرات ہونا ایک ایسی کھلی حقیقت ہے۔ کہ جس کا کوئی باانصاف وبااطلاع مسلمان انکار کرنے کی جرأت وجسارت نہیں کر سکتا۔ قبل اس کے کہ ہم یہاں آنجناب کے دو چار معجزات بیان کریں۔

یہاں معجزہ کی تعریف بیان کر دینا مناسب ہے۔ معجزہ کی تعریف علمائے متکلمین نے یہ کی ہے۔ "ھو الامر الخارق للعادۃ المطابق للدعوی المقرون بالتحدی المتعذر علی الخلق الاتیان بمثلہ" یعنی خداوند عالم کا وہ خارق عادت فعل جس کا مثل لانے سے تمام لوگ عاجز ہوں۔ جسے وہ اپنے نبی و امام کی صداقت ظاہر کرنے کے لئے اس کے ہاتھوں پر ظاہر کرتا ہے۔ بشرطیکہ کہ وہ دعوائے نبوت و امامت کے ساتھ مقرون ہو۔ حضرت امیرالمومنین کے معجزات کی فہرست اس قدر طویل ہے جس کے لئے کئی دفتر درکار ہیں۔ ہمارے علمائے اعلام نے اس باب میں مبسوط کتابیں تالیف کی ہیں اور کسی حد تک ان کے یکجا کرنے میں کامیاب بھی ہوئے ہیں۔ لیکن آج تک کسی عالم نے یہ ادعا نہیں کیا کہ اس نے آپ کے تمام معجزات کا احصا کر دیا ہے بھلا کوئی شخص یہ ادعا کر ہی کیسے سکتا ہے۔ جب کہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا ہے۔ اگر تمام درخت قلمیں بن جائیں اور تمام سمندر سیاہی ہو جائیں اور تمام جن حساب کرنے اور تمام انسان لکھنے بیٹھ جائیں تو حضرت امیرالمومنین کے فضائل و کمالات اور معجزات باہرات کا احصاء نہیں کر سکتے۔ اس موضوع کے متعلق کتاب غایتہ المرام، کتاب مدینۃ المعاجز ہر دو تالیف سید جلیل و عالم نبیل سید ہاشم بحرانی قدس سرہ اور مناقب ابن آشوب علیہ الرحمہ خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ شائقین تفصیل ان کی طرف رجوع فرما کر اپنی پیاس بجھا سکتے ہیں۔ اس مختصر کتاب میں یہ گنجائش کہاں ہے کہ ان معجزات کا ہزارواں حصہ بھی اس میں ذکر کیا جائے۔ لہٰذا فقط تیمناً و تبرکاً حضرت امیرالمومنین کے چند نمایاں معجزات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

پہلا معجزہ ردّ الشمس

آنجناب کا یہ معجزہ آپ کے ان معجزات مشہورہ بلکہ متواترہ میں سے ہے۔ جس کے متعلق علمائے فریقین نے ضمنی طور پر ہی اسے اپنی کتب میں درج کرنے پر اکتفا نہیں کی بلکہ اس کے متعلق مستقل کتب تالیف فرمائی ہیں۔ شکر اللہ سعیہم الجمیل۔ جیسے کتاب "کشف اللبس عن حدیث ردّ الشمس" للسیوطی، "تصحیح ردّ الشمس و ترغیم النواصب الشمس" لابی القاسم الحسکانی وغیرہ۔ ہاں البتہ جن عناصر کو اس خاندان سے بغض و عناد ہے ان سے بعید نہیں کہ آنجناب کے اس معجزہ کا انکار کریں چنانچہ ابن جوزی نے اپنی کتاب موضوعات میں حدیث ردّ شمس کو درج کر کے اپنی منافقت و عداوت کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔ لیکن خدا بھلا کرے زینی دحلان مفتی مکہ کا کہ انہوں نے اپنی کتاب السیرۃ النبویہ ج ۲ ص ۲۰۱ طبع مصر پر حدیث معجزہ ردالشمس کو ثابت کرنے کے بعد ابن جوزی کی اس حرکت شنیعہ پر بایں الفاظ تبصرہ کیا ہے۔ "ولا عبرۃ بما خرج ابن الجوزی لھذا الحدیث فی الموضوعات فقد اطبق العلماء علی تساھلہ فی کتاب الموضوعات حتی ادرج کثیراً من الاحادیث الصحیحۃ"۔ یعنی ابن جوزی کے اس حدیث کو موضوعات میں شمار کرنے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ کیونکہ تمام علماء نے اتفاق کیا ہے کہ ابن جوزی نے کتاب موضوعات میں سہل انگیزی اور کوتاہی سے کام لیا ہے۔ حتی کہ اس نے

بہت سی صحیح السند احادیث کو بھی اس میں درج کر دیا ہے۔ اردو داں طبقہ اس موضوع کے متعلق رسالہ "کشف الامس عن معجزۂ رد الشمس" مؤلفہ مولانا خواجہ عابد حسین سہارنپوری مرحوم کی طرف رجوع کر کے اپنی تسلی و تشفی کر سکتے ہیں۔

دوسرا معجزہ قلع باب خیبر جس کو باختلاف روایات چالیس یا ستر نوے تنومند آدمی کھولتے اور بند کرتے تھے ابن ابی الحدید نے اپنے قصیدہ عینیہ میں آنجناب کے اس معجزہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے ؎

یا قالع الباب الذی عن ھزہ

عجزت اکف اربعون واربع !

اے اس دروازے کے اکھاڑنے والے جس کے حرکت دینے سے چوالیس آدمی عاجز تھے۔ خود حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرمایا کرتے تھے۔ ما قلعت باب خیبر بقوۃ جسمانیۃ بل بقوۃ ربانیۃ "میں نے باب خیبر کو قوت بشریہ سے نہیں بلکہ طاقت ربانیہ سے اکھاڑا ہے" (انوار نعمانیہ وغیرہ) ظاہر ہے کہ معجزہ اسی خارق عادت فعل کو کہا جاتا ہے جس کو خداوند عالم اپنی خاص قدرت سے اپنے کسی نبی یا وصی کے ذریعہ ظاہر فرماتا ہے۔ کما تقدم۔

تیسرا معجزہ اطلاع بر مغیبات منجملہ آپ کے معجزات کے بعض آنے والے واقعات کی باعلام اللہ والرسول خبر دینا اور پھر ان واقعات کا اسی طرح وقوع پذیر ہونا بھی ہے۔ جیسے اپنے قاتل کا نام و نشان بتلانا حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت عظمیٰ کا تذکرہ کرنا سلطنت بنی عباس اور بنی امیہ اور ان کی مدت سلطنت اور ان کے اہم واقعات کی پیشگوئی کرنا جیسا کتب فریقین میں مذکور ہے۔ اسی طرح جنگ نہروان میں خوارج کے متعلق آپ کا یہ فرمانا کہ مصارعھم دون النطفۃ واللہ لایفلت منھم عشرۃ ولا یھلک منکم عشرۃ (ان کی موت نہر کے اس طرف واقع ہو گی۔ بخدا ان میں سے دس آدمی نہیں بچیں گے اور تمہارے دس آدمی شہید نہیں ہوں گے۔) چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جنگ کے بعد شمار کرنے پر معلوم ہوا کہ خوارج کے صرف نو آدمی بچے ہیں۔ اور آپ کے آٹھ آدمی شہید ہوئے ہیں۔ جیسا کہ کتاب کامل للمبرد باب الخوارج ص ۲۸ طبع لاہور اور نہج البلاغۃ ج ۱ ص ۱۰۳ مع شرح مفتی محمد عبدہ طبع مصر پر مذکور ہے۔

چوتھا معجزہ فرات کے سیلاب کا روکنا ایک مرتبہ دریائے فرات میں عظیم سیلاب آیا اہل کوفہ آنجناب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اگر یہی کیفیت رہی تو ہم سب غرق ہو جائیں گے حضرت امیر علیہ السلام نے وضو کیا۔ نماز پڑھی اس کے بعد فرات کے پاس تشریف لے گئے پانی پر عصا مارا اور فرمایا بحکم خدا ٹھہر جا۔ فوراً پانی کا وہ جوش و خروش ختم ہو گیا اور سیلاب دور ہو گیا۔ (مطالب السئول ج ۱ ص ۱۲۵ طبع النجف)

پانچواں معجزہ آپکی بددعا سے بعض لوگوں کا مجذوم ہو جانا حضرت امیر علیہ السلام نے تیسری خلافت کے انعقاد کے وقت جب اپنی خلافت حقہ پر حدیث غدیر سے استدلال کیا تو کچھ لوگوں نے اس واقعہ کے گواہ طلب کئے حضرت نے انس بن مالک کا نام لیا۔ جو اس وقت وہیں موجود تھے۔ انس نے کہا یا علیؑ! میں بہت بوڑھا ہو گیا ہوں کچھ یاد نہیں رہتا اس لئے مجھے تو یہ واقعہ یاد نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا اگر تم جھوٹ کہہ رہے ہو تو تم کوڑھی ہو جاؤ۔ راویان اخبار کا بیان ہے۔ کہ اسی دن انس کوڑھ کی بیماری میں مبتلا ہو گئے بعد ازاں کپڑوں میں منہ چھپا کر باہر نکلا کرتے تھے۔ (حلیۃ الاولیاء از حافظ ابو نعیم اصفہانی وغیرہ)

بفضلہ تعالیٰ ان بیانات شافیہ و تحقیقات کافیہ سے دلیل عقلی کے تمام مقدمات محقق و مبرہن ہو گئے اور واضح ہو گیا کہ جناب امیرؑ میں وہ سب صفات بوجہ اتم و اکمل موجود تھے۔ جو ایک خلیفہ و امام میں ہونا ضروری ہیں اور یہ کہ آنجنابؑ نے ادعائے امامت و خلافت بھی کیا اور وقتاً فوقتاً معجزات بھی دکھلائے۔ اب ہرگز کوئی عقل سلیم و طبع قویم اس ذات والا صفات کی خلافت عقلی و امامت کبریٰ کے بلافصل و برحق ہونے میں ہرگز تامل و تردد نہیں کرتی بلکہ نہایت استقلال و استحکام کے ساتھ ان کی خلافت مطلقہ کی حقانیت کا حکم لگاتی ہے۔ اگر بفرض محال ہمارے پاس اس سلسلہ میں کوئی نص نہ بھی ہوتی تو عقل سلیم آنجنابؑ کی خلافت و امامت تسلیم کرنے پر مجبور ہوتی کیونکہ سطور بالا میں واضح کیا جا چکا ہے کہ یہ بزرگوار تمام صفات کمالیہ میں تمام خلق پر بالعموم اور مدعیان خلافت پر بالخصوص فوقیت رکھتے ہیں۔ یہ امر شرائط امامت میں اوپر ثابت کیا جا چکا ہے کہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی امارت و امامت کو عقل قبیح سمجھتی ہے۔ صاحب کتاب مسامرہ (در عقائد حنفیہ) طبع بولاق مصر نے صفحہ ۱۶۵ پر اسی بدیہی امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے "واذا وجدت الشروط فی جماعۃ فالاولیٰ افضلھم" یعنی "جب چند اشخاص میں شرائط امامت پائی جائیں، تو ان میں سے جو افضل ہو اس کو امام سمجھنا اولیٰ ہے"۔ لیکن جب صورت حال یہ ہو کہ ان مدعیان امامت میں سے بعض میں تو وہ صفات بطور اکمل پائے جاتے ہوں اور دوسروں میں ان کا بالکل ہی فقدان ہو تو اس صورت میں عقل سلیم کو صاحب صفات کو مستحق امامت و خلافت اور فاقد شرائط کو نااہل قرار دینے میں ہرگز کچھ تامل و تردد نہ ہو گا۔ ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ ہمارے محل نزاع میں بالکل یہی صورت حال پیش ہے جناب امیرؑ میں یہ شرائط بوجہ اتم و اکمل پائی جاتی ہیں اور ان کے مدمقابل افراد میں ان صفات جمیلہ اور شرائط جلیلہ کا بالکل فقدان ہے لہٰذا ان حالات میں حضرت امیرؑ کو ہی حقیقی خلیفہ و وصی رسول سمجھنا مقتضائے عقل سلیم و

تعیین خلیفہ کا مسئلہ عقل کی منصوص الامامۃ

فطرتِ مستقیم کہا جا سکتا ہے۔ یہ سب تقریب استدلال تو اس وقت تھی جب کہ اس مسئلہ کے متعلق کوئی نص موجود نہ ہوتی۔ بحمدہٖ ہم نے ثابت کر دیا کہ اس صورت میں بھی جناب امیرؑ کی امامت و خلافت کی حقانیت نہایت واضح و لائح ہے۔ چہ جائیکہ اس مسئلہ کے متعلق بیسیوں نصوص قرآنیہ و نبویہ موجود ہیں۔ ذیل میں اب ہم ادلۂ سمعیہ یعنی آیات قرآنیہ و احادیث نبویہ کا ایک شمہ بطور نمونہ پیش کرتے ہیں تاکہ عقل و نقل کے تطابق سے یہ مسئلہ اربابِ دانش و بینش کے لئے روزِ روشن سے بھی زیادہ واضح و آشکار ہو جائے۔ لیھلک من ھلک عن بینۃ و یحیی من حی عن بینۃ۔

وجہ سوم

عقلِ سلیم شاہد ہے کہ خلافت اتصاف باوصاف، تخلق باخلاق، تادب بآداب اور توارث صفات کا نام ہے اور خلیفہ اپنے مستخلف کا آئینہ ہوتا ہے جس میں مستخلف کے تمام صفات کا عکس نظر آتا ہے بنابریں نبیؐ کا جانشین وہی ہوگا۔ جو جملہ صفات و کمالاتِ نبوی کا نمونہ و آئینہ ہوگا۔ جس میں پیغمبر کی ہر فضیلت کا عکس نظر آئے اور جس کا چہرہ پیغمبر کے جمال و کمال کا مظہر ہو۔ وہ عقل و فہم، علم و حلم، قدرت و عزم، شجاعت و سخاوت، حسب و نسب و تحمل و تجمل، صبر و استقلال۔ رضا و اطمینان، لطف و کرم، رافت و رحمت اور عصمت و طہارت میں مثلِ پیغمبر ہو۔ اگر نبی صاحب آیات بینات ہو تو یہ بھی صاحب معجزات و کرامات ہو۔ اگر اس کا علم موہبتی ہے تو اس کا علم بھی لدنی ہو۔ اگر وہ مدینۃ العلم ہو تو یہ باب العلم۔ اگر وہ صاحبِ خلق عظیم ہے تو یہ بھی خلق مجسم۔ اگر وہ شجاع ہے تو یہ بھی شیر بیشۂ ہیجا۔ اگر وہ نورِ کبریا ہے تو یہ شمع ہدیٰ۔ اگر وہ آفتاب ہدایت و ارشاد ہے تو یہ بھی ماہتابِ صداقت و سداد۔ اگر وہ روح عالم ہے تو یہ بھی نفسِ ناطقہ بنی آدم۔ اگر وہ عالی الحسب والنسب ہے تو یہ بھی فخر قبائل عجم و عرب۔ اگر وہ اول المسلمین ہے تو یہ اول المومنین۔ اگر وہ سید المرسلین ہے۔ تو یہ سید الوصیین اگر وہ سید الانبیاء ہے تو یہ سید الاوصیاء۔ اگر وہ صادق و امین ہے تو یہ لسان صدق فی الآخرین، اگر وہ افضل المعصومین ہے تو یہ ابو الائمہ الطاہرینؑ اگر وہ حامیٔ روزِ محشر ہے۔ تو یہ ساقی حوضِ کوثر۔ اگر وہ صاحبِ مقام محمود ہے تو یہ حامل لوائے حمد یوم المشہود۔ اب چشمِ بصیرت رکھنے والے انسان کے لئے یہ معلوم کرنے میں ذرا بھی دقت نہیں ہو سکتی۔ کہ پیغمبر خاتم النبیین کا بلافصل خلیفہ و جانشین سوائے سید الموحدین سر اللہ فی العالمین امیر المومنین حضرت علی ابن ابیطالب علیہ افضل التحیۃ والتسلیم اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہی بزرگوار جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صفات جمیلہ و کمالاتِ جلیلہ کے آئینہ بردار نظر آتے ہیں۔ ذیل میں اس امر کی قدرے توضیح کی جاتی ہے

صفاتِ علویؑ و خلافتِ نبوی

یہ حقیقت ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ سوائے مرتبہ نبوت اور اس کے خصائص کے دیگر تمام صفات و کمالات

میں علیؑ برابر کے شریک نبی نظر آتے ہیں۔ ذیل میں اس کی چند جھلکیاں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) نبی نورِ خدا ہیں تو علیؑ بھی نورِ خدا ہیں

قد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین تمہارے پاس خدا کی طرف سے ایک نور اور کتاب مبین آئی ہے۔ جناب رسولِ خدا فرماتے ہیں انا وعلی من نورٍ واحد۔ میں اور علیؑ ایک ہی نور کے دو ٹکڑے ہیں۔ ایک اصل کے دو تنے اور ایک صدف کے دو موتی ہیں۔

(۳) نبی اول المسلمین ہیں

قال اللہ سبحانہ۔ قل انی امرت ان اکون اول من اسلم (س الف، پ ، ع ۲) کہہ دو اے پیغمبر! میں مامور ہوں کہ اول المسلمین ہوں۔ وانا اول المسلمین۔

(۴) علیؑ اول المومنین ہیں

پیغمبر اسلام فرماتے ہیں۔ یاعلی انت اول من آمن بی وانت اول من یصافحنی یوم القیامۃ الخ۔ اے علیؑ! تو ہی وہ شخص ہے جس نے سب سے پہلے مجھ پر ایمان لایا، اور تو ہی سب سے پہلے روز قیامت مجھ سے مصافحہ کرے گا۔ نیز فرمایا انت اول من امن بی وصدقنی۔ تو ہی پہلا شخص ہے جو مجھ پر ایمان لایا اور میری تصدیق کی (فرائد السمطین حموینی، ینابیع المودۃ۔ ارجح المطالب وغیرہ)

(۵) نبی خیر الانام ہیں

اس بات پر تمام اہلِ اسلام کا اتفاق ہے کہ پیغمبرِ اسلام نہ صرف یہ کہ خیرالانام ہیں بلکہ افضل مخلوقات واشرف مکونات ہیں۔ اور سے

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

کے مصداق جو ہر لحاظ سے آپ کی ہمسری کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے۔

(۶) علیؑ خیر البریہ ہیں

قال اللہ سبحانہ ان الذین آمنوا وعملوا الصلحت اولئک ھم خیر البریۃ (س بینہ) بے شک جو لوگ ایمان لائے اور تمام نیک اعمال کئے وہی بہترین مخلوقات ہیں۔ پیغمبرِ اسلام فرماتے ہیں یا علی انت و شیعتک خیر البریۃ اے علیؑ! تم اور تمہارے شیعہ خیر البریہ ہیں۔ (صواعق محرقہ ص ۱۵۹ طبع مصر جدید) اس وقت سے صحابۂ رسول کی یہ عادت تھی کہ جب حضرت علیؑ آتے سب کہتے "قد جاء خیر البریۃ" بہترین مخلوق آیا۔ (تفسیر در منثور ج ۶ ص ۳۷۹ طبع مصر) نیز آنحضرتؐ فرماتے ہیں۔ علی خیر البشر من ابی فقد کفر۔ علیؑ خیر البشر

سلہ جناب رسولِ خداؐ اور آئمہ ہدیٰ کن معنوں میں نور ہیں۔ اس کی حقیقت سمجھنے کے لئے ہماری کتاب اصول الشریعہ کی طرف رجوع کیا جائے منہ عفی عنہ۔

ہے جس نے انکار کیا۔ وہ کافر ہے۔ (ینابیع المودۃ صـ۲۰۲ طبع بمبئی کنز العمال ج ۶ صـ۱۵۹ طبع حیدر آباد)

۷۔ نبیؐ مدینۃ العلم ہیں تو علیؑ باب العلم

قال رسول اللہ علیہ و آلہٖ وسلم انا مدینۃ العلم و علی بابھا من اراد المدینۃ فلیأت من بابھا۔ میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے۔ جو شخص شہر علم میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ وہ دروازے سے آئے۔ نیز فرمایا۔ انا دار الحکمۃ و علیؑ بابھا من اراد الحکمۃ فلیأت من بابھا۔ میں خانۂ حکمت ہوں، اور علیؑ اس کا دروازہ ہے پس جو شخص چاہتا ہے کہ حکمت حاصل کرے وہ دروازے آئے اور علیؑ سے لے۔ (حدیث نبوی متفق علیہ)

۸۔ نبیؐ رسول مبین ہیں تو علیؑ امام مبین

نبیؐ کا رسول مبین ہونا تو عیاں راچہ بیان کا مصداق ہے حضرت امیرؑ کے متعلق ارشاد رب العباد ہے۔ و کل شئی احصیناہ فی امام مبین۔ ہر ایک شئی کو ہم نے امام مبین میں انحصار کر دیا ہے۔

۹۔ نبیؐ رؤف و رحیم ہیں تو علیؑ رحیم

خدا نے اپنے رسولؐ کو رؤف و رحیم فرمایا ہے۔ حریص علیکم و بالمؤمنین رؤف رحیم۔ تو علیؑ کو بھی اس صفت سے متصف فرمایا ہے۔ محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینہم محمدؐ پیغمبر خدا ہیں۔ اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ہیں وہ کفار کے لئے سخت ہیں اور آپس میں ایک دوسرے پر رحیم و مہربان ہیں۔

۱۰۔ نبیؐ صاحب فرقان ہیں

"قال سبحانہ تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا"۔ وہ ذات بزرگ و برتر ہے جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے تمام عوالم پر نذیر ہو۔

۱۱۔ علیؑ فاروق امت ہیں

روی ابوذرؓ عن رسول اللہ انہ قال یا علی انت الصدیق الاکبر و انت الفاروق الذی یفرق بین الحق والباطل و انت یعسوب المؤمنین۔ اے علیؑ! تو صدیق اکبر ہے اور تو فاروق امت ہے جو حق و باطل میں تفریق کرے گا۔ اور تو ہی بادشاہ مومنین ہے۔ (ینابیع المودۃ صـ۱۲۹ باب ۴۳ طبع اسلامبول استیعاب ابن عبد البر ج ۲ صـ۲۷۹ الریاض النضرۃ ج ۲ صـ۱۵۵ باب ۴ فصل ۳ وغیرہ) خود امیر المومنین فرمایا کرتے تھے۔ انا الصدیق الاکبر وانا الفاروق الاعظم صلیت قبل صلوتہم (ینابیع المودۃ صـ۱۵۱ باب ۵۱ مستدرک حاکم ج ۳ صـ۱۱۲)

۱۲۔ نبیؐ ولی خدا ہیں تو علیؑ بھی ولی خدا

خدا نے جہاں اپنے نبی کو ولی قرار دیا ہے وہاں وصی کو بھی ولی فرمایا ہے۔ فقال عزوجل انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلوۃ ویؤتون الزکوۃ وھم راکعون۔ سوائے اس کے نہیں کہ تمہارا ولی خدا ہے۔ اور اس کا رسول، اور وہ اہلِ ایمان جو نماز کو قائم کرتے ہیں اور حالتِ رکوع میں زکوۃ دیتے ہیں: باتفاق مفسرین اس سے مراد علی بن ابی طالب ہیں۔ اور باتفاق اہلِ اسلام علی ولی اللہ ہیں۔

۱۳۔ نبیؐ مبعوث بحق ہیں

قال اللہ تبارک وتعالیٰ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون (سورہ توبہ) وہی خداوند عالم ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ تاکہ اس کو تمام ادیان پر غلبہ عطا فرمائے۔ اگرچہ مشرکین کو ناگوار گزرے۔ نیز ارشاد فرماتا ہے "انا ارسلنک بالحق" ہم نے تجھ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔

۱۴۔ علیؑ مع الحق ہیں

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی مع الحق و الحق مع علی لا یفترقان: علیؑ حق کے ساتھ ہے اور حق علیؑ کے ساتھ یہ دونوں جُدا نہ ہوں گے (منصبِ امامت مترجم اردو ص۸۴ ینابیع المودۃ ص) نیز فرمایا۔ علی مع القرآن والقرآن مع علی لا یفترقان حتی یردا علی الحوض: علیؑ قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علیؑ کے ساتھ یہ دونوں جُدا نہ ہوں گے۔ تا اینکہ حوضِ کوثر پر میرے پاس نہ پہنچ جائیں (منصبِ امامت ص۸۴)

۱۵۔ نبیؐ صاحب شق القمر ہیں تو علیؑ صاحب رجعۃ الشمس

اگر خدا نے اپنے پیغمبر الزمان کے لئے شق القمر کا معجزہ ظاہر فرمایا۔ تو وصی کے لئے ڈوبے ہوئے سورج کو پلٹایا۔ (السیرۃ النبویۃ لزینی دحلان ج ۲ ص۲۸۵ وغیرہ)

۱۶۔ نبیؐ صراطِ مستقیم پر ہیں تو علیؑ صراطِ مستقیم

ردت الشمس لہ ثم دنت من افق ولئن صبت بما داکدۃ لم تغب

خداوند عالم نے اپنے رسولؐ کو صراط مستقیم پر قرار دیا ہے: یٰسین۔ والقرآن الحکیم انک لمن المرسلین علی صراط مستقیم۔ تو اپنے ولی کو بھی صراط مستقیم پر بلکہ نفسِ صراط مستقیم قرار دیا ہے۔ فرمایا "ھذا صراط علی مستقیم: فتدبر۔

۱۷۔ نبیؐ مطاعِ خلق ہیں تو علیؑ بھی مطاعِ خلق

اگر خداوند عالم نے اپنے رسولؐ کی اطاعت تمام مخلوق پر فرض کی ہے تو وصی کی اطاعت بھی واجب قرار دی ہے فقال سبحانہٗ و تعالیٰ "یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم۔ اے ایمان والو! اطاعت کرو خدا کی۔ اور اطاعت کرو اس کے رسول کی اور ان کے بعد جو ولی امور ہیں۔

۱۸۔ نبیؐ صاحبِ مقام محمود ہیں

قال اللہ سبحانہٗ عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً قریب ہے کہ خدا تجھ کو مقامِ محمود پر پہنچائے۔ اکثر مفسرین کی تحقیق یہ ہے کہ مقامِ محمود مقامِ شفاعت کبریٰ ہے۔ ولا یملکون الشفاعۃ الا من اتخذ عند الرحمٰن عھداً۔

۱۹۔ علیؑ حامل لواء الحمد ہیں

فریقین کی روایات میں وارد ہے کہ خداوندِ عالم قیامت کے دن جناب رسولؐ خدا کو لواء الحمد عطا فرمائے گا اور تمام مخلوقات اس کے سایہ کی محتاج ہو گی، آدم اور غیر آدم سب اس جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ اس جھنڈے کے مالک نبیؐ ہوں گے مگر اس کے اٹھانے والے حضرت علیؑ ہوں گے (کنز العمال ج ۶ ص ۱۵۵ الریاض النضرۃ ج ۲ ص ۱۹۱ فصل ۶)

۲۰۔ نبیؐ مالکِ کوثر ہیں

قال عزمن قائل۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم انا اعطیناک الکوثر۔ فصل لربک وانحر ان شانئک ھو الابتر۔ اے حبیب ہم نے تجھے کوثر بخش دیا۔ اور عطا کیا۔ پس تو اپنے پروردگار کی نماز ادا کر بیشک تیرا دشمن ہی منقطع النسل ہے۔

۲۱۔ علیؑ ساقیٔ کوثر ہیں

روایات کثیرہ دال ہیں کہ اس حوضِ کوثر کے مالک جناب پیغمبرِ خدا ہیں۔ مگر باتفاق علماء محققین اس چشمۂ فیض سے شرابِ طہور پلانے والے اور اہلِ ایمان کو سیراب کرنے والے حیدر کرارؑ ہوں گے۔

پیغمبرؐ نے فرمایا! اے علیؑ! تم اور تمہارے دوست حوضِ کوثر پر سیر و سیراب اور نورانی صورت ہوں گے اور تمہارے دشمن پیاسے اور زرد رنگ ہوں گے۔ (ینابیع المودۃ ص ۱۳۳ باب ۴۴ مستدرک حاکم ص ۱۳۸ ج ۳ تذکرہ سبط ابن جوزی ص ۱۳ وغیرہ)

۲۲۔ نبیؐ مولائے کل ہیں تو علیؑ بھی مولی المومنین ہیں

باتفاق جمیع اہل اسلام جناب رسولؐ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مولائے مومنین بلکہ

مولائے کل کائنات ہیں۔ النبی اولی بالمومنین من انفسہم۔ نبی مومنین کی جانوں کا خود ان سے زیادہ مالک ہے ؎

وہ دانائے سبل ہادیٔ کل ختم الرسل جس نے غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا

اسی طرح وصی نبی بھی مولی المومنین بلکہ مولائے کل ہیں پیغمبر اسلام فرماتے ہیں۔ من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ جس کا میں مولا ہوں یہ علیؑ بھی اس کا مولی ہے۔ ؎

عبث در معنی من کنت مولا می روی ہر سو علیؑ مولا بایں معنی کہ پیغمبر بود مولی (ماخوذ از خلافت الہیہ ص ۲۱۰)

اسی مقدار پہ اکتفا کی جاتی ہے۔ جو اہلِ بصیرت کے لئے کافی ہے ورنہ ؎

سفینہ چاہیئے اس بحرِ بے کراں کے لئے

ان حقائق ثابتہ کی روشنی میں عقل سلیم یہ فیصلہ صادر کرنے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتی کہ جناب امیرالمومنینؑ ہی خاتم النبیینؐ کے صحیح جانشین ہیں کیونکہ وہی ان کے صفات کاملہ کاثرہ اور کمالاتِ فاضلہ کا آئینہ ہیں۔ وہو المقصود وقد حصل لفضل اللہ الودود۔

اثبات امامت جناب امیرالمومنینؑ بنصوص قرآن کریم

آنجنابؑ کی خلافت و وصایت کے متعلق اس قدر آیاتِ قرآنیہ موجود ہیں جن کے ثبت وضبط اور شرح وبسط کے لئے کئی مجلدات درکار ہیں۔ صواعق محرقہ ص۱۲۵ وتاریخ الخلفاء ص۱۷۲ طبع جدید میں باسناد ابن عساکر جناب ابن عباس سے مروی ہے۔ کہ " نزلت فی علیؑ ثلث مائۃ آیۃ " یعنی حضرت امیرالمومنینؑ کے حق میں قرآن مجید کی تین سو آیتیں نازل ہوئی ہیں۔ (وکذا فی سیرۃ النبویۃ مفتی زینی دحلان مطبوعہ علی حاشیہ سیرۃ الحلبیۃ ج ۲ ص ۱۳ المطبوع مصر) جن میں سے بعض صرف آپ کی فضائل ومناقب سے متعلق ہیں اور بعض کا تعلق آپ کی خلافتِ بلافصل کے ساتھ ہے تاریخ الخلفاء سیوطی ص۱۷۱ طبع مصر جدید میں حضرت علیؑ کے کمالات میں طبرانی وابی حاتم کے حوالہ سے۔ جناب ابن عباس بیان کرتے ہیں۔ کہ " ما انزل اللہ یا ایہا الذین آمنو الا وعلیؑ امیرہا وشریفہا ولقد عاتب اللہ اصحاب محمدؐ فی غیر مکان وما ذکر علیاؑ الا بخیر یعنی قرآن مجید کی کوئی ایسی آیت نہیں ہے۔ جس کا عنوان " یا ایہا الذین آمنو " ہو کہ حضرت علی علیہ السلام اس گروہ کے قائد وامیر اور اس کے شریف ہیں۔ خداوند عالم نے کئی مقامات پر اصحاب نبیؐ کو عتاب کیا ہے لیکن حضرت امیرالمومنینؑ علی ابن ابیطالب کا جب بھی ذکر فرمایا۔ تو خیر وخوبی کے ساتھ (وکذا فی الصواعق باب ۹ ص۷۶ نور الابصار ص۷۳ مطالب السئول ج ۱ ص۸ وغیرہ)۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے علمائے اعلام "کثر اللہ امثالہم فی الاسلام" نے ہمیشہ ظروف وحالات کی وسعت وگنجائش کے مطابق اس

بحرِ بے کنار میں غوطہ زنی کر کے دُرہائے شہوار سے اپنے دامنِ مراد کو پُر کیا ہے اور ہمیشہ بقدرِ ضرورت و مقتضائے وقت اس آبِ زلال سے جام بھر بھر کر تشنگانِ معارفِ امامت کو سیراب کیا ہے۔ علامہ حلی علیہ الرحمۃ نے کتاب کشف الحق و نہج الصدق میں چوراسی آیتِ کریمہ سے آنجناب کی خلافت و امامت پر استدلال کیا ہے اور حضرت مولانا مفتی محمد عباس لکھنوی نے اپنی کتاب مستطاب روائح القرآن میں ان کے اوپر سینتالیس آیات کا اضافہ فرما کر ان کی تعداد کو ایک سو اکتیس تک پہنچا دیا ہے۔ ہمارا مقصد چونکہ اختصار کے ساتھ ان مراحل و منازل کو عبور کرنا ہے جیسا کہ ہم کئی بار اس امر کا اظہار کر چکے ہیں لہٰذا ہم ان تمام آیات مبارکہ سے قطع نظر کرتے ہوئے فقط تین چار آیتوں پر اکتفا کریں گے۔ واللہ الموفق والمعین وبہ نستعین۔

پہلی آیت مبارکہ

"قال اللہ تبارک وتعالیٰ انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون" بس تمہارا ولی، امیر اور سرپرست ایک خداوند عالم ہے۔ دوسرا اس کا رسول اور تیسرے وہ لوگ جو ایمان لائے اور نماز قائم کرتے ہیں اور حالتِ رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔ (پ ۶ س مائدہ ع ۸) واضح ہو کہ تمام محقق مفسرین و محدثین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ یہ آیہ مبارکہ حضرت امیر المومنینؑ کے حق میں نازل ہوئی۔

شانِ نزول

چنانچہ اہل سنت کے امام المفسرین ثعلبی اپنی تفسیر میں باسنادِ خود حضرت ابوذر غفاری علیہ رضوان الباری سے روایت کرتے ہیں۔ "قال اما انی صلیت مع رسول اللہ صلعم یوماً من الایام الظہر فسال سائل فی المسجد فلم یعطہ احد شیئاً فرفع السائل یدیہ الی السماء وقال اللھم اشھد انی سألت فی مسجد نبیک محمد صلعم فلم یعطنی احد شیئاً وکان علیؑ رضی اللہ عنہ فی الصلوٰۃ راکعاً فاومأ الیہ بخنصرہ الیمنیٰ وفیہ خاتم فاقبل السائل فاخذ الخاتم من خنصرہ وذلک بمرائی من النبی "صلعم" وھو فی المسجد فرفع رسول اللہ "صلعم" طرفہ الی السماء وقال اللھم ان اخی موسیٰ سألک فقال رب اشرح لی صدری ویسر لی امری واحلل عقدۃً من لسانی یفقھوا قولی واجعل لی وزیراً من اھلی ھارون اخی اشدد بہ ازری و اشرکہ فی امری فانزلت علیہ قرآناً سنشد عضدک باخیک ونجعل لکما سلطاناً فلا یصلون الیکما اللھم وانی محمد نبیک وصفیک اللھم اشرح لی صدری و یسر لی امری واجعل لی وزیراً من اھلی علیاً اشدد بہ ازری قال ابوذر رضی اللہ

عنہ فما استتم دعائہ حتی نزل جبرئیل علیہ السلام من عند اللہ عزوجل و قال یا محمد اقرأ انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین آمنوا الآیۃ۔

جناب ابوذر غفاریؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ آنحضرتؐ کے ساتھ نماز ظہر پڑھی ایک سائل نے سوال کیا، مگر جب کسی نے اسے کچھ نہ دیا تو سائل نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کر کے کہا یا اللہ! تو گواہ رہنا میں نے تیرے نبیؐ کی مسجد میں سوال کیا، مگر مجھے کسی نے کچھ نہیں دیا۔ اس وقت حضرت علیؑ حالتِ رکوع میں تھے۔ آپ نے اپنے داہنے ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے جس میں انگوٹھی تھی اشارہ کیا۔ سائل آیا اور اس نے انگوٹھی اتار لی۔ یہ منظر جناب رسولؐ خدا دیکھ رہے تھے۔ آپ نے آسمان کی طرف نگاہ بلند کی اور کہا، یا اللہ! میرے بھائی موسیٰؑ نے تیری بارگاہ میں عرض کیا تھا۔ پروردگار میرا سینہ کھول دے۔ میرا معاملہ آسان کر دے اور زبان کی گرہ کو کھول دے تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں اور میرے ہی اہلِ بیتؑ میں سے یعنی میرے بھائی ہارون کو میرا جانشین بنا۔ اس کے ذریعہ میری پشت کو مضبوط بنا۔ اور میرے کارِ نبوت میں اسے میرا شریک قرار دے تو نے ان کی دعا کو قبول فرماتے ہوئے فرمایا تھا۔ ہم تمہیں تمہارے بھائی کے ذریعے تقویت دیں گے اور تم کو غلبہ دیں گے۔ تاکہ کفار تمہیں کوئی گزند نہ پہنچا سکیں، میں تیرا نبی و صفی محمدؐ ہوں۔ میں بھی کہتا ہوں کہ میرا سینہ کھول دے، میرے معاملہ کو آسان کر اور میرے بھائی علیؑ بن ابی طالب کو میرا وزیر و وصی بنا اور اس کے ذریعے مجھے تقویت دے؛ جناب ابوذر کہتے ہیں، ابھی آنحضرت کی دعا ختم نہ ہونے پائی تھی کہ جناب جبرئیل یہ آیتِ مبارکہ لے کر نازل ہوئے۔ انما ولیکم و رسولہ الخ

تقریبِ استدلال

اس آیۂ مبارکہ سے خلافتِ حضرت امیرؑ پر استدلال دو ضروری مقدموں پر مبنی ہے۔ فنِ نحو کے علماء کی تصریحات کے مطابق کلمۂ "انما" کلمۂ حصر ہے یعنی جب کسی چیز کو کسی چیز میں منحصر کرنا ہو، تو اس مقام پر یہ کلمہ استعمال کیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کلمہ کا ترجمہ فارسی زبان میں "بجز این نیست" اور اردو میں "بس" "صرف" "محض" کیا جاتا ہے۔

(۲) یہ کہ لفظ "ولی" کلامِ عرب میں چند معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ منجملہ ان کے ایک معنیٰ "اولیٰ بالتصرف" یعنی حاکم بھی ہیں۔ بغیر قرینہ عموماً اس لفظ سے انہی معنیٰ کا تبادر ہوتا ہے۔ (جو کہ علامت حقیقت ہے) اسی طرح "محب" اور "ناصر" وغیرہ کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے جب یہ دو مقدمے ذہن نشین ہو گئے تو ہم کہتے ہیں کہ عقلی و نقلی دلیل و برہان سے ثابت ہوتا ہے کہ اس مقام پر لفظ ولی سے مراد "اولیٰ بالتصرف" اور حاکم علی الاطلاق ہے "نہ معنیٰ دیگر"۔

دلیل عقل

ہم ابھی اوپر مقدمہ اولیٰ میں بیان کر چکے ہیں کہ کلمہ "انما" حصر کے لئے استعمال ہوتا ہے لہٰذا اگر یہاں لفظ "ولی" سے مراد "اولیٰ بالتصرف" نہ ہو تو یہ حصر لغو اور مہمل ہو جائے گا کیونکہ اگر اس سے "محب" یا "ناصر" مراد لیا جائے۔ تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ عام مومنین ایک دوسرے کے "محب" "ناصر" نہ ہوں۔ حالانکہ یہ وجدان اور صریح قرآن کے خلاف ہے ارشاد باری ہے "والمومنون بعضھم اولیاء بعض" مومنین بعض بعض کے دوست ومددگار ہیں۔ جو مطلب صریح قرآن کے مخالف ہو۔ وہ یقیناً باطل ہوگا۔ علاوہ بریں بموجب "القرآن یفسر بعضہ بعضاً"۔ اس آیت میں چونکہ تین ولایتوں کا تذکرہ موجود ہے جو ایک طرح کی ہیں منجملہ ان تین ولایتوں کے ولایت رسولؐ بھی ہے آنحضرتؐ کی ولایت میں اس مقام پر اگر قدرے اجمال بھی تھا تو دوسری آیت مبارکہ نے اس آیہ کے چہرہ سے نقاب کشائی کر کے اس کو بالکل ظاہر وباہر کر دیا۔ "النبی اولیٰ بالمومنین" یعنی حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مومنین کے جان ومال میں خود مومنین سے زیادہ تصرف کا حق رکھتے ہیں" جب ولایت رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحیح مفہوم قرآن ہی سے معلوم ہو گیا تو اس سے اس کی ساتھ والی دو ولائیوں کا حقیقی مفہوم بھی واضح ہو گیا کہ ان سے بھی مراد یہی اولویت بالتصرف ہے۔ ورنہ نظم قرآن میں خلل پیدا ہو جائے گا۔ تعالیٰ اللّٰہ عن ذالک علواً کبیراً"۔

دلیل نقل

شانِ نزول میں بیان کردہ روایت نہایت وضاحت وصراحت کے ساتھ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اس آیۂ مبارکہ میں لفظ "ولی" سے مراد "اولیٰ بالتصرف" ہی ہے نہ معنی دیگر وجہ دلالت بالکل واضح ہے ہم اس کی تفصیل میں پڑ کر اپنے اور قارئین کرام کے قیمتی وقت کو ضائع نہیں کرنا چاہتے فقط اشارہ کئے دیتے ہیں ؎ عاقلاں را اشارتے کافی است

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت موسیٰؑ کے بارگاہ ایزدی میں وزارت ہارونی کے متعلق سوال کرنے اور خدا کے اسے قبول کرنے کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت علی علیہ السلام کی بابت اپنا وزیر مقرر کئے جانے کی بارگاہِ خدا میں استدعا کرنا اور اس کے نتیجہ میں اس آیۂ مبارکہ کا نازل ہونا اس امر کی قطعی ویقینی دلیل ہے کہ اس ولایت سے مراد یہاں یہی وزارت و وصایت اور بالفاظِ دیگر "اولویت بالتصرف" اور حکومتِ الٰہیہ ہے جو آپ کو بحیثیت خلیفہ وجانشین ہونے کے منجانب اللہ حاصل ہے۔ جب کلمہ حصر کے ذریعہ تمام اغیار کی ولایت کی نفی کر دی گئی تو اس سے حضرت امیر علیہ السلام کی خلافت بلا فصل واضح ہو گئی۔ اگر سلسلۂ نبوت ختم نہ ہو گیا ہوتا تو حضرت علی جناب

ارون کی طرح نبی بھی ہوتے۔ لیکن چونکہ یہ سلسلہ اب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند ہو چکا ہے اس لئے آپ کو وصی و امام ماننا پڑے گا۔ وہو المطلوب وقد حصل لبفضل اللہ الودود

اس آیہ مبارکہ پر عائد کردہ چند شبہات اور ان کے جوابات!

حضرات اہلسنت نے اپنی عادت قدیمہ کے مطابق اپنی گلو خلاصی کرانے کے لئے اس آیۂ مبارکہ میں کچھ ریشہ دوانیاں کی ہیں اس وقت ہمارے سامنے "النفحۃ الالٰہیۃ فی " ترجمہ التحفۃ الاثنا عشریہ " جسے آلوسی بغدادی نے لباس عربیت پہنا کر عربوں کے لئے سامانِ گمراہی مہیا کیا ہے) اور صواعق محرقہ وغیرہ موجود ہیں جن کے مولفین نے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر کے اس آیۂ مبارکہ پر چند ایرادات کر کے اس کو درجۂ حجیت و اعتبار سے ساقط کرنے کی مذموم کوشش کی ہے۔ ذیل میں ہم ان شبہات کا قلع قمع کرتے ہیں۔ تاکہ بعد ازیں یہ آیت بالکل بے غبار اور اس کی دلالت مزید واضح و آشکار ہو جائے۔

پہلا شبہ! اس کی حصر سے مراد حصر حقیقی ہے یا اضافی۔ اگر حصر حقیقی مراد لیا جائے۔ تو اس سے جس طرح حضرت علیؑ سے پہلے خلفاء کی خلافت باطل ہوتی ہے اسی طرح آپ سے بعد والے آئمہ و خلفاء کی خلافت بھی ختم ہو جائے گی۔ اور اگر حصر اضافی مراد لی جائے تو یہ الفاظِ آیت کے عموم کے منافی ہے!

الجواب وباللہ التوفیق شبہ میں پیش کردہ دو شقوں میں سے ہر ایک شق کو اختیار کر کے جواب دیا جا سکتا ہے۔ اگر حصر سے حقیقی مراد لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہو گا۔ کہ خدا و رسولؐ کی ولائیت کے بعد اصالتاً ولایت مطلقہ حضرت امیر المومنینؑ میں منحصر ہے لہٰذا اگر کوئی اور ولی ہو گا تو وہ آپ کی نیابت میں ہو گا۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ بعد والے آئمہ طاہرینؑ آپ کے توسط سے خلفاء سید المرسلین سمجھے جاتے ہیں لیکن آپ سے سابقہ اسلامی خلفاء میں چونکہ آپ کی نیابت کا سلسلہ نمادار ہے۔ لہٰذا ان کی خلافت باطل اور آپ کے بعد والے آئمہ طاہرینؑ کی خلافت برحق ہے اور اگر اس حصر سے حصر اضافی مراد لیا جائے تو پھر مطلب اور بھی واضح ہے کہ زمانۂ امیر المومنینؑ میں دوسرے تمام مدعیان خلافت و ولایت کی خلافت کا بطلان مقصود ہے رہ گیا یہ کہنا کہ یہ عموم الفاظ آیت کے منافی ہے تو اس کا جواب عنقریب پانچویں شبہ کے ذیل میں آتا ہے۔ فانتظر

دوسرا شبہ! لفظِ ولی چند معنوں میں مشترک ہے مثلاً " محب " " ناصر " اولی بالتصرف وغیرہ قاعدہ یہ ہے کہ جب تک کوئی قرینہ خارجیہ موجود نہ ہو۔ لفظِ مشترک سے کسی

خاص معنی کو مراد نہیں لیا جاسکتا۔

الجواب واللہ الموفق لنیل الصواب! یہ شبہ بدو وجہ مندفع ہے۔ اولاً یہ مسلّم نہیں کہ یہ لفظ مذکورہ بالا سب معانی میں مشترک ہے بلکہ یہ لفظ ایک معنی یعنی (اولیٰ بالتصرف) میں حقیقت ہے۔ ہاں دوسرے معانی میں بطور مجاز استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ جب اس لفظ کو مطلقاً استعمال کیا جائے۔ تو اس سے بلا قرینہ جو معنی فوراً ذہن میں آتے ہیں وہ یہی (اولیٰ بالتصرف) ہیں۔ ارباب علم جانتے ہیں کہ یہ تبادر علامت حقیقت ہوا کرتا ہے لہٰذا اس آیت میں اس کے یہی حقیقی معنی مراد ہوں گے۔

ثانیاً اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ لفظ ان سب معنی میں مشترک ہے۔ (کما ھو المشھور) تو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ قاعدہ درست ہے کہ لفظ مشترک سے کسی خاص معنی کو مراد نہیں لیا جاسکتا جب تک کوئی قرینہ خارجیہ کسی معنی کی تعیین پر موجود نہ ہو لیکن ہم جو یہاں یہ معنی (اولیٰ بالتصرف) مراد لیتے ہیں تو قرینہ خارجیہ کی بنا پر جس کی تفصیل مذکورہ بالا تقریب استدلال میں اوپر بیان ہو چکی ہے وہاں رجوع کیا جائے

تیسرا شبہ! یہ مسلّم نہیں ہے کہ یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کے حق میں نازل ہوئی۔ القول بنزولها فی حق ابی طالب والرواية قصة السائل وتصدق بالخاتم عليه فی حالة الركوع انما هو للثعلبی فقط وهو منفرد به؛ یعنی اس آیت کے حضرت علیؑ کے حق میں نازل ہونے سائل کے سوال کرنے اور حضرت علیؑ کے حالتِ رکوع میں اس کو انگوٹھی دینے کا واقعہ فقط ثعلبی نے نقل کیا، اور وہ اس قول میں منفرد و تنہا ہے! (تحفۂ اثنا عشریہ مترجم ص۱۹) اس کے بعد ثعلبی پر تنقید کی ہے کہ اس کی روایات قابلِ سند و اعتماد نہیں ہیں۔

الجواب بعون اللہ الوہّاب! یہ شبہ بھی بدو وجہ باطل ہے۔ اولاً۔ ثعلبی پر قدح کرنا اور ان کی نقل کردہ روایات کو ناقابلِ اعتبار قرار دینا خود علمائے اہلِ سنت کی تصریحات کے خلاف ہے محققین اہلِ سیر و تواریخ نے ثعلبی کو ایک بہت مستند متبحر، متدین معتبر مفسر و محدث تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ کتاب معجم الادباء ج ۱۲ ص۳۶ طبع مصر میں علی ابن احمد واحدی لکھا ہے۔ "وکان خير العلماء بل بحرهم ونجم الفضلاء بل بدرهم وذين الائمة بل فخرهم واوحد الائمة بل صدرهم وله التفسير الملقب "بالكشف والبيان عن تفسير القرآن" الذی رفعت به المطايا فی السهل والاوعار وسارت به الفلك فی البحار وهبت هبوب الريح فی الاقطار" ۔

فساد مسیر الشمس فی کل بلدۃ وھب ھبوب الریح فی البر والبحر

واصفقت علیہ کافۃ الامۃ علی اختلاف نحلھم واقروا لہ بالفضیلۃ فی تصنیفہ مالم یسبق الیہ فمن ادرکہ وصاحبہ علم انہ منقطع القرین ومن لم یدرکہ فلینظر فی مصنفاتہ یستدل بھا علی انہ کان بحرا لا ینزف وغمرا لا یسبر الخ انتھی بقدر الحاجۃ۔

خلاصۂ مطلب اینکہ یہ۔ بزرگوار ثعلبی، فخر العلماء، بلکہ بحر العلماء، نجم الفضلاء بلکہ بدر العلماء، اوحد الامۃ بلکہ سید الامۃ تھے۔ ان کی تفسیر موسوم بہ "الکشف والبیان عن تفسیر القرآن" شہرت وعظمت کے اس مرتبہ پر فائز ہے کہ اسے سوائے ہموار اور غیر ہموار زمین میں کشتیاں سمندروں میں لئے پھرتی ہیں اور ہوا کی طرح تمام اطراف و جوانب تک پہنچ گئی ہے۔ وہ تمام دیار وامصار بحر و بر میں آفتاب عالمتاب کی مانند موجود ہے۔ تمام لوگ باوجود اپنے مذہبی اختلافات کے ثعلبی کی علمی عظمت وجلالت پر متفق ہیں اور اس بات کا اقرار کرتے ہیں، کہ ثعلبی نے ایسی تفسیر لکھی ہے جس کی پہلے نظیر نہیں ملتی جس شخص نے بھی ثعلبی کو دیکھا ہے اور اس کی مصاحبت کی ہے وہ جانتا ہے کہ وہ شخص بے نظیر ہے اور جس نے اس کو نہیں درک کیا۔ وہ اس کی جلیل القدر کتابیں دیکھے تا کہ اسے معلوم ہو جائے کہ وہ علم کا بحر بے کنار ہے؟

اس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ ثعلبی مفسرین اہل سنت میں بہت بڑے درجہ پر فائز ہیں۔ نقل روایات میں نہایت قابل وثوق و اعتبار اور ان کی تفسیر نہایت معتبر و مستند ہے۔ لہٰذا اگر اس آیت کے شان نزول کی روایت کسی اور کتاب میں نہ بھی ہوتی۔ اور ثعلبی اس کے نقل کرنے میں منفرد ہوتے تو بھی اس کی حجیت و اعتبار میں خدشہ کرنا بے جا ہوتا۔ چہ جائیکہ جب یہ روایت دوسری کتب تفسیر و حدیث میں بھی مذکور ہے۔ جیسا کہ ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

ثانیاً اس آیت کے حضرت علیؑ کے حق میں نازل ہونے سائل کے سوال کرنے اور حضرت علیؑ کے حالت رکوع میں اسے انگشتری عطا کرنے کے واقعہ کو فقط ثعلبی کی طرف نسبت دینا جہالت وضلالت یا تجاہل وتساہل کی بدترین مثال ہے اس آیت کے حضرت علی علیہ السلام کے حق میں نازل ہونے پر تمام مفسرین ومحقق محدثین کا اتفاق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب علامہ حلیؒ نے کتاب کشف الحق میں اس کے نزول کے متعلق یہ دعویٰ کیا کہ "اجمعوا علی نزولھا فی علی الخ۔ یعنی مفسرین کا اس امر پر اتفاق ہے۔ کہ یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ تو فضل ابن روزبہان نے اپنی کتاب "ابطال الباطل" میں باں ہمہ تعصب وعناد علامہ حلی کے دعوائے اجماع میں ہرگز کوئی مناقشہ نہیں کیا۔ بلکہ اپنا تمام زور بتقویم محرمہ لفظاً و دلالتاً کا اشتراک ثابت

کرنے میں صرف کیا ہے جس کی رد ہم ابھی اوپر کر چکے ہیں الغرض اس کے شان نزول کی روایت ثعلبی کی طرح اور دوسرے بے شمار مفسرین، محدثین، مورخین اور متکلمین نے اپنی کتابوں میں درج کی ہے۔ ہم ذیل میں چند مستند کتب تفسیر و حدیث وغیرہ کی نشاندہی کراتے ہیں تاکہ معترض کا کذب وافترا ظاہر ہو جائے۔

ان کتابوں کے نام جن میں اس آیت کا بحق علیؑ نازل ہونا مذکور ہے!

(۱) تفسیر طبری ج ۶ صفحہ ۱۶۵ (۲) تفسیر کبیر فخر الدین رازی ج ۳ صفحہ ۶۱۸ (۳) تفسیر خازن ج ۱ صفحہ ۴۹۶ (۴) تفسیر روح المعانی للآلوسی البغدادی ج ۲ صفحہ ۳۲۹ (۵) تفسیر نیشاپوری ج ۳ صفحہ ۴۶۱ (۶) تفسیر ابوالبرکات ج ۱ صفحہ ۴۹۱ (۷) تفسیر ابن کثیر ج ۲ صفحہ ۷۱ (۸) تفسیر در منثور ج ۴ صفحہ ۲۹۵ (۹) اسباب النزول واحدی (۱۰) فصول مہمہ ابن صباغ مالکی صفحہ ۱۲۳ (۱۱) مطالب السئول ابن طلحہ شافعی صفحہ ۳۱ (۱۲) تذکرہ ابن جوزی صفحہ ۹ (۱۳) کفایۃ الطالب گنجی الشافعی صفحہ ۱۰۶ (۱۴) مناقب خوارزمی صفحہ ۱۸۷ (۱۵) فرائد السمطین ج ۱ باب ۳۹ (۱۶) شرح مواقف قاضی عضد الدین ایجی ج ۳ صفحہ ۲۷۶ (۱۷) الریاض النضرہ محب الدین طبری ج ۲ صفحہ ۲۲۷ (۱۸) ذخائر العقبیٰ صفحہ ۱۵۲ (۱۹) البدایہ والنہایہ ابن اثیر ج ۷ صفحہ ۳۵۷ (۲۰) کنز العمال ج ۶ صفحہ ۳۹۱ (۲۱) صواعق محرقہ ابن حجر صفحہ ۲۵ (۲۲) نور الابصار شبلنجی صفحہ ۷۷ وغیرہا۔

ان سب کتابوں میں باختلاف الفاظ و تعبیرات اس آیت کے شان نزول کا قصہ اور اس آیت کا حضرت علیؑ کے حق میں نازل ہونا بالتصریح مذکور ہے۔ بلکہ ان میں سے اکثر نے تو حدیث ابوذر کو جو تفسیر ثعلبی میں موجود ہے بعینہ انہی الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے۔ لہٰذا واضح ہوا کہ اس آیت کا حضرت امیر المومنینؑ کے حق میں نازل ہونا اجماعی و اتفاقی ہے ابن حجر مکی وغیرہ نے اس کے علاوہ جو چند اقوال نقل کئے ہیں۔ وہ شاذ و نادر ہونے کی وجہ سے درجۂ حجیت و اعتبار سے ساقط ہیں اور کوئی صاحب عقل و انصاف ایسے اقوال کو مشہور بلکہ متفق علیہ بین الفریقین قول کے مقابلہ میں بطور معارضہ پیش نہیں کر سکتا۔

چوتھا شبہ! ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ولایت بالفعل حاصل ہے لیکن اگر اس سے حضرت علیؑ کی امامت مراد لی جائے۔ تو یہ فعلیت درست نہیں رہتی کیونکہ آپ کی امامت حضرت رسولؐ کے بعد ہے۔ خدا و رسولؐ کی ولایت بالفعل ہو اور حضرت علیؑ کی ولایت زمانہ مستقبل میں ہو یہ سیاق آیت کے خلاف ہے۔

الجواب بتائید اللہ التواب یہ شبہ بھی بدو وجہ غلط ہے۔

اولاً:۔ اس آیۂ مبارکہ میں فقط تین ولایتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس

کا کہیں ذکر نہیں کہ یہ تینوں ولائیتیں ایک دوسرے کے عرض میں یعنی بیک وقت ہیں یا ایک دوسرے کے طول میں یعنی یکے بعد دیگرے ہیں اس امر کو ادلۂ خارجیہ کی روشنی میں معلوم کرنا چاہیئے جب ہم ادلہ کو دیکھتے ہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ خدا و رسول کی ولائیت یعنی حکومت و تصرف فعلی ؑ حالی اور حضرت علیؑ کی حکومت و امامت استقبالی ہے اس صورت میں نظم آیت میں کسی قسم کا خلل پیدا نہیں ہوتا۔

ثانیاً۔ ہم نے وجۂ اول میں جو کچھ بیان کیا وہ اس کو تسلیم کرتے ہوئے تھا۔ کہ حضرت علیؑ کی ولائیت حضرت ختمی مرتبتؐ کی وفات کے بعد ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ حضرت سرورِ کائناتؐ کے حین حیات میں حضرت امیرالمومنینؑ ولائت مطلقہ کے درجہ رفیعہ پر فائز تھے۔ اور آپ کے حین حیات ہی واجب الطاعت و جائز التصرف تھے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ وہ آنحضرت کے پاس ادب کی وجہ سے اکثر و بیشتر ساکت رہتے تھے۔ جس طرح کہ ہر دوسرا امام پہلے امام کی زندگی میں ساکت رہتا ہے۔ حضرت امام حسن علیہ السلام حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کی زندگی میں ساکت اور حضرت امام حسین علیہ السلام حضرت امام حسن علیہ السلام کے حین حیات صامت و ساکت تھے۔ حضرت امیرالمومنینؑ کی ولایت کے بالفعل ہونے پر حدیث منزلت " یا علی انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی " کافی روشنی ڈالتی ہے۔ کیونکہ اس حدیث شریف میں سوائے مرتبۂ نبوت کے دیگر تمام مدارج و منازل ہارونی کا حضرت علی علیہ السلام کے لئے اثبات کیا گیا ہے ظاہر ہے کہ حضرت ہارون حضرت موسیٰ کے حین حیات درجہ ولایت پر فائز تھے۔ اسی طرح حضرت امیرالمومنینؑ بھی حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حین حیات درجۂ ولائت کبریٰ پر فائز ہوں گے۔

پانچواں شبہ! آیت مبارکہ میں سب جمع کے صیغے ہیں جیسے " الذین " اور " آمنو " " یقیمون " صیغہ ہائے جمع سے ایک شخص کو مراد لینا ظہور آیت کے خلاف ہے۔

الجواب ومن اللہ التوفیق فی المبدء والمآب! یہ شبہ وہی شخص کر سکتا ہے جو اصطلاحات قرآن اور محاورات لغت عرب سے بالکل جاہل ہو ورنہ ارباب علم پر مخفی نہیں ہے۔ کہ قرآن مجید میں متعدد جگہ صیغہ ہائے جمع سے ایک ذات کو مراد لیا گیا ہے۔ ارشاد باری ہوتا ہے۔ " انا نحن نزلنا الذکر " ہم نے قرآن کو نازل کیا اور " انا نحن نحی و نمیت " ہم مارتے اور جلاتے ہیں حالانکہ ہر دو آیت میں مراد فقط خداوند عالم ہے۔ نیز ارشادِ قدرت ہے۔

اذ قالت الملائکۃ یامریم ان اللہ اصطفاک الخ فرشتوں نے کہا اے مریم! خدا نے تمہیں منتخب کیا ہے، حالانکہ یہاں ملائکہ سے مراد فقط حضرت جبرئیل ہیں جیسا کہ تفسیر کبیر وغیرہ میں مذکور ہے "قال لہم الناس ان الناس قد جمعوا لکم" مفسرین نے بیان کیا ہے کہ پہلے "الناس" سے مراد نعیم ابن مسعود اور دوسرے "الناس" سے مراد ابوسفیان ہیں حالانکہ لفظ "ناس" عموم کے صیغوں میں سے ہے معلوم ہوا کہ تعظیم و تکریم یا کسی کارِ خیر کی تحریص و ترغیب دلانے (واضح ہو کہ صاحب کشاف نے یہی جواب دیا ہے) یا دیگر بعض مصالح و حکم کی بناء پر صیغہ جمع سے ایک شخص کو مراد لیا جاسکتا ہے۔ اور یہ امر لغت عرب میں کثیر الوقوع ہے چنانچہ "کتاب فقہ اللغت وسر العربیۃ ص۲۹۵ طبع جدید مصر" میں بذیل عنوان "فی الجمع یراد بہ الواحد" لکھا ہے: "من سنن العرب الاتیان بذلک کما قال تعالیٰ ماکان للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ وانما اراد مسجد الحرام الخ" یعنی عربوں کی عادت ہے کہ مشرکین کے لئے جائز نہیں کہ وہ "مسجدوں" کی تعمیر کریں۔ لفظ "مساجد" جمع ہے لیکن اس سے مراد فقط مسجد الحرام ہے الخ۔ معلوم ہوگیا کہ یہ شبہ محض جہالت و ضلالت کا مظاہرہ ہے ورنہ ارباب بصیرت کے نزدیک بالکل بے وقعت ہے۔ اور یہ استبعاد بالکل بے محل ہے اگر با محل بھی ہوتا تو غیر مسموع تھا۔ کیونکہ نصوص قطعیہ کے مقابلہ میں ایسے استبعاد قابلِ سماعت نہیں سمجھے جاتے۔ علاوہ بریں ممکن ہے کہ یہ صیغہ ہائے جمع اپنے عمومی معنی پر باقی ہوں اور ان میں دیگر آئمہ طاہرین بھی بالاصالۃ داخل ہوں کیونکہ بعض روایات میں وارد ہے کہ یہ فعل حسن (اعطاء خاتم بحالت رکوع) سب آئمہ معصومین علیہم السلام سے وقوع پذیر ہوا ہے۔ واللہ العالم۔ ان حقائق کی روشنی میں ثابت ہوگیا کہ یہ آیتِ مبارکہ حضرت امیر علیہ السلام کی خلافت بلافصل پر وہ نص صریح ہے کہ اس میں کسی قسم کی تاویل و توجیہ اور چون وچرا کی ہرگز کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ومن لم یجعل اللہ لہ نوراً فما لہ من نور۔

دوسری آیت

قال اللہ تبارک وتعالیٰ فمن حاجک فیہ من بعد ما جاءک من العلم فقل تعالوا ندع ابناءنا وابناءکم ونساءنا ونساءکم وانفسنا وانفسکم ثم نبتھل فنجعل لعنۃ اللہ علی الکاذبین (پ۳ س آل عمران) اے رسول! تمہارے پاس علم آجانے کے بعد بھی جو شخص تمہارے ساتھ (عبدیت عیسیٰ کے بارے میں) جھگڑا کرے تو تم ان (نصارائے نجران) سے کہہ دو کہ ہم اپنے بیٹوں کو بلاتے ہیں تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ۔ ہم اپنی عورتوں کو بلاتے ہیں تم اپنی عورتوں کو بلاؤ۔ ہم اپنے نفسوں کو بلاتے ہیں تم اپنے نفسوں کو بلاؤ۔ پھر ہم مباہلہ کریں اور جھوٹوں پر خداوند عالم کی لعنت بھیجیں۔ واضح ہو کہ تمام مستند مفسرین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اس

[illegible]

آیت مبارکہ میں لفظ "ابنا" سے حضرت امام حسن و حسین علیہما السلام، لفظ "نسا" سے حضرت فاطمہ زہرا اور "انفسنا" سے حضرت امیر المومنین علیہ السلام مراد ہیں چنانچہ علامہ زمخشری اپنی تفسیر کشاف ج ۱ ص ۱۲۲ طبع مصر قدیم میں اس آیت کی تفسیر میں رقم طراز ہیں۔ فاتوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقد غدا محتضناً الحسین اخذاً بید الحسن و فاطمہ تمشی خلفہ و علی خلفھا وھو یقول اذا انا دعوت فامنوا فقال اسقف نجران معشر النصاری انی لاری وجوھاً لو شاء اللہ ان یزیل جبلاً من مکانہ لازالہ بھا فلا تباھلوا فتھلکوا ولا یبقیٰ علی وجہ الارض نصرانی الی یوم القیامۃ "۔ یعنی نصاریٰ نجران رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شان کے ساتھ اپنے بیت الشرف سے برآمد ہوئے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو گود میں لئے ہوئے اور حضرت امام حسنؑ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ فاطمہ زہراؑ آپکے پیچھے تھیں اور حضرت علی علیہ السلام ان کے بھی پیچھے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے فرماتے جاتے تھے۔ کہ جب میں دعا کروں تو تم آمین کہنا (آنحضرتؐ کو اس شان کے ساتھ تشریف لاتے ہوئے دیکھ کر) نصاریٰ نجران کے اسقف (لاٹ پادری) نے ان سے کہا۔ اے گروہ نصاریٰ میں کچھ چہرے ایسے دیکھ رہا ہوں کہ اگر خداوند عالم ان کی برکت سے پہاڑ کو اپنے مقام سے ہٹانا چاہے تو ہٹا دے۔ خبردار! ان سے مباہلہ نہ کرو۔ ورنہ قیامت تک روئے زمین پر کوئی نصرانی نہیں رہے گا۔ ایسا ہی تفسیر کبیر ج ۲ ص ۶۹۹ طبع مصر قدیم میں وارد ہے لیکن اس میں اسقف نجران کی تقریر کا ابتدائی حصہ یوں ہے۔ "انی لاری وجوھاً لو سئلوا اللہ ان یزیل جبلاً من مکانہ لازالہ بھا۔ میں کچھ ایسے (مقدس) چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ خدا سے سوال کریں کہ پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹا دے تو وہ اسے ہٹا دے گا۔ چنانچہ نصاریٰ نے جزیہ دینا منظور کر لیا۔ لیکن مباہلہ کے لئے تیار نہ ہوئے۔ امام فخر الدین رازی اپنی تفسیر کبیر ج ۲ ص ۴۸۸ طبع مصر میں یہ مذکورہ بالا واقعہ مباہلہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "اعلم ان ھذہ الروایۃ کالمتفق علی صحتھا بین اہل التفسیر والحدیث" (اس روایت کی صحت پر قریباً قریباً تمام مفسرین و محدثین کا اتفاق ہے اس سلسلہ میں یہ کتابیں بھی دیکھی جا سکتی ہیں تفسیر در منثور ج ۲ ص ۳۹۔ کشاف ج ۱ ص ۳۱۴۔ تفسیر کبیر ج ۲ ص ۴۸۸ صحیح مسلم مع شرح نووی ج ۲ ص ۲۷۸ مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۵۰ صواعق محرقہ ص ۹۳ وغیرہ وغیرہ)

اس آیت و روایت کی روشنی میں چند اہم امور کا بیان

اس آیۂ مبارکہ اور روایت شریفہ میں غور و تامل کرنے سے مندرجہ ذیل امور منجلی

ہوتے ہیں۔

اوّل:۔ اس آیہ مبارکہ میں امام حسنؑ و امام حسینؑ، حضرت علیؑ اور والدہ ماجدہ حسنینؑ ہی مقصودِ خدا ہیں اگر ان کے علاوہ کوئی اور شخصیت بھی مراد ہوتی تو ضرور آنحضرتؐ اس کو بھی اپنے ہمراہ لے جاتے لیکن باوجود الفاظ میں گنجائش ہونے کے۔ آنحضرتؐ کا کسی اور کو اپنے ہمراہ نہ لے جانا انہی حضرات کے مقصودِ خدا ہونے کی قطعی دلیل ہے۔

دوم:۔ قطع نظر باقی دلائل و براہین کے خود آیۂ مبارکہ اس امر پر نص ہے کہ حضرت امام حسنؑ و حسینؑ فرزندِ رسولؐ ہیں اور ان کو ابنائے رسولؐ کہنا خلافِ شرع نہیں بلکہ قرآن و حدیث کے عین مطابق ہے لہٰذا وہ لوگ جو ان حضرات کو فرزندِ رسولؐ کہنے سے کانوں پر ہاتھ رکھتے ہیں۔ انہیں اس آیت مبارکہ کی روشنی میں اپنے نظریہ پر نظرِ ثانی کرنی چاہیے[1] علاوہ بریں اس آیت و روایت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرات حسنینؑ کی شان

---

[1] چنانچہ انہی حقائق کے پیشِ نظر علامہ فخر الدین رازی یہ اقرار کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ کہ حضرات حسنین شریفین فرزندانِ رسولؐ مقبول ہیں چنانچہ وہ اپنی تفسیر کبیر ج ۲ ص ۱۷۱ مطبوعہ مصر پر لکھتے ہیں: "ھذہ الایۃ والۃ علی ان الحسن والحسین علیھما السلام کانا ابنی رسول اللہ صلعم وعدان یدعو ابناءہ فدعا الحسن والحسین فوجب ان یکونا ابنیہ ومما یؤکد ھذا قولہ تعالیٰ فی سورۃ الانعام ومن ذریتہ داود وسلیمان الی قولہ وزکریا ویحیی وعیسی ومعلوم ان عیسی علیہ السلام انما انتسب الی ابراھیم علیہ السلام بالام لا بالاب فثبت ان ابن البنت قد یسمی ابنا"۔ یعنی یہ آیۂ مباہلہ اس امر پر دلالت کرتی ہے۔ کہ حضرت حسن و حسین علیہما السلام فرزندانِ رسولؐ ہیں، کیونکہ آنجنابؐ کو اپنے بیٹے بلانے کا حکم دیا گیا تھا اور پیغمبر اسلام حضرت حسنینؑ کو اپنے ہمراہ لے گئے لہٰذا ضروری ہے کہ حسنین شریفین حضرت رسولِ خدا کے بیٹے ہوں اس امر کی تائید سورہ انعام کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے جس میں خداوند عالم فرماتا ہے کہ ابراہیمؑ کی ذریت میں سے داؤدؑ، سلیمانؑ (الی قولہ) زکریاؑ، یحییٰؑ اور عیسیٰؑ بھی تھے واضح ہے کہ حضرت عیسیٰؑ صرف ماں کی طرف سے حضرت ابراہیم کی طرف منسوب تھے نہ کہ باپ کی طرف سے۔ اس سے ثابت ہوا کہ نواسہ کو بھی اپنا بیٹا کہا جا سکتا ہے۔ اہلِ سنت کے بعض منصف مزاج علماء نے اس امر کو خصائص اہلِ بیتؑ سے شمار کیا ہے چنانچہ فاضل نبہانی اپنی کتاب شرفِ مؤبد کے ص ۵۵ پر رقمطراز ہیں۔ "من خصائصھم رضی اللہ عنھم مع کونھم اولاد ابنتہ فاطمۃ ینسبون ابناؤہ وینسبون الیہ صلی اللہ علیہ وسلم نسبۃ صحیحۃ" اخرج الطبرانی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ عزوجل جعل ذریۃ کل نبی فی صلبہ وجعل ذریتی فی صلب علی ابن ابی طالب وقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کل بنی ام ینتمون الی عصبتہ الا ولد فاطمۃ فانا ولیھم وانا عصبتھم۔ یعنی اہلبیتؑ کے خصائص میں سے ایک یہ امر بھی ہے کہ باوجودیکہ وہ آنحضرتؐ کی دختر کی اولاد ہیں، لیکن وہ خود آنحضرتؐ کے فرزند کہلاتے ہیں اور آپ

باقی اگلے صفحہ پر

حضرت یحییٰ ابنِ زکریا اور حضرت عیسیٰؑ علیٰ نبینا وآلہ وعلیہما السلام کی سی ہے بلکہ ان کی عظمت وبزرگی ان کی عظمت سے بڑھی ہوئی نظر آتی ہے حضرت عیسیٰؑ کا صغر سنی میں شہادت دینا فقط اپنی مادرِ گرامی کا دامنِ عفت محفوظ رکھنے تک ہی محدود تھا لیکن فرزندانِ رسولؐ کی صغر سنی والی شہادت کا دائرہ اس سے کہیں وسیع تر ہے کیوں کہ اس سے دو عظیم امتوں کی اصلاح اور ملتِ اسلامیہ کا بول بالا کرنا مقصود تھا، جس میں وہ بطریقِ احسن کامیاب ہوئے۔

سوم :- اس آیت میں سیدہ عالم سلام اللہ علیہا کی بہت بڑی فضیلت مضمر ہے کیونکہ خلاقِ عالم کا تمام نساء عالم کو نظر انداز فرما کر فقط اسی مخدرۂ عصمت و طہارت کو اس اہم کام کی انجام دہی کے لئے شریکِ رسالت قرار دینا اور ان کے حق میں بغرضِ تعظیم و تکریم صیغۂ جمع استعمال کرنا اس امر کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ صنفِ نازک میں صفحۂ ہستی پر جناب سیدہؑ کی کوئی نظیر نہیں ہے۔ صنف نازک کی قید ہم نے بر سبیلِ تنزل لگائی ہے ورنہ پیغمبرِ اسلامؐ کے قول سے تو یہ معلوم ہوتا ہے، کہ حضرت امیر المومنینؑ کی ذاتِ گرامی صفات نہ ہوتی تو حضرت فاطمہؑ کا صنفِ ذکور میں بھی کوئی کفو و ہمسر نہ تھا، خواہ انبیا ہوں یا غیر انبیاء، آنحضرتؐ فرماتے ہیں۔ لولا علی لما کان لابنتی فاطمۃ کفو آدم ومن دونہ[1]، اگر حضرت علیؑ نہ ہوتے تو میری بیٹی فاطمہؑ کا کوئی کفو نہ تھا نہ آدمؑ اور نہ کوئی اور۔

چہارم :- یہ آیت مبارکہ اس امر پر نص صریح ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نفسِ رسولؐ ہیں کیونکہ یہ یقینی امر ہے کہ حضرت سرورِ کائناتؐ میدانِ مباہلہ میں ان کو اپنے ہمراہ لے گئے تھے۔ لیکن جب الفاظِ آیت پر نظر کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ لفظِ "ابنا" میں ان کو داخل نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ لفظ "نساء" میں ان کو شامل کرنے کی گنجائش ہے۔ لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ آپؐ لفظ "انفسنا" ہی میں داخل ہیں بلکہ اس سے مراد ہی آپ ہیں۔ سابقاً بیان کیا جا چکا ہے کہ اس نفس رسولؐ ہونے کا مقصد اتحادِ نفسی و شخصی نہیں ہے کیونکہ دو شخصوں کا ملکر ایک ہو جانا عقلاً محال و ممتنع ہے۔ بلکہ اس سے

[1] ۱۵۶ صفحہ پر ملاحظہ کریں۔

بقیہ ص۱۵۴ کا فٹ نوٹ :- ہی کی طرف صحیح نسبت کے ساتھ منسوب ہوتے ہیں۔ طبرانی نے آنحضرتؐ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔ کہ خداوند عالم نے ہر شخص کی ذریت کو اس کے صلب میں قرار دیا ہے لیکن میری ذریت کو علیؑ ابن ابی طالب کے صلب سے قرار دیا ہے۔ نیز آپ کا یہ ارشاد بھی ہے، کہ ہر ماں کے بیٹے اپنے قبیلے کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ سوائے فاطمہؑ کے فرزندوں کے۔ کہ میں ان کا سرپرست ہوں اور وہ میرے خاندان میں سے ہیں۔ (منہ عفی عنہ)

فضائل وکمالات اور مدائح و محامد میں مساوات مقصود ہے لیکن دلائل خارجیہ کی روشنی میں مرتبۂ نبوت اور اس کے خصائص اس سے مستثنیٰ ہیں باقی اوصاف کمالیہ میں اتحاد و یگانگت بحال رہے گی۔ منجملہ حضرت رسولؐ کے فضائل جلیلہ کے ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ آپ تمام صحابہ بلکہ تمام انبیاء بلکہ تمام مخلوقات سے افضل ہیں لہٰذا جو شخص ان صفات میں آپ کا شریک وسہیم ہوگا وہ بھی آپ کی ذات عالی برکات کی طرح دیگر تمام مخلوقات سے افضل ہوگا۔

علمی لطیفہ! کتاب المحاسن والمساوی ج۱ ص۲۹ مطبع السعادہ مصر پر ایک لطیف واقعہ درج ہے راوی کا بیان ہے کہ میں ایک دن محمد بن عائشہ (محدث) کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک آدمی نے کھڑے ہو کر ان سے پوچھا من افضل اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ عن اصحابہ ام وسلم فقال ابوبکر و عمر و عثمان فقال لہ فاین علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ قال یا ھذا اتستفتی عن اصحابہ ام عن نفسہ فقال بل عن اصحابہ قال

سلہ یہ فٹ نوٹ پچھلے صفحہ کا ہے۔ مودۃ القربیٰ میں جناب ابن عباس سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا افضل رجال العالمین فی زمانی ھذا علی وافضل نساء الاولین والاخرین فاطمۃ ؑ میرے زمانہ کے تمام مردوں سے علیؑ افضل ہیں اور دنیا کی تمام گذشتہ اور آئندہ عورتوں سے حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا افضل ہیں کتاب الشرف المؤبد ص۵۹ پر شیخ یوسف حنفی النبہانی رقمطراز ہیں۔ روی ابن عبدالبر انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لھا یا بنیتی اماترضین ان تکونی سیدۃ نساء العالمین قال یا ابت فاین مریم قال تلک سیدۃ نساء عالمھا الخ ابن عبداللہ نے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے جناب فاطمہ سے فرمایا۔ اے بیٹی! کیا تم اس بات پر رضامند نہیں ہو کہ تم تمام عالمین کی عورتوں کی سردار ہو؟ جناب سیدہؑ نے عرض کی جناب مریمؑ کیا ہوئیں۔ (جو کہ بنص آیت سیدہ عالم ہیں!) فرمایا وہ اپنے زمانہ کی عورتوں کی سردار تھیں۔ (اور تمہاری سرداری کسی زمانہ کے ساتھ مختص نہیں ہے) بعدازیں لکھتے ہیں: صرح بافضلیتھا علی سائر النساء حتی السیدۃ مریم کثیر من العلماء المحققین منھم التقی السبکی والجلال السیوطی والبدر الزرکشی والتقی المقریزی وعبارۃ السبکی حین سئل عن مثل ذلک الذی نختارہ وندین اللہ بہ ان فاطمۃ بنت محمد افضل (یعنی بہت سے علمائے محققین مثل تقی الدین سبکی، جلال الدین سیوطی بدرالدین زرکشی، اور تقی الدین مقریزی نے تصریح کی ہے کہ جناب فاطمۃؑ تمام عورتوں حتیٰ کہ جناب مریمؑ سے بھی افضل ہیں چنانچہ جب تقی الدین سبکی سے اس قسم کا سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب میں فرمایا۔ جو ہمارا مختار ہے، اور جسے ہم اپنا دین سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ جناب فاطمۃؑ بنت محمدؐ تمام عورتوں سے افضل ہیں؟ (الشرف المؤبد ص۵۹ للنبہانی، منہ عفی عنہ۔

ان اللّٰہ تعالیٰ یقول قل تعالوا ندع۔ الخ فیکف یکون اصحابہ مثل نفسہ" "کہ اصحاب رسولؐ میں افضل کون ہے؟ محدث موصوف نے جواب میں کہا ابوبکر و عمر و عثمان۔ سائل نے کہا علی ابن ابی طالبؑ کیا ہوئے؟ ابن عائشہ نے جھلا کر کہا تو اصحاب رسولؐ کے بارے میں سوال کرتا ہے یا نفس رسولؐ کے بارے میں؟ سائل نے کہا اصحاب کے بارے میں۔ ابن عائشہ نے آیت مباہلہ پڑھ کر کہا۔ اصحاب رسولؐ نفس رسولؐ کی مانند کیونکر ہو سکتے ہیں؟

بلے

این زمین را آسمانے دیگر است

پنجم:۔ جناب رسول خداؐ کا ذوات مقدسہ سے یہ فرمانا کہ جب میں دعا کروں تو تم آمین کہنا۔ ان حضرات کی انتہائی عظمت و شان و رفعت مکان کی واضح ترین دلیل اور روشن برہان ہے۔ آنحضرت کی اس فرمائش میں اس طرف اشارہ ہے کہ اپنے مقاصد و مطالب شرعیہ کی انجام دہی میں بعض صلحا و اتقیا (ائمہ ھدیٰ) سے مقام وسیلہ میں :۔ استمداد اور استشفاع نہ صرف جائز ہے بلکہ سنت نبوی سے لہٰذا جو مدعیان توحید اس فعل کو شرک بتلاتے ہیں، انہیں آنحضرتؐ کے اس اسوۂ حسنہ کی روشنی میں اپنے اس خود ساختہ عقیدہ کا جائزہ لینا چاہیے۔ پس ان حقائق کی روشنی میں واضح ہوا کہ حضرات شیعہ کا اپنے مقاصد و مطالب میں ائمہ اہل بیتؑ سے توسل حاصل کرنا عین سنت نبوی کا اتباع ہے۔ والحمد للّٰہ علی احسانہ۔

ششم:۔ نصارائے نجران کے لاٹ پادری کا ان حضرات کی عظمت و جلالت کا بایں الفاظ اقرار کرنا "انی لاری وجوھا لو سئلوا اللّٰہ ان یزیل جبلاً عن مکانہ لازالہ بھا" (میں کچھ ایسے مقدس چہرے دیکھ رہا ہوں، کہ اگر وہ بارگاہ ایزدی میں دعا کریں کہ وہ پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹا دے تو وہ ضرور ان کی برکت سے ہٹا دے گا) ان بزرگواروں کی ہمہ گیر عظمت و بزرگی کی زبردست دلیل ہے جو

والفضل ما شھدت بہ الاعداء

چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ ان لوگوں نے جزیہ دینا قبول کر لیا۔ لیکن ان ذوات قادسہ سے مباہلہ کرنے کی جرأت نہ کی۔

برسبیل تذکرہ! ان حضرات کے میدان مباہلہ میں جانے اور اسقف نجران کے ان کی عظمت و جلالت کا اعتراف کرتے ہوئے اہل نجران کو ان سے مباہلہ نہ کرنے کا مشورہ دینے اور ان لوگوں کے مباہلہ نہ کرنے کا واقعہ لکھتے وقت ہماری آنکھوں کے سامنے ایک اور المناک واقعہ کا نقشہ کھنچ جاتا ہے، وہ یہ کہ آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد ایک وقت ایسا بھی آیا کہ (۱) ان کا جو استقبال کیا اور خاتون قیامت کے دعوائے فدک اور جوانان جنت کے سرداروں کی شہادتوں کو ٹھکرا کر ان کی جو

(۱) جب یہ بزرگوار خلافت اولیٰ کے دور میں ...

عزت افزائی فرمائی اس کی خون خونچکاں داستان سے کتب حدیث اور سیر و تواریخ لبریز ہیں ولنعم ماقیل

ع ہیچ کافر نہ کند آنچہ مسلمان کردند

تلک الایام نداولہا بین الناس ع

اے فلک آں ابتداء ایں انتہائے اہل بیت[1]

بہر حال یہ ایک جملہ معترضہ تھا جو درد دل سے مجبور ہو کر عرض کر دیا گیا۔ مقصد اس آیت و روایت سے استنباط شدہ مطالب کا بیان کرنا تھا ان بیانات کی روشنی میں واضح ہوا کہ اس آیت مبارکہ میں فضائل اصحاب کساء کے دریا موجزن ہیں اور نفس خدا و رسولؐ ثابت ہوتا ہے کہ جناب امیرؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ علیہم السلام پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات کے سوا باقی تمام مخلوقات سے افضل و اشرف اور پیغمبرؐ کے نزدیک سب سے زیادہ عزیز و محترم ہیں۔ غالباً اسی وجہ کی بناء پر صاحب کشاف نے لکھا ہے کہ " فیہ دلیل لا شئی اقوی منہ علی فضل اصحاب الکساء علیہم السلام " اس آیت مبارکہ میں اصحاب کساء (خمسہ نجباء) کی فضیلت پر وہ زبردست دلیل موجود ہے کہ جس سے بڑھ کر اور کوئی دلیل متصور نہیں ہو سکتی " (تفسیر کشاف ج ا ص ۱۲۴ طبع مصر)

ہفتم:- اس میں آنحضرتؐ کی نبوت و رسالت کی صحت پر قوی ترین دلیل موجود ہے کیونکہ اگر آپ کو اپنی نبوت کا یقین کامل نہ ہوتا۔ تو ہرگز اپنے افلاذ قلب و اثمار فواد کو معرض ہلاکت میں نہ لاتے۔ اور ہرگز ایسا اقدام نہ کرتے اور نہ ہی نصارائے نجران مباہلہ سے پہلو تہی کرتے۔ لیکن آپؐ کا یہ اقدام اور ان لوگوں کا یہ احجام آپؐ کی نبوتؐ کا قطعی برہان ہے۔ اسی طرف صاحب کشاف نے اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔" (فیہ برہان واضح علی صحۃ نبوۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لانہ لم یرو واحد من موافق ولا مخالف انہم اجابوا الی ذلک " ج ا ص ۱۲۴ طبع مصر)

ہشتم:- اس واقعہ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ افضل کی موجودگی میں مفضول کا انتخاب کرنا سنت خدا و رسولؐ کے خلاف ہے۔ بلکہ افضل ہی کو مقدم کرنا لازم ہے۔

نہم:- سقیفائی خلافتوں کے سربراہوں سے حضرت امیر المومنینؑ خدا و رسولؐ کی نظر میں افضل و

---

[1] اس واقعہ ہائلہ کی تفصیلات دیکھنے کے شائقین ہماری تازہ علمی پیش کش "تجلیات صداقت" جواب "آفتاب ہدایت" کا مطالعہ کریں۔ مذہب حق کی صداقت و حقانیت کے دلائل قاہرہ و براہین باہرہ کی تجلیوں سے دل نور ایمان سے منور ہو جائیں گے۔ انشاء اللہ۔ منہ عفی عنہ۔

اشرف تھے۔ ورنہ آنحضرتؐ ان کو نظر انداز کر کے ان کو اپنے ہمراہ نہ لے جاتے۔

دھم:۔ کارِ رسالت و نبوت میں حضرت علی علیہ السلام اور ان کے اہلِ خانوادہ ہی شریک وسہیم ہیں۔ لہٰذا وہی خلافت و وصایت پیغمبرِ اسلام علیہ و آلہ السلام کے حقدار ہیں نہ کوئی اور۔ وھوالمطلوب

تقریبِ استدلال! یہ آیۂ مبارکہ تین طریقوں سے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کی خلافت بلافصل پر دلالت کرتی ہے

طریق اوّل ہم ابھی اوپر امرِ چہارم میں ثابت کر چکے ہیں کہ لفظ "انفسنا" سے مراد حضرت امیر امیرالمومنینؑ کی ذات والاصفات ہے اور یہ کہ اس سے سوائے مقام و خصائص نبوت کے دیگر تمام فضائل و کمالات میں پیغمبرِ اسلام کے ساتھ آپ کی مساوات مقصود ہے اور یہ کہ اس سے حضرت علیؑ کی تمام اُمت بلکہ تمام کائنات پر افضلیت واضح ہوتی ہے لہٰذا جب اس آیت کی روشنی میں یہ ثابت ہو گیا ہے کہ حضرت امیرالمومنینؑ بعد نبیؐ افضل الناس ہیں تو اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ آپ ہی آنحضرتؐ کے خلیفہ بلافصل ہیں کیونکہ جو افضل ہو گا وہی آنحضرتؐ کا جانشین ہو گا۔ اگر ان کی موجودگی میں جو افضل ہیں کسی اور کو خلیفہ بنا دیا گیا۔ تو تقدیم مفضول بر فاضل لازم آئے گی جسے ہم باب دوم میں بعض شرائط امام باطل اور بدلائل عقلیہ و نقلیہ امام کا افضل الناس ہونا ثابت کر چکے ہیں۔

طریق دوم جب اس آیۂ مبارکہ سے حضرت امیرالمومنینؑ کا نفسِ رسولؐ ہونا واضح ہو گیا۔ تو اس صورت میں اگر کوئی شخص آنجنابؑ کو چھوڑ کر کسی اور کو ان پر مقدم کرتے ہوئے خلیفہ بنا دے تو لازم آئے گا کہ نفسِ رسولؐ مؤخر ہو جائے اور غیر مقدم یہ ایسا فعلِ قبیح ہے جسے کوئی صاحب عقل و انصاف گوارا نہیں کر سکتا۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ ہر معاملہ میں بالعموم اور مسئلہ خلافت میں بالخصوص نفسِ رسولؐ کو ہی سب سے مقدم ہونا چاہیئے۔ وھوالمطلوب۔

طریق سوم عقلائے روزگار کے یہاں یہ امرِ مسلّم ہے کہ جب انسان کی کوئی نہایت محبوب و پسندیدہ خاطر چیز اس کے ہاتھ سے چلی جائے۔ تو وہ کوشش کرتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح وہ شیئ حاصل کرے جو فوائد و منافع میں پہلی شیئ کے مساوی ہو۔ یہ ایسا مسلّم فطری کلیہ ہے جس پر ہمیشہ ہر زمانہ میں عمل رہا ہے اور رہے گا۔ کوئی شخص اس میں کسی قسم کا خدشہ و مناقشہ نہیں کر سکتا۔ بنا بریں جب پیغمبرِ اسلام ایسی نعمتِ عظمیٰ ہمارے ہاتھوں سے چلی گئی تو اب ہماری عقلِ سلیم یہ حکم لگاتی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مسندِ خلافت پر ایک ایسے شخص کو بیٹھنا چاہیئے۔ جو فضائل و کمالات میں آپ کا مساوی اور فوائد و منافع کے اعتبار سے آپ کا ہم پلہ ہو۔ تاکہ جن امور میں

آنحضرتؐ کے حین حیات ہم ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اب انہی امور میں اس کی طرف رجوع کرکے اپنے دامنِ مراد کو پُر کرسکیں۔ اب ہمیں فقط ایسے شخص کی تلاش کرنا چاہیئے جو ان مراتب و مدارج میں نفسِ رسولؐ ہو لہٰذا اس معاملہ میں جب ہم نے کتابِ خداوندی کی طرف رجوع کی تو اس نے بموجب " ان ھذا القرآن یھدی للتی ھی اقوم " ہماری رہبری کی اور زبانِ حال سے یہ کہا کہ اِدھر اُدھر بھٹکنے کی ضرورت نہیں ہے آیۂ مباہلہ کی تلاوت کرو، پتہ چل جائے گا کہ نفسِ رسولؐ کون ہے قرآن کی حسب الامر جب ہم نے اس آیت کی طرف رجوع کی تو کالشمس فی رابعۃ النہار واضح و آشکار ہو گیا کہ نفسِ رسولؐ سے مراد حضرت امیر المومنینؑ کی ذاتِ قدسی صفات ہے۔ اب تمام عقدے حل ہوگئے اور عقل و نقل کی روشنی سے واضح ہوگیا۔ کہ حضرت سید المرسلینؐ کے خلیفہ بلافصل حضرت امیر المومنینؑ صلوات اللہ وسلامہ علیہ و آلہ اجمعین ہی ہیں۔ اہلِ تعصب و عناد کا یہ کہنا کہ " لامیر المومنین فی ھذہ الآیۃ فضیلۃ عظیمۃ وھی مسلمۃ، ولکن لاتصیر دالۃ علی النص بامامتہ؟"
یعنی اس میں کوئی شک نہیں کہ اس آیت میں حضرت امیر المومنین کی عظیم القدر فضیلت بیان کی گئی ہے جو مسلم ہے لیکن یہ آیت آپ کی امامت پر بطور نص دلالت نہیں کرتی (فضل ابن روزبہان)، غلط محض ہے۔ حقائق قرآنیہ و دلائلِ فرقانیہ سے جہالت یا تجاہل کی کوئی حد ہے؟ ہمارا مذکورہ بالا بیان حقیقت ترجمان ملاحظہ کرنے کے بعد کسی بھی صاحبِ عقل و انصاف انسان کو اس امر میں ذرہ بھر شک و شبہ باقی نہیں رہ جاتا۔ کہ یہ آیت بطور نص صریح حضرت امیر علیہ السلام کی خلافتِ بلافصل پر دلالت کررہی ہے۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط

ایک اشکال کہا جاتا ہے کہ " انفسنا " سے مراد خود ذاتِ رسول ہے یعنی مطلب یہ ہے کہ اے نصاریٰ! تم بھی اپنے آپ کو بلاؤ اور ہم بھی اپنے آپ کو بلائیں گے؟

(الجواب بتسدید اللہ الاواب) یہ اشکال بدو وجہ ایک امرِ محال ہے!

اولاً اس لئے کہ اپنے آپ کو بُلانا بالکل ایک مہمل اور غیر معقول بات ہے کیونکہ داعی و مدعو میں مغایرت ہونا چاہیئے۔ ایک ہی شخص داعی بھی ہو اور مدعو بھی یہ محال ہے۔

ثانیاً اس لئے کہ اگر " انفسنا " سے خود حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد لئے جائیں تو پھر حضرت امیر المومنینؑ کو میدانِ مباہلہ میں ہمراہ لے جانے کی کوئی ممکن صورت نظر نہیں آتی کیونکہ آیتِ مبارکہ کے اور کسی لفظ میں آنجناب کے داخل کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں حالانکہ ہم سابقاً علمائے اسلام کا اتفاق نقل کرچکے ہیں کہ حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب

امیر علیہ السلام کو ہمراہ لے گئے۔ ماننا پڑے گا کہ "انفسنا" سے مراد حضرت امیر المومنین علیہ افضل التحیۃ والتسلیم ہی ہیں۔

ازالۂ وہم اگر اس مقام پر یہ کہا جائے کہ اگر "انفسنا" سے حضرت علیؑ کو مراد نہ لینے کی صورت میں جس طرح ان کے ہمراہ لینے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ اسی طرح اگر اس سے مراد حضرت سرور کائنات کو نہ لیا جائے تو ان کی جانے کی بھی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ ان کو کسی اور لفظ کے دامن میں داخل نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے متعلق یہ گزارش ہے کہ یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے سوائے لفظ "انفسنا" کے کسی اور لفظ کے دامن میں گنجائش نہیں غلط ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ ہی صیغہ "ندع بلائیں۔ ونبتھل (مباہلہ کریں)" کے ساتھ تکلم فرمانے والے مباہلہ کا معاہدہ کرنے والے اور اس کے سربراہ ہیں۔ لہٰذا آپ یقیناً اس میں داخل ہیں بخلاف حضرت امیر المومنینؑ کے کہ اگر ان کو مقصود "انفسنا" قرار نہ دیا جائے۔ تو ان کے لئے اور کسی لفظ کے دامن میں وسعت نہیں ہے۔

تیسری آیت قال اللہ تبارک وتعالیٰ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک فان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس

(پ ۶ س مائدہ ع ۴) اے رسولؐ اس امر کو لوگوں تک پہنچا دو۔ جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اور (یاد رکھو کہ) اگر تم نے اس امر کی عملی تبلیغ نہ کی تو یوں سمجھنا کہ تم نے خدا کا کوئی کار رسالت انجام دیا ہی نہیں اور (خائف و ہراساں نہ ہو) خداوند عالم تمہیں لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔

اسلام کا کوئی مسئلہ مسلمانوں کے اختلاف سے محفوظ نہیں شریعت مقدسہ اسلامیہ کا کوئی ایسا گوشہ نہیں جو مسلمانوں کے اختلاف آراء کی آماجگاہ نہ بنا ہو۔ خواہ تفسیر ہو یا حدیث فقہ ہو یا اصول غرضیکہ جس زاویہ پر نظر ڈالی جائے۔ وہی معرکۃ الآراء نظر آتا ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ ان اقوال و آراء میں سے کسی قول والے کو اکثر لوگوں کی تائید و تقویت حاصل ہوتی ہے اور بعض کو قلیل کی۔ بعض کی تائید اخبار و آثار سے ہوتی ہے اور بعض ظن و تخمین کے بل بوتے پر زندہ ہوتے ہیں لہٰذا ان حالات میں کسی مسئلہ کے متعلق مطلقاً یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ اس پر اس طرح تمام علمائے اسلام کا اجماع و اتفاق ہے۔ کہ اس مسئلہ میں اور کوئی قول ہی نہیں۔ ہم جہاں یہ کہتے ہیں کہ فلاں آیہ کے فلاں معنیٰ پر یا فلاں روایت کی صحت پر مفسرین و محدثین کا اتفاق ہے تو اس سے ہماری مراد یہ ہوتی ہے کہ اس تفسیر و حدیث

کی صحت پر اکثر معتبر مفسرین و محدثین کا اتفاق ہے۔ اور یہ کہ اس قول کو اخبار و آثار صحیحہ کی تائید حاصل ہے۔ اور اس کے بالمقابل جو دوسرا قول یا دوسرے اقوال ہیں وہ قائلین کی ندرت و قلت اور اخبار و آثار صحیحہ سے ان کی تائید نہ ہونے کی وجہ سے قابلِ ردّ اور درجہ حجیّت و اعتبار سے ساقط ہیں۔

اس آیت کا شان نزول

اس مختصر تمہید کے بعد عرض ہے کہ عالم اسلام کے سب مستند و معتبر مفسرین و محدثین اور مورخین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ یہ آیہ وافی ہدایہ اٹھارہ ذوالحجہ سنہ ۱۰ھ کو بمقام غدیر خم سرکار سید المرسلین پر جناب امیر المومنینؑ کے بارے میں نازل ہوئی جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم آخری حج سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ علامہ جلال الدین سیوطی اپنی تفسیر درمنثور ج ۲ صفحہ ۲۹۸ طبع مصر میں باسناد ابن ابی حاتم و ابنِ عساکر و ابن مردویہ ابی سعید خدری سے اور باسناد ابنِ مردویہ ابنِ مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ ان دو اصحاب رسولؐ کا بیان ہے کہ "کنا نقرء علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یا ایھا الرسول بلّغ ما انزل الیک من ربک ان علیاً مولی المومنین" ہم عہدِ رسالت مآب میں اس آیت کو یوں پڑھا کرتے تھے۔ اے رسول! جو کچھ تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے کہ علیؑ مومنوں کے مولیٰ ہیں" اسے پہنچا دو۔ ایسا ہی تفسیر مظہری صفحہ ۶۸ اور فتح البیان ج ۳ صفحہ ۸۹ حبیب السیر صفحہ ۱۴۳ ارجح المطالب صفحہ ۲۰ وغیرہ میں مذکور ہے۔ واحدی نے اسباب النزول صفحہ ۱۵۰ پر باسناد خود ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ "نزلت ھذہ الآیۃ یوم غدیر خم فی علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ" یعنی یہ آیہ مبارکہ غدیر خم کے دن حضرت علیؑ کے حق میں نازل ہوئی"۔ اسی طرح فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر ج ۳ صفحہ ۶۳۶ پر بذیل وجہ دہم بیان کیا ہے کہ "نزلت ھذہ الآیۃ فی فضل علیؑ ابن ابیطالب" یعنی یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی اور اسے ابنِ عباس و براء بن عازب اور محمد بن علیؑ (امام محمد باقرؑ) کا قول قرار دیا ہے۔

تقریب استدلال

وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم جو واجب تو واجب استحبابی اوامر کے امتثال میں بھی ذرہ بھر تقصیر و کوتاہی نہیں فرمایا کرتے تھے۔ وہ بھلا اس تہدید آمیز وجوبی حکم کے امتثال میں کس طرح سہل انگیزی کر سکتے تھے۔ جس کی عدم بجا آوری سے تمام کارِ رسالت کے ضائع ہونے کا فقط شدید خطرہ ہی نہیں بلکہ یقین تھا یہی وجہ ہے کہ جب مقام غدیر خم میں اس آیہ مبارکہ کا نزول ہوا تو باوجودیکہ گرمی کی بڑی شدت تھی سایہ کا کوئی انتظام نہ تھا، عام لوگ ظاہری شدتِ گرما سے اور کچھ لوگ اس کے علاوہ اندرونی آتشِ حسد کی حدت سے کباب ہوئے جاتے تھے۔ لیکن آنحضرتؐ نے ان امور کی پروا نہ کی۔ اور خود وہیں رحلِ اقامت ڈال دیا۔ اور پالانوں کا منبر تیار کر کے اس فریضہ کی تبلیغ شروع کی۔ مورخین و محدثین

نے اس وقت کا نقشہ بایں الفاظ کھینچا ہے کہ " انہ کان یوما صائفا حتی ان الرجل لیضع ردائہ تحت قدمیہ وعلی رأسہ الرمضاء یستظل بدابتہ ثم جمع الرجال والاثقال واقتاب الجمال وصعد علیہا. وقال مخاطباً یا معاشر المسلمین الست اولی بکم من انفسکم الخ وہ اٹھارہ ذی الحجہ سنہ ۱۰ھ کا دن سخت گرمی کا دن تھا یہاں تک کہ آدمی اپنی چادریں زیر پا بچھاتے تھے اور سروں پر شدید گرمی پڑ رہی تھی لوگ اپنی سواریوں کے سایہ میں پناہ لے رہے تھے. (لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہیں ڈیرہ ڈال دیا) اور سامانِ سفر اور اونٹوں کے پالان جمع کر کے (ایک منبر تیار کیا) اس پر تشریف لے جا کر لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا. الست اولی بکم من انفسکم. قالوا بلی قال من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ. اے مسلمانو! کیا میں تمہارے نفسوں سے زیادہ تم پر حق حکومت و تصرف نہیں رکھتا؟ سب نے کہا ہاں یا رسول اللہ! بے شک ایسا ہی ہے. فرمایا جس کا میں حاکم و سردار ہوں اس کا علیؑ بھی حاکم و سردار ہے" (اس فریضہ کی انجام دہی کے بعد خالق اکبر کی طرف متوجہ ہوئے اور یوں دعا کی.) بارالہا! جو شخص علیؑ سے دوستی رکھے تو اسے دوست رکھ اور جو ان سے دشمنی کرے تو اس سے دشمنی کر جو ان کی نصرت کرے تو ان کی نصرت کر اور جو ان کی نصرت نہ کرے تو بھی ان کی نصرت نہ کر۔

یہ واقعہ سابقاً نام بردہ کتب کے علاوہ باختلاف یسیر کتاب ارجح المطالب ص۳۶ پر بحوالہ حافظ ابونعیم حلیۃ الاولیاء و ثعلبی در تفسیر خود اور ص۳۰ پر بحوالہ ابن مغازلی در مناقب اور ابراہیم نطری در خصائص اور شہاب الدین احمد در توضیح الدلائل میں بھی موجود ہے اور ایسا ہی تفسیر درمنثور ج ۲ ص۲۵۹ پر مذکور ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس اہم فریضہ سے سبکدوش ہو چکے تو فوراً جبرئیلؑ امین یہ آیۂ مبارکہ لے کر نازل ہوئے "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا" آج کے دن میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا. اور اپنی نعمت کو تم پر تمام کر دیا اور تمہارے لئے دینِ اسلام کو پسند کیا. (درمنثور ج۲ ص۲۵۹ طبع مصر تذکرہ سبط ابن جوزی ص۱۸ طبع ایمان تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص۱۴ طبع مصر) ؎

خدا کرد دینِ خود امروز کامل	کہ فرمود الیوم اکملت نازل
بشانِ علی روز عید غدیرش	نبی شد بہ من کنت مولاہ قائل

اس وقت سرکار سرورِ کائناتؐ نے فرطِ مسرت وانبساط سے فرمایا "اللہ اکبر علی اکمال الدین و اتمام النعمۃ ورضی الرب برسالتی والولایۃ لعلی ابن ابی طالب" میں اللہ کی عظمت و بزرگی بیان کرتا ہوں تکمیل

دین، اتمام نعمت، اور اپنی رسالت اور علی ابن ابی طالب کی ولایت پر خداوند عالم کی رضامندی کی وجہ سے (مفتاح النجا فی مناقب آل العبا بدخشی)

اس کے بعد مبارک بادی کا سلسلہ شروع ہوا اور غالباً سب سے پہلے حضرت عمر نے آگے بڑھ کر ہدیہ تبریک پیش کیا۔ تفسیر کبیر ج ۳ صفحہ ۶۳۶ پر ہے "فلقیه عمر فقال هنیئاً لک یا ابن ابی طالب اصبحت مولای و مولی کل مؤمن و مؤمنة" اے فرزند ابو طالب مبارک ہو مبارک! کہ آپ میرے اور ہر مومن مرد اور مومنہ عورت کے مولا و آقا ہو گئے۔ (تاریخ بغداد ج ۸ صفحہ ۲۹۰ میں بجائے "هنیئاً" کے بخ بخ یا ابن ابی طالب مذکور ہے) جناب عمر کی مبارکبادی کا تذکرہ مسند ابو یعلی و تفسیر ابن جریر ج ۳ صفحہ ۴۲۸ فصول مہمہ ابن صباغ مالکی صفحہ ۲۵، سر العالمین غزالی صفحہ ۱۲ تذکرہ سبط ابن جوزی صفحہ ۱۸ طبع ایران پر بھی مذکور ہے۔ بہرحال یہ واقعہ غدیر والی حدیث شریف صحیح بلکہ متواتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابناء جماعت نے اپنا زیادہ زور اس حدیث کی معنوی تحریف و تاویل پر صرف کیا ہے اسی لئے ہم بھی اس کی دلالت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

وجہ دلالت واقعہ غدیر بر امامت حضرت امیرؑ

واضح ہو کہ لفظ "مولیٰ" کلام عرب میں چند معنوں میں استعمال ہوا ہے منجملہ ان کے معنی معتق (آزاد کردہ) "عبد" (غلام) "حلیف" (ہم قسم) "ابن" (بیٹا) "عم" (چچا) "ابن العم" (چچازاد بھائی) "الناصر" (مددگار) "محب" (دوست) "اولی بالتصرف" (سردار و حاکم) یہاں تک کہ بعض محققین نے اس کے ستائیس ۲۷ معنی شمار کئے ہیں۔ موقع و محل کی مناسبت سے یہ لفظ ان معانی میں استعمال ہوتا ہے لیکن اس مقام پر اس سے قطعاً آخری معنی (اولی بالتصرف) مراد ہیں کیونکہ یہاں اس کے دوسرے اکثر معانی تو فی نفسہا ہرگز مراد نہیں ہو سکتے جیسے "معتق" و "عبد" و "حلیف" و "عم" وغیرہ۔ ہاں البتہ "ناصر" و "محب" کے معنوں کے احتمال کی نفی نہیں کی جا سکتی۔ مگر اس مقام پر ایسے قرائن و دلائل عقلیہ و نقلیہ موجود ہیں جو یہ بتاتے ہیں کہ یہاں اس لفظ سے مراد فقط "اولی بالتصرف" ہی ہے نہ ناصر نہ محب اور نہ کوئی دوسرے معنی جب ان قرائن کی روشنی میں اس لفظ کا معنی "اولی بالتصرف" ہونا ثابت ہو جائے گا، تو اس کا خلافت و امامت حضرت امیر المومنینؑ پر نص ہونا بھی واضح و آشکار ہو جائے گا، کیونکہ شرعی نقطہ نگاہ سے "اولی بالتصرف" نبی ہوتا ہے۔ النبی اولی بالمومنین من انفسھم الآیہ۔ یا وصی نبی لیکن حضرت امیر المومنینؑ نبی تو نہیں لہٰذا وصی نبی ضرور قرار پائیں گے۔ وھو المطلوب۔

اب ہم ذیل میں ان قرائن کثیرہ میں سے چند قرائن بطور نمونہ لکھتے ہیں، جو "ناصر" و "محب" وغیرہ معانی مراد نہ ہونے اور "اولی بالتصرف" کے مقصود ہونے پر قطعی دلالت کرتے ہیں۔ وھی ھذہ۔

پہلا قرینہ صدر حدیث میں وارد شدہ جملہ الست اولیٰ بکم من انفسکم سے بطور تمہید اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ آنے والے لفظ "مولیٰ" کے وہی معنی ہیں جو اس "الست" اولیٰ کے ہیں، ظاہر ہے کہ اس جملہ کے معنی اولویت بالتصرف کے ہیں کیونکہ یہ جملہ آیتِ قرآنیہ کا اقتباس ہے۔ "النبی اولیٰ بالمومنین من انفسکم" جس کے متعلق صاحب تفسیر بیضاوی ج ۲ ص ۲۶۵ طبع مصر نے لکھا ہے کہ "ای فی الامور کلہا" یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومنین کے تمام دینی و دینوی امور میں ان سے بڑھ کر تصرف کرنے کا حق رکھتے ہیں اسی طرح جناب امیرؑ بھی انہی معنوں میں "مولی المومنینؑ" ہوں گے۔ ونعم ما قیل۔ ؎

چرا در معنیٔ من کنت مولا میروی ہر سو ۔ علیؑ مولا بآں معنی کہ پیغمبر بود مولا

دوسرا قرینہ واضح ہے کہ اس حدیث شریف میں حضرت امیر المومنینؑ کی وہ خصوصیت بیان کی جا رہی ہے جس میں اور کوئی شخص آپ کا سہیم و شریک نہیں اور نہ خود آپ کو آج سے پہلے یہ خصوصیت حاصل تھی اور یہ مطلب جب ہی متحقق ہو سکتا ہے کہ جب اس لفظ سے مراد "اولی بالتصرف" لیا جائے کیونکہ "ناصر و محب" ہونا ایسے عمومی صفات ہیں جن میں سب مومنین باہم شریک ہیں اور جناب امیرؑ کو بھی آج سے پہلے یہ صفات حاصل تھے۔ ارشاد الٰہی ہے "المومنون بعضہم اولیاء بعض" مومنین بعض، بعض کے دوست ہیں (اور آپ تو امیر المومنین ہیں) اسی طرح تعاونوا علی البر و التقویٰ۔ اے ایمان والو! تقویٰ و پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی امداد کیا کرو۔ کون نہیں جانتا حضرت امیر المومنینؑ ہی کی مدد و نصرت سے شجر اسلام پھولا پھلا اور پروان چڑھا تھا۔ ونعم ما قال ابن ابی الحدید۔ ؎

ولولا ابو طالب و ابنہ ۔ لما مثل الدین شخصا فقاما

فذاک بمکۃ آوی و حامی ۔ و ہذا بیثرب جس الحماما

ماننا پڑے گا کہ یہاں "اولی بالتصرف" ہونا ہی مراد ہے۔

تیسرا قرینہ! اگر یہی عمومی معانی از قسم نصرت و محبت مراد ہوتے تو آنحضرتؐ کا اس قدر اہتمام و انتظام جس کا تذکرہ ابھی اوپر کیا جا چکا ہے بالکل لغو و بے معنی ہو کر رہ جائے گا۔ ظاہر ہے کہ اس امر کی تبلیغ کرنا کہ جس کا میں ناصر یا دوست ہوں اس کے علیؑ بھی ناصر یا دوست ہیں، کوئی ایسا اہم کام نہیں جس کے انجام نہ دینے سے پوری رسالت پر پانی پھر جاتا ہو۔ علاوہ بریں ان معانی کی کئی دفعہ پہلے بھی تبلیغ ہو چکی تھی۔ ملاحظہ ہو آیۂ مودۃ "قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ"

اور حدیث یا علی حبک ایمان و بغضک کفر و نفاق اور حدیث "من احب علیا فقد احبنی۔ الی غیر ذالک من الاحادیث الکثیرۃ۔ ماننا پڑے گا کہ آج ایک ایسے نئے اور اہم کام کے انجام دینے کا حکم دیا گیا ہے جس میں کوتاہی کرنے سے سب کار رسالت ضائع ہو رہا ہے وہ کام بجز اعلان خلافت و امامت حضرت امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی ہے۔

چوتھا قرینہ حارث ابن نعمان فہری کا واقعہ بھی اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ یہاں لفظ مولیٰ سے مراد اولی بالتصرف ہے اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ جب آنحضرتؐ نے یہ اعلان فرمادیا تو رفتہ رفتہ یہ خبر اطراف و اکناف میں پہنچ گئی۔ چنانچہ جب ایک بدبخت حارث ابن نعمان فہری نامی شخص کو اس امر کی اطلاع ہوئی تو وہ آپے سے باہر ہوگیا، فوراً ناقہ پر سوار ہو کر مدینہ میں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یوں جسارت آمیز لفظوں میں کہنے لگا، اے محمدؐ! تم نے ہمیں یہ حکم دیا۔ کہ خدا ایک ہے اور تم اس کے رسول ہو، ہم نے اس کی تصدیق کی! تم نے ہمیں پانچ نمازوں کا حکم دیا ہم نے اسے قبول کیا تم نے زکوٰۃ کا حکم دیا ہم نے مانا، تم نے ہمیں ماہ رمضان کے روزہ رکھنے کا امر کیا ہم نے اسے بھی تسلیم کیا تم نے حج کا حکم دیا اسے بھی ہم نے قبول کیا۔ لیکن تم نے ان امور پر اکتفانہ کی۔ اور اب اپنے ابن عم علی بن ابی طالبؑ کو بلند کرنے لگے، اور کھلم کھلا ان کو ہم پر فضیلت دیتے ہوئے صاف لفظوں میں کہہ دیا "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" مجھے تم یہ بتاؤ کہ تم نے اپنی طرف سے ایسا کیا ہے یا خدا کی طرف سے آنحضرتؐ نے فرمایا، کہ اس ذات کی قسم جس کے سوا اور کوئی خدا نہیں میں نے خداوند عالم کے حکم سے ہی ایسا کیا ہے! یہ سن کر حارث پیٹھ پھیر کر اپنی ناقہ کی طرف متوجہ ہوا، اور اس اثناء میں بارگاہ ایزدی میں اپنی شقاوت کا یوں اظہار کیا۔ اللھم ان کان مایقول محمد حقاً فامطر علینا حجارۃ من السماء او ائتنا بعذاب الیم۔ بار الہٰا! جو کچھ محمدؐ نے کہا ہے اگر یہ سچ ہے تو میرے اوپر آسمان سے کوئی پتھر نازل کر یا کوئی دردناک عذاب بھیج۔ راویان اخبار کا بیان ہے کہ ابھی نعمان ناقہ تک نہیں پہنچا تھا کہ خداوند عالم نے ایک پتھر نازل کیا جس نے اس کے سر و بدن کو دو نیم کر دیا، نعمان اسی وقت واصل جہنم ہو گیا اس کے بعد خداوند عالم نے یہ آیت نازل کی "سئل سائل بعذاب واقع للکافرین لیس لہ دافع من اللہ ذی المعارج (ملاحظہ ہو تفسیر ثعلبی بذیل آیت سئل سائل، مودۃ القربیٰ، تفسیر قرطبی ج ۱۸ صفحہ ۲۷۸ طبع مصر بذیل آیہ ہذا تذکرہ سبط ابن جوزی صفحہ ۱۹، تفسیر سراج منیر ج ۴ صفحہ ۳۶۴ فرائد السمطین حموینی ج ۲ باب ۱۳، فتح القدیر ج ۲ صفحہ ۵۷ سیرت حلبیہ اور جواہر العقدین سمہودی وغیرہ) یہ واقعہ اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ حارث ابن نعمان نے اس لفظ سے یہی معنی (اولی بالتصرف) سمجھے تھے جیسا

کہ اس کے قول وفعل سے ظاہر ہے ورنہ اگر یہ لفظ بمعنی "ناصر و محب" ہوتا تو اس کے اس قدر آتش زیر پا ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ اس کے علاوہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سکوت بھی اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ جو معنی اس نے سمجھے تھے۔ وہ ٹھیک تھے۔ ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم از راہ شفقت فرما دیتے کہ اے نعمان! اس حدیث میں کوئی ایسا امر نہیں ہے جو تمہاری ناراضی کا باعث ہو تمہیں اشتباہ ہوا ہے میں نے کب علیؑ کو تم پر فضیلت دی ہے اور کب ان کو تمہارا حاکم مقرر کیا ہے۔ بلکہ میرا مقصد تو یہ ہے کہ جس کا میں دوست ہوں۔ اس کا علیؑ بھی دوست ہے لیکن آپ کا نہ فرمانا دلیل ہے کہ حدیث کا صحیح مفہوم وہی تھا جو اس نے سمجھا تھا کہ اس میں حضرت علیؑ کی فضیلت و حاکمیت کا اعلان ہے۔

پانچواں قرینہ! ابھی ہم اوپر تفسیر کبیر و تاریخ بغداد و تفسیر ابن جریر وغیرہ کے حوالے سے لکھ چکے ہیں کہ آنحضرتؐ کے اس اعلان کے بعد حضرت عمر وغیرہ نے ان الفاظ کے ساتھ امیر المومنینؑ کو ان کو مبارکبادی دی: "بخ بخ لک یا ابن ابی طالب لقد اصبحت مولائی و مولیٰ کل مومن و مومنۃ" یہ مبارکباد بھی اس امر کی روشن دلیل ہے کہ اس لفظ سے یہاں مراد "اولیٰ بالتصرف" ہی ہے ورنہ اگر وہی عمومی معنی دانوت و محبت، مراد ہوتے تو اس مبارکبادی کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی ہے[1]

---

[1] صواعق محرقہ ص ۲۶ مطبوعہ مطبع جمیعہ مصر میں ابن حجر مکی لفظ مولیٰ کو بمعنی اولیٰ ہونے کی صحت کو تسلیم کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:- بل ھو الواقع ان ھو الذی نفہم ابی بکر و عمر و ناھیک بھما من الحدیث وانھما لما سمعاہ قالا لہ امسیت یا ابن ابی طالب مولیٰ مومن و مومنۃ اخرجہ دارقطنی واخرج ایضا انہ قیل لعمر انک تصنع بعلی شیئا لا تصنع باحد من اصحاب النبی فقال انہ مولائی۔ واقع و حقیقت یہ ہے کہ حدیث غدیر میں لفظ مولیٰ بمعنی اولیٰ ہے کیونکہ یہی معنی حضرت[*] ابن ابی طالبؑ تم ہر مومن و مومنہ کے مولیٰ ہوگئے ہو۔ اسے دارقطنی نے اخراج کیا ہے۔ نیز یہ بھی روایت کیا ہے۔ کہ حضرت عمر سے کہا گیا کہ تم حضرت علیؑ کے ساتھ وہ سلوک کرتے ہو جو کسی اور صحابی کے ساتھ نہیں کرتے کہا اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت علیؑ میرے مولیٰ ہیں۔ افسوس زبانی اقرار تو کر لیا لیکن مقام عمل میں ان سے جو رویہ اختیار کیا وہ عیاں را چہ بیان کا مصداق ہے اس اجمال کی بقدرِ ضرورت تفصیل کیفیت بیعت حضرت امیر علیہ السلام میں آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

منہ عفی عنہ

---

[*] ابوبکر و عمر سمجھے تھے اور ان کا سمجھنا سند کے لئے کافی ہے کیونکہ جب انہوں نے یہ حدیث سنی تو حضرت علیؑ سے کہا

چھٹا قرینہ! شرح تجرید قوشجی اور شرح مقاصد و شرح مواقف ص۳۹ میں مذکور ہے۔ یہ اور بات ہے کہ حسب عادت مولفین نے اسے خبر واحد کہہ کر ٹالنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت سرورِ عالم نے اس اعلانِ غدیر کے بعد صحابہ کرام سے فرمایا۔ سلموا علی علی بامرۃ المومنین۔ یعنی حضرت علیؑ کو امیر المومنین کہہ کر سلام کرو، چنانچہ آنحضرتؐ کے حکم سے آپ کے لئے ایک علیحدہ خیمہ نصب کیا گیا اور صحابہ نے حاضر ہو کر تہنیت و مبارک بادی پیش کی، آنحضرتؐ کی یہ کارروائی اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ حدیث ولایت سے مراد آنجنابؑ کی خلافت عظمیٰ و امامت کبریٰ ہی ہے۔

(ملاحظہ ہو حبیب السیر ج ا ص۱۴۴ معارج النبوۃ رکن ۴ ب ۱۳، ص۲۲۰ کنز العمال ج ۸ ص۶۰ وغیرہ)

ساتواں قرینہ اخبار و آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام نے جو اہل زبان ہونے کے علاوہ واقعہ پر موجود بھی تھے یہی معنی سمجھے تھے چنانچہ آنحضرتؐ کے درباری شاعر حسان ابن ثابتؓ نے اسی وقت اس واقعہ کو تہنیتی اشعار کے قالب میں ڈھال دیا تھا۔ اور ان کے اشعار کتاب تذکرہ سبط ابن جوزی ص۲۰ کتاب مطالب السؤل اور فضائل موفق ابن احمد و ینابیع المودۃ وارجح المطالب ص۲۰۶ وغیرہ میں مذکور ہیں۔ منجملہ ان اشعار آبدار کے ایک شعر یہ ہے۔

فقال لہ قم یا علی فاننی	رضیتک من بعدی اماماً و ھادیاً

(حضرت رسولؐ نے فرمایا اے علیؑ! اٹھو کیونکہ میں نے تمہیں اپنے بعد لوگوں کا امام و ہادی منتخب کیا ہے)

دوسرے اشعار ابدار یہ ہیں۔

ینادیھم یوم الغدیر نبیھم	بخم و اسمع بالرسول منادیاً
وقال فمن مولکم و ولیکم	فقالوا و لم یبدوا ھناک معادیاً
الٰھک مولانا و انت ولینا	و لن تجدن فی ذلک الیوم عاصیاً
فقال لہ قم یا علی فاننی	رضیتک من بعدی اماماً و ھادیاً
فمن کنت مولاہ فھذا ولیہ	فکونوا لہ انصار صدق موالیاً
ھناک دعا اللھم وال ولیہ	وکن للذی عادیٰ علیاً معادیاً
فخص بھا دون البریۃ کلھا	علیاً و سماہ الوزیر المواخیا

آٹھواں قرینہ! اس اعلان واجب الاذعان کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا دوستوں کے حق میں دعا اور مخالفین کے لئے بد دعا کرنا بھی اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اس لفظ سے مراد یہاں "اولویت بالتصرف" ہے کیونکہ اس دعا و بد دعا سے آنحضرت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غرض یہی تھی تاکہ لوگ آنجناب کی اطاعت وفرمانبرداری کریں اور آپ کی معصیت ونافرمانی کے مرتکب نہ ہوں جیسا کہ عموماً قاعدہ ہے کہ ولی عہدی کے اعلان کے بعد اسؔ
(کنز العمال ج ۸ صفحہ ۶۰ فصول مہمہ وغیرہ)

نواں قرینہ! ابھی اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ جب آپ اس فریضہ سے سبکدوش ہو چکے تو اس کے فوراً بعد آیہ "الیوم اکملت لکم الخ اتری، آنحضرتؐ نے نہایت خوش وخرم ہو کر فرمایا: "اللہ اکبر علی اکمال الدین واتمام النعمۃ ورضی الرب برسالتی وولایۃ علی ابن ابی طالب" (ما نزل فی علی از حافظ ابونعیم اصفہانی (علی ما نقل عنہ) معلوم ہوا کہ آج ایک بہت بڑے مہم فریضہ کی انجام دہی کی گئی ہے جو تکمیلِ دین، اتمام نعمت اور پروردگارِ عالم کی رضامندی کا بیّن ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ اسی اولیٰ بالتصرف والے معنی مراد لینے سے ہی ہو سکتا ہے جس کا مطلب حضرت علیؑ کی خلافت وامامت کا اعلان ہے [1]

دسواں قرینہ! خود حضرت امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اس حدیث شریف سے اپنی خلافت وامامت پر مختلف اوقات میں استدلال کرنا اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ اس حدیث شریف میں اس لفظ سے یہی معنی مراد ہیں بالفاظ دیگر یہ حدیث آنجناب کی خلافت و

---

[1] اخبار وآثار بلکہ خود حضرت عمر کے اقرار سے معلوم ہوتا ہے کہ صدر اوّل میں یوم غدیر یعنی اٹھارہ ذی الحجہ کو مسلمان عید مناتے تھے چنانچہ تفسیر درمنثور ج ۲ صفحہ ۲۵۹ مطبوعہ مصر پر علامہ سیوطی رقمطراز ہیں۔ اخرج اسحٰق بن راہویہ فی مسندہٖ وعبد بن حمید عن ابی العالیۃ قال کانوا عند عمر فذکروا ھذہ الآیۃ فقال رجل من اھل الکتٰب لو علمنا ای یوم نزلت ھذہ الآیۃ لاتخذناہ عیداً فقال عمر الحمد للہ الذی جعلہ لنا عیداً۔ اسحٰق بن راہویہ نے اپنی مسند میں اور عبد بن حمید نے ابو العالیہ سے روایت کی ہے کہ کچھ لوگ حضرت عمر کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اس آیت (الیوم اکملت) کا ذکر چھڑ گیا اہل کتاب میں سے ایک آدمی نے کہا کہ اگر ہمیں علم ہو جاتا کہ یہ آیت کس دن نازل ہوئی ہے تو ہم اس دن کو عید مناتے حضرت عمر نے کہا اس خدا کا حمد وشکر ہے جس نے اس روز کو ہم مسلمانوں کے لئے عید قرار دیا ہے" الحمد للہ! کہ آج بھی مسلمانوں کا ایک عظیم المرتبت فرقہ ایسا موجود ہے جو اس روز نہایت تزک واحتشام کے ساتھ یہ عید مناتا ہے لیکن حضرت عمر کے نام لیوا لوگ اس سے کوسوں دور بھاگتے ہیں اور اپنے کو اس سعادتِ عظمیٰ سے محروم رکھتے ہیں سچ ہے کہ ؎ ایں سعادت بزور بازو نیست۔ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ" (منہ عفی عنہ)

وغیرہم کی تماہیں کی جاتی ہیں کی طرح اسکے بعد آنحضرتؐ کا حضرت علیؑ کو رسم دستار بندی ادا کرنا بھی آپ کی ولی عہدی کی تعظیم دلیل ...

امامت پر نص صریح ہے۔ ملاحظہ ہو روزِ شوریٰ آنجناب کی حدیث "مناشدہ" جو آپ کے احتجاجات واستدلالات کا مرقع ہے اس کے ضمن میں فرماتے ہیں۔ انشدکم باللہ ھل فیکم احد قال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من کنت مولاہ فعلی مولاہ الخ۔ فقالوا لا یعنی (اے حاضرینِ مجلس شوریٰ! میں تمہیں خدا کو یاد دلا کر پوچھتا ہوں آیا تم میں سوائے میرے کوئی ایسا شخص موجود ہے جس کے حق میں پیغمبر اسلام نے فرمایا ہو۔ من کنت مولاہ فعلی مولاہ الخ سب نے کہا نہیں! (ملاحظہ ہو مناقب خوارزمی صـ۲۱۷ وشرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید ج ۲ صـ۶۱ فرائد السمطین باب ۵۸) بحمدللہ! ان قرائنِ ساطعہ ودلائل قاطعہ کی روشنی میں کالشمس فی رابعۃ النہار واضح وآشکار ہو گیا کہ اس حدیث شریف میں لفظ "مولیٰ" بمعنی "اولیٰ بالتصرف" ہے اور یہ حدیث حضرت امیر المومنین کی خلافت وامامت کی دلیل قاطع اور نص صریح ہے۔ الحمد للہ علی وضوح الحق والحقیقۃ۔ ولنعم ما قیل۔ ؎

چہ خوش در معنی من کنت مولیٰ میرودی ہر سو علی مولا بآں معنی کہ پیغمبر بود مولا

اہلِ خلاف کی بوقلمونی کا نمونہ!

واضح ہو کہ بمصداق "الغریق یتشبث بالحشیش" مخالفین اس مقام پر عجیب حواس باختہ نظر آتے ہیں کبھی تو اس حدیث شریف کی صحت میں خدشہ کرتے ہیں لیکن جب انہی کی کتابوں سے اس کی صحت وتواتر کے دلائل کے انبار لگا دیئے جاتے ہیں تو پھر یہ کہتے ہیں کہ کلام عرب میں لفظِ "مولیٰ" بمعنی "اولیٰ" کبھی استعمال نہیں ہوا۔ جب اس کے متعلق قرآن وحدیث اور لغت وغیرہ سے بیسیوں دلائل وشواہد پیش کئے جاتے ہیں تو پھر کہتے ہیں کہ یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہاں "مولیٰ" سے مراد "اولیٰ بالتصرف" ہے ممکن ہے "اولیٰ بالمحبت" یا "اولیٰ بالاتباع" مراد ہو جب اولیٰ بالتصرف کے اثبات اور دوسرے معنوں کے ابطال پر قرائنِ قطعیہ پیش کئے جاتے ہیں تو پھر کہتے ہیں کہ اگر یہ صحیح ہے کہ یہ حدیث حضرت امیر المومنین کی خلافت پر نص ہے تو آنجناب نے خود اسے مقام احتجاج کرنے کا ثبوت بہم پہنچایا جاتا ہے تو پھر بھی مانتے تو نہیں ہیں لیکن مبہوت ضرور ہو جاتے ہیں۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔ اگرچہ ہمارے سابقہ بیانات کا بغور مطالعہ کرنے سے ان شبہات کے تسلی بخش جوابات مل سکتے ہیں لیکن بغرض سہولت ذیل میں ان شبہات کو بالترتیب لکھ کر ان کے مسکت جوابات دیئے جاتے ہیں۔

(یہ کیوں پیش نہیں کیا؟ جب کتب فریقین سے آنجناب کے اس حدیث کیساتھ کئی مقامات پر استدلال

پہلا شبہ اس حدیث شریف کی صحت میں خدشہ کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ یہ حدیث صحیح ہے (کما فی المواقف وشرحہ)

الجواب :- اپنی چار دیواری میں بیٹھ کر اور آنکھیں بند کر کے کسی مسلّم الثبوت حدیث کا انکار کر دینا آسان ہے۔ لطف تو جب ہے کہ اپنے اس مدعا کو بر سرِ میدان دلائل و براہین کی روشنی میں ثابت بھی کیا جائے! حقیقت تتبع و تلاش کے بغیر دستیاب نہیں ہوتی۔ ہاں جو لوگ "تلاشِ حق" میں محنت و مشقت برداشت کرتے ہیں وہ ضرور گوہرِ مراد سے اپنا دامن پُر کرتے ہیں جیسا کہ خداوندِ عالم نے فرمایا ہے۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا ، جو لوگ ہمارے متعلق جد و جہد اور کوشش سے کام لیتے ہیں ہم ضرور ان کو اپنا راستہ دکھا دیتے ہیں۔ آیئے ہم تخفیفِ زحمت کے لئے آپ کی ان کتب معتبرہ کی نشان دہی کئے دیتے ہیں جن میں اس حدیث شریف کی صحت بلکہ تواتر کی تصریح موجود ہے۔

(۱) ترمذی نے اپنی صحیح ج ۲ ص ۲۱۳ دہلی طبع میں اس حدیث شریف کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔ کہ "ھذا الحدیث حسن صحیح"

(۲) غزالی نے کتاب سر العالمین ص ۹ پر لکھا ہے کہ اجمع الجماھیر علی متن الحدیث عن خطبتہ یوم غدیر خم باتفاق الجمیع یعنی جمہور علمائے اسلام نے اس حدیث غدیر کے متن پر اجماع کیا ہے اور سب کا اس پر اتفاق ہے۔

(۳) ابن حجر ایسے متعصب نے اس حدیث کی صحت کا بایں الفاظ اعتراف کیا ہے: "ھذا الحدیث حسن صحیح لا مریۃ فیہ" یہ حدیث صحیح ہے اس میں ہرگز کسی قسم کا شک و شبہ نہیں (صواعق محرقہ ص۲۵)

(۴) فضل ابن روزبہان نے اپنی کتاب ابطال میں بذیل آیہ "بلغ ما انزل الخ" اس حدیث شریف کی صحت کا بایں الفاظ اقرار کیا ہے۔ "واما ما روی من ان رسول اللہ (ص) ذکرہ یوم غدیر خم حین اخذ بید علی وقال الست اولی فقد ثبت ھذا فی الصحاح"۔ خلاصہ یہ کہ یہ حدیث صحیح سندوں کے ساتھ ثابت ہے۔

(۵) مرزا محمد بدخشی نے کتاب نزل الابرار ص۲۱ پر اس حدیث شریف کے متعلق لکھا ہے "ھو حدیث صحیح مشھور، ولم یتکلم فی صحتہ الا متعصب جاحد لا اعتبار بقولہ۔ فان الحدیث کثیر الطرق جداً" یعنی یہ حدیث شریف صحیح و مشہور ہے اور اس کی صحت میں کوئی شخص کلام نہیں کر سکتا۔ مگر جو کہ متعصب و معاند ہو اور ایسے شخص کے قول کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ اس حدیث شریف کے بہت سے طرق واسناد ہیں۔

(۶) بعض محققین نے اس حدیث شریف کے متواتر ہونے کی تصریح کی ہے۔ چنانچہ ملا علی قاری

نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۵ صفحہ ۵۶۸ پر طرق عدیدہ سے اس کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔ " والحاصل ان هذا الحديث لا مرية فيه بل بعض الحفاظ عده متواترا" الخ حاصل یہ کہ یہ حدیث صحیح ہے جس میں کسی قسم کا خدشہ نہیں کیا جا سکتا بلکہ بعض حفاظ حدیث نے اسے متواتر شمار کیا ہے:

(۷) نواب صدیق حسن خان کتاب منہج الوصول الی اصطلاح احادیث الرسول صفحہ ۱۳ وصفحہ ۱۴ پر دعلی ماحکی عنہ) لکھتے ہیں۔ " وحاکم ابو سعید گفتہ حدیث موالات وحدیث غدیر را جماعتے از صحابہ راوی است ونقل برآں متواتر شدہ تا آنکہ داخل حد تواتر گشتہ ومحمد ابن جریر برائے حدیث غدیر ہفتاد وپنج طرق ذکر کردہ وآنرا در کتابے مفرد درج نمودہ نامش "کتاب الولایہ" نہادہ۔ وحافظ ذہبی جزئے در طرق وے نگاشتہ وحکم بتواترش فرمودہ وابو العباس ابن عقدہ حدیث غدیر را بیک صد وپنجاہ طریق آوردہ وکتابے مفرد نگاشتہ انتہی: یعنی حاکم ابو سعید نے بیان کیا ہے کہ حدیث موالات وحدیث غدیر کو (ایک ہی حدیث کے دو نام ہیں) صحابہ کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے اور اس کی نقل وروایت حد تواتر میں داخل ہو گئی ہے محمد ابن جریر (طبری) نے حدیث غدیر کے ۷۵ طرق ذکر کئے ہیں اور اس موضوع پر ایک مستقل کتاب تالیف کی ہے جس کا نام کتاب الولایہ ہے۔ حافظ ذہبی نے بھی ایک رسالہ اس حدیث کے طرق میں لکھا ہے اور اس میں اس حدیث کے متواتر ہونے کا حکم لگایا ہے۔ ابو العباس ابن عقدہ نے اس حدیث کو ایک سو پچاس طرق سے روایت کیا ہے انہوں نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب بھی تالیف کی ہے (اس میں ۱۵۰ طرق سے اسے نقل کیا ہے) انتہی۔

(۸) علامہ مقبل صنعانی نے اپنی کتاب "ابحاث مسددہ" میں اس حدیث شریف کو چند طرق سے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔ (علی مانقل عنہ فی الغدیر) فان لم یکن معلوما فما فی الدین معلوم یعنی اگر یہ حدیث (بایں کثرت طرق واسانید) معلوم وصحیح نہیں تو پھر دین اسلام میں کوئی چیز بھی معلوم وصحیح نہیں ہے!

(۹) علامہ برہان الدین حلبی نے سیرت حلبیہ ج ۳ صفحہ ۳۰۲ پر اس حدیث کی صحت پر مہر تصدیق کرتے ہوئے لکھا ہے وهذا حديث صحيح ورد باسانيد صحاح وحسان ولا التفات الى من قدح فی صحته الخ۔ یہ حدیث صحیح ہے جو اسانید صحیحہ اور حسنہ کے ساتھ وارد ہوئی ہے جس شخص نے اس کی صحت میں قدح کی ہے اس کی طرف توجہ ہی نہیں کرنی چاہیئے:

(۱۰) شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لمعات شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے، "هذا حديث صحيح لا مرية فيه: یہ وہ حدیث صحیح ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ تلک

عشرۃ کاملۃ۔ فخذ ھذا وکن من الشاکرین،

دوسرا شبہ! کبھی مفعل، بمعنی، افعل، استعمال نہیں ہوا لہذا مولیٰ کو بمعنی اولیٰ قرار دینا درست نہیں ہے کیونکہ اگر مولیٰ بمعنی اولیٰ ہوتا تو جس طرح اولیٰ من فلاں (من کے صلہ کے ساتھ) کہنا صحیح ہے اسی طرح مولیٰ من فلاں بھی کہنا جائز ہوتا، حالانکہ یہ استعمال غلط ہے۔

الجواب یہ کہنا کہ مفعل، کبھی بمعنی افعل، استعمال نہیں ہوا پس مولیٰ، بمعنی اولیٰ نہیں ہو سکتا در حقیقت کلام عرب سے بالعموم اور قرآن و حدیث سے بالخصوص جہالت پر مبنی ہے ورنہ قرآن و حدیث اور لغت عرب کے نظم و نثر میں مولیٰ، بمعنی اولیٰ بکثرت استعمال ہوا ہے ہم ازالہ جہالت اور اتمام حجت کے لئے ان تمام اقسام میں سے بطور نمونہ چند مثالیں ذکر کئے دیتے ہیں۔

مولیٰ بمعنی اولیٰ در قرآن قال اللہ تبارک و تعالیٰ فالیوم لا یؤخذ منکم فدیۃ ولا من الذین کفروا ماویکم النار ھی مولاکم وبئس المصیر، آج (قیامت) کے دن تم (مجرمین) سے فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ان لوگوں سے قبول کیا جائے گا جنہوں نے کفر اختیار کیا، تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے وہی تمہارے لئے زیادہ موزوں ہے اور جہنم بہت ہی بری جائے بازگشت ہے یہاں لفظ مولیٰ کی تفسیر میں اکثر مفسرین و محدثین نے بطور حصر لکھا ہے کہ "ھی مولاکم" سے مراد ھی اولیٰ بکم ہے جیسا کہ تفسیر فیروز آبادی صفحہ ۳۴۲ میں ابن عباس سے منقول ہے، تفسیر کبیر ج ۸ صفحہ ۱۳۱ طبع اسلامبول میں فراللغوی سے مروی ہے۔ صحیح بخاری ج ۷ صفحہ ۲۴۰ مطالب السئول صفحہ ۱۶ تفسیر بیضاوی ج ۲ صفحہ ۴۹۶ طبع مصر بحوالہ مفسر کلبی، زجاج اور ابو عبیدہ، اور محمد ابن ابی بکر رازی صاحب مختار الصحاح اپنی کتاب غریب القرآن میں لکھتے ہیں۔ " المولیٰ الذی ھو اولیٰ بالشئ منہ قولہ تعالیٰ ماوٰکم النار ھی مولاکم ای ھی اولیٰ بکم "، یعنی مولیٰ اولیٰ بالشئ کو کہتے ہیں اور اسی معنی سے قول خداوندی ہے۔ ماوٰکم النار وہی مولاکم الخ کہ اے کفار تمہارا ٹھکانا جہنم ہے اور یہی تمہارے لئے زیادہ لائق ہے اور بعض مفسرین نے منجملہ دیگر معانی کے ایک معنی یہ بھی ذکر کئے ہیں جیسا کہ تفسیر ثعلبی، معالم التنزیل بغوی، تفسیر کشاف زمخشری ج ۲ صفحہ ۲۷۸ طبع قدیم مصر اور خازن ج ۴ صفحہ ۲۲۹ ابن صباغ مالکی فصول مہمہ صفحہ ۲۷ طبع ایران پر لفظ مولیٰ کے معانی بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ " فتارۃ یکون بمعنی اولیٰ قال اللہ فی حق المنافقین ماوٰکم النار ھی مولاکم معناہ اولیٰ بکم۔ قولہ تعالیٰ ولکل جعلنا موالی مما ترک الوالدان والاقربون

یعنی کبھی "مولیٰ" بمعنی "اولیٰ" استعمال ہوتا ہے، جیسا کہ خداوند عالم منافقین کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے۔ تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے اور یہی تمہارے لئے اولیٰ ہے۔ نیز ارشاد فرماتا ہے۔ ہم نے ہر ایک کے لئے وراثت کے مستحق تر افراد قرار دیئے ہیں۔ ان اشیاء میں جو والدین یا قریبی رشتہ دار چھوڑ جائیں اس آیہ وافی ہدایہ میں بھی لفظ "موالی" جو کہ "مولیٰ" کی جمع ہے بمعنی "اولیٰ" استعمال ہوا ہے۔

مولیٰ بمعنی اولیٰ در حدیث

کتب حدیث میں ایک نہایت مشہور حدیث مذکور ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا "ایما امراۃ نکحت بغیر اذن مولاھا فنکاحہا باطل" یعنی جو عورت اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر نکاح کر لے۔ اس کا نکاح باطل ہے۔ تفتازانی نے شرح مقاصد ج ۱ صفحہ ۲۸۹ میں اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے لفظ "مولاھا" کی وضاحت میں لکھا ہے "ای اولی بھا"

مولیٰ بمعنی اولیٰ در کلام شعراء عرب

لبیدؓ اپنے قصیدۂ حائیہ میں جو کہ سبعہ معلقہ میں موجود ہے کہتا ہے۔

فغدت کلا الفرجین تحسب انہ — مولی المخافۃ خلفھا وامامھا

"وہ وحشی گائے اس حال میں چلی کہ وہ دونوں کشادگیوں کو خوف کا زیادہ مستحق سمجھتی تھی وہ دونوں کشادیاں اس کا آگا اور پیچھا تھیں"

حسین ابن احمد زوزنی شارح سبعہ معلقہ اس شعر کی شرح کرتے ہوئے لفظ "مولیٰ" کی شرح میں لکھتے ہیں۔ "ان المولی فی ھذا البیت بمعنیٰ اولی بالشیئ کما فی قولہ تعالی ما ؤکم النار ھی مولاکم ای ھی اولی بکم" یعنی لفظ مولیٰ اس شعر میں بمعنی "اولیٰ" ہے۔ اسی طرح متنبی کہتا ہے۔

حتیٰ یشار الیک ذا مولاھم — وھم الموالی والخلیقۃ اعبد

۔ ممدوح کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ یہ ان (بنی طیٔ) کا سید و سردار ہے حالانکہ وہ (بنی طیٔ) خود سردار اور تمام لوگ ان کے غلام ہیں۔ یہاں متنبی نے صاف صاف لفظ "مولیٰ" کو بمعنی رئیس وسردار استعمال کیا ہے چنانچہ شارح دیوان متنبی فاضل برقوقی اس شعر کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں "حتی یشیر الناس فیقولوا ھذا مولی طی ای رئیسھم وسیدھم وھم سادۃ الخلق والخلق عبیدھم (شرح دیوان متنبی ج ۲ صفحہ ۴۳ طبع مصر)

تصریحات آئمۂ لغت راجع بہ استعمال مولیٰ بمعنی اولیٰ

ابو بکر انباری نے کتاب مشکل القرآن میں لفظ مولیٰ کے معنی شمار کرتے ہوئے

ایک معنی یہی اولیٰ بیان کئے ہیں چنانچہ لکھا ہے کہ " احدھا الاولی بالشئی " (علی ما حکی عنہ) ایسا ہی خطیب تبریزی نے شرح دیوان حماسہ ج ۱ ص ۲۲ میں " مولیٰ " کے معانی میں سے ایک معنی " اولی بالشئی " قرار دیے ہیں۔ ابوعبیدہ معمر ابن مثنیٰ نے جو کہ آئمہ فن لغت میں سے ہیں۔ اس امر کی تصریح کی ہے کہ " مولیٰ " بمعنی " اولیٰ " استعمال ہوتا ہے اور استشہاد میں لبید کا مذکورہ بالا شعر پیش کیا ہے جیسا کہ فخر الدین رازی نے اس کے قول کو مع سند اپنی کتاب نہایۃ العقول میں پیش کیا ہے۔ ابوالعباس مبرد نے اپنی کتاب " مترجم العبارۃ من صفات اللہ " میں لکھا ہے۔ (علی ما نقل عنہ فی منار الھدیٰ) " اصل تاویل الولی الذی ھو اولیٰ اے احق ومثلہ المولیٰ " یعنی لفظ ولی کے اصل معنی اولیٰ یعنی زیادہ حق دار کے ہیں اور اسی طرح لفظ " مولیٰ " ہے یعنی اس کے بھی اصل معنی اولیٰ ہیں۔ آیہ مبارکہ ذلك بان اللہ ھو مولی الذین آمنوا کے ذیل میں لکھا۔ الولی والمولی معناھما سواء و ھو الحقیق بخلقہ المتولی لامورھم۔ یعنی ولی اور مولی دونوں ہم معنی ہیں (اور اس جگہ مولیٰ سے مراد اپنی مخلوق پر زیادہ حقدار اور ان کے امور کا سر پرست ہے "

ان حقائق کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ کلام عرب میں " مفعل " بمعنی " افعل " کا استعمال صرف جائز ہی نہیں بلکہ کثیر الوقوع بھی ہے۔ باقی رہا یہ خیال کہ اگر مولیٰ بمعنی اولیٰ ہے تو چاہیئے کہ جس طرح اولیٰ کا استعمال ہوتا ہے جیسے فلاں اولیٰ من فلاں اسی طرح مولیٰ کا استعمال بھی صحیح ہو۔ (تفسیر کبیر وصواعق محرقہ) یہ شبہ بدو وجہ باطل ہے

اولاً ہم بطور نقض کہتے ہیں کہ اگر اولیٰ من فلاں کی جگہ مولیٰ من فلاں کا استعمال نہ ہو سکنا اس امر کی دلیل ہے کہ مولیٰ بمعنی اولیٰ نہیں تو اس سے لازم آئے گا کہ لفظ مولیٰ بمعنی ناصر ومحب بھی نہ ہو حالانکہ اس کا بمعنی محب وناصر ہونا اتفاقی ہے ظاہر ہے کہ ناصر الدین کا کہنا صحیح ہے لیکن اسکی بجائے مولیٰ الدین (بمعنی مذکور) درست نہیں اسطرح " مولیٰ اللہ " (اللہ کا دوست) کہنا درست ہے لیکن مولیٰ اللہ (بمعنی مذکور) کہنا غلط ہے بنا برشبہ مذکور ماننا پڑیگا کہ مولیٰ معنی محب وناصر بھی استعمال نہیں ہوا۔ ولکن ھذا باطل بالضرورۃ فکذا ما نحن فیہ

ثانیاً بعض الفاظ کا بعض حروف وصلات کے ساتھ استعمال کا صحیح ہونا اور بعض کے ساتھ غلط ہونا یہ عوارض الفاظ میں سے ہے جس کا اصل معنی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، بہت سے الفاظ ایسے ہیں کہ ان میں سے ایک لفظ کسی دوسرے حرف کے ملانے سے ایک معنی کو ظاہر کرتا ہے لیکن اس حرف کو جب اس کے مترادف لفظ سے ملایا جائے تو وہ معنی نہیں پیدا ہوتے بلکہ معنی میں زمین و آسمان کا فرق ہو جاتا ہے مثلاً کلام عرب میں " صلی " اور " دعا " دو ہم معنی لفظ ہیں لیکن جب " صلی " کو " علی " کے ساتھ ملا کر استعمال کیا جائے اور " صلی علیہ " کہا جائے، تو اس کے معنی ہوتے ہیں کسی کے حق میں دعا کرنا۔ لیکن اگر لفظ " دعا " کو اس " علی " کے ساتھ ملا کر " دعا علیہ " کہا جائے۔

تو اب معنی الٹے ہو جائیں گے۔ یعنی بد دعا کرنا۔ اسی طرح لفظ "منطق اور ساقی"، وغیرہم معنی لفظ ہیں لیکن مائیتہ" کہنا صحیح ہے مگر نظرتہ" کہنا درست نہیں ہے یہ ہے اس شبہ کی حقیقت جسے بڑے بڑے مجہول علمائے اہلِ سنت مثل فخر رازی و ابن حجر مکی وغیرہ نے بڑے طمطراق سے پیش کیا ہے بحمدہ تعالیٰ سابقہ بیان سے یہ شبہ بالکل ھباءً منثوراً ہو گیا۔

تیسرا شبہ! یہ مانا کہ "مولیٰ" بمعنی "اولیٰ" آتا ہے لیکن یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہاں اولیٰ سے مراد اولیٰ بالتصرف ہے تاکہ یہ حدیث دلیلِ خلافت بن سکے۔ ممکن ہے کہ یہاں مراد اولیٰ بالمحبت ہو جس کی تائید تتمۂ حدیث اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ سے بھی ہوتی ہے کیونکہ آخر میں محبت کی دعا کرنا دلیل ہے کہ سابق کلام میں مولیٰ سے بھی مراد اولیٰ بالمحبت ہے (تحفہ اثنا عشریہ) یہ بھی ممکن ہے کہ اولیٰ سے مراد اولیٰ بالاتباع ہو (صواعق محرقہ)

الجواب ہم سابقاً تقریبِ استدلال کی ذیل میں دس قرائن قطعیہ سے ثابت کر چکے ہیں کہ اس حدیث شریف میں لفظ مولیٰ سے ناصر و محب مراد لینا بالکل غلط ہے۔ ہم یہاں ان قرائن کی تکرار نہیں کرتے۔ قارئین کرام انشاء اللہ مقام کی طرف رجوع فرمائیں۔ یہاں فقط تتمۂ حدیث سے پیدا شدہ شبہ کا بالاختصار ازالہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے واضح ہو کہ تتمۂ حدیث اللھم وال من والاہ کو مولیٰ بمعنی اولیٰ بالمحبت ہونے کا قرینہ قرار دینا بچند وجہ باطل ہے۔

الف:- یہ فقرہ ہمارے بیان کردہ معنی کے ساتھ نہایت مرتبط ہے کیونکہ جب آنحضرتؐ نے حضرت امیر المومنینؑ کی خلافت و امامت پر نص قائم کر دی۔ تو اب چاہا کہ اطاعت گذاروں کے حق میں دعائے خیر اور عاصیوں کے حق میں بد دعا کریں۔ لیکن چونکہ اطاعت کا سبب محبت ہوتی ہے اور عصیان و نافرمانی کا منشاء عداوت، اسی لئے آنحضرتؐ نے سبب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ بارالہا جو شخص علیؑ سے محبت کرے۔ (جو کہ سببِ اطاعت ہے) تو بھی اس سے محبت کرنا اور جو ان سے عداوت کرے (جو کہ سببِ نافرمانی ہے) تو بھی اسے دشمن رکھنا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس جملہ کو سابقہ کلام سے بنا برمعنی اولیٰ بالتصرف غیر مربوط قرار دینا اپنے ذہنی توازن کے غیر مربوط ہونے کی دلیل ہے۔

(ب) اگر اس فقرہ "وال من والاہ" کو اس امر کا قرینہ قرار دیا جائے کہ سابقہ کلام میں "مولیٰ" سے مراد "اولیٰ بالمحبت" ہے تو اس کے بعد والے فقرہ یعنی "وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ" قرینہ ہوگا کہ سابقہ لفظ "مولیٰ" سے مراد "اولیٰ بالنصرۃ" ہے اور چونکہ بیک وقت ایک لفظ سے دو مختلف معنوں کا قصد کرنا صحیح نہیں ہے لہٰذا یہ دونوں قرینے آپس میں ٹکرا کر درجۂ اعتبار سے

ساقط ہو جائیں گے اس کے بعد مولیٰ بمعنیٰ اولیٰ بالتصرف مراد ہونا بلا معارض ہو جائے گا۔

ج یہ جملہ مستانفہ ہے اس لئے اس کا سابق کلام سے ربط تلاش کرنا ہی عبث ہے۔

کیونکہ پہلے مخلوق سے خطاب تھا۔ جب وہ تمام ہو چکا تو اب آنحضرتؐ نے خالق اکبر سے مخاطبہ شروع کیا، ظاہر ہے کہ دونوں خطابوں میں جو فرق ہے وہ نمایاں ہے لہٰذا جب یہ جملہ ہے ہی علیحدہ تو اسے کلام سابق کا کیونکر قرینہ قرار دیا جا سکتا ہے؟

د ان تمام امور سے اگر قطع نظر بھی کر لی جائے تو یہ صرف ایک قرینہ ہی ہے جو گزشتہ دس عدد قرائنِ قاطعہ کا مقابلہ و معارضہ کرنے کی تاب نہیں رکھتا۔ لہٰذا لامحالہ ان قرائنِ کثیرہ کو ترجیح دی جائے گی۔ کما لایخفیٰ۔

باقی رہا ابن حجر کا یہ کہنا کہ ممکن ہے کہ اس سے مراد اولیٰ بالاتباع ہو۔ تو یہ ہمارے مطلب کی تردید نہیں کرتا بلکہ تائید کرتا ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ جس شخص کا مثلِ رسول علی الاطلاق اتباع واجب ہوگا۔ وہی خلیفہ و امام ہوگا لہٰذا یہ تو ہمارے مدعا کی عین تائید ہے جو انہوں نے غیر شعوری طور پر کر دی ہے اسے ہمارے خلاف پیش کرنا ابن حجر کی خوش فہمی ہے اور کچھ نہیں۔

چوتھا شبہ! اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ مولیٰ سے مراد اولیٰ بالتصرف ہے اور یہ حضرت علیؑ کی امامت پر نص ہے تو اس سے یہ کیسے سمجھا جاتا ہے کہ آپ کی امامت آنحضرتؐ کے بعد بلا فصل ہے ممکن ہے کہ خلفائے ثلاثہ کے بعد ہو۔ (ابن حجر مکی وغیرہ)

الجواب جب یہ تسلیم کر لیا گیا کہ مولیٰ بمعنی اولیٰ بالتصرف ہے اور یہ حضرت امیر المومنینؑ کی خلافت پر نص ہے تو اب ہم پوچھتے ہیں کہ آیا خلفائے ثلاثہ بھی انہی مومنین میں داخل ہیں جن کے مال و جان میں حضرت امیر المومنینؑ اولیٰ بالتصرف ہیں یا نہیں؟ اگر جواب میں پہلی شق اختیار کی جائے تو ہمارا مدعا حاصل ہے کیونکہ جب ان پر بھی آنجنابؑ کو حق تصرف حاصل ہے تو وہ آنجنابؑ کے محکوم ہوں گے نہ حاکم وھو المطلوب اور اگر دوسری شق اختیار کی جائے (لیکن امید نہیں کہ کوئی خلیفہ نواز اس شق کو اختیار کرے) تو اس صورت میں خلفائے ثلاثہ کا دائرہ ایمان سے خروج لازم آئے گا تو جو شخص سرے سے دائرہ ایمان سے ہی خارج ہو وہ خلیفۃ المسلمین کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟ ماننا پڑے گا کہ یہ دوسری شق بہرحال باطل ہے۔ لہٰذا لامحالہ پہلی شق صحیح ہوگی کہ خلفائے ثلاثہ کا بھی انہی لوگوں میں شمار ہے جن پر حضرت امیر المومنینؑ کو حاکم مقرر کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ جناب امیرؑ کی خلافت بلا فصل کی دلیل محکم ہے

پانچواں شبہ اگر یہ صحیح ہے کہ یہ حدیث حضرت امیر علیہ السلام کی خلافت پر نص ہے تو آنجنابؑ کو سب سے زیادہ ضرورت تھی کہ وہ اس سے اپنی خلافت و امامت پر استدلال کریں لیکن جب انہوں نے باوجود احتیاج

کے احتجاج نہیں کیا تو ماننا پڑے گا کہ یہ حدیث آپ کی خلافت پر نص نہیں ہے۔

الجواب حقائق واقعیہ سے چشم پوشی کرتے ہوئے غلط صغریٰ وکبریٰ مرتب کرکے غلط نتیجہ نکالنا آسان ہے۔ لیکن لطف جب ہے کہ اس صغریٰ وکبریٰ کو دلائل و براہین کی روشنی میں صحیح بھی ثابت کیا جائے۔ بہرکیف یہ کہنا کہ حضرت امیرالمومنینؑ نے اس حدیث شریف سے کبھی احتجاج و استدلال نہیں کیا تاریخی مسلمات سے جہالت یا تجاہل پر مبنی ہے ورنہ کتب سیر و تواریخ آنجنابؑ کے اس حدیث سے تمسک و احتجاج کرنے کے واقعات سے مملو و مشحون ہیں۔ شوریٰ کے دن آنجنابؑ کا اس حدیث سے اپنی خلافت پر استدلال کرنا ہم اوپر بذیل قرینۂ دہم اہم حوالہ جات سے ثابت کر چکے ہیں یہاں فقط مزید اطمینان کے لئے چند دوسرے مقامات کی نشاندہی کئے دیتے ہیں۔

(۱) منجملہ ان مقامات کے ایک "مقام رحبہ" بھی ہے حضرت امیرالمومنینؑ نے یہ سنا کہ لوگ اس سلسلہ میں آپ کو متہم کرتے ہیں کہ رسولؐ پاک نے آپ کو سب صحابہ پر مقدم کیا۔ تو آنجنابؑ "مقام رحبہ (در کوفہ)" میں لوگوں کے اجتماع میں تشریف لائے۔ اور فرمایا کہ تم میں سے جس آدمی نے حضرت رسولؐ سے یہ سنا ہے کہ آپ نے فرمایا من کنت مولاہ الخ۔ وہ اٹھ کر گواہی دے۔ دس آدمیوں سے زائد نے اٹھ کر گواہی دی کہ ہم نے رسولؐ اسلام سے یہ سنا تھا جن میں ابوایوب انصاری، عبدالرحمٰن بن عبدربہ، خزیمہ بن ثابت، سہل ابن حنیف وغیرہ شامل تھے۔ (اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۰۷ طبع مصر و ج ۵ ص ۲۰۵ و اصابہ ج ۲ ص ۴۰۸ طبع مصر و ج ۴ ص ۸۰ طبع حیدرآباد دکن۔ تذکرہ خواص الامہ ص ۱۷ طبع ایران)

(۲) منجملہ ان مقامات کے یوم جمل بھی ہے حاکم نے مستدرک ج ۳ ص ۳۷۱ پر روایت کیا ہے کہ حضرت امیرالمومنینؑ نے جمل کے دن طلحہ ابن عبیداللہ کے پاس ایک آدمی کو بھیجا کہ آنجنابؑ اس سے ملنا چاہتے ہیں جب طلحہ حاضر خدمت ہوا تو جناب امیرؑ نے فرمایا نشدتک اللّٰہ ھل سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم یقول من کنت مولاہ الخ قال نعم قال فلم تقاتلنی قال لم اذکر الخ یعنی اے طلحہ! میں تمہیں خدا یاد دلا کر پوچھتا ہوں۔ کیا تم نے رسول اکرمؐ کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ من کنت الخ؟ کہا ہاں! فرمایا! تو پھر مجھ سے برسر پیکار کیوں ہو؟ کہا مجھے یہ حدیث یاد نہیں رہی تھی الخ) (اسی طرح یہ واقعہ مروج الذہب ج ۲ ص ۳۷۳ طبع جدید۔ مناقب خوارزمی ص ۱۱۲ میں باختلاف یسیر مروی ہے)

(۳) منجملہ ان مقامات کے یوم صفین بھی ہے۔ چنانچہ کتاب سلیم ابن قیس ہلالی میں ہے کہ حضرت امیرالمومنینؑ نے جنگ صفین میں ایک دن سب لوگوں کو اکٹھا کرکے منبر پر ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور حمد

ثنائے الٰہی کے بعد فرمایا "معاشر الناس ان مناقبی اکثر من ان تحصیٰ الخ" اے گروہ مردم! میرے فضائل و مناقب عدد احصاء سے زیادہ ہیں؟ اس کے بعد اپنے فضائل و مناقب و نصوص خلافت و امامت کا ایک شمہ نقل کرنے کے بعد اس حدیث سے تمسک فرمایا کہ رسولِ پاک نے بروزِ غدیر خم فرمایا تھا۔ "ان اللہ مولائی و انا مولی المومنین و اولیٰ بھم من انفسھم من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ و عاد من عاداہ الخ۔ جب آنحضرتؑ نے یہ حدیث شریف بیان فرمائی تو حاضرین میں سے بارہ آدمیوں نے (جو کہ اہلِ بدر میں سے تھے) اُٹھ کر شہادت دی کہ ہم نے رسولِ اسلام سے یہ حدیث سُنی تھی۔

حدیثِ مصطفےٰ بروزِ غدیر کرد بر شرع خود مر اورا امیر

جب ان تحقیقی جوابات سے ان شبہات کا قلع قمع ہوگیا۔ تو اس سے اس آیت و حدیث کی حضرت امیر المومنینؑ کی خلافت بلافصل پر دلالت کالشمس فی رابعۃ النہار واضح و آشکار ہوگئی۔ والحمد للہ رب العالمین

حضرت امیرؑ کی ولیعہدی کی رسم دستار بندی

قدیم الایام سے اقوامِ عالم کے اکابر کے درمیان ایک رسم جاری و ساری ہے وہ یہ کہ بزرگان قوم اپنے ولیعہد کا تقرر کرتے وقت رسم دستار بندی ادا کرتے ہیں۔ کتبِ معتبرہ اہلِ سُنت سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے بھی حضرت امیر المومنینؑ کے اعلانِ ولی عہدی کے وقت اس رسم کی ادائیگی کا مظاہرہ فرمایا ہے چنانچہ کنز العمال ج ۸ صنٹ پر حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے۔ "قال عممنی رسول اللہ صلعم یوم غدیر خم۔ عمامۃ فسدل طرفیھا علی منکبی۔ الحدیث (رواہ ابن ابی شیبہ والطبرانی و ابن منیع والبیہقی فرماتے ہیں کہ غدیر خم کے دن حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے سر پر عمامہ باندھا اور اس کے شملہ کو میرے پیچھے لٹکا دیا۔ اور ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ آپ نے دستار کے دونوں شملے میرے کاندھے پر ڈال دیئے۔ (ایسا ہی عمدۃ القاری شرح بخاری ج ۱۰ ص۲۳۲ پر باسناد ابی نعیم عبد الاعلیٰ ابن عدی سے مروی ہے)، یہ تقررِ فعلی کا آخری مظاہرہ تھا۔ اور قولی تقرر تو اکثر ہوتا رہا ہے۔ اعلان (من کنت مولاہ الخ) آج کوئی نئی بات نہیں تھی بلکہ قاعدہ کے موافق صرف صرف رسم ولی عہدی پوری کی گئی۔ اس فعلیت کا خدا خواہاں تھا۔ اسی کو وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ کہہ رہا تھا۔

یہ تین آیتیں حضرت امیر المومنینؑ کی خلافتِ مطلقہ الٰہیہ کا اثبات اور ثلاثہ کی سقیفائی و شورائی خلافتوں کا بطلان ثابت کرنے کے لئے کافی و وافی ہیں کیونکہ ع

اگر در خانہ کس است یک حرف بس است

لہٰذا اسی قلیل مقدار پر اکتفا کی جاتی ہے۔ "ھذا بیان للناس و ھدیً و موعظۃ للمتقین"

اثباتِ امامت جناب امیر المومنینؑ باحادیث حضرت سید المرسلین

پہلے اور دوسرے باب میں دلائل ساطعہ و براہین قاطعہ سے امام کے لئے من جانب اللہ والرسول منصوص ہونے کی شرط کو محقق و مبرہن کیا جا چکا ہے اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے بلا فصل خلیفہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کے دعویٰ کی تصدیق و تائید مذکورہ بالا باب میں عقلِ سلیم اور قرآنِ کریم کی روشنی میں کر دی گئی ہے۔ جو یقیناً اربابِ عقل و انصاف کی رشد و ہدایت کے لئے کافی ہے اب ہم چاہتے ہیں کہ زیادتیٔ بصیرت کے لئے اس ذیل میں آنجنابؑ کا احادیث نبویہ کی روشنی میں منصوص ہونا واضح کر دیں۔ تاکہ قرآن اور حقیقی مفسرِ قرآن کے بیانِ حقیقت ترجمان کے بعد کسی مسلمان کو ایمان اور قلبی اطمینان کے حاصل کرنے میں کوئی عذر باقی نہ رہے۔ اور نہ ماننے والوں پر حجت کے اتمام میں کوئی کمی نہ رہے امیر علیہ السلام کی خلافت و امامت کے متعلق اس قدر نصوص نبویہ موجود ہیں جن کا احصار و جمع کتاب سے خارج ہونے کے علاوہ ہمارے لئے دشوار بھی ہے کیونکہ ؎

سفینہ چاہیئے اس بحرِ بے کراں کے لئے!

بمقتضائے "مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ" اس مختصر کتاب میں محض چند احادیث صحیحہ بلکہ متواترہ صریحہ کے ذکر کرنے پر اکتفا کی جاتی ہے۔ واللہ الموفق والمعین۔

حدیث ثقلین

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اھلبیتی ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی وانھما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض۔ ایھا الناس! میں تمہارے درمیان دو گرانقدر اور نفیس چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ایک کتاب اللہ اور دوسری اپنی عترت اہل بیتؑ جب تک تم ان دونوں کے دامن سے وابستہ رہو گے۔ ہرگز میرے بعد گمراہ نہ ہو گے اور یہ دونوں بھی ہرگز جدا نہ ہوں گے۔ جب تک حوضِ کوثر پر میرے پاس پہنچ نہ جائیں۔

اس حدیث شریف کا صحیح بلکہ متواتر ہونا اپنے مقام پر بدلائل عقلیہ ونقلیہ محقق و مبین ہو چکا ہے (تفصیل کے لئے ہماری کتاب تحقیقات الفریقین حول حدیث الثقلین ملاحظہ ہو۔) اس کتاب میں عترتِ رسولؐ کی تعیین کے ساتھ ساتھ یہ بھی ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ اس خانوادہ عصمت و

طہارت کی پہلی فرد فرید ہیں، نیز بڑی وضاحت کے ساتھ اس حدیث شریف کے آپ کی دلیل خلافت ہونے پر جامع تبصرہ کیا گیا ہے۔ یہاں صرف ایک نکتہ کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے۔

تقریبِ استدلال اس حدیث شریف کے اکثر طرق میں یہ تتمہ مروی ہے کہ حضرت رسولِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث شریف کے ارشاد فرمانے کے بعد حضرت امیرالمومنینؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا "ایہا الناس ھذا علی مع القرآن والقرآن مع علی لا یفترقان حتی یردا علی الحوض"

ملاحظہ ہو سننِ دارقطنی، سننِ بزاز، جواہر العقدین سمہودی، صواعق محرقہ ابن حجر مکی، ینابیع المودۃ شیخ سلیمان قندوزی وغیرہا۔

یہ تتمہ حدیث اس امر پر نص صریح ہے کہ آنحضرتؐ جن ذواتِ قدسیہ کے اتباع و اقتداء کا حکم دے رہے ہیں ان کی فردِ اول و اکمل حضرت امیرالمومنین علیہ السلام ہیں لہٰذا آپ کے ارتحالِ پُرملال کے بعد بلافصل انہی حضرت کے دامنِ امامت کے ساتھ تمسک کرنا واجب و لازم ہے۔ انہی حضرت کو اپنا مقتدیٰ و پیشوا قرار دینا واجب و متحتم، ان سے کسی امر میں سبقت کرنا ناجائز و حرام، ان سے اخذِ عقائد و معارف اور تعلّم مسائل حلال و حرام فرضِ عین اور انہیں تعلیم و تلقین دینا غیر معقول ہے۔

مختصر یہ کہ تمام امور دنیویہ و دینیہ میں انہیں اپنا حاکم تسلیم کرنا لازم اور محکوم بنانا قبیح و مذموم ہے کما ھو صریح الحدیث و لا نعنی من الامامۃ الا ھذا المعنی کما لا یخفی علی ذوی الامانۃ۔"

ذیل میں اس حدیث کی خلافتِ علویہ پر دلالت کے متعلق صرف چند اشارات کئے جاتے ہیں آ اس حدیث میں عترتِ رسول کو (جس کے فردِ اول و اکمل جناب امیرؑ ہیں) ثقل کے ساتھ تعبیر کر کے عدیل و ثانی قرآن قرار دیا گیا ہے جو ان کے عالم علوم قرآنیہ و عارفِ معارفِ ربانیہ ہونے کی قطعی دلیل ہے۔ الغرض یہ جناب امیرؑ کی اعلمیت کی دلیل ہے۔ ظاہر ہے جو اعلم الامۃ ہوگا وہی مسندِ رسولؐ کا وارث ہوگا۔

۲۔ یہ حدیث عصمتِ اہلبیتؑ کی قطعی دلیل ہے کیونکہ پیغمبرِ اسلامؐ نے اپنی تمام امت کو ہر قسم کی ضلالت و گمراہی سے بچنے کیلئے قرآن و عترت کے دامن سے متمسک ہونے کا حکم دیا ہے اور یہ مقصد جبھی حاصل ہو سکتا ہے کہ قرآن کی مانند اہلبیتؑ کا دامن کو ہر قسم کے گناہ و عصیاں کے دھبوں سے پاک تسلیم کیا جائے واضح ہے کہ معصوم ہی نبی کی مسند کا وارث

۳۔ اس حدیث میں ہادیٔ کائناتؐ نے تمام امت کو قرآن و عترت کی اطاعت مطلقہ کا حکم دیا ہے اور اطاعت مطلقہ صرف نبی یا امام کی جائز ہوتی ہے لیکن یہ جناب نبی تو ہیں نہیں لہٰذا لامحالہ ان کو وصیٔ نبی ماننا پڑے گا۔

۴۔ یہ حدیث افضلیتِ اہلبیتؑ کی کھلی ہوئی دلیل ہے اور قبل ازیں ناقابلِ انکار دلائل سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ جو افضل ہو گا وہی مسندِ نبی کا وارث ہوگا۔ واللہ الموفق للصواب۔

حدیث اتحادِ نورِ نبی و وصی

سبطِ ابنِ جوزی اپنی کتاب تذکرۃ خواص الامۃ صہ۲۸ طبع ایران پر لکھتے ہیں: قال احمد فی کتاب الفضائل حدثنا عبدالرزاق عن معمر عن الزھری عن خالد بن معدان عن زاذان عن سلمانؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم "کنت انا و علی ابن ابی طالب نوراً بین یدی اللہ تعالیٰ قبل ان یخلق آدم باربعۃ آلاف عام فلما خلق آدم قسم ذلک النور جزئین فجزء انا و جزء علیؑ و فی روایۃ خلقت انا و علی من نور واحد" یعنی امام احمد ابنِ حنبل اپنی کتاب فضائل میں باسنادِ خود (راویوں کے نام اصل روایت میں دیکھیں،) حضرت سلمان فارسی (محمدی) سے روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں اور اور علی ابن ابی طالب ایک نور تھے۔ خداوند عالم کی بارگاہ میں، حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت سے چار ہزار[1] سال پہلے جب خدا نے ان کو پیدا کیا تو اس نور کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا، ایک جز میں میں ہوں اور دوسرے جز علیؑ ہیں" ایک دوسری روایت میں یوں وارد ہے کہ میں اور علیؑ ایک ہی نور سے ہیں۔ ابن مغازلی کی روایت میں آنحضرتؐ اپنی اس نورانی خلقت کا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں "فلم نزل فی شیئ واحد حتی افترقنا فی صلب عبدالمطلب ففی النبوۃ و فی علی الخلافۃ"، میں اور علیؑ ہمیشہ ایک ہی ظرف میں رہے یہاں تک کہ جب حضرت عبدالمطلب کے صلب میں پہنچے تو جُدا جُدا ہو گئے۔ مجھ میں نبوت و ولایت کی گئی اور علیؑ میں خلافت ابنِ مغازلی کی دوسری روایت اور شیخ محمد واعظ ہروی کی کتاب ریاض الفضائل میں (علی ما نقل عنہ) اس حدیث کا تتمہ بایں الفاظ مروی ہے "حتی قسمہا جزئین فجزء فی صلب عبداللہ و جزء فی صلب ابی طالب فاخرجنی نبیاً و اخرج علیاً وصیاً" یعنی ہم ہمیشہ ایک ظرف سے دوسرے ظرف میں منتقل ہوتے رہے یہاں تک کہ خداوند عالم نے جناب عبدالمطلب تک پہنچا کر دو حصوں میں تقسیم

---

[1] حضرت آدم سے پہلے سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کی نورانی و روحانی خلقت کے سن و سال کے بارے میں بظاہر اخبار و آثار مختلف وارد ہوئے ہیں بعض میں چار ہزار سال، بعض میں چودہ ہزار سال، بعض میں چالیس ہزار اور بعض میں کچھ اور کم و بیش مدت کا تذکرہ ہے جسے علمائے اعلام نے مخاطبین کے اختلاف افہام یا دنیوی اور ربوبی سن و سال کے اختلاف ایام پر محمول کیا ہے۔ ان احادیثِ نور کی اصل حقیقت سمجھنے کے لئے ہماری کتاب اصول الشریعہ کی طرف رجوع کیا جائے۔ (منہ عفی عنہ)

کر دیا ایک جزء کو جناب عبد اللہ کی صلب میں اور دوسری جزء کو ابو طالب کی صلب میں قرار دیا پس مجھے نبوت دے کر اور علیؑ کو وصایت و امامت دے کر پیدا کیا"۔ بنا بر نقل صاحب ینابیع المودۃ ص۲۶۲ طبع بمبئی۔ فردوس الاخبار دیلمی میں یہ تتمہ بایں الفاظ مذکور ہے۔" فکان لی النبوۃ ولعلی الوصیۃ"۔ نیز صاحب ینابیع نے ص۱۰ پر مناقب سے بایں الفاظ نقل کیا ہے" ففی النبوۃ وفی علی الامامۃ۔ مجھے نبوت اور علیؑ کو امامت ملی اور فرائد السمطین حموینی میں یہ تتمہ بایں الفاظ ہے" وکان اسمی فی الرسالۃ و اسمہ فی الخلافۃ والشجاعۃ"۔ یعنی میرا نام (دفتر) رسالت میں اور علیؑ کا نام (دفتر) خلافت و شجاعت میں ثبت تھا۔ مطلب سب کا ایک ہی ہے ؎

عباراتنا شتیٰ وحسنک واحد — وکل الی ذاک الجمال یشیر

تقریبِ استدلال

یہ حدیث شریف دو طریقوں سے حضرت امیر علیہ السلام کی خلافت مطلقہ پر دلالت کرتی ہے

طریقِ اوّل

ابھی اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ اس حدیث شریف کے اکثر طرق میں وارد ہے۔ "ففی النبوۃ وفی علی الخلافۃ" جو روایات مطلق اتحاد نورانی پر دلالت کرتی ہیں (یعنی ان کے ساتھ یہ تتمہ مذکور نہیں ہے)، ان کو بھی انہی مقید و مفصل روایات پر محمول کیا جائے گا۔ (کما تقرر فی محلہ من حمل المطلق علی المقید) بعد ازیں اس حدیث کی دلالت ظاہر و باہر ہے کیونکہ اس نورانی و روحانی خلقت کی طرح حضرت امیر المومنینؑ مرتبۂ خلافت مطلقہ پر کامران ہوگئے۔ ان دو بشر نورانی بزرگواروں کے درمیان کسی اجنبی بشر ظلمانی کا حائل ہونا بالکل غیر معقول ہے ؎

وصی نبی انکہ در صلب فطرت

بشاہ اولوالعزم توام نشیند! (نظامی)

طریقِ دوم

اس حدیث شریف کے بعض طرق میں حضرت امیر علیہ السلام کے اسم مبارک کے ساتھ وصایت کا تذکرہ موجود ہے جیسے فاخرجنی نبیًا واخرج علیًا وصیًا۔ فردوس الاخبار دیلمی میں یہ الفاظ مذکور ہیں" فکان لی النبوۃ ولعلی الوصایۃ۔ اس نورانی و روحانی تقدم خلقی کی برکت سے مجھے نبوت ملی اور علیؑ کو وصایت"۔ ان فقروں کا نص صریح ہونا نہایت واضح ہے۔ کیونکہ آنحضرتؐ کا اپنی نبوت مطلقہ کے ساتھ آنجنابؑ کی وصایت کا ذکر کرنا اس امر کی بین دلیل ہے کہ آنجنابؑ کی وصایت سے وصایت مطلقہ مراد ہے۔* خلافت مطلقہ پر نص صریح ہونا واضح ہوگیا۔ یہی وجہ ہے کہ مخالفین جب اس حدیث شریف کی دلالت میں خدشہ نہ کرسکے۔ تو اس کی سند میں سقم پیدا کرنے لگے۔

در زین الفتیٰ امام احمد بن حنبل در فضائل، ابن مغازلی در مناقب، نور الدین ابن صباغ مالکی در فصول مہمہ، محب الدین طبری در ریاض نضرہ ... [illegible]

اس سلسلہ میں انہوں نے دو ایک ایراد وارد کئے ہیں۔

ایراد اوّل ابن جوزی نے اس حدیث شریف کو اپنی کتاب موضوعات میں دو طریق سے روایات
کر کے موضوع قرار دیا ہے ایک طریق میں محمد ابن خلف مروزی واقع ہے جس کے متعلق
یحییٰ ابن معین نے کہا ہے کہ وہ جھوٹا آدمی تھا۔ دوسرے طریق میں جعفر ابن احمد موجود ہے اور وہ شیعہ
تھا۔ لہٰذا یہ روایت ناقابل اعتبار ہے۔

الجواب یہ ایراد بچند وجہ مردود ہے

اولاً ہم اپنی بعض کتابوں (تحقیقات الفریقین) میں کئی مقامات پر ابن جوزی کی تضعیف کا ناقابل
اعتبار ہونا علمائے اہل سنت کی زبانی نقل کر چکے ہیں۔ یہاں صرف ایک مستند عالم اہل سنت
کلام پر اکتفا کی جاتی ہے۔ مکہ کے سابق مفتی اعظم جناب زینی دحلان اپنی کتاب السیرۃ النبوۃ ج
ص ۲۸۸ پر حضرت امیرؑ کے معجزۂ رد الشمس کی حدیث کو صحیح ثابت کرنے کے بعد ابن جوزی کے
اپنے موضوعات میں درج کرنے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں " ولا عبرۃ باخراج ابن الجوزی
لہذا الحدیث فی الموضوعات فقد اطبق العلماء علی تساہلہ فی کتاب الموضوعات حتی ادرج
کثیرا من الاحادیث الصحیحۃ " یعنی " ابن جوزی نے جو اس حدیث کو موضوعات میں درج کیا ہے
اس کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ علماء کرام کا اتفاق ہے کہ موصوف نے اس کتاب میں سہل انگیزی ا
کوتاہی سے کام لیا ہے۔ یہاں تک کہ بہت سی صحیح السند حدیثوں کو اس میں درج کر دیا ہے"۔ ا
کلام حقیقت ترجمان سے واضح وعیاں ہو گیا کہ ابن جوزی کی تضعیف کے ناقابل اعتبار ہونے پر تم
علمائے کرام کا اتفاق ہے۔ ولا ینبئک مثل خبیر۔

ثانیاً حقیقت امر یہ ہے کہ مطلق تشیع کسی راوی میں موجب جرح وقدح نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ ہم ا
کتاب تحقیقات الفریقین فی حدیث الثقلین کے مقدمات میں اس پر مفصل روشنی ڈال چکے
(ملاحظہ ہو تدریب الراوی ص ۱۲۹ علامہ جلال الدین سیوطی ہدایۃ السائل از نواب صدیق حسن خان ص ۲۹۶)

ثالثاً اگر یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ یہ دونوں راوی غیر مقبول الروایہ ہیں۔ تاہم یہ چیز صحت روایت کو ص
نہیں پہنچاتی کیونکہ یہ حدیث شریف بہت سے طرق واسانید سے مروی ہے۔ اس لئے ا
طرق واسانید میں ان دو راویوں کا نام ونشان تک نہیں ہے جیسا کہ سبط ابن جوزی نے مذکورہ بالا
کو کتاب فضائل احمد بن حنبل سے نقل کرنے کے بعد اس اشکال کے جواب میں لکھا ہے " ان الح

الذی ضعفوه غیر هذه الالفاظ و غیر هذا الاسناد الخ (الی ان قال) والحدیث الذی دوناه یخالف هذا اللفظ والاسناد رجاله ثقاة» یعنی وہ حدیث جس کی تضعیف کی گئی ہے وہ ان الفاظ و اسناد کے علاوہ (دوسری روایت) ہے[1]. اور جس روایت کو ہم نے نقل کیا ہے یہ الفاظ و اسناد میں اس (ضعیف) روایت کے مخالف ہے کیونکہ اس کے تمام راوی قابلِ وثوق و اطمینان ہیں (تذکرہ خواص الامۃ ص۲۸) امید ہے کہ ابنِ جوزی کے سبط (نواسے) کی یہ تحقیق طالبانِ حقیقت کے لئے سرمۂ بصیرت ثابت ہوگی اور حقیقت کو اس کے حقیقی لباس میں دیکھ سکیں گے۔

ایرادِ دوم اس حدیث کے بعض طرق میں ان دو بزرگواروں کے ساتھ اصحاب ثلاثہ کا بھی اس نورانی خلقت اور صلبِ طاہرین میں منتقل ہوتے رہنے کا تذکرہ موجود ہے لہٰذا اس فضیلت میں حضرت علیؑ متفرد نہیں بلکہ خلفاء ثلاثہ بھی ان کے ساتھ شریک ہیں اور اگر یہ حدیث حضرت علیؑ کی خلافت پر دلالت کرتی ہے تو پھر اس سے اصحابِ ثلاثہ کی خلافت بھی ثابت ہے۔

الجواب یہ ایراد بھی بچند وجہ باطل ہے۔

اولاً یہ روایت (جس میں اصحابِ ثلاثہ کے نام درج ہیں) قواعد درایت کی رو سے موضوع ہے کیونکہ اس کو صحیح ماننے سے بہت سے مفاسد لازم آتے ہیں۔

(الف) یہ کہ خلفائے ثلاثہ کی خلقت حضرت آدم سے پیشتر تسلیم کرنا پڑے گی۔ حالانکہ اس کا کوئی مسلمان قائل نہیں۔

(ب) یہ کہ ان حضرات کے تمام آباؤ اجداد موحد و خدا پرست ہوں حالانکہ یہ خلافِ اجماع ہے

(ج) یہ کہ یہ حضرات بھی ہمیشہ مومن رہے ہوں۔ حالانکہ ان حضرات کا مدتہائے دراز تک کفر و شرک کی آلائشوں سے ملوث رہنا اظہر من الشمس ہے۔

(د) یہ کہ پیغمبرِ اسلام کی طرح نورانی و بشری دو جنبوں کے حامل ہوں حالانکہ اس بات کا کوئی بھی قائل

---

[1] اس امر کی تائید مزید میزان الاعتدال ج ۲ ص۲۵۳ سے بھی ہوتی ہے اس میں لکھا ہے کہ ابنِ جوزی نے جس حدیث کو موضوعات میں درج کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔ «خلقت انا و ہارون و یحیٰی و علی من طینۃ واحدۃ» یعنی میں (رسولِ خدا)، ہارون، یحیٰی اور علی ایک طینت سے پیدا ہوئے ہیں۔ اس تحقیق سے معلوم ہو گیا کہ جس حدیث نور سے ہم نے استدلال کیا ہے اسے ابنِ جوزی نے موضوعات میں درج نہیں کیا (منہ عفی عنہ)

نہیں ہے (الی غیر ذالک من المفاسد العدیدۃ) ماننا پڑے گا کہ یہ روایت دروغ بے فروغ ہے . جو ثلاثہ پرستوں نے اتحاد نورِ نبیؐ و وصیؑ کے مقابلہ میں اختراع کیا ہے جیسا کہ دیگر فضائل و مناقب کی روایات کے مقابلہ میں ان کا دستور رہا ہے . اس مزعوم حدیث میں ترتیب خلافت کے مطابق اسماء کا درج ہونا بھی بتاتا ہے کہ یہ حدیث بعد کی ایجاد ہے .

ثانیاً وہ روایت جو ہم نے نقل کی ہے . وہ متفق علیہ بین الفریقین ہے اور اس مزعومہ روایت کو نقل کرنے میں فقط بعض اہلِ سنت متفرد ہیں . لہٰذا فن درایۃ الحدیث کے قواعد کی رو سے متفق علیہ بین الفریقین روایت کو ترجیح دی جائے گی اور اس روایت کو ناقابلِ اعتبار قرار دیا جائے گا .

ثالثاً اگر بفرضِ محال چند لمحوں کے لئے تصحیح بھی تسلیم کر لیا جائے ، تو اس سے ہمارے مقصد و مطلب کو ہرگز کسی قسم کی ٹھیس نہیں لگتی کیونکہ زیادہ سے زیادہ اس روایت سے ثلاثہ کی صدیقیت ، فاروقیت اور ذوالنورینیت ثابت ہوتی ہے ، لیکن وصایت و خلافت تو اس حدیث میں بھی حضرت امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مختص قرار دی گئی . چنانچہ صواعق محرقہ صفحہ میں یہ الفاظ مذکور ہیں . فجعل ابا بکر صدیقاً و عمر فاروقاً و عثمان ذالنورین و علیاً وصیاً الخ پس اس موضوع و مکذوب اور غیر ظاہر الدلالۃ روایت کو مشہور و متفق علیہ اور صریح الدلالۃ روایت کے مقابلہ میں بطور معارضہ پیش کرنا انتہائی حماقت و وقاحت کی دلیل ہے . اعاذنا اللّٰہ من التعصب والعناد بحق النبیؐ و آلہ الامجاد علیہم صلوات الملک الجواد الی یوم التناد

حدیثِ منزلت قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم لعلی علیہ السلام انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی

(حدیث نبوی متفق علیہ)

حضرت رسولِ خدا صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں اے علیؑ ! تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو حضرت ہارونؑ کو حضرت موسیٰؑ سے تھی ہاں (اگر فرق ہے تو صرف اس قدر) کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے " (ورنہ تم درجہ نبوت پر بھی فائز ہوتے اس حدیث کی صحت و ثاقت پر تمام فرق اسلامیہ کا اجماع و اتفاق ہے . سب نے اسے صحیح ترین اخبار سے قرار دیا ہے چنانچہ ابن عبدالبر نے استیعاب ج ۲ ص ۴۵۹/۴۷۳ پر اس حدیث شریف کے متعلق لکھا ہے " ودی قولہ صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم انت منی الخ جماعۃ من الصحابۃ وھو من اثبت الآثار و اصحہا " یعنی آنحضرتؐ کے اس ارشاد یا علی انت منی الخ کو صحابہ کرام کی

ایک جماعت نے نقل کیا ہے اور یہ حدیث ثابت وصحیح ترین اخبار وآثار میں سے ہے"[۲] شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ج ۴ ص ۳۶۷ پر لکھا ہے "آئمہ حدیث متفق اند بر صحت ایں حدیث واعتماد بر قولِ ایشاں است" اسی طرح[۳] شیخ محمد بن یوسف گنجی نے کفایۃ الطالب میں "ھذا حدیث متفق علی صحتہ" لکھکر آخر کلام میں حاکم نیشاپوری صاحب مستدرک کا قول نقل کیا ہے کہ "ھذا حدیث دخل فی حد التواتر" یعنی یہ حدیث حدِ تواتر میں داخل ہے۔

(۴) اور تو اور ابن تیمیہ جیسے متعصب ومتشدد نے بھی اس حدیث کی صحت کا باین الفاظ اعتراف کیا ہے "ان ھذا الحدیث صحیح بلا ریب ثبت فی الصحیحین وغیرھما" یعنی بلاشک یہ حدیث صحیح ہے جو صحیحین وغیرہ میں مذکور ہے! یہ حدیث درج ذیل کتب میں موجود ہیں۔ بخاری ج ۲ ص ۵۲۶ بادنیٰ تفاوت طبع دہلی (طبع مصر ج ۲ ص ۲۰۰) صحیح مسلم مع نووی ج ۲ ص ۲۷۳ طبع مصر ج ۷ ص ۱۲۰ مسند ابو داؤد ص ۲۸ سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۵۵ مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۳ تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۴۴ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۳۱۷ تاریخ الخلفا سیوطی ص ۱۶۷/۱۶۸ مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۳۔ فتح الباری ج ۷ ص ۱۶۰ مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۱۷۰/۱۷۳، مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۰۹/۱۳۳، نسیم الریاض ج ۳ ص ۳۶۹ تفسیر در منثور ج ۴ ص ۲۹۵ صواعق محرقہ ص ۷۲ باب ۹ کنز العمال ج ۶ ص ۱۵۲/۱۵۴ ان کتب کے علاوہ بیسیوں کتب تفسیر وحدیث اور سیر وتواریخ میں مذکور ہے۔ یہ حدیث شریف بھی ان احادیث شریفہ میں سے ہے جو بطور نص حضرت امیر المومنینؑ کی خلافتِ مطلقہ پر دلالت کرتی ہیں لیکن قبل اس کے کہ تقریب استدلال* و دفع شبہات میں بہت مفید ثابت ہوں گی!

امرِ اول

محققین اہلِ عربیت کا اتفاق ہے کہ اسم جنس جب مضاف ہو تو عموم کا افادہ کرتا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اس سے استثنار کرنا صحیح ہوتا ہے چنانچہ قاضی عضدالدین ایجی (صاحب مواقف) شرحِ مختصر الاصول ابن حاجب میں صیغہ ہائے عموم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "والمجموع المضافۃ نحو علماء بغداد ومنھا اسم الجنس کذلک ای معرفا تعریف جنس او مضافا۔ الخ" منجملہ الفاظِ عموم کے جمع مضاف بھی ہے جیسے علماء بغداد اور منجملہ ان الفاظ کے اسم جنس ہے جو معرف باللام جنس ہو یا مضاف ہو۔ اسی طرح علامہ تفتازانی شرح منہاج الاصول قاضی بیضاوی میں الفاظ عموم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "المسئلۃ الثانیۃ فیما یفید العموم الخ (الی ان قال) وکذا اسم الجنس یکون عاما اذا کان محلّی بالالف واللام نحو یا ایھا الناس اعبدوا او مضافا نحو قولہ تعالیٰ عن امرہ الخ" دوسرا مسئلہ ان

---

* کی جگہ یہاں بطور مقدمہ دو امور پر مختصر روشنی ڈالنا مناسب ہے جو آئندہ تقریب استدلال

الفاظ کے بیان میں جو عموم کا افادہ کرتے ہیں دیگر ان صیغوں کا تذکرہ کرتے ہوئے آخر میں لکھا ہے کہ منجملہ ان کے اسم جنس ہے جو عمومیت کا فائدہ دیتا ہے۔ جب کہ معرف باللام ہو جیسے ارشاد باری ہے۔ یا ایھا الناس۔ اے لوگو! خدا کی عبادت کرو (کہ یہاں الناس سے سب لوگ مراد ہیں) اور یا مضاف ہو جیسے قولِ خداوندی "عن امرہ" کہ جو لوگ اللہ کے احکام کی مخالفت کرتے ہیں (ان کو عذابِ الیم سے خائف رہنا چاہیئے) یہاں بھی "امرہ" سے جو کہ اسمِ جنس اور مضاف ہے تمام اوامر مراد ہیں)

ظاہر ہے کہ حدیثِ منزلت میں لفظِ منزلت اسمِ جنس ہے جو مضاف واقع ہوا ہے۔ پس یہ بھی مفید عموم ہوگا۔ یعنی اے علیؑ! تم کو تمام منازل میں مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی جیسا کہ اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے دلیلِ عموم صحتِ استثناء ہے یعنی جہاں استثناء کرنا صحیح ہو وہاں یقیناً کلام میں عمومیت پائی جاتی ہے جیسے ان الانسان لفی خسر الا الذین آمنوا! الخ۔ تمام انسان خسارے میں ہیں سوائے ان لوگوں کے جو مومن ہیں" الا الذین الخ۔ کا استثناء کرنا دلیل ہے کہ "الناس" میں عمومیت ہے! قاضی بیضاوی نے منہاج الوصول میں لکھا ہے۔" معیار العموم جواز الاستثناء فانہ یخرج ما یجب اندراجہ لولا۔" یعنی عموم کا معیار استثناء کا جواز ہے کیونکہ استثناء اس چیز کو حکمِ سابق سے نکالتا ہے جس کا مندرج ہونا واجب تھا۔ اگر یہ استثناء نہ ہوتا" اسی طرح جلال الدین محمد ابن احمد نے شرحِ جمع الجوامع میں لکھا ہے" معیار العموم صحۃ الاستثناء فکل ما صح الاستثناء منہ فھو عام۔ یعنی عمومیت کا معیار صحتِ استثناء ہے ہر وہ لفظ جس سے استثناء صحیح ہو وہ عام ہوتا ہے۔" بنا بریں اس حدیث شریف میں استثناء (الا انہ لا نبی بعدی) کا صحیح ہونا اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ منزلت میں عمومیت پائی جاتی ہے۔

امرِ دوم

تمام ائمہ عربیت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ استثناء متصل میں حقیقت اور منقطع میں مجاز ہے۔ لہٰذا حتی الامکان استثناء کو اس کے حقیقی معنی (متصل) پر حمل کیا جاتا ہے اور جب کسی جگہ کسی وجہ سے حقیقی معنی مراد نہ لیے جا سکیں، تب اسے مجازی معنی پر حمل کیا جاتا ہے (کما ھو القاعدۃ الکلیۃ فی الحقیقۃ والمجاز) چنانچہ قاضی عضد الدین شرح مختصر الاصول ابن حاجب میں لکھتے ہیں:" واعلم ان الحق ان المتصل اظھر فلا یکون مشترکاً ولا للمشترک بل حقیقۃ فیہ ومجاز فی المنقطع فلذلک لم یحملہ علماء الامصار علی المنفصل الا عند تعذر المتصل حتی عدلوا للحمل علی المتصل عن الظاھر وخالفوہ الخ"

جاننا چاہیئے کہ حق یہ ہے کہ استثناء متصل میں زیادہ ظہور رکھتا ہے (اور اطلاق کے وقت اس کا تبادر ہوتا ہے) لہٰذا یہ (متصل و منفصل میں) مشترک (لفظی) نہیں ہوگا اور نہ ہی ان کے درمیان قدر جامع میں مشترک (معنوی) ہے۔ بلکہ متصل* مراد لینا متعذر نہ ہو۔ یہاں تک کہ (بعض مقامات پر اسے متصل پر حمل کرنے کے لئے ظاہر لفظ سے عدول بھی کر جاتے ہیں اور اس ظاہر کی مخالفت کر کے بھی اسے متصل پر ہی حمل کرتے ہیں" الخ اسی طرح علامہ تفتازانی نے شرح عقندی کی شرح میں اس امر کی تائید مزید کی ہے" اس تحقیق انیق کی بناء پر ہماری مورد نظر حدیث شریف میں جو استثناء واقع ہوا ہے (الا انہ الخ) اسے استثناء متصل پر حمل کیا جائے گا۔ اور جملہ "الا انہ لا نبی بعدی" مفرد (یعنی الا النبوۃ) کے حکم میں ہوگا۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس حدیث شریف کے بعض طرق میں خود یہی لفظ واقع ہوا ہے۔ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں یہ حدیث بایں الفاظ نقل کی ہے۔ اما ترضی ان تکون منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ الا النبوۃ۔ ایسا ہی سبط ابن جوزی نے تذکرہ ص۱۲ طبع ایران فضائل امام احمد حنبل کے حوالہ سے لکھا ہے" وقد اخرج الامام فی کتاب الفضائل الخ اما ترضی ان تکون منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ الا النبوۃ وانت خلیفتی" واضح ہے کہ مستثنے متصل اپنے مستثنیٰ منہ کی عمومیت پر دلالت کرتا ہے۔ لہٰذا حدیث منزلت میں لفظ "منزلت" جو مستثنیٰ منہ واقع ہوا ہے۔ اس میں عمومیت ہو گی اور مطلب یہ ہوگا کہ اے علیؑ! سوائے مرتبۂ نبوت کے دیگر تمام منازل و مراتب میں تمہیں مجھ سے وہی نسبت ہے جو حضرت ہارونؑ کو حضرت موسیٰؑ سے تھی۔

تقریب استدلال

اس تمہیدی بیان کے بعد واضح ہو کہ یہ حدیث شریف حضرت امیر المومنینؑ کی خلافت و امامت عظمیٰ اور وصایت و زعامت کبریٰ پر بایں طریق دلالت کرتی ہے۔

طریق اول

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث شریف میں سوائے مرتبۂ نبوت کے باقی تمام منازل و مراتب ہارونیہ کو حضرت امیر المومنینؑ علیہ السلام کے لئے ثابت فرمایا ہے اب دیکھنا یہ چاہیئے کہ حضرت ہارونؑ کن منازل و مدارج پر فائز تھے۔؟ ان سب کا احصاء کرنا ہمیں منظور نہیں۔ ہاں ان کے جن منازل عالیہ کا تذکرہ قرآن مجید میں موجود ہے وہ یہ ہیں "۱۔ وزارت، ۲۔ خلافت، ۳۔ نصرت، ۴۔ شرکت در امر نبوت، ۵۔ اخوت، جب پیغمبر اسلام نے فقط ایک منزلت "شرکت در امر نبوت" (مرتبۂ نبوت) کی نفی فرمائی تو اس کے علاوہ باقی جتنے منازل

* یہی حقیقت اور منفصل میں مجاز ہے۔ اسی لئے علماء اسے اس وقت تک منفصل پر ہرگز محمول نہیں کرتے جب تک متصل کا

ہارونیہ ہیں، وہ سب حضرت امیر علیہ السلام کے لئے بوجہ اتم واکمل ثابت ہوں گی۔ یہی وجہ ہے کہ حسن بصری کہا کرتے تھے کہ " لوکان ثم شیئ غیر نبوۃ لاستثناہ " یعنی اگر آنحضرتؐ کو سوائے مرتبۂ نبوت کے کسی اور منزلت کی بھی نفی کرنا منظور ہوتی، تو اس کا بھی استثناء فرما دیتے۔ لیکن جب اور کسی منزلت کا استثناء نہیں فرمایا۔ تو ماننا پڑے گا کہ باقی سب منازل کا اثبات مقصود تھا (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید نقلاً عن الواقدی)۔ یہی ابن ابی الحدید حضرت امیر المومنینؑ کا وزیر رسولؐ ہونا ثابت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ " ویدل علی انہ وزیر رسول اللہ من نص الکتاب والسنۃ قولہ تعالٰی واجعل لی وزیرا من اھلی ھارون اخی اشدد بہ ازری واشرکہ فی امری وقال النبی فی الخبر المجمع علی روایتہ بین سائر فرق الاسلام انت منی بمنزلۃ ھارون من موسٰی الا انہ لا نبی بعدی فاثبت لہ جمیع مراتب ھارون ومنازلہ من موسٰی فاذن ھو وزیر رسول اللہ وشاد ازرہ ولو لا انہ خاتم النبیین لکان شریکا فی امرہ " (انتہٰی بقدر الحاجۃ) (حضرت امیرؑ کے وزیر رسولؐ ہونے پر کتاب و سنت کے نصوص دلالت کرتے ہیں۔ قرآن کی یہ آیت ہے جس میں حضرت موسٰیؑ نے اپنے بھائی حضرت ہارونؑ کی وزارت کی بارگاہِ قدرت میں درخواست پیش کرنے اور خدا کے ان کو وزیر بنانے کا تذکرہ ہے اور آنحضرتؐ نے اپنی اس حدیث میں فرمایا ہے جس پر تمام فرقہائے اسلام کا اتفاق ہے۔ یا علی انت منی الخ اس میں آنحضرتؐ نے تمام مراتب و منازل ہارونؑ کو جناب امیرؑ کے لئے ثابت کیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ آپ وزیر رسولؐ ہیں اور ان کے پشت پناہ ہیں۔ اگر آنحضرتؐ خاتم النبیین نہ ہوتے تو جناب امیرؑ ضرور شریک نبوت بھی ہوتے۔)

جب حضرت امیر علیہ السلام کے لئے تمام منازلِ ہارونی ثابت ہو گئیں، جن کے منجملہ ایک یہ بھی ہے کہ حضرت ہارونؑ حضرت موسٰیؑ کے خلیفہ تھے تو اسی طرح حضرت امیر علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی حضرت ختمی مرتبتؐ کے خلیفۂ بلافصل ہوں گے۔ کما لا یخفٰی علی من لہ ادنٰی معرفۃ باسالیب الکلام۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ حضرت ہارونؑ کو اجلِ محتوم نے اس امر کی مہلت نہ دی کہ وہ حضرت موسٰیؑ کے بعد ان کی مسندِ خلافت پر بیٹھ سکیں۔ لیکن یہ واضح ہے کہ چونکہ زندگی میں وہی آپ کے وزیر و جانشین تھے اور بایں ہمہ صفت موصوف لہٰذا اگر زندہ رہتے تو یقیناً آپ ہی آپ کی خلافت عظمٰی کے درجۂ علیا پر فائز ہوتے لیکن امیر المومنینؑ تو آنحضرتؐ کے بعد زندہ تھے لہٰذا انہیں آنحضرتؐ کی مسند خلافت پر متمکن ہونے سے کون سی چیز حائل و حاجب ہو سکتی تھی لہٰذا یقیناً ان کو خلیفۂ بلافصل تسلیم

کرنا پڑے گا۔

طریق دوم حضرت ہارونؑ تمام امتِ موسیٰ سے افضل و برتر تھے۔ لہٰذا اسی طرح حضرت امیرالمومنینؑ بھی تمام امتِ محمدیؐ سے افضل و برتر ہوں گے۔ سابقاً (شرائطِ) امامت میں وضاحت کے ساتھ ثابت کیا جا چکا ہے کہ ہر امت میں افضل الامت ہی خلیفہ و امام ہوتا ہے لہٰذا حضرت امیر المومنینؑ کی افضلیت کے اثبات کے ساتھ ساتھ آپ کی خلافتِ مطلقہ بھی ثابت ہو گئی اس حقیقت کی تائید مزید بطور نصِ صریح اس تتمہ سے بھی ہوتی ہے جسے ہم نے تذکرہ سبط ابن جوزی صہ ۱۲ سے نقل کیا ہے جس کے مطابق آنحضرتؐ نے مرتبۂ نبوت کا استثناء کرنے کے بعد فرمایا ہے "وانت خلیفتی" ہاں تم میرے خلیفہ و جانشین ہو۔ مطلب واضح ہے کہ میرے بعد میری مسند کے تم ہی وارث ہو نہ یہ کہ پہلے تین اور آدمی بیٹھیں گے اور چوتھے مرتبہ پر تم جانشین ہو گے۔ الحمد للہ اس حدیث سے کالنار فوق المنار حضرت امیر المومنینؑ کی خلافت بلافصل واضح و آشکار ہو گئی مگر افسوس باوجود اس کے کہ اس حدیث شریف کی دلالت ایسی واضح و لائح ہے کہ معمولی عقل و معرفت اور ادنےٰ فہم و فراست رکھنے والے انسان بھی بآسانی اس سے حضرت امیر المومنینؑ کی خلافت مطلقہ و امامت حقہ کا استفادہ کر سکتے ہیں لیکن ان لوگوں کا کیا علاج جن کے لئے زیغ و ضلال اور کج سلیقگی طبیعتِ ثانیہ بن چکی ہے وہ واضحات و بدیہیات میں بھی شک کر کے اپنی کج سلیقگی کا ثبوت دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ چنانچہ انہوں نے اس مقام پر بھی اپنی اس بدعادتی کا مندرجہ ذیل شبہات کے ذریعہ مظاہرہ کیا ہے۔

پہلا شبہ! اس حدیث سے عموم منازل و مراتب ہارونیؑ کا حضرت علیؑ کے لئے ثابت کرنا اس امر پر موقوف ہے کہ " الا انہ الخ " والا استثناء متصل ہو اور یہ جملہ تاویل میں " الا النبوۃ " کے ہو۔ حالانکہ اسے متصل قرار دینا لفظی و معنوی دونوں لحاظ سے صحیح نہیں ہے لفظی لحاظ سے اس لئے کہ " الا انہ لا نبی بعدی " الخ جملہ خبریہ ہے جسے منازل ہارونؑ سے کوئی ربط نہیں ہے اگر اس کو تاویلِ مفرد میں قرار دیا جائے۔ تو " الا عدم النبوۃ " بنتا ہے ظاہر ہے کہ عدم نبوت حضرت ہارونؑ کے منازل میں داخل ہی نہیں۔

رہ گئی معنوی لحاظ سے اس کے متصل ہونے کی عدم صحت وہ اس لئے کہ منجملہ منازلِ ہارونؑ کے یہ بھی ہے کہ آپ حضرت موسیٰؑ سے عمر میں بڑے تھے۔ نبوت میں شریک تھے۔ ان کے حقیقی بھائی تھے اور حضرت موسیٰؑ کی زندگی میں ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ حالانکہ ان امور میں سے کوئی بھی حضرت علیؑ کے لئے ثابت نہیں ہے لہٰذا ماننا پڑے گا کہ اس سے مراد فقط ایک صفت میں تشبیہ ہے اور وہ ہے جنگ تبوک

کے وقت حضرت امیرؑ کا مدینہ میں خلیفہ ہونا جیسا کہ حضرت موسیٰؑ کے کوہِ طور پر تشریف لے جانے کے بعد حضرت ہارونؑ ان کے خلیفہ قرار دیئے گئے تھے۔

الجواب یہ شبہ بناء الفاسد علی الفاسد کا مصداق ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ یہ کلام بچند وجہ مختل النظام ہے۔

اوّلاً معترض کا یہ کہنا کہ یہ استثناء منقطع ہے۔ اس کا ہوان وبطلان ابھی اوپر امر دوم میں بتصریحات آئمہ فن بیان ہو چکا ہے کہ استثناء متصل میں حقیقت اور منقطع میں مجاز ہے اور جب تک حقیقی معنی مراد لینے ممکن ہوں معنی مجازی کو اختیار نہیں کیا جا سکتا علاوہ بریں محققین نے متصل اور منفصل کی شناخت کے لئے ایک قاعدہ کلیہ مقرر کیا ہے کہ ہر وہ مقام کہ جہاں اگر استثناء نہ کیا جاتا، تو یقیناً مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ میں داخل ہو جاتا۔ اسے متصل سمجھنا چاہیئے جیسے جاء القوم الا زیداً ساری قوم آئی سوائے زید کے ظاہر ہے کہ اگر زید کا استثناء نہ کیا جاتا تو وہ بھی قوم میں داخل سمجھا جاتا، لہٰذا یہ استثناء متصل ہوگا۔ بخلاف جاء القوم الا حماراً (ساری قوم آئی سوائے گدھے کے) یہاں اگر استثناء نہ بھی کرتے تب بھی حمار (گدھا) قوم میں داخل نہ ہوتا۔ لہٰذا یہ استثناء منقطع ہوگا بنا بریں واضح ہے۔ کہ اگر آنحضرتؐ انت منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ فرما کر الا انہ لا نبی بعدی کا استثناء نہ فرماتے تو یقیناً مرتبہ نبوت بھی ان منازل میں داخل ہو جاتا۔ کما لا یخفی لہٰذا واضح ہو گیا کہ یہ استثناء متصل ہے اور مفید عموم وھو المقصود۔

ثانیاً ان کا یہ کہنا کہ لفظی طور پر اسے متصل نہیں قرار دیا جا سکتا کیونکہ یہ جملہ خبریہ ہے اور تاویلِ مفرد میں کرنے سے الا عدم النبوۃ ہوتا ہے الخ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ جملہ ہے لہٰذا اس کو تاویل مفرد میں کرنا لازم ہے۔ لیکن ان کا یہ کہنا کہ اس کی تاویل "الا عدم النبوۃ" ہے یہ غلط ہے اور قواعد وضوابط نحویہ سے ان کی جہالت یا چشم پوشی پر مبنی ہے ورنہ ارباب علم جانتے ہیں کہ اس کی تاویل "الا النبوۃ" ہے نہ "الا عدم النبوۃ" اس امر کی تائید کئی امور سے ہوتی ہے۔

(الف) آئمہ نحو مثل رضیؒ وغیرہ نے ہمارے مورد بحث مقام کی نظیر میں اس امر کی تصریح کی ہے کہ "قام القوم الا ان زیداً لم یقم" کی تاویل الا ان زیداً لم یقم ہے نہ کہ الا عدم قیامہ (فتدبر فیہ فانہ دقیق) ظاہر ہے کہ اس حدیث کا بھی مطلب یہی ہے (الا انک لست بنبیّ)، اے علیؑ! تم نبی نہیں ہو۔

(ب) اگر "الا انہ لا نبی بعدی" کی جگہ "الا النبوۃ" رکھ دیا جائے تو معنی میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا یہ اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ جملہ "الا انہ" الخ حکم میں "الا النبوۃ" کے ہے۔

(ج) اس حدیث کے بعض طرق میں خود الا النبوۃ کی تصریح موجود ہے۔ چنانچہ امر دوم میں اس قسم کی چند روایات نقل کی جا چکی ہیں۔ فراجع۔

ثالثاً ان کا معنوی طور پر اشکال کرنا کہ حضرت ہارونؑ سن میں بڑے تھے۔ الخ...... اس امر کو عداوت اہل بیت کا کرشمہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ ان کی مخالفت کی وجہ سے مخالفین ایسے حواس باختہ ہو گئے ہیں کہ فضیلت و عدم فضیلت کی تمیز بھی نہیں رہی۔ ہم نے کب یہ دعویٰ کیا تھا کہ اس حدیث میں ہارونؑ کے تمام حالات و کوائف زندگی کا اثبات، حضرت امیر علیہ السلام کے لئے کیا گیا ہے تاکہ یہ اشکال کیا جائے بلکہ ہمارا مطمح نظر یہ تھا۔ کہ وہ منازل عالیہ اور مدارج رفیعہ جو حضرت ہارونؑ کو حاصل تھے وہ سب سوائے مرتبۂ نبوت کے حضرت امیر علیہ السلام کے لئے ثابت ہیں۔ ظاہر ہے کہ سن میں بڑا ہونا ان فضائل میں داخل نہیں ہے۔ رہا حضرت ہارونؑ کا حیاتِ حضرت موسیٰ میں انتقال فرما جانا۔ اسے ہمارے مقصد سے قطعاً کوئی ربط نہیں ہے۔ پہلے مرنے کو بھی مراتب ہارونیؑ میں داخل سمجھنا ان لوگوں کی عقل و فکر کا نادر نمونہ و شاہکار ہے۔ باقی رہا اخوت کا مسئلہ تو ظاہر ہے کہ حضرت امیرؑ المومنین بحق سید المرسلین یا علی انت اخی فی الدنیا و الآخرۃ آپ کے برادر ہیں۔ اثبات مشابہت میں اسی قدر کافی ہے۔ سگا بھائی ہونا لازم نہیں ہے کما ھو واضح من ان یخفیٰ۔ معلوم ہوا کہ اس رکیک و بے ہودہ شبہ کی بناء پر مستثنیٰ متصل کو غلط و غیر معقول قرار دینا ان معترضین کی اپنی نامعقولیت کی بین دلیل ہے۔

رابعاً ان کا یہ کہنا کہ اس سے جنگ تبوک میں فقط مدینہ میں استخلاف مراد ہے الخ.... اس کا بطلان سابقہ بیان سے واضح و عیاں ہو گیا۔ کیونکہ یہ توہم فاسد منازل ہارونیہ سے عموم مراد نہ ہونے پر مبنی ہے لیکن جب بحمدہ تعالیٰ ان کی عمومیت واضح ہو گئی۔ تو یہ توہم خود بخود باطل ہو گیا۔ علاوہ بریں یہ توہم غالباً اس امر پر مبنی ہے۔ کہ آنحضرتؐ نے یہ ارشاد اسی وقت فرمایا جب آپ نے جنگ تبوک پر تشریف لے جاتے وقت حضرت امیر المومنینؑ کو مدینہ کی خلافت سپرد فرمائی تھی۔

حالانکہ یہ منشاء اشتباہ دو طرح سے فاسد ہے۔

اول کہ یہ امر اپنے مقام پر ثابت کیا جا چکا ہے کہ اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے نہ خصوصیت مورد کا مثلاً ایک آدمی نے وضو کیا اور پھر شک لاحق ہو گیا۔ کہ آیا میرا وضو ٹوٹا ہے یا نہیں۔ جب آنحضرتؐ سے

اس کے متعلق استفسار کیا گیا تو آپ نے فرمایا: لاتنقض الیقین بالشک ابدا (کبھی یقین کو شک سے نہ توڑا کرو۔ اس حدیث کا مورد اگرچہ مسئلہ وضو ہے لیکن چونکہ الفاظ میں عمومیت پائی جاتی ہے اس لئے علماء اس کو بطور قاعدہ کلیہ ہر مناسب مقام پہ جاری و ساری کرتے رہتے ہیں۔ اس قاعدہ کلیہ کا نام انہوں نے "استصحاب" رکھا ہے بنابریں اس حدیث کا مورد اگر صرف جنگ تبوک کے وقت آنجناب کو مدینہ میں خلیفہ مقرر کرنا تسلیم کر لیا جائے تب بھی چونکہ الفاظ میں عمومیت پائی جاتی ہے اس سے تمام منازل کا اثبات کیا جائے گا۔ لان الاعتبار بعموم اللفظ لا بخصوص المورد

(ب) اس حدیث شریف کے ورود کو فقط جنگ تبوک میں منحصر سمجھنا کتب سیر و تواریخ اور حدیث سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ ورنہ متتبع خبیر پر مخفی و مستور نہیں ہے کہ آنحضرتؐ نے یہ حدیث شریف متعدد مقامات پر ارشاد فرمائی ہے۔

اس حدیث کے مقامات ورود

(۱) منجملہ ان مقامات کے ایک یوم مواخات ہے امام احمد حنبل مسند میں روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ سے مواخات کے دن فرمایا: "انت منی بمنزلۃ ہارون" الخ یہ اس وقت فرمایا جبکہ آنحضرتؐ نے صحابہ کے درمیان صیغہ مواخات جاری کیا اور حضرت امیر المومنینؑ باقی رہ گئے تو ان کا حزن و ملال ملاحظہ کر کے آپ نے فرمایا: "والذی بعثنی بالحق نبیاً ما اخرتک الا لنفسی انت منی بمنزلۃ" الخ مجھے اس ذات کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ نبی بنا کے بھیجا ہے کہ میں نے تمہیں مؤخر نہیں کیا۔ مگر اپنے لئے کیونکہ تم مجھ سے وہی نسبت رکھتے ہو جو ہارونؑ کو جناب موسیٰ سے تھی۔ (کذا فی کنز العمال تذکرۃ الخواص والریاض النضرۃ والفصول المہمۃ وغیرہا)

(۲) منجملہ ان مقامات کے ایک مقام سدّ الابواب ہے جیسا کہ ابن مغازلی، اخطب خوارزم نے مناقب میں اور صاحب ینابیع وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ جب آنحضرتؐ نے صحابہ کے دروازے مسجد سے بند کرا دیئے۔ اور حضرت امیر المومنینؑ کا دروازہ کھلا رہنے دیا۔ تو بعض صحابہ کی چہ میگوئیاں سن کر آپ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں بیان فرمایا کہ حضرت موسیٰؑ نے اپنے سب اصحاب کے دروازے بند کر دیئے تھے بجز حضرت ہارونؑ کا دروازہ کھلا رکھا تھا۔ یہ بیان کر کے آخر میں فرمایا کہ "ان علیاً منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ" الخ کہ حضرت علیؑ کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو حضرت ہارونؑ کو جناب موسیٰؑ سے تھی۔ اس لیے میں نے دوسروں کے دروازے بند کر کے ان کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔

(۳) منجملہ ان مقامات کے حاصمی نے زین الفتیٰ در تفسیر سورۃ ہل اتیٰ میں ذکر کیا ہے کہ ایک دن حضرت

رسولؐ اللہ نے جناب سلمانؓ سے فرمایا، کہ اے سلمانؓ! تمہیں معلوم ہے کہ ہمارے اوپر داخل ہونے والا کون ہے (حضرت امیر المومنینؑ وارد بزم ہوئے تھے)، سلمان نے عرض کی ہاں یا رسول اللہ جانتا ہوں لیکن آپ میری معرفت کو ذرا اور زیادہ فرما دیجئے۔ فرمایا اے سلمان! "ھذا اخی لحمہ لحمی ودمہ دمی منزلتہ منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الخ"۔ یا سلمان ھذا وصی ووارثی (کذا فی فرائد السمطین، وتوضیح الدلائل)

(۴) منجملہ ان مقامات کے وقت ولادت حسینؑ ہے کہ ان کا نام تجویز کرتے وقت یہ حدیث ارشاد فرمائی جیسا کہ صاحب تاریخ خمیس، توضیح الدلائل، ینابیع المودۃ اور ارجح المطالب وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

(۵) منجملہ ان مقامات کے جہاں یہ حدیث ارشاد فرمائی، ایک یوم خیبر بھی ہے جیسا کہ ابن مغازلی اور اخطب خوارزم نے مناقب میں لکھا ہے معلوم ہوا کہ منزلت حاصل ہے۔ اگر آنحضرتؐ کا مقصود یہ ہوتا، کہ اے علیؑ تم میرے واپس آنے تک مدینہ میں میرے خلیفہ ہو تو الا انہ لا نبی الخ کہنے کی ہرگز ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ کی واپسی پر یہ خلافت خود بخود ختم ہو جاتی، استثناء اور وہ بھی بعد از موت اس کی ہرگز ضرورت نہ تھی۔ آنحضرتؐ اپنے انتقال پُر ملال کے بعد جناب امیرؑ سے نبوت کی نفی کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ دیگر سب مراتب آنجنابؑ کے لئے تمام اوقات وازمان کے لئے ثابت ہیں۔

دوسرا شبہ! آنحضرتؐ نے فقط حضرت علی علیہ السلام کو ہی مدینہ کا خلیفہ مقرر نہیں کیا، بلکہ بعض اوقات اور لوگوں کو بھی مثل عبداللہ ابن ام مکتوم وغیرہ کے اس شرف سے نوازا ہے لہٰذا اگر یہ عارضی خلافت ونیابت جناب امیرؑ کی خلافت عظمیٰ کی دلیل ہے تو پھر دوسرے نائبین کو بھی آنحضرتؐ کا جانشین تسلیم کرنا پڑے گا۔

الجواب: ہم نے حضرت امیر المومنینؑ کے استخلاف مدینہ سے کب ان کی خلافت وامامت مطلقہ کے لئے تمسک کیا ہے تاکہ دوسرے حضرات کے استخلاف کو ہمارے مقابل پیش کیا جائے بلکہ ہمارا استدلال تو حدیث منزلت کے عموم الفاظ ومفاد سے ہے خواہ اس کا مورد وقت استخلاف در مدینہ ہو، یا کوئی اور جگہ، حالانکہ اس کے متعلق بھی ابھی بیان کیا جا چکا ہے کہ ایک دفعہ نہیں کئی بار متعدد مقامات پر یہ حدیث ارشاد فرمائی گئی ہے۔ اگر اس قسم کی کوئی حدیث منزلت دوسرے حضرات عبداللہ ابن ام مکتوم وغیرہ کے حق میں بھی ارشاد فرمائی ہوتی تو ایراد بجا تھا، واذ لیس فلیس جب ایسی کوئی حدیث ان کے بارے میں موجود نہیں تو یہ اشکال درجۂ اعتبار سے ساقط ہے اگر آپ کے پاس اس قسم کی کوئی حدیث ہے تو لائیے۔ تاکہ ہم بھی اس کے متعلق غور وفکر کر سکیں۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔

* کہ ہر حالت میں جناب امیر علیہ السلام کو یہ

تیسرا شبہ! یہ کیسے معلوم ہوا کہ اگر حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے بعد زندہ رہتے، تو وہی آپ کے خلیفہ ہوتے۔ ممکن ہے کوئی اور شخص آپ کا خلیفہ بن جاتا۔

الجواب! ظہور اور وضوح کے مقابلہ میں ایسے بودے اور رکیک احتمالات درخور اعتنا نہیں ہو سکتے جب بنصِ قرآن یہ ثابت ہے کہ حضرت ہارونؑ زندگی کے ہر نشیب و فراز میں حضرت موسیٰؑ کے پشت پناہ و مددگار و شریکِ کار رہے، تمام صفات کمالیہ میں تمام امت سے افضل و برتر بھی تھے۔ اور زندگی بھر آنجناب کے وزیر و خلیفہ تھے۔ تو آیا کوئی عقلِ سلیم و طبعِ قویم اسے باور کر سکتی ہے کہ اگر آپ زندہ رہتے۔ تو ان کے علاوہ کوئی اور شخص حضرت موسیٰؑ کا خلیفہ مقرر کیا جاتا؟ حاشا و کلا۔ اے کاش ایہ حضرات معترضین اس عدم استخلاف کی کوئی معقول وجہ بھی بیان کرتے فقط ممکن ہے، احتمال ہے سے کام نہیں چل سکتا۔ ماننا پڑے گا۔ کہ حضرت ہارونؑ کی خلافت عمومی تھی۔ اور فقط حین حیات تک منحصر نہ تھی۔ یہ اور بات ہے کہ اجلِ محتوم نے ان کو مہلت نہ دی، کہ وہ مسندِ خلافت عظمیٰ پر متمکن ہوتے لیکن چونکہ حضرت ختمی مرتبت باعلام اللہ جانتے تھے کہ حضرت امیر علیہ السلام آپ کے بعد زندہ و سلامت رہیں گے۔ اس لئے اپنے بعد فقط ان سے مرتبۂ نبوت کی نفی فرمائی یہ استثناء نبوت بعد الموت اس امر کا قرینہ قطعیہ ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ کی خلافت تمام اوقات و ازمان میں عمومی ہے۔ کما لا یخفیٰ علیٰ اولی الالباب۔

چوتھا شبہ! اگر ہارونؑ زندہ رہتے تو وہ خود مستقل نبی ہوتے کیونکہ خلافت و نبوت دو متنافی چیزیں ہیں جو ایک شخص میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ اس لئے اس سے حضرت امیر علیہ السلام کی خلافت پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

الجواب! یہ شبہ بجائے خود معترضین کے قصورِ فہم و عقل اور قلتِ معرفت و خبرت پر دلالت کرتا ہے ورنہ خلافت و نبوت میں ہرگز کسی قسم کا تباین و تضاد نہیں ہے۔ اگر ان کے درمیان کسی قسم کی منافات ہوتی تو پھر ہرگز کبھی بھی ایک شخص میں جمع نہ ہوتیں، حالانکہ اس کی کئی مثالیں موجود ہیں کہ ایک شخص نبی بھی ہے اور خلیفہ بھی مثلاً حضرت یوشع خلیفہ حضرت موسیٰ کو ہی لے لیجئے۔ کہ آپ نبی بھی ہیں اور خلیفہ بھی، حضرت لوطؑ کو دیکھئے کہ نبی بھی ہیں اور تابع حضرت ابراہیمؑ بھی زیادہ دور نہ جائیے خود حضرت ہارونؑ کو ہی لے لیجئے کہ وہ حضرت موسیٰؑ کی زندگی میں بنصِ قرآن نبی بھی تھے۔ (واشرکہ فی امری) اور خلیفہ بھی (واخلفنی فی قومی)۔ لہٰذا جب جناب موسیٰؑ کی زندگی میں حضرت ہارونؑ میں نبوت و خلافت جمع ہو سکتی ہے تو آپ کی رحلت کے بعد کیوں ان میں یہ دو منزلیں جمع نہیں ہو سکتیں پس بحمدہٖ تعالیٰ

اس حدیث شریف کا حضرت امیر المؤمنین کی خلافت عظمیٰ و امامت کبریٰ پر نص صریح ہونا. کالشمس فی نصف النہار واضح و آشکار ہوگیا. فکشفنا عنک غطائک فبصرک الیوم حدید ؎

حدیث ولایت

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان علیاً منی و انا منہ و ھو ولی کل مومن بعدی. حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں. علیؑ مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے ہوں. اور وہ میرے بعد سب مومنوں کے حاکم و سرپرست ہیں. یہ حدیث شریف نہایت مستند. معتبر اور صحیح ہے. اور اسے تقریباً تمام محدثین نے اپنی کتب میں درج کیا ہے یہاں صرف چند کتابوں کے نام ذکر کئے جاتے ہیں. صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۲۵ طبع دہلی، (لیکن بخاری نے حسب عادت یہاں بھی حدیث میں قطع و برید کرتے ہوئے آخری حصہ درج نہیں کیا) مستدرک حاکم ج ۲ ص ۱۱۱/۱۲۸ ، مسند امام احمد ج ۴ ص ۴۳۷/۱۶۴ ، کنزالعمال ج ۶ ص ۱۵۴ ، ترمذی ج ۲ ص ۲۹۶ مسند ابوداؤد ص ۱۱۱ و ص ۳۶۰ تاریخ ابن کثیر ج ۷ ص ۳۴۵ طبع مصر استیعاب ابن عبدالبر ج ۲ ص ۴۷۰ ریاض نضرہ ج ۲ ص ۱۷۱ میزان الاعتدال ج ص ۱۹۰ البدایہ والنہایۃ ج ۷ ص ۳۴۸ سیرت حلبیہ ج ۳ ص ۳۰۹ وغیرہ)

تقریب استدلال

یہ حدیث شریف بدو طریق حضرت امیر المؤمنین کی خلافت بلا فصل پر بالصراحۃ دلالت کرتی ہے.

طریق اول

فقرہ "ان علیاً منی الخ" سے جو اتحاد علوی و نبوی سمجھا جاتا ہے اس کے متعلق ہم آیۂ مباہلہ کے ذیل میں وضاحت کے ساتھ بیان کر چکے ہیں. کہ اس اتحاد سے مراد اتحاد حقیقی و شخصی نہیں ہو سکتا. اور نہ اس سے اتحاد نسبی مراد ہے کیونکہ نسبی اعتبار سے اور بہت سے افراد آنحضرت کے شریک تھے. حضرت علی علیہ السلام کو کوئی خاص خصوصیت نہ تھی. اور نہ یہ امر کسی پر مخفی تھا جس کا اظہار کرنے کی آنحضرتؐ کو ضرورت لاحق ہوتی. ماننا پڑے گا. کہ اس اتحاد سے مراد فضائل ومناقب اور محاسن و محامد میں اتحاد و یگانگت ہے لیکن مرتبۂ نبوت ادلۂ خارجیہ کی بنا پر اس سے خارج ہے. "فیبقی الباقی تحت العموم" ظاہر ہے کہ حضرت رسالتماب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تمام کائنات سے افضل ہیں لہٰذا جو شخص آپ کا شریک کمالات ہوگا. وہ بھی سب مخلوقات سے افضل ہوگا اس سے حضرت امیر المؤمنینؑ کا سب صحابہ سے افضل ہونا واضح ہوگیا. سابقاً شرائط امامت کے ضمن میں دلائل قاطعہ سے محقق و مبرہن کیا جا چکا ہے کہ امام کو تمام امت سے افضل ہونا چاہیئے. اور بالفاظ دیگر جو شخص افضل الامۃ ہوگا. وہی امام ہوگا. اس طرح اس حدیث شریف کی روشنی میں جہاں آنجنابؑ کی افضلیت ثابت ہوگئی. وہاں اس کے ساتھ ساتھ آپ کی خلافت و امامت مطلقہ بھی واضح ہوگئی.

طریقِ دوم

فقرہ "وھو ولی کل مؤمن بعدی الخ" آپ کی خلافت عظمیٰ وامامت کبریٰ پر نص صریح ہے۔ سابقاً آیہ مبارکہ "انما ولیکم اللہ الخ" کے ذیل میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ لفظ "ولی" بنا بر مشہور چند معنوں میں مشترک ہے منجملہ ان کے "حاکم و سرپرست" "ناصر و دوست" وغیرہ بھی ہیں لیکن یہاں سوائے معنائے اولیٰ یعنی "اولیٰ بالتصرف" کے اور معنی مراد ہو نہیں سکتے۔ اگر اس سے "ناصر یا محب" مراد لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ حضرت علی علیہ السلام حضرت سرورِ انام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انتقال پر ملال کے بعد لوگوں کے ناصر یا محب قرار پائیں، ظاہر ہے کہ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ نصرت و محبت وغیرہ تو آپ کو بالفعل حاصل تھی۔ اور آپ آنحضرتؐ کے حین حیات میں ہر مومن کے ناصر اور دوست تھے۔ جس طرح آپ کے بعد تھے پس "بعدی" کہنا چہ معنی دارد؟ لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ اس سے مراد "اولیٰ بالتصرف" ہونا ہے کیونکہ یہی وہ مرتبہ عظمیٰ ہے۔ جس کی عملی فعلیت آنحضرتؐ کی رحلت پر موقوف تھی۔ اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس حدیث شریف کے بعض طرق میں بجائے لفظ "ولی" کے لفظ "اولیٰ" موجود ہے چنانچہ کنز العمال ج ۶ ص ۱۵۵ پر مذکور ہے "وھو اولی الناس بکم بعدی" اے مسلمانو! میرے بعد حضرت علیؑ سب لوگوں سے تمہارے اوپر حکومت و تصرف کرنے کے زیادہ حقدار ہیں۔ واضح ہوگیا کہ یہ حدیث شریف حضرت امیر علیہ السلام کی خلافت مطلقہ کی دلیل صحیح و نص صریح ہے لیکن صحابہ نواز حضرات اپنی عادت قدیمہ کے مطابق اس مقام پر کس طرح خاموش رہ سکتے تھے۔ لہٰذا باایں ہمہ صحت و صراحت اس پر بھی چند رکیک و واہی ایراد کر ہی دیئے۔ ذیل میں وہ ایرادات مع قطعی جوابات پیش کئے جاتے ہیں۔

ایرادِ اوّل

اس حدیث کے سلسلہ میں اجلح نامی راوی موجود ہے اور وہ شیعہ تھا۔ لہٰذا اس کی یہ روایت ناقابلِ اعتبار ہے (تحفہ اثنا عشریہ)

الجواب

وباللہ التوفیق۔ یہ ایراد بچند وجہ باطل ہے۔

اوّلاً اگر حقیقتِ حال یہی ہوتی جو اس شبہ میں ذکر کی گئی ہے تو اہلِ سنّت کے علمائے اعلام و محدثین عظام اس روایت کو اپنی مسانید و صحاح میں ہرگز درج نہ کرتے لیکن ان کا نقل کرنا اس امر کی دلیل ہے۔ کہ ان کے نزدیک یہ راوی شیعہ نہیں تھا۔

ثانیاً اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ علمائے اہل سنت کے نزدیک یہ شخص شیعہ تھا۔ تو بھی اس سے صحت حدیث کو کوئی صدمہ نہیں پہنچتا۔ کیونکہ علماء اہل سنّت کے تصریحات کی روشنی میں یہ ثابت

ہے کہ کسی راوی وغیرہ میں مطلق تشیع ہرگز موجب تدح و جرح نہیں ہے جب تک اس کا تشیع غلو و رفض کامل تک نہ پہنچ جائے (ملاحظہ ہو میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۷۵ تقریب التہذیب ج ۱ صفحہ ۹۳/۹۴ طبع دہلی) لیکن اگر وہ شخص باوجود غلو ورفض وبدعت قابلِ وثوق واعتماد ہو۔ تو اس کی روایت ان حضرات کے یہاں مقبول ومسموع سمجھی جاتی ہے (ملاحظہ ہو تدریب الراوی علامہ سیوطی صفحہ ۱۲۹ وہدیۃ السائل نواب صدیق حسن خان) اور بنا بر تصریح نقادِ فن اجلح مذکور موثق و معتمد آدمی تھا چنانچہ یحییٰ ابن معین اور احمد بن عبداللہ العجلی نے توثیق کی ہے (ملاحظہ ہو میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۲۷) اسی طرح تہذیب الکمال میں ہے (علی مانقل عنہ) "قال ابو طالب عن احمد ابن حنبل اجلح و مجالد متقارب بالحدیث الخ" یعنی احمد بن حنبل سے نقل کیا گیا ہے۔ کہ انہوں نے کہا کہ اجلح اور مجالد حدیث میں ایک دوسرے کے متقارب وہم پلہ ہیں۔ مجالد چونکہ اہلسنت کے نزدیک بڑا ثقہ آدمی ہے پس اجلح کو بھی ثقہ ماننا پڑے گا بعدہ لکھتے ہیں "قال عباس الدوری عن یحییٰ ابن معین ثقہ الخ وقال احمد ابن عدی لہ احادیث صالحۃ الخ یعنی عباس دوری نے یحییٰ ابن معین سے نقل کیا ہے۔ کہ انہوں نے اجلح کو ثقہ کہا۔ احمد بن عدی کہتے ہیں کہ اجلح احادیث صالحہ رکھتا ہے (کذا فی تقریب التہذیب ج ۱ صفحہ ۱۸۹/۱۹۰ طبع دہلی) اور کنز العمال ج ۶ صفحہ ۱۵۲ پر اجلح کے متعلق لکھا ہے: "قال فی المغنی صدوق شیعی جلد) اسی طرح میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۲۷ پر ابن عدی کا قول نقل کیا ہے۔ "قال ابن عدی شیعی صدوق"۔ لہٰذا بنص آئمہ رجال جب وہ صدوق (بہت سچا) ہے تو اس کا تشیع قبولِ روایت کے سلسلہ میں ہرگز قادح نہیں ہو سکتا۔ ان آئمہ فن کی تصریحات کے بعد کون شخص اجلح کی روایت میں خدشہ کرنے کی جرأت کر سکتا ہے؟

ثالثاً یہ حدیث متعدد طرق واسانید سے مروی ہے اس کے بعض طرق میں اجلح مذکور موجود ہے اور بعض طرق میں اس کا کہیں نام ونشان بھی نہیں ہے (ملاحظہ ہو مسند احمد ج ۴ صفحہ ۴۳۷ وتاریخ ابن کثیر ج ۷ صفحہ ۳۴۴) قطع نظر سابقہ حقائق سے زیادہ سے زیادہ اس حدیث کا فقط ایک سلسلہ سند ضعیف ہو گا۔ اس سے باقی طرق واسانید اور اصل حدیث کو غیر صحیح اور ناقابلِ اعتبار قرار دینا کون سی منطقی دلیل پر مبنی ہے؟

رابعاً یہ روایت صحاح ستہ میں موجود ہے اور اہلِ سنت کا اجماع ہے کہ جو حدیث صحاح ستہ میں موجود ہو۔ وہ صحیح اور قابلِ قبول ہوتی ہے۔ اس کے راویوں سے بحث نہیں کی جاتی بلکہ صحاح ستہ کی روایت میں مناقشہ کرنے والا مذہب اہلِ سنت سے خارج سمجھا جاتا ہے (حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۳۴ از شاہ ولی اللہ دہلوی طبع مصر) بنا بریں اس حدیث کی صحت میں خدشہ کرنا درحقیقت اپنی صحاح ستہ کی روایات کی صحت

کا انکار کرنے کے مترادف ہے جو بقول شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کے مذہب اہل سنت سے خروج کا باعث ہے

ایرادِ دوم لفظ "ولی" مشترک ہے کیا ضروری ہے کہ اس سے مراد اولیٰ بالتصرف ہی ہو بلکہ ممکن ہے کہ اس کے کوئی دوسرے معنی مثل محب یا ناصر وغیرہ مراد ہوں (تحفہ اثنا عشریہ)

الجواب اس ایراد کا بطلان ابھی ابھی اوپر دوسرے طریقِ استدلال میں واضح کیا جا چکا ہے وہاں رجوع کریں۔

ایرادِ سوم اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ اس سے مراد اولیٰ بالتصرف ہے تو اس کا یہ کب نتیجہ ہے۔ کہ علیؑ آنحضرتؐ کے بعد بلا فصل اولیٰ بالتصرف یعنی خلیفہ ہوں کیونکہ اس حدیث میں کسی وقت کی قید نہیں لگائی گئی ہے ممکن ہے کہ آپ خلفائے ثلاثہ کے بعد اولیٰ بالتصرف اور خلیفہ ہوں۔ ہم بھی اس مفہوم کو بسر و چشم تسلیم کرتے ہیں،

الجواب یہ ایراد بدو وجہ غیر معقول ہے۔

اولاً معترض صاحب نے شاید حواس باختگی کے عالم میں غیر شعوری طور پر بجائے تردید کے الٹی ہماری تائید کر دی ہے۔ کیونکہ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امیر المومنینؑ کی خلافت پر نص قائم کرتے ہوئے کسی خاص وقت کی کوئی قید نہیں لگائی بلکہ انہیں علی الاطلاق اولیٰ بالتصرف قرار دیا ہے تو اسے اپنے اطلاق پر باقی رکھنا چاہیئے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ آنجنابؑ کی خلافت کسی خاص وقت کے ساتھ مقید نہیں بلکہ تمام اوقات و ازمان کے لئے عمومیت رکھتی ہے۔ لہٰذا تین خلیفوں کے بعد والی قید غلط ہے۔ وھو المطلوب۔

ثانیاً اگر انسان تعصب و عناد کی عینک اتار کر چند لمحوں کے لئے اپنے ضمیر و وجدان کی طرف رجوع کرے تو اس پر واضح ہو جائے گا کہ یہ ایراد سراسر مہمل ہے مزید وضاحت کے لئے مندرجہ ذیل مثال میں غور کیجئے۔ جب کوئی بادشاہ اپنی رعیت سے یہ کہے کہ میرے بعد فلاں شخص تمہارا حاکم ہوگا۔ تو اس فقرہ سے کیا معنی سمجھے جاتے ہیں؟ آیا یہ کہ بادشاہ کے بعد بلا فاصلہ اس شخص کی حکومت کی ابتدا ہوگی۔ اور وہ اس خلیفہ و نائب بلا فصل ہوگا۔ یا کہ اس سے پہلے تین حاکم اور ہوں گے۔ اور قریباً پچیس سال کے بعد چوتھے مرتبہ پر یہ شخص حاکم ہوگا۔ محض اس لئے کہ چونکہ بادشاہ نے اس کی حکومت کا وقت مقرر نہیں کیا تھا۔ ہر معمولی عقل و انصاف رکھنے والے انسان پر یقین کامل ہے کہ وہ پہلی شق ہی کو اختیار کرے گا

اور دوسری طرف توجہ بھی نہیں کرے گا۔ بعینہٖ یہی صورتِ حال ہماری موردِ بحث حدیث شریف میں بھی ہے تو وہاں بھی اپنی عقلمندی و دانشمندی کا ثبوت دیتے ہوئے یہی مراد لینے چاہئیں، کہ آنحضرتؐ کے فوراً بعد بلا فاصلہ حضرت امیر المومنینؑ کی ولایت الٰہیہ بالفعل شروع ہو جائے گی۔

حدیثِ غدیر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ (حدیث نبوی صحیح متواتر متفق علیہ) اس حدیث شریف کا صحیح بلکہ متواتر ہونا اور حضرت امیر المومنینؑ کی خلافت مطلقہ پر نص صریح ہونا سابقاً آیۂ مبارکہ "یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک الخ" کے ذیل میں نہایت شرح و بسط کے ساتھ بدلائل قاطعہ و براہین ساطعہ کالشمس فی رابعۃ النہار واضح و آشکار کیا جا چکا ہے۔ طالبین رشد و ہدایت مقام مذکور کی طرف رجوع فرمائیں (فان فیہ ما تشتھیہ الانفس وتلذ الاعین) قد جاءکم بصائر من ربکم فمن ابصر فلنفسہ ومن عمی فعلیھا وما انا علیکم بوکیل۔

نوشتہ بر در فردوس کاتبان قضا — علی امام علی امین علی ایمان
نبی رسول و لیعہد حیدر کرار — علی امین و علی سرور و علی سردار
بحق دین محمد و خون پاک حسینؑ — کہ نیست دین ہدیٰ را بقول پاک رسول
بحق مردم نیک و مہاجر و انصار — امام غیر علی بعد احمد مختار
بدشمنان منشین حافظا تو لا کن — نجات خویش طلب بجان ہشت و چہار

(حافظ شیرازیؒ)

بابِ پنجم

اثباتِ خلافت حضرت امیر المومنینؑ بطریقِ دیگر موجبِ زیادتی بصیرت و یقین!

اگرچہ چوتھے باب میں اس موضوع پر جو کچھ سپردِ قرطاس و قلم کیا گیا ہے وہ دیدۂ بینندہ اور گوش شنوندہ رکھنے والوں کے لیے نہ صرف کافی بلکہ وافی و شافی بھی ہے تاہم چونکہ بصیرت و یقین کے متعدد مراتب و مدارج ہیں اس لیے اہلِ تسلیم کی زیادتی یقین اور اہلِ عناد کے اصلاحِ مزاج کی خاطر اس باب میں عالمِ ربانی جناب شیخ علی ابنِ عبداللہ بحرانی نے اپنی کتاب مستطاب منار الہدیٰ میں حضرت امیر المومنینؑ کی خلافت مطلقہ منصوصہ کے اثبات کے سلسلہ میں جو ایک نہایت گرانقدر مقالہ سپردِ قرطاس فرمایا ہے، اس کی افادیت کے پیشِ نظر ہم چاہتے ہیں کہ اس کا ملخص و ماحصل ترجمہ کر کے ہدیۂ ناظرین کریں جس کے ضمن میں مذکورہ بالا احادیث شریفہ کے علاوہ متعدد احادیث صحیحہ و صریحہ سے بھی استدلال واحتجاج کیا گیا ہے جزاہ اللہ یوم الدین عن حمایۃ امیر المومنینؑ صلوات اللہ علیہ وآلہٖ اجمعین خیر جزاء المحسنین

چنانچہ یہ عالمِ ربانی فرماتے ہیں:

نص کا مفہوم

"اس مقام پر نص سے ہماری مراد ہر وہ امر ہے جو صراحتاً حضرت امیر المومنینؑ کی خلافت و امامت پر دلالت کرے، خواہ فعل ہو یا قول! فعل جیسے آنحضرتؐ صلعم کسی شخص کو کسی ایسے امر کی انجام دہی پر مامور کریں، جس کی بجا آوری آپ یا آپ کے نائبِ خاص سے متعلق تھی، اور قول جیسے ہر وہ لفظ جو امامت و خلافت پر دلالت کرے جیسے لفظ "امارت" "اوصیائت" اور خلافت" و "وزارت" وغیرہ جب آنحضرتؐ کسی شخص کے متعلق فرمادیں کہ "فلان امام لعدی" یا "امیرکم" یا "ھو وصیی و خلیفتی" یا یوں فرمادیں "فلاں وزیری" یا "ولیکم بعدی" تو اس قسم کے تمام الفاظ اس شخص کی امامت و خلافت کے نصوص صریحہ سمجھے جائیں گے اور اس

قسم کے فعلی و قولی نصوص کی مخالفت کرنے والا نصوص نبویہؐ کا مخالف و منکر سمجھا جائے گا۔

بعض نصوصِ فعلیہ کا بیان اب ہم ذیل میں پہلے بعض نصوص فعلیہ بیان کرتے ہیں بعد ازاں نصوصِ قولیہ کا تذکرہ کیا جائیگا۔

پہلی نصّ فعلی تبلیغ سورۂ برأت سے حضرت ابوبکر کی معزولی اور حضرت امیر علیہ السلام کا تقرر۔ یہ واقعہ نہایت مشہور و معروف ہے۔ مختصر یہ کہ آنحضرتؐ نے سورۂ برأت کی بعض آیات دے کر حضرت ابوبکر کو بھیجا تھا کہ مکہ میں جاکر موسم حج کے موقع پر لوگوں کے سامنے ان کی تلاوت کریں چنانچہ وہ حسب الامر مکہ روانہ ہوگئے۔ جب کچھ منازل سفر طے کر چکے۔ تو آنحضرتؐ نے ان کو اس عہدہ سے معزول فرما کر حضرت امیر المومنینؑ کو اس کام کے انجام دینے پر مقرر کرکے بھیج دیا۔ چنانچہ آنجنابؑ نے رستہ میں ابوبکر سے ملاقات کی۔ اور ان کے بجائے خود مکہ معظمہ تشریف لے جاکر ان آیات کی تبلیغ فرمائی۔ اور حضرت اوّل صاحب نے اپنا سامنہ لے کر مدینہ کا رُخ کیا۔[۱] اور دربارِ رسالت میں حاضر ہوکر چیختے چلاتے اور گریہ و بکا کرتے ہوئے اپنی معزولی کا سبب پوچھا۔ تو آنحضرتؐ نے فرمایا: لا یبلغ الا انا او رجل منی۔ (یعنی میرے فرائضِ رسالت کو میری طرف سے کوئی ادا نہیں کرسکتا۔ مگر میں خود یا وہ شخص جو مجھ میں سے ہو۔ (خصائص نسائی ص ۲۰ الروض الانف ج ۲ ص ۳۲۸ تاریخ

[۱] **ازالۂ شبہ** کچھ لوگ ابوبکر صاحب کی گرتی ہوئی پوزیشن کو کچھ سہارا دینے کے لئے کہہ دیا کرتے ہیں کہ ان کو صرف سورۂ برأت کی تبلیغ سے معزول کیا گیا تھا۔ مگر امارتِ حج پر بدستور قائم رہے تھے۔ لہٰذا مبلغ سورہ حضرت علیؑ اور امیر الحاج ابوبکر تھے۔ یہ ان حضرات کی خوش فہمی ہے ورنہ صحیح واقعہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے انکو واپس بلا لیا تھا اور وہ واپس آگئے تھے امیر الحاج اور مبلغ سورۂ برأت حضرت امیر المومنینؑ ہی تھے ثبوت کیلئے کنز العمال ج ا ص ۲۴۷ ارجح المطالب باب چہارم ص ۵۰۵ فتح الباری شرح بخاری ج ۸ ص ۲۴۱ تاریخ حبیب السیر دیکھیں ان کتب میں اس قسم کی تصریحات موجود ہیں کہ جب حضرت امیر المومنینؑ نے پہنچ کر ان سے سورہ برأت لے لی تو "فانصرف ابوبکر و هو کئیب"۔ ابوبکر رنج و ملال کے عالم میں واپس ہوگئے۔ "فرجع ابوبکر" (ابوبکر واپس پلٹ آئے) وغیرہ (منہ عفی عنہ) [۲] اس مطلب کو آنحضرتؐ نے کئی مرتبہ مختلف عبارات و عنوانات سے ادا فرمایا ہے کہیں فرماتے ہیں علی منی وانا من علیؑ فلا یودی عنی الا انا و علی۔ علی مجھ میں اور میں علیؑ سے ہوں پس میرے فرائض کو کوئی نہیں ادا کر سکتا۔ مگر خود میں یا علی علیہ السلام ملاحظہ ہو خصائص نسائی ص ۲۰ تاریخ الورۃ ص ۱۵۸ طبع بمبئی صواعق محرقہ ص ۱۲۵ طبع جدید ترمذی ص سنن نسائی ص سنن ابن ماجہ و مسند احمد ابن حنبل وغیرہ ذلک من الکتب المعتمدہ۔ اور کہیں یوں فرمایا: انت تبلیغ رسالتی من بعدی و تودی عنی و تسمع الناس صوتی و تعلم الناس من کتاب اللہ مالا یعلمون۔ اے علیؑ! میرے بعد تم ہی میری رسالت کو انجام دوگے اور تم ہی میری طرف سے (میرے فرائض نبوت) ادا کروگے۔ تم ہی میری آواز کو لوگوں تک پہنچاؤ گے اور تم ہی لوگوں کو کتاب خداوندی کے ان مطالب و معارف کی تلقین کروگے جنکو وہ نہیں جانتے (ملاحظہ ہو مناقب ابن مردویہ۔ حلیۃ الاولیاء۔ کفایۃ الطالب مناقب خوارزمی) اس سے بڑھ کر آنجنابؑ کی خلافت و امامت کی اور کس طرح وضاحت ہو سکتی ہے و نافہم۔ (منہ عفی عنہ)

طبری ج ۲ صفحہ ۱۵۲، ریاض نضرۃ صفحہ ۱۴۲ وغیرہ) جس طرح یہ واقعہ حضرت امیر علیہ السلام کی خلافت وامارت پر بطور نص صریح دلالت کرتا ہے اسی طرح خلافتِ حضرت ابوبکر کے بطلان کو بھی علشت از بام کر رہا ہے کیونکہ جو شخص خدا اور رسولؐ کے نزدیک فقط بعض آیات قرآنیہ کی تبلیغ کی صلاحیت وقابلیت نہیں رکھتا، وہ شخص بحیثیت خلیفۂ رسولؐ ہونے کے تمام شریعت مقدسہ اور تمام قرآن مجید کی کس طرح تبلیغ واشاعت کر سکتا ہے؟ اور جس شخص کو خدا اور رسولؐ چند آیات کی تبلیغ کے عہدہ پر برقرار رکھنا گوارا نہیں کرتے اسے ریاستِ کبریٰ وزعامت عظمیٰ کے درجۂ علیا پر کس طرح مقرر کر سکتے ہیں یا اس کے تقرر سے کس طرح راضی ہو سکتے ہیں؟

ازالۂ توہم کہا جاتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت سے عربوں کا یہ دستور تھا کہ عہد وپیمان کی انجام دہی یا خود یا اپنے قریبی رشتہ داروں مثلاً عم یا ابنِ عم کے ذریعہ کراتے تھے۔ یہاں بھی چونکہ ایسی ہی صورت حال تھی، لہذا آنحضرتؐ نے حضرت امیرؑ کو بھیجا اس میں نہ حضرت ابوبکر کی کوئی منقصت ہے اور نہ حضرت علیؑ کی کوئی منقبت ہے۔

الجواب یہ توہم محبت خلیفہ میں افراط اور شانِ رسالت سمجھنے میں تفریط کا نتیجہ ہے۔ اگر مسلمان حقیقی شانِ رسالت سمجھ لیتے تو ہرگز اس قسم کے بودے اور رکیک ایرادات نہ کرتے بہرکیف یہ توہم بچند وجہ باطل ہے۔

اوّلاً اس لئے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی قول وفعل میں اعراب کی عادات پر عمل نہیں کرتے تھے۔ بلکہ وہ ہر قول وفعل میں وحی الٰہی کی متابعت فرماتے تھے۔ (ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی) آنحضرتؐ کے لئے بنص آیات مبارکہ "اتبع ما یوحی الیک ولا تتبع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا (اے رسولؐ! اس چیز کا اتباع کرو جس کی تمہیں وحی کی گئی ہے۔ اور ان لوگوں کا اتباع نہ کرو جن کے دل ہماری یاد سے غافل ہیں) ولا تتبع اھواء الذین لا یومنون (اے رسولؐ! ان لوگوں کی خواہشات وعادات پر عمل نہ کیا کرو، جو مومن نہیں ہیں۔ کفارِ عرب کے عادات و خصائل کا اتباع ممنوع قرار دیا گیا ہے اور انہیں وحی الٰہی پر عمل کرنے پر مامور کیا گیا تھا۔ لہذا وہ کس طرح عربوں کی اس عادت قدیمہ پر عمل پیرا ہو سکتے تھے؟

ثانیاً اس لئے کہ وہ پیغمبر اسلام جو عربوں کے رسم ورواج کو مٹانے کے لئے آیا تھا، وہی خود کیونکر ان رسوم کا احیاء کر سکتا تھا۔ حالانکہ وہ خود فرمایا کرتے تھے۔ "ان اللہ اذھب بالاسلام نخوۃ الجاھلیۃ وتفاخرھا بالانساب" خداوند عالم نے اسلام کے ذریعہ جاہلیت کی کبر ونخوت اور نسبی ونسلی فخر ومباہات کو زائل کر دیا ہے۔" وہ رسولؐ جسے خداوند عالم کا حکم تھا۔ اتبع ما یوحی الیک

(اللہ کی وحی کا اتباع کرو)، یہ نہیں کہا گیا تھا کہ "اتبع عادات العرب" (کہ عادات عرب کی اتباع کرو) پھر کسی نبی کو کفار و فجار کے اتباع کا حکم نہیں دیا گیا، تو سرور انبیاء کو کس طرح ایسا حکم دیا جا سکتا تھا۔ (معاذ اللہ)

ثالثاً اگر عربوں کے عادات کا اتباع مقصود ہوتا، تو ابتدا ہی سے حضرت علیؑ یا جناب عقیل و عباس کو بھیج دیتے۔ ماننا پڑے گا کہ ابوبکر کو اس حدیث پر فائز کر کے پھر معزول کر دینے سے ان کی نااہلیت برائے خلافت پر مہر ثبت کرنا مقصود تھی۔

رابعاً اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ عزل و تقرر ابوبکر و تقرر علیؑ عادات عرب کے مطابق عمل میں لایا گیا، تو بھی ہمیں اس سے کوئی ضرر نہیں پہنچتا کیونکہ اگر عربوں کی عادت کا ہی اتباع کرنا مقصود ہے۔ تو ان کی سب عادات کا اتباع کرنا چاہیئے۔ اور ظاہر ہے کہ منجملہ ان کی عادات کے ایک عادت یہ بھی تھی کہ جب ان کا کوئی رئیس قوم مر جاتا تھا۔ تو اس کے زیادہ قریبی رشتہ دار کو اس کا وارث قرار دیتے تھے خصوصاً جبکہ وہ قریبی رشتہ دار اس رئیس کی زندگی ہی میں بعض مراتب جلیلہ پر فائز رہ چکا ہو۔ لہٰذا بنا بریں حضرت علیؑ ہی کو خلیفہ رسولؐ ہونا چاہیئے۔ نہ ابوبکر کو۔ کما لا یخفیٰ۔ آنحضرتؐ کی زندگی میں عزل ابوبکر اور تقرر علیؑ نے دوسرے افراد کی طمع وصایت کو بالکل قطع کر دیا۔ لہٰذا اب کوئی دوسرا رشتہ دار اس معاملہ میں آنجنابؑ سے نزاع نہیں کر سکتا۔

دوسری نص فعلی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ فعل جو جناب امیر علیہ السلام کی خلافت مطلقہ پر نہایت وضاحت و صراحت کے ساتھ دلالت کرتا ہے یہ ہے کہ آپ عموماً غزوات وغیرہ میں بعض صحابہ کو بعض پر امیر و حاکم مقرر فرمایا کرتے تھے۔ لیکن حضرت امیر علیہ السلام پر کبھی کسی کو حکم مقرر نہیں کیا، بلکہ جب بھی آنجنابؑ کسی ایسے لشکر کے ہمراہ ہوتے تھے جس میں خود آنحضرتؐ موجود نہ ہوں تو اس لشکر کی سرکردگی و سرداری کی باگ ڈور آپ ہی کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ غرض کہ جب بھی کسی شہر میں بھیجا۔ تو حاکم بنا کر جب کسی لشکر کے ہمراہ روانہ کیا۔ تو امیر مقرر کر کے جب کبھی مدینہ میں چھوڑا تو اپنا نائب و خلیفہ بنا کر یہ ایک ایسا تاریخی مسئلہ ہے جس کا کوئی باخبر انسان انکار نہیں کر سکتا۔ ابن ابی الحدید (ج ۱ ص ۸۲ طبع بیروت) میں، نقل کرتے ہیں، کہ سئل الحسن (یعنی البصری) عن علی الخ

(الی ان قال)، فقال ما اقول فیمن جمع الخصال الاربعۃ ایتمانہ علی برائۃ وقال لہ النبی فی غزوۃ تبوک (انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ) فلو کان غیر النبوۃ شیئ یفوق لاستثناہ وقول النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الثقلان کتاب اللہ وعترتی فانہ لم یؤمر علیہ امیر قط وقد امرت الامراء علی غیرہ ۔ حسن بصری سے حضرت امیر المومنینؑ کے

متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ میں ایسے شخص کے متعلق کیا کہہ سکتا ہوں، جس میں چار صفات جمع ہیں (کہ جن میں سے اگر ایک بھی کسی میں پائی جائے۔ تو اس کے فخر و مباہات کے لئے کافی ووافی ہے)

اوّل :- یہ کہ آنحضرتؐ نے سورہ برأت کی تبلیغ پر ان کو مقرر کیا۔

دوم :- یہ کہ آنحضرتؐ نے جنگِ تبوک کے موقع پر آپؑ کے حق میں فرمایا۔ اے علیؑ! تمہاری مجھ سے وہی نسبت ہے۔ جو ہارونؑ کی موسیٰؑ سے تھی۔ مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہونے والا ہے۔ لہٰذا اگر سوائے نبوت کے کسی اور چیز کا بھی استثنا کرنا مقصود ہوتا۔ تو ضرور کر دیتے۔

سوم :- آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ کتاب خدا اور اپنی عترت الخ (ظاہر ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام رئیس و رئیسِ عترتِ نبویہ ہیں)

چہارم :- یہ کہ آنحضرتؐ کے حین حیات آنجنابؑ پر کبھی کوئی حاکم مقرر نہیں کیا گیا لیکن دوسرے تمام اصحاب پر حاکم و امیر مقرر کئے گئے:

ازالۂ اشتباہ ملا قوشجی شارح تجرید وغیرہ کا یہ کہنا کہ تبلیغ سورہ برأت کے وقت حضرت ابو بکر حضرت علی علیہ السلام پر امیر تھے کیونکہ تبلیغ سورہ حضرت علیؑ اور ادائیگیٔ حج حضرت ابو بکر کے متعلق تھی۔ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ "لم یرو عزل ابی بکر عن امارۃ الموسم الا الشیعۃ" حضرت ابو بکر کی امارت حج کی معزولی کی روایت شیعوں نے کی ہے۔ بچند وجہ باطل ہے۔

اوّلاً اس لئے کہ حسن بصری کی مذکورہ بالا روایت سے اس کا بطلان واضح و عیاں ہو گیا ہے کیونکہ اگر ابو بکر کی امارت حج کا واقعہ صحیح ہوتا تو حسن بصری ایسا باخبر و اطلاع انسان کیسے یہ مطلقاً کہہ سکتا تھا۔ کہ لم یو مر علیہ امیر قط" (کہ ان پر کبھی کسی شخص کو امیر نہیں بنایا گیا)

ثانیاً اس لئے کہ معزولی ابو بکر خود کتب معتبرہ اہل سنت سے ثابت ہے جیسا کہ ہم ابھی کتب معتمدہ اہل سنت سے محقق و مبرہن کر چکے ہیں۔ یہ کہنا کہ اس معزولی کے راوی صرف شیعہ ہیں۔ افترائے عظیم و کذب جسیم ہے۔ "انما یفتری الکذب الذین لا یومنون" آنحضرتؐ کا جناب علی علیہ السلام پر کبھی کسی شخص کو حاکم مقرر نہ کرنا اس امر کی کھلا دلیل ہے کہ تمام صحابہ کرام میں کوئی شخص حضرت امیرؑ پر امارت و حکومت کرنے کا حق نہیں رکھتا تھا۔ بلکہ یہ حق بھی حضرت امیر محفوظ تھا لہٰذا جب حیات النبیؐ میں کوئی شخص آپ پر حکومت نہیں کر سکتا۔ تو آپ کے بعد کیسے کر سکتا ہے؟ "اذ لا فرق بین الحالین" پھر جب اور کسی شخص کو خلافت و حکومت کا حق حاصل نہیں۔ در آں حالیکہ ایک حاکم و خلیفہ کا ہونا ضروری و لازمی ہے جیسا کہ باب اوّل میں بذیل ضرورت امام دلائل و براہین ساطعہ سے محقق و

مبین کیا جا چکا ہے۔ لہذا لامحالہ آنجناب ہی حاکم و امیر اور خلیفہ و امام ہوں گے۔ کما لا یخفی علی من لہ ادنی فی درایۃ۔

نصوص قولیہ عقل و فراست اور لغت و عرف کے لحاظ سے جن جن الفاظ کسی شخص کی خلافت و امامت و امارت و وزارت پر دلالت کر سکتے ہیں۔ وہ سب الفاظ حضرت سرورِ کائنات نے وقتاً فوقتاً حضرت امیر المومنین کی خلافت و امارت کے متعلق صرف فرمائے ہیں۔ جن کا

۱؎ کتاب مستطاب البلاغ المبین حصہ اول کے ص۱۲۳ سے ص۲۹۶ تک متعدد نصوص فعلیہ کا بڑی تفصیل کے ساتھ تذکرہ کیا گیا ہے مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ انہی نصوص میں سے بعض کا ذیل میں اختصار کے ساتھ تذکرہ کر دیا جائے۔ تاکہ یہ موضوع کسی لحاظ سے بھی تشنۂ تکمیل نہ رہ جائے۔ انشاء و نصوص فعلیہ۔ تو متن میں مذکور ہیں یہاں بعض اور ذکر کئے جاتے ہیں۔

تیسری فعلی نص ولادت در کعبہ حضرت علیؑ کی ولادت کا اندرون کعبہ ہونا اور جناب رسولِ خدا کا اپنے خلیفہ کے استقبال کے لئے دولت سرا سے نکلنا اور اپنے لعاب دہن کی گھٹی پلانا خدا کا ان کو ابتدا ہی سے سارے عالم سے ممتاز کرنا اور علامات باہرہ سے ممیز کرنا مشیت ایزدی میں قرار پا چکا تھا ؎

کسے را میسر نشد ایں سعادت بکعبہ ولادت بمسجد شہادت

(السیرۃ العلویہ حافظ محمد علی ص۲۰ ارجح المطالب ص۳۶/۵ وغیرہا)۔

چوتھی فعلی نص تعلم و تادب جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت امیر علیہ السلام کی تعلیم و تربیت اپنے خاص اہتمام سے اپنی زیرِ نگرانی فرمائی۔ کیونکہ خلیفۂ رسولؐ بننے کے لئے رسولؐ کے زیرِ نگرانی بچپن سے تعلیم و تربیت ضروری ہے۔ اسی لئے آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو ان کے والد جناب ابو طالب سے لے کر اپنے پاس اور اپنے گھر میں پرورش کیا۔ اس وقت جناب امیرؑ کی عمر مشکل سے تین چار سال کی تھی۔ اس بات کا ہر مورخ و محدث نے ذکر کیا ہے ابن حجر عسقلانی کی عبارت ملاحظہ ہو "وکان رباہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم من صغرہ لقصۃ مذکورۃ فی السیرۃ النبویۃ فلازمہ من صغرہ فلم یفارقہ الی ان مات" یعنی جناب رسولِ خدا نے حضرت علیؑ کی پرورش و تربیت ان کے بچپن ہی سے کی تھی جیسا کہ ابن ہشام کی سیرۃ النبیؐ میں درج ہے۔ پس علی مرتضیٰ آنحضرتؐ کے ساتھ اپنے بچپن ہی سے رہے۔ اور آنحضرتؐ کی رحلت تک ان کے پاس سے جدا نہیں ہوئے۔ (فتح الباری ج ۷، ص۵۸) قطع نظر خصوصیات امامت کے علم النفس والتعلیم کے ماہرین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ جو جذبات و تاثرات بچپن میں حاصل ہو جاتے ہیں۔ ان

نمونہ مشتے از خروارو قطرہ از بحار ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) وہ نصوص جن میں لفظ امامت موجود ہے

چنانچہ حاکم نیشاپوری مستدرک ج ۳ صفحہ ۱۲۹ میں روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ "علی امام البررۃ و قاتل الکفرۃ منصور من نصرہ مخذول من خذلہ" حضرت علیؑ نیک لوگوں کے امام اور کافروں کے قاتل ہیں۔ جو شخص ان کی نصرت کرے گا۔ وہ خود مظفر و منصور ہوگا۔ اور جو

کا اثر گہرا ہوتا ہے۔ اور عمر بھر رہتا ہے۔ یہ آنحضرتؐ کی اسی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا کہ جو عظمت و نکات وحدانیت اور اسرار و صفات ذات الٰہیہ حضرت علیؑ پر منکشف ہوئے ان سے وہ لوگ قطعی بے بہرہ تھے۔ جو بچپن و جوانی میں بتوں کی پرستش کر چکے تھے اور کفر کے ماحول میں پلے تھے چنانچہ ان کے مشرکانہ جذبات کا شائبہ اسلام لانے کے بعد بھی باقی رہا۔ حضرت رسولِ خدا و جناب ابوبکر کا مکالمہ مشہور ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ کفر و شرک تم میں چیونٹی کی چال کی طرح رواں اور جاری ہے "والشرک فیکم اخفی من دبیب النمل" (ملاحظہ ہو تفسیر درمنثور ج ۴ صفحہ ۵۵ کنز العمال ج ۱ صفحہ ۲۷۱)

پانچویں فعلی نص عقد مواخات

مدینہ میں تشریف آوری کے بعد فوراً ہی آپؐ کی توجہ انتظام معاملات کی طرف مبذول ہوئی تنظیم معاملات میں پہلا کام جو آنحضرتؐ نے کیا وہ مسلمانوں میں عقد مواخات قائم کرنا تھا۔ آنحضرتؐ نے یہ کارروائی ایک دوسرے کی طبیعت کا لگاؤ اور ان کا درجہ منزلت دیکھ کر بھائی بھائی بنانے کی عمل میں لائی۔ چنانچہ حضرت ابوبکر و عمر کو بھائی بھائی بنایا۔ عبدالرحمٰن بن عوف اور عثمان کو بھائی بھائی بنایا۔ اور طلحہ و زبیر کو بھائی بھائی بنایا۔ (فتح الباری ج ۷ صفحہ ۲۱۱) اور حضرت امیرؑ کو "انت اخی فی الدنیا والآخرۃ" فرما کر اپنا بھائی بنایا۔

سیرت ابن ہشام ج ۲ صفحہ ۱۲۳ مطبوعہ مصر میں ہے "وآخیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین اصحابہ من المہاجرین والانصار فقال فیما بلغنا ونعوذ باللہ ان نقول علیہ مالم یقل تآخوا فی اللہ اخوین اخوین ثم اخذ بید علی بن ابی طالب فقال ھذا اخی فکان رسول اللہ سید المرسلین وامام المتقین ورسول رب العالمین الذی لیس لہ خطیر ولا نظیر من العباد وعلی بن ابی طالب اخوین"

یعنی جناب رسول خدا نے جماعت صحابہ میں مہاجرین و انصار کے مابین عقد مواخات قائم کیا۔ اور ارشاد فرمایا کہ مجھے خدا کا حکم ملا ہے۔ کہ میں تمہارے درمیان صیغۂ اخوت قائم کروں اور تم لوگ بھائی بھائی ہو جاؤ اس کے بعد آپؐ

جو شخص ان کی نصرت سے دستبردار ہو جائے گا، وہ خود مخذول و منکوب ہو گا۔"

ابن ابی الحدید نے "شرح نہج البلاغہ ج ۲ صفحہ ۴۴۸" بحوالہ ابی نعیم اصفہانی در حلیۃ الاولیاء انس ابن مالک

نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ یہ میرا بھائی ہے۔ پس رسولؐ خدا جو کہ سید المرسلین، امام المتقین اور رسول رب العالمین تھے اور بندوں میں کوئی شخص ان کا ہم پلہ اور نظیر نہ تھا، اور حضرت علی بن ابی طالب باہم بھائی بنے (جس سے ظاہر ہے کہ حضرت علیؑ سوائے نبوت اور اس کے خصائص کے دوسرے تمام کمالات میں شبیہ و عدیل نبی ہیں) تفصیلات کے شائقین درج ذیل کتب کی طرف رجوع فرمائیں۔ (تاریخ ابو الفداء ج ۱ صفحہ ۱۲۷ استیعاب ابن عبد البر صفحہ ۴۶۳، الریاض النضرہ صفحہ ۱۵ ج ۲ صفحہ ۱۹۶ سیرۃ حلبیہ ج ۲ صفحہ ۹۱ کنز العمال صفحہ ۱۵۲/۶ ج حبیب السیر ج ۱ جزء ۳ صفحہ ۲۷ صواعق محرقہ صفحہ ۴۳ باب ۹ فصل ۲، مستدرک حاکم ج ۳ صفحہ ۱۴ شرح مواہب لدنیہ قسطلانی ج ۱ صفحہ ۳۷۳ وغیرہا)

چھٹی فعلی نص سد الابواب

آنحضرتؐ نے مدینہ میں جب مسجد تعمیر کرائی آپ کے ساتھ صحابہ نے بھی اپنے مکانات مسجد سے ملحق بنا لیے اور ان کے دروازے مسجد کی طرف کھول دیئے نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ ہر حالت میں مسجد میں آنے جانے لگے جس سے مسجد کی حرمت میں فرق آنے لگا۔ اس پر خداوند عالم نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ ان تمام صحابہ کے مکانوں کے دروازے سوائے در خانۂ علیؑ کے بند کرا دو۔ آنحضرتؐ نے اس حکم کی تعمیل کی۔ اس پر بعض اصحاب نے اعتراض کیا۔ آنحضرتؐ منبر پر تشریف لے گئے۔ اور اعلان فرمایا کہ میں نے صحابہ کے دروازے بند کرائے اور نہ علیؑ کا دروازہ کھلا رکھا جو کچھ ہوا ہے۔ یہ خداوند عالم کے حکم سے ہوا ہے (قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم۔ ما انا سددت ابوابکم وفتحت٭ ج ۱ صفحہ ۳۳۱ مسند احمد ج ۱ صفحہ ۱۷۵/۳۷۰ مستدرک حاکم ج ۳ صفحہ ۱۱۶/۱۲۵ الریاض النضرۃ ج ۲ صفحہ ۱۹۲/۱۹۳ صواعق محرقہ صفحہ ۷۳ باب ۹ فصل ۲ کنز العمال ج ۶ صفحہ ۱۵۲ تفسیر در منثور ج ۳ صفحہ ۳۱۲ فتح الباری شرح بخاری ج ۷ صفحہ ۵۹ ینابیع المودہ صفحہ ۸۷/۹۲ تا باب ۱۷ تذکرہ خواص الامہ صفحہ ۲۵ باب ۲ وغیرہا) جن ترکیبوں اور تدبیروں سے لوگوں نے خاندانِ نبوت سے حکومت کو نکالا ایک تدبیر وضع حدیث بھی ہے۔ یعنی جناب علی مرتضیٰ کی شان میں جو احادیث تھیں ان کے مقابلہ میں احادیث وضع کی گئیں تاکہ لوگوں کو مغالطہ پڑ جائے اور حضرت علیؑ کے فضائل چھپ جائیں۔ ان میں ایک یہ حدیث سد الابواب بھی ہے چنانچہ اس کے مقابلہ میں جناب ابوبکر کے "خوخہ" (کھڑکی) والی حدیث وضع کی گئی۔ (کہ پیغمبرِ اسلام نے سب کے دروازے بند کرا دیئے، سوائے ابوبکر کے خوخہ کے حالانکہ یہ روایت موضوع ہے۔ اس کے تمام راوی کذاب وضاع یا دشمنِ اہلبیت ہیں (بنظر اختصار ایک منصف مزاج عالم اہلسنت کی تحریر پیش کی جاتی ہے) حافظ محمد علی حنفی اپنی کتاب السیرۃ العلویۃ ج ۱ صفحہ ۷۷ پر لکھتے ہیں "مگر بخاری کی

٭ باب علی واللہ ما سددتہا ابوابکم و فتحت باب علی [illegible]

سے روایت کی ہے۔ کہ ایک دن آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا کہ "اول من یدخل علیک من هذا الباب: امام المتقین و سید المسلمین و یعسوب الدین الخ" اے انس! جو شخص سب سے پہلے اس دروازہ میں داخل ہوگا وہ متقیوں کا امام مسلمانوں کا سردار اور دین کا حاکم ہوگا: انس

روایت مجروح معلوم ہوتی ہے اوّل اس لئے کہ اس میں فی الجملہ اضطراب ہے کہیں خوخہ کا لفظ آیا ہے اور کہیں باب کا اور دونوں کے معنی میں فرق ہے دوسرے اس لئے کہ بخاری کی ایک روایت ابو سعید خدری کی ہے جس میں تیسرے راوی فلیح ہیں جو سخت مجروح ہیں یحییٰ بن معین و ابو حاتم و ابو داؤد کا قول ہے کہ عاصم بن جبید اللہ و ابن عقیل و فلیح حدیث میں احتجاج کے قابل نہیں ابو داؤد کہتے ہیں یہ کچھ نہیں نسائی کا قول ہے کہ ضعیف ہیں۔

(تہذیب التہذیب ج ۸ صفحہ ۳۰)

دوسری روایت بخاری کی ابن عباس کی ہے یہ بھی دیگر اکابر محدثین کے نزدیک پایۂ صحت سے ساقط ہے اس لئے کہ اس میں عکرمہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں اور وہ امام مالک وغیرہ کے نزدیک قابل اعتبار نہیں ان پر دروغ گوئی و ناصبی و خارجی ہونے کی جرح ہے۔ جیسا کہ عامۂ کتب رجال و نیز تاریخ ابن خلکان میں اس کی تفصیل ہے۔ اس کے علاوہ مسند وغیرہ ہیں※ اور غیر معتبر ہیں جبکہ حضرت علیؑ والی حدیث کے سب راوی صحیح صادق اور ثقہ ہیں۔ بہر کیف اس واقعہ سے کئی معنی خیز نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

(۱) عقد مواخات کی طرح اس واقعہ سے حضرت کا تمام اصحاب رسولؐ اور تمام امت سے افضل ہونا ثابت ہوتا ہے۔

(۲) اس واقعہ سے حضرت علیؑ کا مثیل نبیؐ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ (الا النبوۃ)

(۳) یہ تمام کارروائی ما ینطق عن الھویٰ کے مصداق نبی نے بحکم خدا فرمائی ہے۔

(۴) اس سے حضرت امیر علیہ السلام کی طہارت ثابت ہوتی ہے۔

اور ان تمام امور سے جناب امیرؑ کا استحقاق خلافت ظاہر ہے۔ جو افضل ہوگا۔ وہی جانشین نبیؐ ہوگا۔ بھلا وہ شخص جو اس بات کا بھی حقدار نہیں کہ اس کا دروازہ خانۂ خدا کی طرف کھلا رکھا جائے وہ جناب رسولؐ خدا کا جانشین کس طرح ہوسکتا ہے؟

ساتویں فعلی نص واقعۂ مباہلہ جب کسی دلیل و بحث سے عیسائی نہ مانے تو آخری تدبیر خداوند تعالیٰ سے یہ بتائی کہ ان سے مباہلہ کرو۔ اس حکم کی تعمیل میں آنحضرتؐ اس طرح مباہلہ کے لئے نکلے کہ آگے آگے آپ تھے۔ (گود میں حسینؑ اور حسنؑ کی انگلی تھامے ہوئے) آپ کے

※ خود حضرت ابن عباس کی روایت اس کے خلاف ہے۔ الغرض اس روایت کے راوی کذاب

کہتے ہیں کہ میں نے دل ہی دل میں کہا: " اللھم اجعلہ رجلا من انصار" بار الٰہا اس شخص کو انصار میں سے قرار دے۔ لیکن دعا مستجاب نہ ہوئی اور حضرت علیؑ آ گئے حضرت رسولؐ اللہ نے پوچھا کہ اے انس! کون آیا ہے؟ میں نے عرض کی علیؑ ہیں۔ آنحضرتؐ نہایت شاداں و فرحاں ہو کر اٹھے اور حضرت

پیچھے فاطمہ زہراؑ اور ان کے پیچھے حضرت علی مرتضیٰ علیہم السلام جب عیسائیوں نے ان کے چہرے دیکھے تو ان کی عظمت و جلالت سے مرعوب ہو کر مباہلہ نہ کیا۔ اور جزیہ دینے پر صلح کر لی۔ یہ واقعہ ۱۰ھ کا ہے یہ واقعہ ان مسلمات تاریخیہ میں سے ہے کہ اس سے کسی ایک مورخ یا محدث یا مفسر نے انکار نہیں کیا۔ اور نہ اہل حکومت کے علماء اس کے بالمقابل اپنے ارکانِ حکومت کے لئے کوئی واقعہ وضع کر سکے۔ کیونکہ واقعات وضع نہیں ہو سکتے اور نہ ہی انہیں کچھ نکتہ چینی کر سکے۔ تصدیق و تائید کے لئے ملاحظہ ہو۔ (صحیح مسلم جزء سابع باب فضائل علی ص۱۲۰ صواعق محرقہ ص۷۲ باب ۹ فصل ۲، مدارج النبوۃ ج ۲ ص۴۹۸ الریاض النضرۃ ج ۲ ص۱۸۸ مستدرک حاکم ج۳ ص۱۵۰ روضۃ الاحباب ص۵۲۳ کفایۃ الطالب ص۱۳ وغیرہا) اس واقعہ سے درج ذیل فوائد مرتب ہوتے ہیں۔

(۱) یہ واقعہ تشریح ہے اس دعا کی مقبولیت کی جو جناب رسولِ خداؐ نے ابتداء اعلان نبوت میں کی تھی کہ علیؑ سے آپ کا بازو مضبوط کرے اور ان کو آپ کا خلیفہ مقرر کرے۔

(۲) اس سے معلوم ہوا کہ کارِ نبوت میں شرکت کا مفہوم کیا ہے۔

(۳) افضل کی موجودگی میں مفضول کو منتخب کرنا سنتِ الٰہی کے خلاف ہے۔

(۴) کارِ نبوت میں اہلِ سقیفہ شریک نہیں ہیں۔

(۵) حضرت امیرؑ تمام صحابہ (بلکہ پیغمبر کے بعد تمام کائنات سے افضل ہیں)، چنانچہ علامہ زمخشری نے آیت مباہلہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے "وفیہ دلیل لا شیٔ اقویٰ منہ علی فضل اصحاب الکساء علیہم السلام" اس میں آلِ عباؑ کے لئے نہایت قوی دلیل ہے۔ ان کی فضیلت کی، اور یہ بات محتاج بیان نہیں کہ افضل کی موجودگی میں مفضول خلیفۂ رسولؐ نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت علیؑ ہی خلافت کے مستحق تھے جن کو خدا و رسولؐ نے اس عوض کے لئے منتخب فرمایا تھا۔

آٹھویں فعلی نص قصۂ جیش اسامہ

آغاز ۱۱ھ میں آنحضرتؐ نے تین ہزار مہاجرین و انصار کا لشکر زیر سرکردگی زید بن حارثہ شام کی طرف روانہ فرمایا کہ وہ حارث بن عمیر کی موت کا بدلہ لیں جو حدودِ شام کے اندر بمقام موتہ شرحبیل بن عمر غسانی کے حکم سے قتل کر دیئے گئے تھے۔ اس لشکر میں حضرت ابوبکر و عمر بھی زید بن حارثہ کی ماتحتی میں تھے لیکن حضرت علیؑ اس لشکر میں نہ تھے آنحضرتؐ کا حکم تھا کہ

علیؑ کے گلوگیر ہوگئے اور آپ کی پیشانی سے پسینہ پونچھنا شروع کیا حضرت علیؑ نے عرض کی یا رسولؐ اللہ آپ میرے ساتھ کچھ ایسا سلوک کر رہے ہیں جو اس سے پہلے کبھی نہیں کیا، فرمایا میں کیوں ایسا نہ کروں حالانکہ انت تودی عنی و تسمعھم صوتی و تبین لھم ما اختلفوا بعدی: تم ہی وہ شخص ہو

اگر زید بن حارثہ قتل ہو جائیں تو امیر لشکر جعفر بن ابی طالب ہوں گے اگر وہ بھی قتل ہو جائیں تو پھر لشکر کی سرداری عبداللہ بن رواحہ کریں گے مسلمانوں کا لشکر چلا۔ ادھر سے قیصر روم یعنی ہرقل کا لشکر آیا۔ دونوں کا مقابلہ بمقام موتہ ہوا۔ آنحضرتؐ کے مقرر کردہ سردار یکے بعد دیگرے میدان جنگ میں کام آئے پھر لشکر نے یہ سرداری ثابت بن حزم کے سپرد کی۔ انہوں نے علم لے لیا۔ مگر کہا مجھ میں اس کی صلاحیت نہیں اس پر خالد بن ولید نے علم خود لے لیا۔ ان کو کسی نے امیر بنایا نہیں تھا۔ (زرقانی شرح مواہب ج ۲ صفحہ ۲۷۲) جب خالد نے بھی رنگ بگڑتا ہوا دیکھا تو لشکر سے مشورہ کیا حضرت عمرؓ نے صلاح دی کہ جان بچا کر بھاگ چلنا مناسب ہے یہاں تو سوائے موت کے کچھ نظر نہیں آتا۔ چنانچہ یہ لشکر شاندار پسپائی کے ساتھ واپس ہوا۔ اس لشکر کی مدینہ واپسی کا نقشہ شبلی نعمانی نے ان الفاظ میں کھینچا ہے "جب یہ ہزیمت خوردہ فوج مدینہ کے قریب پہنچی اور اہل شہر اس کی مشایعت کو نکلے تو لوگ غمخواری کی بجائے ان کے چہروں پر خاک ڈالتے تھے کہ او فرارو! تم خدا کی راہ سے بھاگ آئے۔" سیرۃ النبی ج ۱ صفحہ ۴۷۲) اس شکست کے بعد فتح مکہ ہوئی۔ حرم کعبہ سے بت نکالے گئے۔ غزوہ حنین ہوا، محاصرہ طائف ہوا۔ نصارائے نجران سے معاہدہ ہوا۔ چاروں طرف وفود بھیجے گئے یمن۔ بحرین اور شام میں اشاعت اسلام ہوئی۔ حجۃ الوداع ہوا۔ خم غدیر کا خطبہ پڑھا گیا۔ اپنے جانشین کا اعلان فرما دیا۔ اپنی رحلت کی اطلاع دی مگر جنگ موتہ کی شکست کا بدلہ لینے کا کوئی انتظام نہ کیا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس مہم کو ایک خاص وقت کے لئے ایک خاص مقصد کے ماتحت ملتوی کر دیا تھا۔ یہ امر واقعہ ہے کہ آنحضرتؐ کے اصحاب میں ایک ایسی جماعت موجود تھی جو حضرت علیؑ کی طرف حکومت کے جانے کو پسند نہیں کرتی تھی۔ اس جماعت نے منافقین کو بھی اپنے ساتھ ملا کر ایک اچھی اکثریت پیدا کر لی تھی۔ ان لوگوں کے عزائم کسی طرح آنحضرتؐ پر مخفی نہیں رہ سکتے تھے، حق بحقدار پہنچانے کے لئے یہ اہتمام فرمایا کہ مرض الموت سے صرف ایک دن پہلے جیش اسامہ مرتب فرمایا اور اس میں تمام صحابہ کو باستثناء حضرت علیؑ و بنی ہاشم شامل ہونے کا حکم دیا۔ مدعا یہ تھا کہ زید کی موت اور شکست موتہ کا بدلہ بھی ہو جائے۔ اور رحلت کے بعد حضرت علیؑ کے مخالف مدینہ میں موجود نہ ہوں تاکہ وہ اپنے منصوبوں کو عمل ہی نہ لا سکیں۔ اور اس طرح امت کو بغیر رکاوٹ صراط مستقیم پر چلانے والا ہادی مل جائے مگر وہ لوگ تو پہلے ہی اسی وقت کی امید میں بیٹھے تھے۔ وہ کیونکر مدینہ چھوڑ سکتے تھے۔ آنحضرتؐ کا بار بار تاکید

جو میری طرف سے (میرے فرائض نبوت کو) ادا کرو گے میری آواز کو لوگوں کے گوش گزار کرو گے۔ اور میرے بعد تم ہی ان کے لئے ان چیزوں کو بیان کرو گے۔ جن میں وہ اختلاف کریں گے :

یہ حدیث شریف بطور نص دلالت کرتی ہے۔ کہ حضرت علیؑ ہی وظائفِ رسولؐ کے ادا کرنے والے

کے باوجود نہ گئے یہاں تک۔ کہ آنحضرتؐ کا انتقال ہو گیا۔ (اہلِ سنت کے بڑے بڑے علماء اعلام نے اسامہ کی ماتحتی میں حضرت ابوبکر و عمر و عثمان وغیرہ کے شامل ہونے اور حضرت علی علیہ السلام کے اس کے ماتحت نہ ہونے کی تصریحات فرمائی ہیں) ملاحظہ ہو مدارج النبوۃ ج ۲ صفحہ ۵۳۰، ۵۳۱ تاریخ خمیس ج ۲ صفحہ ۱۷۱ تاریخ طبری ج ۳ صفحہ ۱۸۸ کامل ج ۲ صفحہ ۱۲۰ فتح الباری ج ۷ صفحہ ۶۹ مناقب زید تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۲۰۸ وغیرہ) باوجودیکہ آنحضرتؐ نے اس لشکر کی جلد روانگی کی اسی قدر تاکید فرمائی۔ کہ جب آپ کو معلوم ہوا۔ کہ کچھ لوگ چلنے میں پس و پیش کر رہے ہیں تو آپ باوجود سخت مرض کے منبر پر تشریف لے گئے اور خطبہ ارشاد فرمایا۔ جس میں یہاں تک فرمایا۔ جھزوا جیش اسامۃ لعن اللہ من تخلف عنہا۔ لشکرِ اسامہ کو جلد روانہ کرو۔ خدا لعنت کرے اس پر جو مامور ہونے کے باوجود اس کے ساتھ نہیں جاتے۔ (ملاحظہ الملل والنحل شہرستانی ص ۲ ج ۱) شرح مواقف ( ) نہج البلاغہ حدیدی ج ۱ ص ۵۳ حج الکرامۃ نواب صدیق حسن خان وغیرہ) گمان لوگوں کی ڈھٹائی بھی قابلِ دید و داد ہے کہ ملعونِ خدا و رسولؐ ہونا گوارا کر لیا۔ لیکن گئے پھر بھی نہیں۔ سچ ہے کہ :

جنہیں ہو ڈوبنا وہ ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں

یہاں چند امور قابلِ غور ہیں۔

(۱) تجہیز جیش اسامہ جنگِ موتہ کی شکست اور جناب زید کے قتل کا بدلہ لینے کے لئے تھی۔

(۲) جنگِ موتہ اس سے قریباً تین سال قبل واقع ہوئی تھی۔

(۳) یا اس قدر تاخیر یا پھر اس قدر تعجیل کہ ایک لمحہ کی تاخیر ناگوارِ خاطر تھی۔

(۴) جناب ابوبکر و عمر و عثمان۔ طلحہ و زبیر اور عبدالرحمٰن بن عوف وغیرہ اصحاب کے نام صریحاً کتب تاریخ میں مندرج ہیں کہ وہ اسامہ کے ماتحت جانے پر مامور کئے گئے تھے۔

(۵) اس کے برعکس حضرت علیؑ کے خاص احباب جیسے حضرت سلمانؓ۔ ابوذرؓ مقداد اور عمار بن یاسر کے نام بھی کہیں نظر نہیں آتے۔ آخر یہ سب انتظام و اہتمام کس بات کی غمازی کرتا ہے؟؟ ان فی ذلک لآیۃ لقوم یعقلون !!

نویں فعل نص قضیۂ قرطاس — (۹) جن بعض جناب رسولِ خداؐ کو اپنے اصحاب کی اصل نیتوں کا پتہ چلتا جاتا تھا۔

اور اختلافات امت کو مٹانے والے اور مسائلِ حلال و حرام کو بیان کرنے والے ہیں۔ ولا نعنی من الخلافۃ" الا ھذا المعنی۔ ابن ابی الحدید (شرح نہج البلاغہ) ... باسناد زید بن ارقم روایت کرتے ہیں "قال رسول اللہ الا ادلکم علی ما ان تسالمتم علیہ لم تھلکوا ان ولیکم

جیش اسامہ سے تخلف کرنے نے ان کی نیتوں سے آخری پردہ اٹھا دیا تھا۔ اب جناب نے آخری حجت پوری کرنا چاہی آپ نے مناسب سمجھا کہ وصیت خلافت کو تحریر کر دیا جائے۔ اس وقت تقرر جانشین کی تحریر کے لئے قلم دوات اور کاغذ طلب کرنا آپ کی آخری حجت تھی لیکن جو لوگ حصولِ حکومت کی تجویزوں میں لگے ہوئے تھے وہ بھی سمجھ گئے کہ ان کے لئے یہ نازک موقع ہے۔ اگر رسولِ خدا نے کچھ تحریر کر کے اس پر اپنی مہر لگا دی۔ تو ہماری تجویزوں میں ایک بڑی رکاوٹ پیدا ہو جائے گی۔ لہذا وہ مانع ہوئے اور یہ کہہ کر مجلسِ رسولؐ میں شور و شغب پیدا کر دیا کہ اب مزید کیا ہدایت ہو سکتی ہے؟ ہمارے لئے تو قرآن کافی ہے رسولِ خدا تو شدتِ مرض کی وجہ سے (معاذ اللہ) ہذیان بک رہے ہیں۔ (بخاری میں سات مقامات پر یہ واقعہ مذکور ہے۔ مسلم ج ۵ ص ۷۵/۷۶ طبع مصر مسند احمد ج ۱ ص ۳۳۶/۳۵۵ کنز العمال ج ۳ ص ۱۳۸ مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۴۸ دہلی وغیرہ) حسبنا کتاب اللہ اور ان ھذا الرجل لیھجر کہنے والا عمر بن الخطاب تھا۔ ملاحظہ ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۴۸ طبع مجتبائی دہلی شرح مواقف ص ... الملل والنحل شہرستانی ص ۴ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ۔ محدث دہلوی سر العالمین ص ۱۰ طبع مصر وغیرہا) اگر کچھ اور واقعات نہ بھی ہوتے تو صرف ان حضرات کا کاغذ اور دوات کی طلبی پر چراغ پا ہو جانا اور تحریر میں مانع ہونا ہی صاف بتا رہا ہے کہ وہ کیا تحریر ہوتی اور کس کے حق میں ہوتی! علماء حدیث و تاریخ نے اس حقیقت کے چہرے سے بھی نقاب کشائی کر دی ہے۔ حافظ شمس الدین محمد بن یوسف الکرمانی نے الکواکب الدراری فی شرح البخاری میں لکھا ہے۔ " ھذا یتاول علی وجھین اولھما انہ اراد ان یکتب اسم الخلیفۃ بعدہ لئلا یختلف الناس ولا یتنازعوا فیؤدیھم ذلک الی الضلال یعنی اس کی دو طرح تاویل ہو سکتی ہے ایک یہ ہے کہ آنحضرتؐ کا ارادہ تھا کہ اپنے بعد والے خلیفہ کا نام لکھ دیں تاکہ لوگوں میں اختلاف نہ ہو اور یہ اختلاف ضلالت کی طرف نہ لے جائے! علامہ عسقلانی نے بھی فتح الباری شرح بخاری ۸ ص ۱۰۱ پر لکھا ہے " ھو تعیین الخلیفۃ بعدہ۔ آنحضرتؐ کا اس تحریر سے مقصد یہ تھا کہ اپنے بعد خلیفہ کا تعین کر دیں۔ فاضل نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے " قد اختلف العلماء فی الکتاب الذی ھم النبیؐ فقیل اراد ان ینص علی الخلافۃ فی انسان معین لئلا یقع نزاع وفتن" مطلب وہی ہے۔ جو اوپر مذکور ہے) اور کیوں جاؤ ان سارے تنازعات کا فیصلہ خود حضرت عمر کے قول سے ہو جاتا ہے۔ ابن عباس

اللہ و اما علمکم علی ابن ابی طالب فتاصحوہ وصدقوہ فان جبریل اخبرنی بذلک " فرمایا کیا میں تمہیں ایسے امر کی رہبری نہ کر دوں، کہ اگر تم اس پہ اتفاق کر لو، تو ہرگز ہلاک نہ ہو، وہ امر یہ ہے۔ کہ تمہارا سرپرست خداوند عالم اور تمہارا امام علی ابن ابی طالب (علیہ السلام) ہے پس تم ان کے

؎ سے کہتے ہیں "اراد فی مرضہ ان یصرح باسمہ فمنعت من ذلک" یعنی آنحضرت نے اپنے مرضِ موت میں حضرت علیؑ کے نام کی تصریح کرنا چاہی مگر میں نے اس سے روک دیا۔ شرح نہج البلاغۃ صہ ۵۷ ج ۳۔ پیچ ہے سہ

نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

دسویں فعلی نص حضرت امیرؑ سے بحکمِ خدا رازگوئی کرنا

ہمیشہ امورِ رسالت و ریاست میں چند راز ایسے سربستہ ہوا کرتے ہیں جو عوام الناس سے پوشیدہ ہوتے ہیں لیکن خلیفہ و جانشین سے ان کا ذکر ضروری ہوتا ہے تاکہ وہ امور کو سابقہ نہج پہ چلا سکے۔ جناب رسولِ خدا اکثر تخلیہ میں حضرت امیر علیہ السلام سے راز کی باتیں کرتے رہتے تھے۔ لوگ اعتراض کرتے تو فرماتے کہ میں بحکمِ خدا کے تحت ایسا کیا ہے۔ اخرج الترمذی عن جابر قال دعا رسول اللہ صلعم علیا یوم الطائف فانتجاہ فقال الناس لقد طال نجواہ مع ابن عمہ فقال رسول اللہ صلعم ما انتجیتہ ولکن اللہ انتجاہ۔ ترمذی نے جابر سے روایت کی ہے کہ محاصرۂ طائف کے زمانہ میں جناب رسولِ خدا نے حضرت علیؑ کو بلا کر تخلیہ میں بصیغۂ راز سرگوشی فرمائی۔ لوگوں نے اعتراض کرتے ہوئے کہا پیغمبر کی رازگوئی اپنے ابن عم سے بہت دراز ہو گئی ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا میں نے خود بخود علیؑ سے راز کی باتیں نہیں کیں بلکہ خدا کے حکم سے کیں ہیں۔ ؎ ترمذی ۔۔۔ تذکرہ خواص الامہ صہ ۲۵ باب ۲ ارجح المطالب صہ ۶۹۵ باب ۴ حبیب السیر ج ۱ جزو ۳ صہ ۶۶ معارج النبوۃ رکن چہارم باب ۱۱ صہ ۱۸۴ نیز آخری دونوں کتابوں میں یہ بھی صراحت موجود ہے۔ کہ معترض جناب عمر تھے نیز یہ بھی مسلم ہے کہ آنحضرتؐ کے آخری لمحاتِ حیات میں بھی حضرت علیؑ آپ کے پاس تھے۔ اور آنحضرتؐ کا سرِ مبارک آغوشِ علیؑ میں تھا۔ کہ آنحضرتؐ نے رحلت فرمائی اس وقت بھی رازگوئی فرمائی۔ تصدیق کے لئے ملاحظہ ہو۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ صہ ۵۵۵ طبع لکھنؤ۔ معارج النبوۃ رکن چہارم باب چہارم فصل ۳ صہ ۲۳۵ طبقات ابن سعد ق ۲ ج ۲ صہ ۵۱ ارجح المطالب صہ ۶۹۶ باب ۴ مستدرک حاکم ج ۳ صہ ۱۳۹ دیز ابی) تلک عشرۃ کاملۃ ؎ نیز یہ امر بھی مسلماتِ تاریخیہ میں سے ہے کہ جناب رسولِ خدا کو آخری غسل جناب امیر علیہ السلام نے دیا اور قبر میں اتارا ملاحظہ ہو تاریخ الخمیس ج ۲ صہ ۱۸۹ استیعاب ابن عبد البر ج ۱ صہ ۴۵ تاریخ طبری ج ۳ صہ ۲۰۱ طبقات ابن سعد ج ۲ ق ۲ صہ ۶۰ وغیرہا۔ ونعم ما قیل سہ

المے کہ روزِ وفاتِ پیمبرؐ ٭ خلافت گذارد، بماتم نشیند

(منہ عفی عنہ)

خیر خواہ رہو۔ اور ان کی تصدیق کرو۔ بہ تحقیق کہ جبرئیلؑ امین نے مجھے اس امر کی خبر دی ہے"
ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جن لوگوں نے آپ کی متابعت واقتدا کی۔ وہی بررہ و متقین اور مسلمین و مومنین ہیں اور جنہوں نے آپ کی مخالفت و نافرمانی کو اپنا شیوہ قرار دیا اور بجائے انہیں اپنا حاکم و امام تسلیم کرنے کے الٹا ان کو محکوم و ماموم بنانے کی نافرجام کوشش کی وہ مذکورہ بالا طبقات سے خارج ہیں۔

دفع توہم کہا جاتا ہے کہ ان احادیث میں امامت سے مراد امامت فی الفتاوی ہے۔ یعنی مسائل شرعیہ بتلانے میں آپ امام تھے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ وہ علی الاطلاق امام و رئیس ہوں۔ یہ توہم بالکل فاسد ہے کیونکہ لفظ امام سے امامتِ مطلقہ کا تبادر ہوتا ہے۔ جو کہ ریاست کبریٰ کے مترادف و ہم معنی ہے خصوصاً جب اس کے ساتھ کچھ قرائن بھی موجود ہوں۔ جو اس عمومی معنی پر دلالت کرتے ہوں۔ جیسا کہ ان احادیث میں موجود ہیں اس لفظ سے فقط امامت فی الفتویٰ مراد لینا خلافِ ظاہر ہے۔ جس کا بغیر دلیل قطعی ارتکاب نہیں کیا جاسکتا۔ باقی رہا فقہا و علماء پر اس لفظ 'امام' کا اطلاق تو واضح ہے کہ یہ بعد کی اصطلاح ہے صدور احادیث کے زمانہ میں اس اصطلاحِ جدید کا کہیں نام و نشان بھی نہ تھا۔ لہٰذا اس لفظ کو کیسے اس معنیٰ پر حمل کیا جاسکتا ہے۔ علاوہ بریں یہ شبہ خلافت و امامت کے درمیان علیحدگی پر مبنی ہے۔ حالانکہ اس کا بطلان واضح ہے۔ جو شخص آنحضرتؐ کے وقت امام فی الفتویٰ یعنی مبین اسرارِ شریعت ہوگا۔ وہی رئیس کل بھی ہوگا۔ کما لا یخفیٰ۔

وہ نصوص جن میں لفظِ امارت موجود ہے امام احمد حنبل اپنی مسند میں

روایت کرتے ہیں۔ کہ آنحضرتؐ نے جناب علیؑ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا "انت یعسوب الدین والمال یعسوب الظلمۃ (وفی روایۃ الکافرین)" اے علیؑ تم دین کے امیر ہو اور مال ومنال ظالمین بنا بر دوسری روایت کے کافرین کا رئیس ہے۔ (معنی یعسوب ذکر النحل وھو امیرھا) یہ لفظ بھی امیر المومنینؑ کا مترادف وہم معنی ہے اور اس امر پر نص ہے کہ جو شخص مومنین اور اہل دین میں

لہ ابن ابی الحدید کہتے ہیں تزعم الشیعۃ انہ خوطب فی حیاۃ رسول اللہ بامیر المومنین الخ ولم یثبت ذلک فی اخبار المحدثین الا انھم رووا مایعطی ھذا المعنی وان لم یکن اللفظ بعینہ ثم ینقل الروایات المنقولۃ فی المتن) ابن ابی الحدید کا یہ کہنا کہ کتب محدثین میں اس لفظ کا اطلاق آپ پر ثابت نہیں یہ اسکی جہالت یا تجاہل پر مبنی ہے اس قسم کی بکثرت احادیث موجود ہیں۔ اور کتب محدثین ان سے مملو ومشحون ہیں چنانچہ ابن مردویہ کتاب مناقب میں باسناد خود حضرت بریدہ سے روایت کرتے ہیں۔ قال امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ ان نسلم علی علی بامیر المومنینؑ رسولؐ خدا نے ہمیں حکم دیا تھا کہ ہم حضرت علیؑ کو امیر المومنینؑ کہہ کر سلام کریں۔ (ارجح المطالب صہ۱۶ باب اول) نیز اسی کتاب مناقب میں سالم غلام جناب امیر علیہ السلام اپنے انہی آقا سے روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک دن حضرت امیر علیہ السلام اپنی زمین میں مشغولِ زراعت تھے کہ حضرت ابوبکر وعمر آئے۔ اور کہا السلام علیک یا امیر المومنینؑ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ان سے کہا گیا۔ کہ آیا تم حیاتِ رسولؐ میں ایسا کہا کرتے تھے؟ فقال عمر ھو امرنا بذلک حضرت عمر نے کہا خود حضرت رسولؐ ہی نے تو اس کا ہمیں حکم دیا تھا۔ کتاب المعرفۃ مؤلفہ ابراہیم ثقفی اصفہانی میں اس قسم کی متعدد روایات موجود ہیں کہ جن میں حضرت بریدہ وغیرہ سے مروی ہے امرنا رسول اللہ ان نسلم علی علی بامرۃ المومنینؑ اور بعض طرق میں یہ الفاظ موجود ہیں "ان رسول اللہ کان یامرھم ان یسلموا علی علیؑ بامرۃ المومنین حضرت عمر نے کہا یا رسول اللہ آپ خداوند عالم کی طرف سے فرما رہے ہیں یا اپنی طرف سے

فقال رسول اللہ بل من اللہ ورسولہ۔ یعنی خدا اور رسول دونوں کی طرف سے ایسا کہہ رہا ہوں۔ ارجح المطالب صہ۲۱ باب اول بحوالہ فردوس الاخبار دیلمی جناب حذیفہ سے روایت کرتے ہیں رسولؐ خدا نے فرمایا "لو علم الناس متی سمی علی امیر المومنین ما انکروا فضلہ، سمی امیر المومنین وآدم بین الروح والجسد فقال اللہ تبارک وتعالٰی الست بربکم ومحمد نبیکم وعلی امیرکم۔ اگر لوگوں کو معلوم ہو جاتا کہ حضرت علیؑ کا کب سے امیر المومنین نام رکھا گیا ہے تو ہرگز انکی فضیلت کا انکار نہ کرتے انکا یہ نام اس وقت رکھا گیا جبکہ ہنوز آدم روح وجسد کے درمیان تھے خداوند عالم نے ارواح سے فرمایا۔ میں تمہارا پروردگار ہوں۔ حضرت محمد مصطفیٰ تمہارے نبی اور علیؑ تمہارے امیر ہیں۔ وفیہ کفایۃ لمن لہ ادنی درایۃ۔ (منہ عفی عنہ)

داخل ہے۔ حضرت امیرؑ اس کے حاکم و امیر ہیں ہاں جو شخص اس مبارک گروہ سے خارج ہے۔ آنجنابؑ اس کے حاکم بھی نہیں۔ اب مسلمان جس پہلو کو اختیار کریں، ہمارا مدعا بہر حال حاصل ہے!

(۳) وہ احادیث جن میں لفظ وصایت موجود ہے!

اس مقام پر مؤلف نے مسند امام احمد وغیرہ سے ان احادیث اتحاد نور نبی ووصی کو پیش کیا ہے جن میں یہ الفاظ موجود ہیں۔ "فکان لی النبوۃ ولعلی الوصیۃ" یہ حدیث شریف بالتفصیل مع تقریب استدلال و دفع اشکال ہمارے سابقہ بیانات میں بضمن نصوص خلافت حضرت امیرؑ ذکر ہو چکی ہے وہاں رجوع فرمادیں۔ حضرت امیرؑ کا وصی رسولؐ ہونا اس قدر مسلّم و مشہور ہے کہ زمانۂ رسولؐ سے لے کر آج تک شعراء نے اسے اپنے اشعار آبدار میں نظم کیا ہے چنانچہ ابن ابی الحدید نے اسی شرح (نہج البلاغہ ج ۱ ص ۱۴۹ طبع لبنان) میں اس قسم کے بہت سے اشعار نقل کئے ہیں۔ ہم فقط چند شعر یہاں ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ منجملہ ان کے ابی الہیثم ابن التیہان کے اشعار ہیں۔ جو اصحاب بدر میں سے تھے۔ ان میں سے دو شعر یہ ہیں۔

قل للزبیر وقل لطلحۃ اننا ۔۔۔ نحن الذین شعارنا الانصار (ان تال)

طلحہ و زبیر سے کہہ دو کہ ۔۔۔ ہم ہی وہ انصار ہیں جن کا نشان مخصوص یہ ہے

ان الوصی امامنا و ولینا ۔۔۔ برح الخفاء و باحت الاسرار

کہ وصیؑ رسول ہمارے امام اور سرپرست ہیں ۔۔۔ یہ کوئی مخفی امر نہیں اور تمام اسرار واضح ہو چکے ہیں

منجملہ ان کے عبداللہ ابن عباس کے شعر ہیں، فقط ایک شعر یہاں درج کیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں۔

وصی رسول اللہ من دون اہلہ ۔۔۔ وفارسہ ان قیل ہل من منازل

جناب رسالتمآبؐ کے اقرباء میں سے ان کے وصی امیر المومنین ہیں۔ یہی ان کے مخصوص شہسوار ہیں جب کہ کوئی مبارز طلب کیا جائے۔ (شرح حدیدی ج ۱ ص ۴۳)

منجملہ ان کے حسان بن ثابت کے اشعار ہیں۔ فقط ایک شعر ملاحظہ ہو۔ جناب امیر المومنینؑ کو خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ شعر

لہ کتاب ذخائر العقبیٰ ص ۷۱ طبع مصر اور مناقب خوارزمی ص ۸۵ میں اس سے بھی واضح تر ایک حدیث شریف مروی ہے قال رسول اللہ صلعم لکل نبی وصی و وارث وان علیاً وصیی ووارثی فرماتے ہیں ہر نبی کا وصی و وارث ہوا کرتا ہے اور میرا وصی و وارث علی (علیہ السلام) ہے۔ ھکذا فی الریاض النضرۃ ج ۲ ص ۱۷۸ (منہ عفی عنہ)

الست اخاہ فی الھدی ووصیہ   واعلم فیھم بالکتاب والسنن

اے امیرالمومنینؑ کیا آپ ہی آنحضرتؐ کے شریکِ ہدایت اور ان کے وصی نہیں؟ اور خاندانِ نبوت میں احکامِ قرآن و سُنّت کے سب سے زیادہ واقف کار نہیں ہیں؟ (ریاض نضرہ ج ۲ صفحہ ۲۰۰ و ذخائر العقبیٰ صفحہ ۸۹)

ظاہر ہے کہ جب کسی کو علی الاطلاق وصی قرار دیا جائے۔ تو اس کے معنیٰ یہ ہوتے ہیں کہ یہ ان تمام امور میں وصیت کرنے والے کا قائمقام ہوگا جو اس کی زندگی میں اس کے متعلق تھے۔ بنابریں وصی نبی کے معنے یہ ہوں گے کہ وہ شخص ان سب امور (از قسم امر و نہی و بیان شریعت و حفظ حوزۂ اسلام وغیرہ) میں آنحضرتؐ کا قائمقام ہوگا، جو آپ کی ذات والاصفات سے وابستہ تھے۔ جب بنص رسولؐ حضرت علی علیہ السلام ان کے وصی ہیں تو آپ ہی تنفیذ احکام و بیان مسائل حلال و حرام اور سیاستِ امتِ خیرالانامؐ میں آنحضرتؐ کے قائم مقام ہوں گے۔ خلافت و امامت کے یہی معنیٰ ہیں۔ کما تقدم مراراً واضح ولائح ہو گیا کہ آنجنابؑ ہی خلیفۂ بلافصل حضرت سیّد الانامؐ ہیں۔ والحمد للہ رب العالمین

(۱) وہ نصوص جن میں لفظ خلافت وارد ہے

یہاں صاحب المنار نے شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید اور تاریخ طبری ج ۲ ص ۶۲ سے دعوتِ ذوالعشیرہ کا واقعہ نقل کیا ہے جس کی تفصیل اس [۱] کے بعد باب ششم کے ضمن میں آ رہی ہے۔ انشاء

اس واقعہ میں یہ موجود ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا جو شخص اس امر نبوت میں میرا ہاتھ بٹائے گا، وہی میرا بھائی، وصی اور خلیفہ ہوگا، سوائے حضرت امیرالمومنینؑ کے اور کسی شخص نے لبیک نہ کہی، کئی مرتبہ آنحضرتؐ نے اس اعلان کی تکرار فرمائی اور ہر بار حضرت امیر علیہ السلام اُٹھ کر لبیک کہتے رہے، بالآخر آنحضرتؐ نے آنجنابؑ کی پشت مبارک پر ہاتھ رکھ کر حاضرین سے فرمایا،

---

[۱] سبط ابن جوزی تذکرہ صفحہ ۲۶ طبع ایران پر کتاب فضائل احمد بن حنبل سے باسناد صحیح انس سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نے سلمان سے کہا کہ آنحضرتؐ سے آپ کے وصی و جانشین کے متعلق سوال کریں۔ چنانچہ انہوں نے سوال کیا۔ فرمایا موسیٰؑ ابن عمران کا وصی کون تھا؟ عرض کیا یوشع بن نون، فرمایا۔ ان وصیی ووارثی و منجز وعدی علی ابن ابی طالب؛ میرا وصی و وارث اور میرے وعدوں کو پورا کرنے والا علیؑ بن ابی طالب ہے۔ ذکرہ ا فی الریاض النضرۃ ج ۲ صفحہ ۱۷۹ (منہ عفی عنہ)

هٰذا اخی و وصیی وخلیفتی فیکم[1] فاسمعوا له واطیعوا۔ الخ یہ میرے بھائی وصی ہیں اور تم میں میرے خلیفہ ہیں، تم ان کی بات سنو، اور ان کی اطاعت کرو۔ (کنز العمال ج ۶ ص ۴۰۸ دلائل النبوۃ تاریخ طبری ص ۶۲ ج ۲ طبع مصر مسند احمد ص ۱۵۹ ج ۱) ملاحظہ ہو کہ کس صراحت و وضاحت کے ساتھ آنحضرتؐ نے حضرت امیر المومنینؑ کی خلافت و وصایت کا اعلان فرمایا ہے، آیا اس سے بڑھ کر اور کوئی تصریح و توضیح متصور ہو سکتی ہے؟

(۵) وہ نصوص جن میں لفظ وزارت موجود ہے

ابن ابی الحدید باسناد خود حضرت ابوذر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ

---

[1] مناقب بن مردویہ اور مناقب خوارزمی، ذخائر العقبیٰ وغیرہ کتب میں حضرت سلمان فارسی محمدیؓ سے مروی ہے کہ میں نے سرکار رسالت میں عرض کی "فمن ناخذ بعدك وبمن نثق یا رسول اللہ" آپ کے بعد ہم (معالم دین) کس سے اخذ کریں اور امور دین و دنیا میں کس پر وثوق و اعتماد کریں؟ آنحضرتؐ نے کوئی جواب نہ دیا، یہاں تک کہ میں نے دس مرتبہ اس استفسار کی تکرار کی۔ دسویں مرتبہ فرمایا۔ یا سلمان ان وصیی وخلیفتی و وزیری وخیر من اخلفہ بعدی علی ابن ابی طالب یؤدی عنی و ینجز موعدی۔ اے سلمان! بہ تحقیق میرا وصی و خلیفہ، بھائی اور وزیر اور ان سب سے افضل و برتر جن کو میں اپنے بعد چھوڑ کر جا رہا ہوں علیؑ ابن ابی طالب (علی علیہ السلام) ہیں، میری طرف سے میرے فرائض (نبوت) ادا کریں گے، اور یہی میرے وعدوں کو پورا کریں گے۔

تبصرہ آنحضرتؐ کی تاخیر جواب ممکن ہے اسلئے ہو، کہ اور صحابہ کرام بھی جمع ہو جائیں اور اسطرح بوجہ کثرت حاضرین بآسانی غائبین تک بھی اسکی اطلاع پہنچ جائے، یا کم از کم انہی حاضرین پر تو اتمام حجت ہو جائے۔ واللہ العالم۔ دیکھئے آنحضرتؐ نے کس صراحت کے ساتھ حضرت امیر المومنینؑ کے اپنے وصی و خلیفہ اور اپنے بعد افضل الامۃ ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔ فماذا بعد الحق الا الضلال۔ مناقب خوارزمی میں ایک طویل حدیث متعلق معراج نقل کی گئی ہے۔ (رملاحظہ ما نقلہ السید ابن طاؤسؒ فی کتاب الیقین) آنحضرتؐ فرماتے ہیں، کہ جب میں خداوند عالم کی بارگاہ میں پہنچا، خداوند عالم نے مجھے خطاب فرمایا، اے محمدؐ! میں نے عرض کی۔ لبیك وسعدیك فرمایا تم نے میری مخلوق کو خوب آزمایا ہے، بتاؤ کس کو ان سب سے زیادہ مطیع و فرمانبردار پایا؟ میں نے عرض کی علی (علیہ السلام) کو، فرمایا اے محمدؐ! سچ کہتے ہو، اب یہ بتاؤ کہ تم نے کوئی اپنے لئے خلیفہ مقرر کیا ہے، جو تمہاری طرف سے فرض تبلیغ انجام دے اور میری کتاب سے لوگوں کو ان چیزوں کی تعلیم دے جنہیں وہ نہیں جانتے؟ میں نے عرض کی بارالہا تو ہی میرے لئے خلیفہ منتخب کر دے کیونکہ تیرا انتخاب میرا انتخاب ہے، فرمایا۔ قد اخترت لك علیا فاتخذہ لنفسك خلیفۃ و وصیا ونحلتہ علمی وحلمی وھو امیر المومنین حقا الخ الحدیث۔ ان فی ذلك لآیۃ لقوم یعقلون۔ میں نے تمہارے لئے علی بن ابی طالب کو منتخب کیا ہے، تم بھی انہیں اپنا وصی و خلیفہ قرار دے دو، میں نے انہیں اپنا خاص علم و حلم عطا کیا ہے۔ اور وہ یقیناً امیر المومنین ہیں (منہ عفی عنہ)

علیہ وآلہ وسلم نے جناب امیر علیہ السلام سے فرمایا: انت یعسوب المؤمنین الخ اس حدیث کا ابتدائی حصہ سابقاً نصوص امارت کے ذیل میں ذکر ہو چکا ہے۔ اس کا آخری حصہ یہ ہے (الی ان قال) وانت اخی ووزیری اور تم ہی میرے بھائی اور وزیر ہو۔ اس کے ذیل میں ابن ابی الحدید رقم طراز ہیں۔ ویدل علی انہ وزیر رسول اللہ من نص الکتاب والسنۃ قول اللہ تعالیٰ واجعل لی وزیرا من اھلی ھارون اخی اشدد بہ ازری واشرکہ فی امری۔ وقال النبی فی الخبر المجمع علی روایتہ بین فرق الاسلام انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی فاثبت لہ جمیع مراتب ھارون ومنازلہ من موسیٰ فاذن ھو وزیر رسول اللہ وشاد ازرہ ولولا انہ خاتم النبیین لکان شریکا فی امرہ) یعنی نصوص کتاب وسنت دلالت کرتی ہیں کہ حضرت علیؑ رسول خداؐ کے وزیر ہیں۔ ارشاد خداوند عالم (جسے خلاق عالم نے حضرت موسیٰؑ سے حکایت کیا ہے) بار الہا! میرے لئے میرے اہل بیت میں سے میرے بھائی ہارونؑ کو میرا وزیر قرار دے اور ان کے ذریعے میری کمر کو محکم کر۔ اور ان کو میرے امر (نبوت) میں شریک قرار دے۔ آنحضرتؐ کی متفق علیہ حدیث شریف ہے جس کی صحت پر تمام فرق اسلام کا اجماع ہے۔ فرمایا اے علیؑ! تم مجھ سے وہی نسبت رکھتے ہو۔ جو حضرت ہارونؑ کی حضرت موسیٰ سے تھی مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ آنحضرتؐ نے اس حدیث میں آنجنابؑ کے لئے حضرت ہارون کے ان تمام مراتب ومنازل کا اثبات فرمایا ہے جو انہیں حضرت موسیٰؑ سے حاصل تھیں۔ لہٰذا اب وہ حضرت رسول خداؐ کے وزیر اور ان کے پشت پناہ ہیں اور اگر آنحضرت خاتم النبیین نہ ہوتے تو البتہ حضرت علیؑ امر نبوت میں بھی ان کے شریک کار ہوتے۔ جب حضرت علی علیہ السلام کی وزارت ثابت ہو گئی تو اس سے آپ کی خلافت بھی ثابت ہو گئی کیونکہ وزیر مددگار کو کہتے ہیں۔ جب حضرت علیؑ اظہار دعوت اسلام اور ترویج احکام نبوت میں حضرت سید الانام کے شریک کار و مددگار ہیں تو ان کی حیات وممات میں ان کے خلیفہ وجانشین بھی یہی ہوں گے۔ علاوہ بریں جب آنحضرتؐ نے بجز مرتبۂ نبوت کے باقی سب مراتب ہارونیہ کو آپ کے لئے ثابت فرمایا ہے تو اس سے بھی آنجنابؑ کی خلافت بخوبی ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ بنص قرآن منجملہ منازل ہارونؑ کے ایک منزلت خلافت بھی تھی۔ وقال موسیٰ لاخیہ ھارون اخلفنی فی قومی۔ جب آنحضرتؐ نے اس کا استثنا نہیں فرمایا۔ تو یہ حضرت امیر علیہ السلام کے لئے ثابت ہو گی۔ وھذا ظاھر کالنور فوق شاھق الطور۔

(۶) وہ نصوص جن میں لفظ اطاعت موجود ہے

ابھی اوپر بذیل نصوص خلافت دعوت ذوالعشیرہ والی حدیث شریف میں بیان ہو چکا ہے۔ کہ

کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کے متعلق فرمایا "اسمعوا لہ واطیعوا" ان کی بات سنو۔ اور ان کی فرمانبرداری کرو۔" بہت سی احادیث میں وارد ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا "من احب فقد احبنی ومن اطاعہ فقد اطاعنی" جس شخص نے آپؑ سے محبت کی گویا اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان کی اطاعت کی گویا اس نے میری اطاعت کی۔ جب حضرت علیؑ کی اطاعت مثل اطاعتِ رسولِ خدا ہے تو ضروری ہے کہ آپ ہی خلیفہ نبی ہوں۔ کیونکہ جس کی اطاعت بالاصالہ مثل اطاعتِ خدا ہوتی ہے۔ وہ نبی ہی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے۔ "ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ" جس نے رسولؐ کی اطاعت کی۔ گویا اس نے خدا کی اطاعت کی لیکن چونکہ ہمارے نبی کے بعد نبوت تو ختم ہے لہٰذا لامحالہ خلافت باقی رہ جائے گی۔ علاوہ بریں ان احادیث میں آنجنابؑ کی اطاعت مطلقہ واجب قرار دی گئی ہے اور مکرر ثابت کیا جا چکا ہے۔ کہ اطاعتِ مطلقہ بجز خدا و رسولؐ اور امامؑ کے اور کسی کی جائز نہیں۔ کیونکہ وجوبِ اطاعتِ مطلقہ مستلزم عصمت ہے۔ اور سوائے آنجنابؑ باقی تمام مدعیانِ خلافت و امامت میں چونکہ عصمت مفقود ہے لہٰذا وہ خلیفہ نہیں ہو سکتے لہٰذا آپ ہی امام مفترض الطاعۃ ہوں گے۔ وھو المطلوب۔

(۷) وہ نصوص جن میں آنجنابؑ کا مثیل و عدیلِ آنحضرتؐ ہونا وارد ہے

قرآن و حدیث میں بکثرت ایسے نصوص موجود ہیں جن سے حضرت امیر علیہ السلام کا مرتبۂ نبوت اور اس کے خصائص کے علاوہ دیگر فضائل و محامد میں مثیلِ رسولؐ ہونا سمجھا جاتا ہے۔ قرآن مجید کی مشہور آیۂ مباہلہ اس مطلب کے اثبات کے لئے کافی ہے کیونکہ آپ بموجب نص "انفسنا وانفسکم" نفسِ رسولؐ ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اس سے مراد اتحاد شخصی نہیں۔ بلکہ اتحاد فی الفضائل والمحامد ہے جب آپؑ مثلِ رسولؐ ہیں تو ضروری ہے کہ آپ ہی آنحضرتؐ کے بعد ان کے خلیفہ و جانشین ہوں اس آیۂ وافی ہدایہ کی تفصیل ہمارے سابقہ بیانات میں گزر چکی ہے ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ ج ۲ صـ ۴۶۷ (کذا فی استیعاب ابن عبدالبر ج ۲ حالات امیر المومنینؑ میں بحوالہ مسند احمد حنبل) روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسولِ خدا نے بنی ولیعہ سے فرمایا کہ "لتنتھین یا بنی ولیعۃ! او لابعثن الیکم رجلا کنفسی یمضی فیکم امری یقتل المقاتلۃ ویسبی الذریۃ" اے بنی ولیعہ! (تم اپنی شرارتوں سے باز آجاؤ) ورنہ میں تمہاری طرف ایک ایسے آدمی کو بھیجوں گا، جو بمنزل میرے نفس کے ہے وہ تم میں میرے امر کو نافذ کرے گا وہ تمہارے مردوں کو قتل کرے گا، اور تمہارے بچوں کو قید کرے گا۔" ابوذر بیان کرتے ہیں کہ اس اثناء میں حضرت عمر نے میرے

کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ تمہارا کیا خیال ہے۔ آنحضرتؐ کس شخص کو مراد لے رہے ہیں میں نے کہا تمہیں مراد نہیں لے رہے بلکہ آنجنابؐ کی اس سے مراد خاصف النعل یعنی حضرت علیؑ ہیں۔ جو اس وقت آنحضرتؐ کی نعلین مبارک کو پیوند لگانے میں مشغول تھے۔ اس طرح آنحضرتؐ نے بنی ثقیف کے وفد سے فرمایا "لتسلمن او لا بعثن رجلا منی او قال عدیل نفسی" الخ یعنی اسلام لاؤ ورنہ میں تمہاری سرکوبی کے لئے ایک ایسے آدمی کو بھیجوں گا جو مجھ سے ہے یا یوں فرمایا جو میرے نفس کے برابر ہے وہ تمہاری گردنیں اڑا دے گا۔ تمہاری عورتوں اور بچوں کو قید کرلے گا۔ اور تمہارے مال چھین لے گا! عمر کہتے ہیں کہ میں نے سوائے اس دن[1] کے کبھی امیر بننے کی تمنا نہیں کی۔ ہاں اُس دن میں اکڑ اکڑ کر اپنے آپ کو پیش کرتا تھا۔ محض اس امید میں کہ شاید آنحضرتؐ متوجہ ہو جائیں۔ لیکن آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر دو مرتبہ فرمایا۔ "ھو ھذا" کہ وہ شخص یہ ہے اسی طرح آنحضرتؐ کی مشہور حدیث کہ "ان علیاً منی و انا من علی" بھی اسی مطلب کی تائید مزید کرتی ہے۔ جب ان احادیث سے جناب امیرؑ کی آنحضرتؐ سے مماثلت واضح ہوگئی تو اس سے آپ کی خلافت مطلقہ بھی ثابت ہوگئی کیونکہ خلیفہ کو چاہیے کہ اپنے مستخلف کے کمالات کا آئینہ دار ہو۔

بھلا نفسِ رسولؐ کے ہوتے ہوئے کیونکر کوئی اور شخص آپ کا خلیفہ و جانشین قرار پا سکتا ہے؟

---

[1] کتاب سیر و تواریخ پر نظر رکھنے والے اشخاص حضرت عمر کے اس قول کی تصدیق نہیں کرسکتے کیونکہ کتب تواریخ کی ورق گردانی کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر عموماً ایسے مواقع کی گھات میں رہتے تھے اور ایسے مقامات پر عموماً امارت و سرداری کی تمنا کیا کرتے تھے۔ صحیح مسلم مع شرح نووی ج ۲ ص۲۷۷ سے باسناد ابوہریرہ نقل کیا ہے جب جنگ خیبر میں حضرت ابوبکر و عمر خائب و خاسر ہو کر واپس آئے تو آنحضرتؐ نے فرمایا۔ "لاعطین الرایۃ غداً رجلا کرارا غیر فرار" الخ تو حضرت عمر کہتے ہیں کہ "ما احببت الامارۃ الا یومئذ فتساورت لھا رجاء ان ادعی لھا فقال فدعا رسول اللّٰہ علی ابن ابی طالب فاعطاہ ایاھا" یعنی میں نے کبھی امارت کی تمنا نہیں کی تھی۔ مگر اسی دن۔ میں صبح سویرے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ شاید آپ مجھے علم۔ عطا فرما دیں لیکن آپ نے حضرت علیؑ کو بلا کر جھنڈا ان کے حوالے کر دیا۔ مرزا رفیع نے حملہ حیدریہ میں کیا خوب کہا ہے ؎

عجب نزد کہ ایں آرزو مے نمود ۔۔۔ کہ مہ غیر فرار نہ شنیدہ بود؟

الی غیر ذلک من المواقع العدیدۃ مگر قسمت نے کبھی یاوری نہ کی کہ ایسے شرف سے مشرف ہوتے۔ سچ ہے ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست ۔۔۔ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

(منہ عفی عنہ)

(۸) وہ نصوص جن میں لفظِ تمسک وارد ہے

ابن ابی الحدید نے (شرح نہج البلاغہ ج ۲ ص ۲۶۸) باسناد حافظ ابی نعیم در حلیۃ الاولیا و امام احمد ابن حنبل در مسند و فضائل روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: "من سرہ ان یحیٰ حیاتی و یموت میتتی و یتمسک بالقضیب من الیاقوتۃ التی خلقھا اللہ بیدہ ثم قال لھا کونی فکانت فلیتمسک بولاء علی ابن ابی طالب" جس شخص کو یہ پسند ہے کہ میری ایسی زندگی بسر کرے اور میری ایسی موت مرے اور اس (جنتی) یاقوت کی ٹہنی کو پکڑے جسے خداوند عالم نے اپنے دستِ قدرت سے خلق فرمایا ہے تو اسے لازم ہے کہ علیؑ ابن ابی طالبؑ کی ولایت سے متمسک ہو۔ حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۸۶ طبع مصر کنز العمال، مستدرک حاکم میں باختلاف یسیر، آنحضرتؐ کی یہ حدیث یوں مروی ہے "من سرہ ان یحیی حیاتی و یموت مماتی و یسکن جنۃ عدن التی غرسھا ربی فلیوال علیاً من بعدی فانہ لن یخرجکم من ہدی ولن یدخلکم فی الضلالۃ" جس شخص کو یہ پسند ہے کہ میری ایسی زندگی بسر کرے اور میری ایسی موت مرے اور باغ عدن میں سکونت اختیار کرے۔ جس کو میرے پروردگار عالم نے لگایا ہے۔ تو وہ میرے بعد حضرت علیؑ کو اپنا والی و حاکم قرار دے۔ کیونکہ وہ تمہیں کبھی رشد و ہدایت سے نہیں نکالیں گے۔ اور نہ کبھی ضلالت و گمراہی میں داخل کریں گے" (کذا فی تذکرۃ خواص الامہ ص ۲۳)

اسی طرح حدیث شریف ثقلین بھی اس مطلب پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اس میں عترتِ رسولؐ سے تمسک کو واجب و لازم قرار دیا گیا ہے۔ اور واضح ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ بھی عترت و اہل بیتؑ رسول میں داخل ہیں۔ بلکہ سید العترۃ ہیں۔ اگر شک ہو تو صواعق محرقہ ص ۹۰ پر حضرت ابوبکر کا یہ قول ملاحظہ فرمالیں کہ "علیّ عترت رسول اللہ"۔

یہ احادیث نہایت وضاحت و صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہیں کہ آنحضرتؐ کے بعد حضرت علیؑ ہی امام مفترض الطاعۃ و واجب التمسک ہیں۔ کیونکہ اگر کسی اور شخص کا اتباع خلیفہ ہونے کی حیثیت سے ضروری ہو، تو پھر ان حضرات سے تمسک کرنے کے کوئی معنے نہیں و ذلک اوضح من ان یخفیٰ۔

(۹) وہ نصوص جن میں لفظِ ولایت موجود ہے

اس مقام پر مؤلف علام نے آیہ مبارکہ "انما ولیکم اللہ الخ" اور حدیث شریف "من کنت مولاہ" الخ وغیرہ پیش فرمائی ہیں لیکن چونکہ ہم سابقہ بیانات میں ان پر تفصیلی تبصرہ کر چکے ہیں اس

لئے یہاں تکرار سے پہلو تہی اختیار کی جاتی ہے۔

(۱۰) وہ نصوص جن میں لفظِ منزلت موجود ہے اس عنوان کے ذیل میں مؤلف نے حدیث منزلت یعنی "یا علیؑ انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی" کو شرح و بسط کے ساتھ پیش کیا ہے لیکن چونکہ اس کا تفصیلی بیان بھی اوپر ذکر ہو چکا ہے لہٰذا یہاں اس پر مزید خامہ فرسائی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۱۱) وہ نصوص جن میں لفظ وراثت وارد ہے ان نصوص کے ضمن میں جن میں لفظِ خلیفہ موجود ہے دعوتِ ذوالعشیرہ والی حدیث بحوالہ جات نقل کی جا چکی ہے جس میں لفظ وصی و خلیفہ اور اخ موجود ہیں لیکن اس کے بعض طرق میں لفظ وارث کا بھی اضافہ ہے جیساکہ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ ج ۱ ص ۔ پر بحوالہ تاریخ محمد ابن جریر طبری لکھا ہے نیز ابن ابی الحدید نے بحوالہ مسند احمد ابن حنبل از امام جعفر صادق علیہ السلام نقل کیا ہے۔ کہ "کان علی یریٰ مع رسول اللہ قبل الرسالۃ الضوء و یسمع الصوت وقال لہ صلعم لو لا انی خاتم الانبیاء لکنت نبیاً فان لا تکن نبیاً فانک وصی نبی و وارثہ بل انت سید الاوصیاء و امام الاتقیاء" حضرت علی علیہ السلام حضرت رسولؐ کے مبعوث برسالت ہونے سے بیشتر آپ کے ساتھ روشنی و نور نبوت دیکھتے تھے اور فرشتہ کی آواز کو سنتے تھے، لہٰذا آنحضرتؐ نے فرمایا۔ اگر میں خاتم الانبیا نہ ہوتا۔ تو تم ضرور نبی ہوتے اب اگر تم نبی نہیں تو وصی و وارث نبی تو ضرور ہو۔ بلکہ تم سید الاوصیاء و امام الاتقیا ہو۔ حضرت امیر المومنین نے ان مطالب کو بایں الفاظ بیان فرمایا ہے جیساکہ نہج البلاغہ ج ۲ ص ۱۸۲/۱۸۲ پر مذکور ہیں "اری نور الوحی والرسالۃ واشم ریح النبوۃ قال لی النبی انک تسمع ما اسمع وتریٰ ما اریٰ الا انک لست بنبی ولکنک وزیر" ان احادیث مبارکہ کی دلالت آنجنابؑ کی خلافت و امامت پر ایسی واضح ہے کہ محتاج بیان نہیں ہے؛

ازالۂ اشتباہ کہا جاتا ہے۔ (کما عن ابن ابی الحدید وغیرہ) کہ ممکن ہے کہ ان احادیث میں وراثت سے مراد وراثت مال یا وراثتِ علم ہو نہ خلافت و امامت۔ واضح ہو کہ اس سے وراثت مال مراد لینا بدو وجہ باطل ہے

اولاً اس لئے کہ اہلِ سنت کے خلیفۂ اوّل کا قول ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ "نحن معاشر الانبیاء لا نرث، الخ" یعنی ہم گروہ انبیاء نہ کسی کے وارث ہوتے ہیں اور نہ کوئی ہمارا

وارث ہوتا ہے اسے سب اہلِ سنت صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ بنا بریں وہ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ حضرت امیرؑ آپ کے مال کے وارث تھے" ان ھذا لا تناقض صریح"

ثانیاً اس لئے کہ آنحضرتؐ کے بعد آپ کے چچا (حضرت عباس) اور آپ کی دختر نیک اختر حضرت صدیقۂ کبریٰ سلام اللہ علیہا موجود تھیں۔ اہلِ سنت کے اصولِ وراثت کے مطابق چچا کی موجودگی میں چچازاد بھائی کو کچھ نہیں ملتا۔ بنا بریں آدھا ترکہ حضرت عباس اور آدھا ترکہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کو ملنا چاہیئے۔ اور ہمارے نزدیک سوتیلا چچا سگے بھتیجے کا مانع نہیں ہوتا۔ لیکن اولاد کی موجودگی میں خواہ لڑکے ہوں اور خواہ لڑکیاں کسی دوسرے رشتہ دار کو کچھ نہیں ملتا لہٰذا جب حضرت سیدۂ عالم موجود تھیں، تو حضرت امیر علیہ السلام کس طرح وارث قرار پا سکتے ہیں۔ حالانکہ رسول خدا ان کو اپنا وارث قرار دے رہے ہیں۔ ماننا پڑے گا کہ یہ وراثت وراثتِ مال نہیں بلکہ یہ مراتب و منازل کی وراثت ہے۔ مرتبۂ نبوت دلیل خارجی کی بنا پر اس سے خارج ہے لیکن دوسرے تمام مراتب اس کے عموم میں داخل ہیں اور اس سے وراثت علمی مراد لینا بھی بدو وجہ فاسد ہے۔

اوّلاً اس لئے کہ لفظِ وراثت مطلق ہے جو تمام مراتب کی وراثت کو شامل ہے اس کو وراثتِ علمی سے مقید کرنا بغیر کسی قطعی دلیل کے جائز نہیں۔ (کما لا یخفی علے من لہ ادنیٰ اطلاع علی علم الاصول وان لیس فلیس)

ثانیاً اس لئے کہ اگر اس سے وراثت علمی بھی مراد لی جائے۔ تو اس سے بھی ہمارے مطلب کو کچھ نقصان نہیں پہنچتا، کیونکہ واضح ہے کہ جو شخص وارث علم نبی ہو گا۔ وہی اعلم و افضل ہونے کے سبب سے خلیفہ و امام قرار پائے گا۔ "ولان تفضیل المفضول علے الفاضل قبیح عقلاً و شرعاً"

(۲) وہ نصوص جن میں لفظ احقیت و اولویت موجود ہے ابن ابی الحدید نے بحوالہ تفسیر ثعلبی روایت کی ہے۔ کہ جب جنگِ حنین سے واپسی پر سورہ مبارکہ "اذا جاء نصر اللہ" نازل ہوئی تو آنحضرتؐ نے بکثرت "سبحان اللہ استغفر اللہ" پڑھا پھر فرمایا اے علیؑ یقیناً جس چیز (فتح و فیروزی) کا مجھ سے وعدہ کیا گیا تھا، وہ آگئی اور لوگ فوج در فوج دین خدا میں داخل ہو رہے ہیں۔ اور بے شک میرے قائم مقام ہونے کے لئے تم سے زیادہ کوئی حق دار نہیں۔ تمہاری سبقت اسلامی مجھ سے قرابت قریبہ رکھنے، میرا داماد ہونے، اور تمہارے پاس سیدۃ نساء العالمین کے ہونے کی وجہ سے اور بسبب اس سے پہلے بوقتِ نزول قرآن جو احسان ابو طالبؑ کا میرے اوپر ہے وہ ناقابلِ فراموش ہے اس لئے میں اس امر کا خواہاں ہوں، کہ ان کے بیٹے (یعنی حضرت علی

علیہ السلام) کو اپنا خلیفہ بنا کر جناب ابوطالب کے حقوق کی رعایت کروں۔ اصل الفاظ روایت یہ ہیں۔
وانہ لیس احد احق منک بمقامی لقدمک فی الاسلام و قربک منی وصھرک وعندک سیدۃ نساء العالمین وقبل ذالک ما کان من بلاء ابی طالب عندی حین نزل القرآن فانا حریص ان اراعی ذالک) یہ حدیث شریف حضرت امیرالمومنینؑ کے احق بالخلافۃ ہونے پر بطور نص صریح دلالت کرتی ہے۔ نیز اس حدیث شریف سے یہ بھی واضح ہوتا ہے۔ کہ آنجنابؑ کو یہ احقیت مذکورہ بالا خصال حمیدہ رکھنے کے سبب سے حاصل ہوئی ہے۔ جن کی وجہ سے آپ افضل قرار پاتے ہیں اس سے بھی شیعوں کے اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے۔ کہ افضل ہی کو امام ہونا چاہیئے۔ (کما تقدم تفصیلہ) نیز وہ احادیث جو کہ یوم حشر حضرت امیر علیہ السلام کے صاحب لواء الحمد ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور مسند رکتاب فضائل امام احمد وغیرہ میں مروی ہیں ان سے بھی آنجنابؑ کی احقیت بالخلافت ظاہر ہوتی ہے۔ فراجع

(۱۳) وہ نصوص جن میں لفظِ اختیار موجود ہے

منجملہ ان نصوص کے وہ حدیث ہے جسے ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ ج ۲ ص ۶۸۰ پر حلیۃ الاولیاء سے نقل کیا ہے کہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے زنانِ قریش کی طعنہ زنی سے مجبور ہو کر حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ آپ نے میری تزویج ایک فقیر و نادار آدمی کے ساتھ کر دی ہے جو مال و منال سے بالکل تہی دست ہے۔ آپ نے فرمایا " زوجتک اقدمھم سلما واعظمھم حلما واکثرھم علما اما تعلمین ان اللہ اطلع علی الارض اطلاعۃ فاختار منھا بعلک " میں نے تمہاری تزویج ایک ایسے شخص کے ساتھ کی ہے جو از روئے اسلام سب سے قدیم تر از روئے حلم و بردباری سب سے عظیم تر اور از روئے علم و دانش سب سے برتر ہے کیا تمہیں معلوم نہیں کہ خداوند عالم نے زمین کی طرف ایک نظر انتخاب کی اور اس میں سے تمہارے شوہر کو منتخب قرار دیا (بعض روایات میں ہے کہ جب پہلی نظر ڈالی تو مجھے منتخب کیا اور جب دوسری نظر ڈالی تو تمہارے شوہر کو برگزیدہ کیا۔ (کنزالعمال وغیرہ)

یہ حدیث شریف آنجنابؑ کی خلافت و امامت پر نص ہے کیونکہ خداوند عالم فقط انبیاء اور ان کے اوصیاء ہی کا انتخاب فرماتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ آنجنابؑ نبی نہیں ہیں۔ لہٰذا خلیفہ و نبی ہوں گے۔ علاوہ بریں اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جناب امیر آنحضرتؐ کے بعد سب لوگوں سے افضل ہیں پہلے ثابت کیا جا چکا ہے کہ افضل ہی کو خلیفہ و امام ہونا چاہیئے۔

منجملہ ان نصوص کے آیہ مبارکہ " افمن کان علی بینۃ من ربہ و یتلوہ شاھد منہ " ابن

ابی الحدید نے عبد اللہ ابن حارث سے روایت کی ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ نے ایک دن منبر کوفہ پر فرمایا کہ وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے بینہ اور برہان پر ہے۔ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم ہیں اور وہ شاہد و گواہ جو ان کے پیچھے پیچھے ہے۔ وہ میں ہوں۔ کتاب تفسیر در منثور ج ۳ ص ۳۲۴ میں خود حضرت رسولؐ خدا سے مروی ہے کہ "افمن کان علی بینة الخ" سے مراد میں اور یتلوہ شاہد منہ سے مراد علی بن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔ لہٰذا جس طرح حضرت امیر المومنینؑ تصدیق و تائید پیغمبر میں سب لوگوں سے پیش پیش اور اختیار و انتخاب میں آپ کے پیچھے پیچھے تھے۔ اسی طرح آپ کی وفات حسرت آیات کے بعد آپ ہی بلافاصلہ آپ کے قائم مقام ہوں گے۔ کما لا یخفیٰ۔

(۴) وہ نصوص جن میں لفظ سیادت موجود ہے

ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ ج ۲ ص ۴۵۰ پر کتاب حلیۃ الاولیاء ابی نعیم اصفہانی سے نقل کیا ہے۔ "قال ادعوا لی سید العرب علیا الخ" آنحضرتؐ نے فرمایا: سردار عرب حضرت علیؑ کو میرے پاس بلاؤ کتاب مطالب السؤول (ج ۱ ص ۵۱) میں لکھا ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ النظر الی وجھک عبادۃ انت سید فی الدنیا و سید فی الاخرۃ من احبک احبنی وحبیبی حبیب اللہ وعدوک عدوی وعدوی عدو اللہ۔ "اے علیؑ تمہارے چہرۂ اقدس کی طرف نگاہ کرنا عبادت ہے تم دنیا میں بھی سردار ہو۔ اور آخرت میں بھی سردار ہو۔ جس نے تم سے محبت کی۔ اس نے مجھ سے محبت کی اور میرا دوست خدا کا دوست ہے اور تمہارا دشمن میرا دشمن ہے۔ اور میرا دشمن خدا کا دشمن ہے" سابقاً انس ابن مالک والی حدیث گزر چکی ہے جس میں آنحضرتؐ نے آپ کو سید المسلمین کا لقب جلیل عطا فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔ کہ آنحضرتؐ نے کبھی آپکو سید المسلمین[1] اور کبھی سید العرب۔ اور کبھی سید فی الدنیا والآخرۃ جیسے القاب جلیلہ سے ملقب فرمایا۔ ظاہر ہے۔ کہ

---

[1] سید ابن طاؤس علیہ الرحمۃ نے کتاب الیقین میں کتاب کفایۃ الطالب و کتاب خصائص علویہ تالیف احمد ابن علی ابن نوح اور مناقب ابن مردویہ وغیرہ کتب سے باسانید معتبرہ متعدد احادیث نقل کی ہیں جن میں وارد ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا کہ جب مجھے خداوند عالم آسمان پر لے گیا تو میں ایک قصر میں پہنچا جو موتیوں سے بنا ہوا تھا۔ اور جس کا فرش سونے کا تھا جو جگمگا رہا تھا۔ اس وقت خداوند عالم نے میری طرف وحی کی اور حضرت علیؑ کے لئے تین خصائل حمیدہ کا ذکر فرمایا۔ انہ سید المسلمین و امام المتقین و قائد الغر المحجلین۔ کہ آپ مسلمانوں کے سردار۔ متقیوں کے امام اور سفید پیشانی والوں (مومنین) کے قائد و راہبر ہیں۔ (منہ عفی عنہ)

؎ ہاتھ پاؤں اور

سیادت مطلقہ سے مراد ریاست وحکومت مطلقہ ہے۔ اور واضح ہے کہ ایسی ریاست مطلقہ جس کے دامن میں سب مسلمان اور تمام عرب وغیرہ داخل ہوں، وہ یا نبوت ہو سکتی ہے یا امامت۔ لیکن آنجناب نبی تو ہیں نہیں۔ لہٰذا لامحالہ خلیفہ وجانشین نبی ہوں گے علاوہ بریں یہ احادیث نص صریح ہیں کہ حضرت امیرالمومنینؑ سب مسلمانوں سے بالعموم اور اہل عرب سے بالخصوص افضل ہیں (اور بکرات ومرات ثابت کیا جا چکا ہے کہ افضل ہی امام ہوتا ہے۔

دفع توہم علامہ محمد صبان نے اسعاف الراغبین میں ذکر کیا ہے۔ کہ سیادت سے مراد سیادت نسبی ہے۔ یعنی حضرت علی باعتبار نسب کے سردار عرب ہیں اور یہ آپ کی افضلیت مطلقہ پر دلالت نہیں کرتی یہ توہم بچند وجہ باطل ہے۔

پہلے اگر اس سے فقط نسبی سیادت مراد لی جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ تتمہ حدیث میں وارد شدہ لفظ "انا سید ولد آدم" میں سردار نبی آدم ہوں" سے مراد بھی حضرت رسولؐ کی فقط سیادت نسبی ہو اور آنحضرتؐ سب نبی آدم سے علی الاطلاق افضل نہ ہوں، ولایخفی بطلانہ

دوسرے اگر یہ حدیث علی الاطلاق افضلیت پر دلالت نہ کرتی تو صدور حدیث کے وقت حضرت عائشہ بلبلا کر یہ نہ کہتیں "الست سید العرب یارسول اللّٰہ" (کیا سید العرب آپ نہیں ہیں؟) اور آنحضرتؐ کو یہ کہنے کی ضرورت نہ ہوتی کہ میں تمام نبی آدم کا سردار ہوں اور علیؑ تمام عرب کے سردار ہیں"

تیسرے لفظ سید مطلق ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ آپ ہر لحاظ سے سید ہیں اس کو فقط نسب کے ساتھ مقید کرنا بغیر قطعی دلائل کے جائز نہیں۔ وانی المیس خلیس۔

چوتھے اگر سیادت نسبی مراد ہوتی۔ تو اس میں حضرت امیرالمومنینؑ کی کونسی خصوصیت تھی (نسبی اعتبار سے حضرت جعفر وعقیل برادران حضرت علی علیہ السلام بھی سید ہیں بنابریں حضرت علیؑ کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا، ماننا پڑے گا کہ اس سے مراد صرف سیادت نسبی نہیں بلکہ تمام جہات کے لحاظ سے ریاست مطلقہ وحکومت عظمیٰ مراد ہے۔ ولانعنی من الخلافۃ الا ھذا المعنی۔

(۱۵) وہ نصوص جن میں لفظ محبت اور احب الخلق موجود ہے منجملہ ان نصوص کے حدیث طیر ہے یہ مشہور ومعروف بلکہ متواتر حدیث ہے جس کا ملخص یہ ہے کہ آنحضرتؐ کی خدمت میں ایک دفعہ بھونا ہوا پرندہ پیش کیا گیا۔ آنحضرتؐ نے بارگاہ ایزدی میں بایں الفاظ دعا کی۔ "اللّٰھم ائتنی باحب خلقک الیک لیاکل معی ھذا الطیر" اے پروردگار عالم! تو اپنی مخلوق میں سے اپنے محبوب ترین آدمی کو بھیج دے۔ جو میرے ساتھ مل کر اس پرندہ کو کھائے اس کے بعد حضرت

امیر المومنینؑ تشریف لائے اور آنحضرتؐ کے ساتھ مل کر پرندہ تناول فرمایا۔ روایت میں ہے کہ دو دفعہ درِاقدس پر حضرت امیر علیہ السلام تشریف لائے۔ لیکن ہر مرتبہ انس نے یہ کہہ کر انہیں واپس کر دیا کہ آنحضرتؐ استراحت فرما رہے ہیں جب تیسری مرتبہ تشریف لائے تو آنحضرتؐ کو بھی اطلاع ہوگئی پوچھا کون ہیں؟۔ انس نے عرض کی، حضرت علیؑ ہیں! آپ اجازت ملنے پر اندر تشریف لے گئے۔ آنحضرتؐ نے سبب تاخیر پوچھا آنجنابؑ نے تین دفعہ اپنے آنے اور انس کے دو بار واپس لوٹانے کا تذکرہ فرمایا۔ آنحضرتؐ نے انس کو بلا کر اس کا سبب پوچھا تو اس نے کہا میں یہ چاہتا تھا کہ یہ فضیلت میری قوم کے کسی شخص کو حاصل ہو سکے! واہ رے دین و دیانت صحابیٔ رسولؐ؟ سچ ہے سے

ہر کہ روئے بہبود نداشت   دیدان روئے نبی سود نداشت

اسی طرح حدیث الرایۃ "لاعطین الرایۃ غدا رجلا یحب اللہ و رسولہ و یحبہ اللہ و رسولہ کرار غیر فرار الخ" یہ حدیث معمولی اختلاف الفاظ کے ساتھ بخاری و مسلم وغیرہ صحاح ستہ میں مذکور ہے۔ کتب تواریخ و سیر پر نظر رکھنے والے حضرات پر واضح ہے کہ اس مقام پر بڑے بڑے لوگوں نے امارت کی تمنائیں ظاہر کیں۔ لیکن آنحضرتؐ نے سب کی تمناؤں پر پانی پھیرتے ہوئے فتح و فیروزی کا علم حضرت علی علیہ السلام کو عطا فرمایا۔ یہ احادیث مبارکہ اس امر پر نص صریح ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام سب لوگوں سے زیادہ محبوب خدا و رسول ہیں۔ واضح ہے کہ خدا و رسول کی محبت کثرت فضائل و مناقب اور کثرت جزاء و ثواب کی وجہ سے ہوا کرتی ہے جس قدر کسی کے فضائل و عبادات زیادہ ہوں گے۔ اسی قدر وہ زیادہ مورد محبت الٰہیہ قرار پائے گا جب حضرت امیر خیبر گیر بنص احادیث حضرتؐ بشیر و نذیر "احب الخلق الی اللہ" ہیں تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ میزان فضائل و عبادات میں حضرت علیؑ کا پلّہ سب لوگوں سے بھاری اور وزنی ہے۔ سابقاً افضلیت حضرت امیرؑ کے ضمن میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ معیار افضلیت کثرت فضائل اور کثرت ثواب ہی ہے۔ لہٰذا آنجنابؑ سب لوگوں سے افضل ہوں گے۔ اور جب افضل ثابت ہوں گے۔ تو خلیفہ و امام بھی آپ ہی ہوں گے کیونکہ جو افضل الناس ہوتا ہے۔ وہی امام الناس ہوتا ہے۔ (لقبح تقدیم المفضول علی الفاضل)

(۲) وہ نصوص جن میں لفظ اعلمیت یا اس کے ہم معنی الفاظ موجود ہیں | اس قسم کے نصوص اس قدر کثیر التعداد ہیں جن کا احصار نہیں کیا جا سکتا۔ منجملہ ان کے ایک روایت وہی ہے جو ادپر ابھی ذکر ہو چکی ہے جسے آنحضرتؐ نے جناب سیدہؑ کی تزویج کے موقع پر فرمایا۔ اس میں "و اکثرھم علما" کی لفظ موجود ہے۔ آنحضرتؐ

کی مشہور حدیث ہے "علی اقضاکم" علیؑ تم سب سے بڑے قاضی اور فیصلہ کرنے والے ہیں ظاہر ہے کہ فیصلہ کی عمدگی علوم و فنون اور فراست و کیاست میں مہارت تامہ رکھنے پر موقوف ہے۔

حتیٰ کہ حضرت عمر بھی کہا کرتے تھے: "اقضانا علی" ملاحظہ ہو تاریخ الخلفا صفحہ ۱۷۱ طبع جدید۔ اس سلسلہ میں مشہور و معروف حدیث "انا مدینۃ العلم و علی بابھا" بھی قابلِ لحاظ ہے بہرحال حضرت علیؑ کا اعلم الصحابہ ہونا ایک ایسی مسلمہ حقیقت ہے کہ جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ثبوت کے لئے قطع نظر باقی ادلّہ و براہین کے فقط مسلمانوں کے خلیفہ دوم کا کئی بار لو لا علی لھلک عمر کہنا اور علمی مشکلات میں ان کی طرف رجوع کرنا اور مشکل کشائی کے بعد لو لا الخ کہنا اس مقصد کے اثبات کی کافی و شافی دلیل ہے جب آنجناب سب لوگوں سے زیادہ عالم ہیں تو آپ ہی امام مفترض الطاعۃ اور رئیس امت علی الاطلاق ہوں گے۔ کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ آپ پر حکومت کر سکے۔ ورنہ تہدید و وعید ایزدی اس کے شاملِ حال ہو گی: "افمن یھدی الی الحق احق ان یتبع امن لا یھدی الا ان یھدی فما لکم کیف تحکمون" حضرت علیؑ اعلم الناس ہیں تو آپ ہی امام الناس بھی ہوں گے۔

(۱۱) وہ نصوص جن میں لفظِ اقربیت یا اس کے ہم معنی الفاظ موجود ہیں

پیغمبر اسلام کی حدیث ہے جسے ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں ص (؟) امام احمد بن حنبل کی کتاب فضائل سے نقل کیا ہے اس کا ترجمہ یہ ہے "اے لوگو! اپنے حالات میں قریش کو آگے بڑھاؤ اور ان سے آگے نہ بڑھو ان سے تعلیم حاصل کرو، اور انہیں تعلیم نہ دو، کیونکہ خاندانِ قریش کے ایک آدمی کی قوت دوسرے دو آدمیوں کی قوت کے برابر ہے اور ان کے ایک آدمی کی امانت و دیانت[1] کے برابر ہے۔ اے لوگو! میں تمہیں ان لوگوں کی محبت کی وصیت کرتا ہوں جو قریش میں سے میرے ساتھ زیادہ قریبی تعلق رکھتے ہیں منجملہ ان کے میرے بھائی اور ابن عم علیؑ ابن ابی طالب ہیں ان سے محبت نہیں کرتا مگر مومن۔ اور ان کو دشمن نہیں رکھتا مگر منافق۔ جو شخص ان سے دوستی کرے اس نے مجھ سے دوستی کی اور جو ان سے دشمنی کرے اس نے مجھ سے دشمنی کی اور جو مجھ سے دشمنی رکھے، خدا اس کو جہنم میں معذب کرے گا۔

یہ حدیث بھی آنجناب کی خلافت پر نص ہے کیونکہ جب آنحضرتؐ نے عموماً قوم قریش کو دینی و دنیوی معاملات میں مقدم کرنے اور ان سے تعلیم حاصل کرنے کی وصیت فرمائی تو اس کے بعد بالخصوص حضرت امیر المومنینؑ کا ذکر کرنا اور ان کی اقربیت کا صریح لفظوں میں بیان فرمانا اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ آنجنابؑ سردارِ قریش ہیں اور یہ حقوق آنجنابؑ کو بدرجۂ اتم و اکمل حاصل ہیں، لہٰذا سب دینی و دنیوی امور میں آنجنابؑ

---

[1] دوسرے دو آدمیوں کی دیانت و امانت کے

کو اپنا پیشوا و مقتدا قرار دینا لازم ہے اور کسی امر میں ان پر سبقت اور تجاوز کرنا جائز نہیں ہے۔ ولا نعنی بالخلافۃ الا ھذا المعنیٰ۔

منجملہ ان نصوص کے ایک وہی حدیث ہے جو نصوص "احقیت و اولویت" کے ضمن میں ذکر ہو چکی ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کی احقیت بالخلافت کے اسباب بیان فرماتے ہوئے ایک سبب آپ کے نسبی قرب کو بھی قرار دیا ہے۔ بایں الفاظ "وتقربک منی" اس کی تائید آیہ قرآنیہ "واولوا الارحام بعضھم اولیٰ ببعض فی کتاب اللہ" سے بھی ہوتی ہے کہ بعض رشتہ دار دوسرے بعض سے اولیٰ ہوتے ہیں بمطابق کتاب خدا جب حضرت علیؑ بنص رسولؐ اقرب الی الرسول ہیں تو آپ ہی آنحضرتؐ کے خلیفہ و جانشین ہوں گے۔ وھو المطلوب۔

(۱۸) وہ نصوص جن میں آپ کا ہمیشہ حق کے ساتھ ہونا موجود ہے

وہ حدیث شریف جسے تقریباً تمام اہل سیر و احادیث نے نقل کیا ہے، آنحضرتؐ نے فرمایا "علی مع الحق والحق مع علی"۔ محدث دہلوی ایسے متعصب اشخاص نے بھی اس کی صحت کا انکار نہیں کیا، بلکہ صاف لفظوں میں لکھا ہے "این حدیث را اہل سُنّت علی الرأس والعین قبول دارند"۔ حضرت علیؑ حق کے ساتھ ہیں اور حق ان کے ساتھ ہے۔ حق اُدھر ہی پھر جاتا ہے جدھر حضرت علیؑ پھرتے ہیں، حدیث متواتر ثقلین میں وارد ہے "انھما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض"۔ یقیناً یہ دونوں (قرآن و عترت) آپس میں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس وارد ہوں۔ اس کی تائید مشہور حدیث "یاعلی حربک حربی وسلمک سلمی" اے علیؑ تمہاری جنگ میری جنگ اور تمہاری صلح میری صلح ہے۔ سے بھی ہوتی ہے اور اسی طرح وہ احادیث بھی، جو ان کی محبت و اطاعت کو بمنزلۂ اطاعت و محبت رسولِ خدا ہونے پر دلالت کرتی ہیں وہ اس مطلب کی تائید اکید کرتی ہیں جب آنجنابؑ ہمیشہ حق کے ساتھ ہیں، نہ کبھی آپ حق سے جدا ہوتے ہیں اور نہ کبھی حق ان سے جدا ہوتا ہے۔ تو یہ ان کی عصمت کی قطعی دلیل ہے جس کے بعد آپ ہی واجب التقدیم ہوں گے۔ بالخصوص جب کہ وہ اپنی خلافت حقہ کا مطالبہ بھی کریں، اور متغلبین کو کاذب و خائن اور غاصب و آثم سمجھیں، (ان امور کی تفصیلات ہمارے آئندہ بیانات میں آ رہی ہیں۔ فانتظر انشاء اللہ تعالیٰ) کہ ان لوگوں کی امامت باطل اور آنجنابؑ کی خلافت مطلقہ حق ہے۔ فماذا بعد الحق الا الضلال۔ واللہ الھادی۔

یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ

(۱۹) وہ نصوص جن میں آپ کا خیر الامۃ وخیر الخلق ہونا موجود ہے

اس قسم کی نصوص بکثرت موجود ہیں منجملہ ان کے وہ روایت ہے جسے ابن ابی الحدید نے مسند امام احمد ابن حنبل کے حوالہ سے باسناد مسروق نقل کیا ہے جس میں حضرت عائشہ کا ان سے مجذوم خارجی کے متعلق پوچھنا اور مسروق کا بیان کرنا کہ وہ حضرت علیؑ کے ہاتھوں کا قتل ہوگیا ہے، پھر مسروق کا جناب عائشہ سے حضرت رسولؐ کا واسطہ دے کر پوچھنا کہ آیا آپ نے اس کے متعلق آنحضرتؐ سے کچھ سنا تھا۔ مذکور ہے۔ ہم بخوفِ طوالت فقط جناب عائشہ کے جواب پر اکتفا کرتے ہیں فرماتی ہیں: "نعم سمعتہ یقول انھم شر الخلیقۃ یقتلھم خیر الخلق والخلیقۃ واقربھم عند اللہ وسیلۃ"۔ ہاں میں نے آنحضرتؐ سے سنا تھا فرماتے تھے۔ یقیناً یہ لوگ (خوارج) بدترین خلائق ہیں اور انہیں بہترین خلائق قتل کرے گا جو ازروئے وسیلہ سب لوگوں سے خدا کے قریب تر ہوگا۔ شرح نہج البلاغہ حدیدی ج ص

نیز ابن ابی الحدید نے مدائنی کی کتاب صفین سے باسناد مسروق نقل کیا ہے۔ کہ جب جناب عائشہ کو ذوالثدیہ (رئیس خوارج) کے حضرت علیؑ کے ہاتھوں قتل ہونے کی خبر ملی۔ تو کہا خدا لعنت کرے عمرو ابن عاص پر اس نے مجھے لکھا ہے کہ اس نے اسے اسکندریہ میں قتل کیا۔ اب جبکہ حق واضح ہوگیا۔ تو مجھے کوئی چیز مانع نہیں کہ میں اس امر کا اظہار کردوں جسے میں نے حضرت رسولِ خدا سے سن رکھا تھا۔ آپ فرماتے تھے۔ یقتلہ خیر امتی من بعدی۔ کہ اس (ذوالثدیہ) کو وہ شخص قتل کرے گا جو میرے بعد میری تمام امت سے افضل ہوگا۔ اس کی تائید اس مناظرہ سے بھی بخوبی ہوتی ہے۔ جو دربار عمر بن عبدالعزیز اموی میں ایک ہاشمی نے حضرت علی علیہ السلام کے افضل الامۃ ہونے پر عمر اور دیگر امویین سے کیا تھا۔ جسے ابن ابی الحدید نے شرح نہج ج ص میں باسناد ابن الکلبی نقل کیا ہے۔ ہم بخوفِ طوالت اسے نظر انداز کرتے ہیں، شائقین شرح مذکور کی طرف رجوع فرمائیں، علاوہ بریں بہت سی احادیث میں وارد ہے "علی خیر البشر" "علی خیر ھذہ الامۃ" الی غیر ذلک ان احادیث شریفہ کی ایک معتدبہ تعداد ہم حضرت امیر المومنینؑ کی افضلیت کے اثبات میں سابقاً معہ حوالہ جات نقل کرچکے ہیں ان احادیث سے حضرت امیر علیہ السلام کا فقط صحابہ سے ہی نہیں بلکہ ملائکہ اور سابقہ انبیاء سے بھی افضل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ بھی خلق خدا میں داخل ہیں اور جب حضرت علی علیہ السلام علی الاطلاق خیر الخلق ہیں تو یقیناً ان سے بھی بہتر و برتر ہوں گے ہاں حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ادلہ خارجیہ کی بنا پر اس سے مستثنیٰ ہیں "فیبقی الباقی تحت الاطلاق۔ علاوہ بریں وہ تمام خصالِ حمیدہ جو موجب فضل وفضیلت ہوتی ہیں اور وہ تمام صفات ستودہ جو باعثِ کثرت ثواب ہوتی ہیں، وہ سب حضرت امیر علیہ السلام میں مجتمع ہیں

اور ان کے علاوہ کسی اور شخص میں جمع نہیں، چونکہ یہی دونوں باتیں معیار افضلیت ہیں۔ لہٰذا آنجناب سب سے افضل ہوں گے۔ اور اس افضلیت کے ثبوت کے ساتھ ساتھ آپ کی خلافت بھی ثابت ہو گئی۔

آپ کا نسب شریف اگر نسبی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے۔ تو آپ کا وہ نسب جلیل ہے جس کی ہمسری نہیں کی جا سکتی۔ سارے عرب میں نضر ابن کنانہ کی اولاد جن کو قریش کہتے ہیں۔ بہادری سخاوت، اخلاق حسنہ، مہمان نوازی، شجاعت، فصاحت، بلاغت، حمایت وغیرہ تمام صفاتِ جمیلہ میں مشہور تھے خانہ کعبہ کے کلیدار، موقفِ حج کے ساقی یہی لوگ تھے۔ قریش میں بھی بنی ہاشم کو خاص اعزاز حاصل تھا۔ اور بنی ہاشم میں عبدالمطلب ان تمام اعزازوں کے مالک تھے جو بنی ہاشم کے لئے طرۂ امتیاز ہے۔ عبدالمطلب کے قائم مقام ابوطالب تھے اور حضرت امیرالمومنینؑ انہی ابوطالب کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کی مادرِ گرامی حضرت فاطمہ بنت اسد بن ہاشم تھیں اس لئے مورخین نے لکھا "ھو اول ہاشمی ولد من ہاشمیین" حضرت علیؑ ہی پہلے وہ ہاشمی ہیں جو دو ہاشمیوں سے متولد ہوئے۔ آپ حضرت رسولِ خدا کے چچازاد بھائی اور ہم جد و ہم نسب تھے۔ حضرت عبداللہ اور حضرت ابوطالب تک یہ دونوں بزرگوار یکجا اصلاب طاہرین سے ارحام طاہرات کی طرف منتقل ہوتے چلے آئے اور ان کے آباؤ اجداد کبھی لوثِ کفر و شرک سے ملوث نہیں ہوئے جیسا کہ آنحضرتؐ کی مشہور احادیث اس امر پر دلالت کرتی ہیں۔ "ما افترقت فرقتان من لدن آدم الا کنت فی خیرھا" اور "کنت انا وعلی نوراً واحداً فما زلنا ننتقل من صلب طاھر الی رحم مطھر حتی افترقنا فی عبداللہ وابی طالب"۔ خاندان بنی ہاشم کی نسبی شرافت کے متعلق ہم چند احادیث باب اول میں بذیل شرفِ ہاشمیت درامام ذکر کر چکے ہیں۔ معلوم ہوا کہ حضرت علی علیہ السلام از روئے نسب واصل سب صحابہ سے افضل اور اجل واکرم ہیں۔

آپ اعلم الصحابہ ہیں آپ کا تبحر علمی ایک ایسی ناقابلِ انکار حقیقت ہے۔ جس کا مسلمان تو بجائے خود غیر مسلمان بھی اقرار و اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ قطع نظر خصائص امامت کے ایک تو ذاتی استعداد، وہبی قابلیت، قدرتی ذہانت و فطانت اس پر طرہ یہ کہ خاتم الانبیاء کی تعلیم و تربیت سبحان اللہ! سونے پہ سہاگہ اسی فیض کا اثر تھا کہ آپ چند دن میں علمی میدان میں سرآمد روزگار قرار پا گئے اور چار دانگ عالم میں آپ کے علم و فضل و نبل و کمال کا ڈنکا بجنے لگا۔ اسی تعلیم و تربیت اور خداداد استعداد کا نتیجہ تھا کہ آپ فرمایا کرتے تھے۔ "سلونی قبل ان تفقدونی" کنز العمال ج ۷، ص ۲۲۶ شرف مؤبد ص ۵۸ وغیرہ، اس ہمہ دانی کا نتیجہ تھا کہ آپ فرماتے تھے "لو ثنیت لی الوسادة لحکمت بین

اھل التوراۃ بتوراتھم"۔ اگر میرے سامنے مسندِ قضا بچھا دی جائے تو توراۃ کے ماننے والوں کا توراۃ سے انجیل کو ماننے والوں کا انجیل سے زبور کے ماننے والوں کا زبور سے اور قرآن کے ماننے والوں کا قرآن سے ایسا فیصلہ کروں کہ ہر کتاب پکار اٹھے علیؑ نے حکمِ خدا کے مطابق فیصلہ کیا۔ (ینابیع المودۃ ص۴۰ تفسیر کبیر وغیرہ)، قرآن دانی کا یہ عالم تھا کہ فرمایا کرتے تھے۔ "واللہ ما نزلت من آیۃ فی برّ و بحرٍ و سہل او جبل او سماء او ارض او لیل او نھار الا انا اعلم فی من نزلت و فی ای شیء ... نزلت"۔ صواعق محرقہ ص۷۶ تاریخ الخلفاء ص۱۳۶ کنز العمال ج ۶ ص۳۹۶ وغیرہ، تمام مروجہ علوم و فنون اسی سرچشمۂ علم و عرفان سے پھوٹے۔ تفصیل کے لیے شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ینابیع المودۃ کفایۃ الطالب اور عبقات مجلد مدینۃ العلم ملاحظہ ہوں[1] آپ کی اعلمیت کے ثبوت کے لیے فقط حدیث مدینہ "انا مدینۃ العلم و علی بابھا و انا دار الحکمۃ و علی بابھا" اور حضرت عمر کا کرات و مرات "لولا علی لھلک عمر" اور "اعوذ باللہ من معضلۃٍ لیس لھا ابو الحسن" کہنا کافی و وافی ہیں بعض

---

[1] یہاں اس مطلب کی طرف مختصر سا اشارہ کیا جاتا ہے۔ تمام علوم سے افضل و اشرف علم الکلام والعقائد ہے اس کا سرچشمہ آپ ہی کی ذات ہے علم کلام میں برادرانِ اسلامی کے دو گروہ ہیں۔ "معتزلہ" "اشعریہ"۔ معتزلہ کے بانی واصل بن عطا ہیں، وہ ابی ہاشم کے شاگرد اور ابی ہاشم اپنے والد محمد بن حنفیہ کے شاگرد اور محمد بن حنفیہ اپنے والد ماجد حضرت امیر المومنینؑ کے شاگرد تھے اشعریہ مذہب کا بانی ابو الحسن اشعری ہے جو کہ ابو علی جبائی کا شاگرد ہے اور ابو علی معتزلہ سے تعلق رکھتے ہیں اسلامی علوم میں فقہ بڑا شریف علم ہے۔ آئمہ اربعہ کی فقہ کی انتہا بھی آپ ہی کی ذات والا صفات تک ہوتی ہے امام مالک ربیعۃ الرائے کے شاگرد ہیں اور ربیعۃ الرائے عکرمہ کا اور عکرمہ عبداللہ بن عباس کا تلمیذ ہے اور عبداللہ ابن عباس حضرت امیر علیہ السلام کے شاگرد ہیں امام احمد بن حنبل امام شافعی کے تلمیذ ہیں اور امام شافعی محمد بن الحسن کے اور محمد بن الحسن امام ابو حنیفہ کے اور ابو حنیفہ امام جعفر صادقؑ کے تلمیذ ہیں اور امام جعفر صادق علیہ السلام کا سلسلہ جناب امیر علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ اسی طرح علم التفسیر بھی علوم اسلامیہ میں سے ایک جلیل القدر علم ہے اور یہ علم اکثر و بیشتر عبداللہ بن عباس سے مروی ہے جو مسلمانوں میں بحر العلوم اور استاذ المفسرین مانے جاتے ہیں، اور ابن عباس حضرت امیر علیہ السلام ہی کے شاگرد ہیں۔ اسی طرح علم طریقت والے حضرات بھی بڑے فخر کے ساتھ اپنا سلسلہ آنجنابؑ تک ہی پہنچاتے ہیں۔ اسی طرح علم نحو کی ابتداء بھی جناب ہی کی ذات بابرکات سے ہوئی ہے انہوں نے ابو الاسود دئلی کو اس علم کے چند اصول و قواعد بتلائے تھے۔ (شرح نہج البلاغہ حدیدی ج ۱ ص۶)

(منہ عفی عنہ)

روایات میں تصریح موجود ہے "اعلم امتی علی ابن ابی طالب" (مناقب خوارزمی وغیرہ) معلوم ہوا کہ آنجناب تمام علوم میں تمام صحابہ سے اعلم واکمل ہیں۔ اس سے آپ کا افضل ہونا بھی ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ اعلم وغیر اعلم برابر نہیں ہو سکتے ہل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون انما یتذکر اولوا الالباب

آپ احلم الصحابہ ہیں

آپ کا علم صنو منار کی طرح واضح و آشکار ہے ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ حلم میں بھی دیگر صفات جلیلہ، آنجناب کا جواب نہیں مل سکتا آپ کے حلم کی یہ کیفیت تھی کہ باوجودیکہ آپ کو علم تھا کہ عبدالرحمٰن ابن ملجم آپ کا قاتل ہے جس کا اظہار کئی بار فرما چکے تھے۔ لیکن پھر بھی اس کو اپنے دیار و امصار میں رہنے دیا اور برابر عطا و نوال سے نوازتے رہے۔ اسی طرح مروان ابن الحکم ایسے الدّ الخصام کو جمل کے دن معافی دے دی۔ عبداللہ بن زبیر ایسے عنصر خبیث کو بر سر منبر آپ پر سب و شتم کرتا تھا چھوڑ دیا۔ جنگ صفین میں پانی پر قبضہ حاصل کرنے کے بعد شامیوں کے لئے پانی کی عام اجازت دے دینا بھی اسی خدا داد حلم و بردباری کا نتیجہ تھا، باوجودیکہ اس سے قبل جب تک پانی شامیوں کے قبضہ میں تھا، انہوں نے آپ کو پانی دینے سے انکار کر دیا تھا نیز آنجناب نہایت ہشاش بشاش اور فرخندہ رو تھے، بایں ہمہ قدرتی ہیبت و دبدبہ ایسا تھا کہ کسی کو آپ کی بارگاہ میں ابتداءً کلام کرنے کا یارا نہیں ہوتا تھا۔ وھو مصداق ما قیل فی حق ولدہ علی بن الحسین علیہما السلام۔ ؎

یغضی حیاءً و یغضیٰ من مھابتہٖ ۔۔۔۔ فلا یکلم الا حین یتبسم

آپ اظہار اسلام میں اسبق الصحابہ ہیں

تمام اہل اسلام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ آنجناب نے کبھی کفر و شرک کا ارتکاب نہیں فرمایا، اسی لئے آپ کے نام نامی کے ساتھ "کرم اللہ وجہہ" لکھا جاتا ہے ملاحظہ ہو صواعق محرقہ ص ۷۲ طبع مصر قدیم) تمام شیعہ خیر البریہ اور محققین اہل سنت اس امر کے قائل ہیں، کہ آنجناب نے ہی سب سے پہلے اظہار اسلام فرمایا، اور تصدیق رسولؐ کی بلکہ ابن عبدالبر نے استیعاب (ج ۲ ص ۴۵۷) میں آپ کی سبقت اسلامی پر دعویٰ اجماع کیا ہے۔ زیادہ دور جانے کی کیا ضرورت ہے جب خود پیغمبر اسلام نے صاف لفظوں میں فرمایا "اولکم اسلاماً علی ابن ابی طالب" (تم سب میں پہلے اسلام ظاہر کرنے والے حضرت علی ہیں) (استیعاب ج ۲ ص ۴۵۷ بتفاوت یسیر) نیز (استیعاب ابن عبدالبر ج ۲ ص ۴۶۰) پر آنحضرت کا یہ ارشاد بایں الفاظ مذکور ہے "وانہ اول اصحابی اسلاماً و اکثرھم علماً و اعظمھم حلماً۔" الخ اب بھی کسی مسلمان کو اس امر کے صحیح ماننے میں شک و شبہ ہو سکتا ہے؟ سوائے اس کے

جسے خود آنحضرتؐ کی رسالت کا اعتقاد نہ ہو۔ خود حضرت امیر علیہ السلام برسرِ منبر ڈنکے کی چوٹ فرمایا کرتے تھے

انا اول من صلی و اول من آمن باللہ و رسولہ و لم یسبقنی الی الصلوٰۃ الا نبی اللہ ۔

(استیعاب ج ۲ ص ۴۵۸ و ۴۵۹ بتفاوت یسیر) یعنی میں پہلا وہ شخص ہوں جس نے نماز پڑھی ہیں پہلا وہ شخص ہوں جس نے خدا و رسولؐ پر ایمان لانے کا اظہار کیا۔ سوائے رسولِ خدا کے کسی نے مجھ پر نماز پڑھنے میں سبقت نہیں کی۔ [۱]

اس روایت شریفہ سے ان لوگوں کے زعم کا بطلان بھی واضح و عیاں ہو گیا جو کہتے ہیں کہ صنفِ نازک میں سے حضرت خدیجہؑ آپ سے پہلے مشرف باسلام ہوئیں اور مردوں میں ابوبکر اور لڑکوں میں سے حضرت علیؑ جیسا کہ تاریخ الخلفاء سیوطی وغیرہ میں مذکور ہے۔ آنجناب کی سبقت الی الاسلام کی روایتوں سے طبری و واقدی ابن اسحاق ابن شہاب زہری عبداللہ ابن محمد ابن عقیل اور قتادہ وغیرہم کی کتب مملو و مشحون ہیں۔ یہ امر صدر اول میں اس قدر مشہور و معروف تھا کہ اس زمانہ کے مشہور شعراء نے اسے اپنے اشعار آبدار میں بڑے پر زور الفاظ میں ذکر کیا ہے تنشیطِ خاطر کے لئے فقط چند شعر یہاں درج کئے جاتے ہیں۔ عبداللہ ابن ابی شبعان کہتا ہے ؎

وان ولی اللہ بعد محمد — علی وفی کل المواطن صاحبہ

وصی رسول اللہ حقاً وصنوہ — واول من صلی ومن لان جانبہ

ابو سلیمان ابن حرب اور بروایتے فضل ابن عباس ...... کہتا ہے۔ ؎

ماکنت احسب ان الامر منصرف — عن ھاشم ثم منہا عن ابی حسن

الیس اول من صلی لقبلتکم — واعلم الناس بالاحکام والسنن

واقرب الناس عہدا بالنبی ومن — جبریل عون لہ فی الغسل والکفن

سعید ابن کیف ہمدانی کہتا ہے ؎

ھذا علی و ابن عم المصطفےٰ — اول من اجابہ فی ما روی

(شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید)

---

[۱] اس مقام پر ایک سالخوردہ جنگ کا ایک واقعہ یاد آگیا ہے ایک دفعہ حضرت ابوبکر صاحب نے برسرِ منبر معلوم کس ترنگ میں یہ کہہ دیا کہ میں وہ شخص ہوں جس نے کبھی بتوں کو سجدہ نہیں کیا اس پر حضرت عمر نہایت برافروختہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کیا کہتے ہو! کیا فلاں فلاں مقام بھول گئے ان مقامات کی نشاندہی کی جہاں دونوں دوست اکٹھا بتوں کی پوجا پاٹ کیا کرتے تھے) یہ سن کر خلیفہ صاحب اپنا سا منہ لیکے رہ گئے۔ اور کچھ جواب نہ بن پڑا۔ شرح قسطلانی ج ۶ ص ۱۵۲ (منہ عفی عنہ)

خود آنجنابؑ کا یہ شعر بہت مشہور ہے جو اس مطلب پر نص صریح ہے:-

سبقتکم الی الاسلام طراً　　غلاماً ما بلغت اوان حلمی

میں نے اس وقت تم سب سے اظہارِ اسلام میں سبقت کی جبکہ میں سنِ بلوغ کو بھی نہیں پہنچا تھا۔ (تاریخ ابوالفلاح ص۱۱ طبع مصر وغیرہ)، ابن ابی الحدید نے اس مقام پر داد انصاف دیتے ہوئے خوب لکھا ہے المخالف فی سبق ایمان علی شاذ لا یعتد بہ" حضرت علیؑ کے سابق الاسلام ہونے میں جو اشخاص مخالف ہیں وہ نہایت ہی شاذ و نادر ہیں۔ جن کی کوئی پروا نہیں کی جاتی۔ انہی حقائق کی بناء پر علامہ ابن حجر عسقلانی کو یہ اقرار کرنا پڑا کہ" الراجح انہ اول من اسلم۔ ترجیح اسی قول کو ہے کہ آپ نے سب سے پہلے اسلام کا اظہار کیا (تقریب التہذیب ص۲۴۳) اس مقام پر برہان الدین حلبی نے بڑے پتے کی بات کہی ہے" و اما علی بن ابی طالبؑ فلم یکن مشرکاً باللہ ابداً لانہ کان مع رسول اللہؐ فی کفالتہ کاحد اولادہ یتبعہ فی جمیع امورہ فلم یحتج ان یدعیٰ الاسلام فیقال اسلم۔ (یعنی حضرت علیؑ کے اسلام لانے کی بحث ہی غلط ہے کیونکہ وہ) تو کبھی کافر و مشرک رہے ہی نہیں کیونکہ آپ ابتداء ہی سے جناب رسولِ خدا کی کفالت میں ان کی اولاد کی طرح رہے جو تمام امور میں آنحضرتؐ کی پیروی کرتے تھے اس لیے ان کو اس بات کی ضرورت ہی نہ تھی کہ انہیں اسلام لانے کی دعوت دی جاتی اور کہا جاتا کہ اسلام لائیے (کیونکہ وہ پیدائشی مسلمان تھے) (سیرت حلبیہ ج اص طبع مصر) جب آنجنابؑ اظہار ایمان و اسلام میں تمام صحابہ سے اسبق و اول ہیں تو آپ ہی سب سے افضل و اجل ہوں گے۔ لقولہ تعالےٰ السابقون السابقون اولئک المقربون" جو مقرب ہوگا۔ اس کا ثواب زیادہ ہوگا اور جس کا ثواب زیادہ ہوگا۔ وہ افضل ہوگا جو افضل ہوگا وہی خلیفہ و امام ہوگا۔ کما مر غیر مرۃ۔

آپؑ اشجع الناس ہیں

آپؑ کا سب صحابہ سے اشجع بلکہ سوائے پیغمبرِ اسلام کے تمام نبی آدم سے اشجع ہونا کالشمس فی رابعۃ النہار واضح و آشکار ہے یوں تو دنیا میں بڑے بڑے بہادر گزرے ہیں لیکن علیؑ کا مثل چشمِ فلک نے نہیں دیکھا۔ ابن ابی الحدید ج اص۷ لکھتے ہیں" اما الشجاعۃ فانہ انسی ذکر من کان قبلہ و محی اسم من یاتی بعدہ فمقامات فی الحرب مشہورۃ یضرب بہا الامثال و ہو الشجاع الذی ما فر قط ولا ارتاع من کتیبۃ ولا بارز احداً الا قتلہ ولا ضرب ضربۃ قط فاحتاجت الاولی الی الثانیۃ۔ حضرت علیؑ کی شجاعت کے بارے میں اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ آپ نے گذشتگان کا ذکر بھلا دیا اور آئندہ آنے والوں کے نام کو دفترِ شجاعت سے محو کر دیا۔ جنگوں میں

آپ کے مقامات و حالات ایسے مشہور ہیں جو ضرب الامثال بن گئے ہیں حضرت علیؑ ایسے شجاع ہیں جنہوں نے کبھی کسی میدان سے فرار نہیں کیا اور نہ کبھی کسی لشکر سے گھبرائے وہ کسی کے مقابلے میں نہیں گئے مگر اس کو قتل کر کے چھوڑا اور کبھی ان کی پہلی ضربت کو دوسری کی احتیاج نہیں ہوئی کیونکہ پہلی ضربت ہی سے مدمقابل کا کام تمام ہو جاتا تھا، آپ ہی کی تلوار آبدار نے صنادید کفار کو ان کے کیفر کردار تک پہنچایا، اور آپ ہی کے دفاعی جنگی کارناموں سے شجر اسلام پھولا پھلا اور پروان چڑھا حتیٰ کہ ہاتفان غیبی نے آپ کی شجاعت و شہامت کے آسمانوں میں قصیدے پڑھے "لا فتی الا علی لاسیف الا ذوالفقار (بعد ازاں اس مقام پر مؤلف علام نے جنگ بدر و احد اور حنین وغیرہ میں آپ کی شجاعت و بہادری کے زریں کارناموں کا تذکرہ فرمایا ہے جسے ہم اختصار کے پیش نظر نظر انداز کر رہے ہیں۔ یہ واقعات ایسے مشہور و معروف ہیں کہ مسلمانوں کا بچہ بچہ ان سے واقف ہے آنجا کہ عیاں است چہ حاجت بیان است، شائقین تاریخ کی کتب مبسوطہ کی طرف رجوع فرمائیں)

آپ اسخی الناس ہیں

اس صفت میں بنی ہاشم عموماً اور آل محمد خصوصاً اور ان میں بھی حضرت علیؑ کی سخاوت اس حد پر تھی، کہ فقراء و مساکین کے سامنے آپ نے کبھی اپنی یا اپنے اہل و عیال کی احتیاج کا کبھی خیال نہ کیا اکثر یہودیوں کے باغ میں دن بھر مزدوری کر کے واپس پلٹتے راہ میں سائل مل گیا، اُجرت کی رقم اسے دے کر خالی ہاتھ واپس گھر آئے۔ بسا اوقات قرض لے کر دوسروں کی حاجت روائی کرتے تھے۔ گھر میں تین دن سے بچے بھوکے پڑے ہیں، اگر کہیں سے کچھ مل گیا تو کسی کی حاجت روائی کر دی، دوسروں کی تکلیف کے سامنے اپنی اور اپنے اہل و عیال کی تکلیف بھول جاتے تھے۔ ساری دنیا میں یہ خصوصیت صرف حضرت علی علیہ السلام ہی کے دروازہ کو حاصل تھی، کہ سائل کبھی محروم نہیں پلٹا، آپ کی سخاوت کے متعلق کتب تواریخ میں اتنے واقعات لکھے ہیں کہ ان کا شمار دشوار ہے آپ کی سخاوت کے ثبوت میں سورہ ھل اتی کافی و وافی ہے۔ واقعات معلوم ہیں کہ تین دن تک اپنی اور اپنے اہل و عیال کی قوت لایموت یتیم و مسکین اور اسیر کو دے دی۔ جس کی حکایت خداوند عالم نے سورہ ھل اتی کی آیات میں کی ہے "و یطعمون الطعام علی حبہ مسکیناً و یتیماً و اسیراً" الخ امام اہل سنت شعبی سے نقل کیا گیا ہے۔ کہ آنجنابؑ کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ آپ نے کبھی کسی سائل کے جواب میں نہیں نہیں فرمائی ولنعم ما قیل

ع ما قال لا قط الا فی تشھدہ   لو لا التشھد کانت لاءہ نعم

آپ نے کبھی کلمۂ "لا" سوائے تشہد کے (اشھد ان لا الہ الا اللہ الخ) اپنی زبان پر جاری

نہیں فرمایا اگر تشہد نہ ہوتا تو آپ کی "لا" (نہیں)، "نعم" (ہاں) سے تبدیل ہو جاتی" آنجناب کے تمام صحابہ بخیلی وجواد ہونے کی شہادت کے لئے آیہ نجویٰ کافی ووافی ہے کیونکہ باتفاق مفسرین یا ایھا الذین آمنوا اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجواکم صدقۃ الآیۃ "اے ایمان والو! جب رسولؐ سے کوئی راز کی بات کرنا چاہو تو اپنے اس رازونیاز سے پہلے صدقہ دے دیا کرو، سب صحابہ آنحضرتؐ سے نجویٰ کرنے سے رک گئے سوائے حضرت امیر المومنینؑ کے کہ ان کے پاس فقط دس درہم تھے ہر دفعہ ایک درہم صدقہ دے کر آنحضرتؐ کی خدمت میں مشرف ہوئے اور دس مسائل دینیہ پر گفتگو کی۔ اس کے بعد یہ آیت منسوخ ہو گئی۔ ملاحظہ ہو۔ تفسیر در منثور ینابیع المودۃ غایۃ المرام وغیرہا

روایات میں ہے کہ آنجنابؑ نے اپنے کسب حلال سے ایک ہزار غلام آزاد کئے تھے

سخاوت ہو تو ایسی ہو

آپؑ ازہد الناس ہیں

آپ کا زاہد ترین مردم ہونا ایک نہایت واضح حقیقت ہے دنیا میں زاہد بہت گزرے ہیں لیکن حضرت علیؑ جیسا زاہد۔ نہ آنکھوں نے دیکھا نہ کانوں نے سنا سب کے حالات دیکھنے کے بعد یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت علیؑ کا زہد اپنی مثال آپ تھا، بلکہ آپ سید الزہاد اور بدل الابدال تھے۔ آپ کے زہد کا یہ عالم تھا کہ کبھی سیر ہو کر طعام تناول نہیں فرمایا۔ آپ کا لباس خشن و درشت ہوتا تھا اور غذا سادہ۔ اکثر اوقات روکھی روٹی پر اکتفا فرماتے تھے۔ اگر اس سے تجاوز کرتے تو نمک کے ساتھ تناول فرماتے کبھی اس سے بھی ترقی کی تو کسی سبزی کے ساتھ روٹی کھالی، زیادہ سے زیادہ کبھی دودھ استعمال کر لیا۔ اور جس عہد میں آپ یہودیوں کے باغات کی مزدوری سے بسر اوقات کرتے تھے۔ اگر اس طرح کی زندگی بسر کرتے تو تعجب نہ تھا لیکن جب خلافت اسلامی پر جلوہ افروز تھے شاہی خزانہ قبضہ میں تھا، اموالِ سلطنت دوسروں پر تقسیم فرماتے تھے اس عہد میں بھی ذرہ برابر فرق نہ آیا وہی موٹا کم قیمت بوسیدہ لباس پہنتے رہے آپ کا لباس آپ کے غلاموں اور خادموں سے بھی معمولی ہوتا تھا۔ عبد اللہ ابن ابی رافع بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں آنجنابؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے ایک مہر لگی ہوئی تھیلی منگوائی جب کھولا تو اس میں ایک خشک نان جویں موجود تھی میں نے آنجنابؑ کے ساتھ مل کر اسے کچھ کھایا۔ بعد ازاں میں نے عرض کی یا امیر المومنینؑ آپ نے اس پر پر مہر کیوں لگا رکھی ہے فرمایا مجھے اپنے ان دو لڑکوں (حضرات حسنین شریفین علیہما السلام) سے خوف ہے کہ (از روئے محبت) اس کو زیتون یا گھی سے چرب نہ کر دیں قوشجی (شارح تجرید) لکھتے ہیں کہ ھذا شیئی اختص بہ علی ولم یشارکہ فیہ غیرہ ولم ینل احد بعض درجتہ زہد و تقویٰ کا یہ

وہ درجہ رفیعہ ہے کہ جس کے ساتھ حضرت امیر المومنین ہی مختص ہیں اس میں آپ کا اور کوئی شریک نہیں مل سکتا۔ اور کوئی شخص اس درجہ کے بعض حصہ کو بھی حاصل نہیں کر سکا۔ آنجناب کے دنیائے دون سے خطابات زبان زد خلائق ہیں فرماتے ہیں "یا دنیا یا دنیا الیک عنی ابی تعرضت ام الی تشوقت لاحان حینک غری غیری لاحاجۃ لی فیک وقد طلقتک ثلاثا لا رجعۃ فیھا فعیشک قصیر وخطرک یسیر وملکک حقیر" اے دنیا دور ہو میرے پاس سے دفان ہو۔ تو میرا اشتیاق رکھتی ہے؟ کبھی تیرا یہ وقت نہ آئے۔ میرے غیر کو دھوکہ دے۔ مجھے تیری ضرورت نہیں ہے میں نے تجھے طلاق دیئے جس کے بعد رجوع نہیں ہو سکتی۔ تیری زندگی کوتاہ، تیری وقعت کم اور تیرا ملک حقیر ہے۔ اس دنیا کی حقارت کو بعض دفعہ ان الفاظ میں بیان فرماتے تھے: "واللہ لدنیاکم ھذہ اھون فی عینی من عراق خنزیر فی ید مجذوم" بخدا یہ دنیا میری نظر میں اس خنزیر کی ہڈی سے بھی پست تر ہے جو ایک جذام رسیدہ آدمی کے ہاتھ میں ہو۔ بہر حال آنجناب کے زہد و تقویٰ کے اخبار و آثار حد احصار و شمار سے متجاوز ہیں

آپؑ اعبد الناس ہیں

آنجناب کا سب لوگوں سے زیادہ عبادت گزار ہونا ایک ایسی مسلم حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بات متواتر ہے کہ آپ ہر شب و روز میں ہزار رکعت نماز نوافل پڑھا کرتے تھے۔ اسی طرح عموماً صائم النہار اور قائم اللیل رہتے تھے یہاں تک کہ خود جناب سے مروی ہے کہ مجھے گرمیوں کے روزہ سے بڑھ کر اور کوئی چیز زیادہ محبوب نہیں۔ ابن ابی الحدید کہتے ہیں کہ تمہارا اس شخص کی عبادت و اطاعت کے متعلق کیا خیال ہے؟ جس کی محافظت علی الصلوٰۃ والا ورد کا یہ عالم ہو کہ لیلۃ الہریر میں دو صفوں کے درمیان مصلیٰ عبادت بچھا کر نماز پڑھنا شروع کر دے اور دشمنوں کے تیر بارش کی طرح برس رہے ہوں۔ اور آپ کے آگے پیچھے دائیں بائیں گر رہے ہوں لیکن وہ مطلقاً خائف و ہراساں نہ ہو بلکہ نہایت اطمینان قلب کے ساتھ اپنے وظیفۂ عبودیت کو انجام دے۔ تمہارا ایسے شخص کی عبادت کے متعلق کیا خیال ہے جس کی پیشانی اقدس پر کثرت سجود کی وجہ سے اونٹ کے گھٹنے کی طرح گھٹا پڑ گیا ہو؟ حضرت علیؑ ابن الحسینؑ سے باں ہمہ عبادت جس کی وجہ سے آپ کا لقب ہی زین العابدین و سید الساجدین ہو گیا تھا۔ پوچھا گیا کہ آپ کی عبادت کو آپ کے جد امجد حضرت علیؑ کی عبادت سے ؎ نسبتی۔ (شرح حدیدی)۔ خلاصہ یہ کہ آپ کی عبادت و اطاعت اور زہد و تقویٰ اس حد تک پہنچا ہوا تھا کہ خدا و رسول نے آپ کو امام المتقین و امیر المومنین ایسے القاب جلیلہ سے ملقب فرمایا۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

؎ کیا نسبت تھی؟ فرمایا وہی نسبت ہے جو میرے جد امجد کو حضرت رسول خدا کی عبادت سے تھی (شرح نہج حدیدی)

آپؑ ازروئے حفظِ قرآن احفظ الصحابہ ہیں

روایاتِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ آنجنابؑ نے عہدِ رسالت میں ہی قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ آپ کے سوا اور کوئی شخص اس وقت حافظ قرآن نہ تھا۔ آپ ہی پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے قرآن مجید کو جمع فرمایا اور اس کی جمع و ترتیب میں کسی سے امداد مانگیں اور کوچوں میں ندا کرتے پھرتے تھے۔ کہ جس کے پاس قرآن کا کچھ حصہ ہو وہ ہمارے پاس لائے یہ سب ایسے حقائق ہیں، جنہیں مخالفین تسلیم کرتے ہیں (تفسیر اتقان وغیرہ ملاحظہ ہو) قرأ سبعہ میں سے اکثر قاری مثل ابی عمرو بن علاء و عاصم ابن ابی النجود، وغیرہ قرأت میں آپ ہی سے سند لیتے ہیں کیونکہ یہ ابی عبد الرحمٰن السلمی کے شاگرد تھے اور اسے حضرت امیر المومنین سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ اسی طرح سب مفسرین علموما عبد اللہ ابن عباس سے تفسیر اخذ کرتے ہیں اور وہ ان کے ہاں بحر العلوم اور رئیس المفسرین کے القاب سے مشہور ہیں، یہ ابن عباس حضرت امیر المومنینؑ ہی کے تلمیذ تھے۔

آپؑ افصح الناس ہیں

یہ ایک نہایت بیّن حقیقت ہے جس کے ثبوت کے لئے آپ کے خطب و مواعظ و رسائل اور ان کے مطالب عالیہ و معانی غالیہ و علوم توحید و کیفیت سلوک اور عالم علوی و سفلی، جسمانی و روحانی، مادی و مجرد کے حالات و صفات و کیفیت انشاء کی خبر و اطلاع دینا ہی کافی و وافی ہے جس کا عشر عشیر بھی باقی صحابہ نہیں جانتے تھے اگر جانتے تھے تو اس کو اس طرح فصاحت و بلاغت کے ساتھ ادا نہیں کر سکتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ رسولِ خدا کے کلام حق ترجمان کے بعد کسی بشر کا کلام آپ کے کلام معجز نظام سے ٹکر نہیں لے سکتا، بعض بلغاء نے یہاں تک کہا ہے کہ آنجنابؑ کا کلام "تحتِ کلام الخالق و فوق کلام المخلوق" نظر آتا ہے۔ آپ ہی سے لوگوں نے خطابت و کتابت سیکھی اور آپ کے افصح الناس ہونے کے ثبوت میں آپ کے کلام معجز نظام کا قیمتی مجموعہ جو آج کل "نہج البلاغہ" کی شکل میں موجود ہے، ہی کافی و وافی ہے۔

آپؑ ازروئے رائے اصوب الصحابہ ہیں

اس صفت میں آنجنابؑ کے تمام صحابہ سے اجل و اکمل ہونے کے ثبوت کے لئے یہی کافی ہے کہ سب اصحاب نبی بالخصوص مسلمانوں کے خلفاء راشدین تمام بڑے بڑے امور میں آپ سے مشورہ؀ و استفادہ کرنا مشہور و معروف ہے۔ اسی طرح اگر جناب عثمان ان ناسازگار حالات میں آپ کے قیمتی مشوروں پر عمل کرتے تو ہرگز انہیں ان حالات سے دوچار نہ ہونا پڑتا جو مروان ابن حکم وغیرہ کی تدلیس و فریب کاری سے انہیں درپیش آگئے۔ اس طرح جب اہل شام نے جنگ صفین میں نیزوں

؀ لیتے تھے۔ جناب عمر کا بہت سے واقعات میں آپ کے مشورہ سے ... م دیانت طلب نہیں بخلاف ان کے جب شیخین نے قرآن جمع کرانا چاہا تو ان کے منادی

پر قرآن بلند کئے تو آنجناب نے اپنے ہمراہیوں سے صاف فرما دیا تھا۔ کہ یہ محض حیلہ اور مکاری ہے تم ان سے جنگ کرتے رہو۔ لیکن جب انہوں نے آپ کا فرمان نہ مانا تو نتیجہ وہی نکلا جو آپ نے فرمایا تھا۔ لیکن بایں ہمہ لوگوں کا آپ سے متفرق ہو کر آپ کے اعداء سے ملحق ہو جانا اس کا سبب سوائے اس کے اور کوئی نہیں کہ آنجناب نہایت شدت کے ساتھ حکم شریعت کی پابندی کرنے اور سُنّتِ رسول قائم کرنے پر حریص تھے۔ اور دنیائے دون کے حصول کے لئے ناجائز ذرائع اور غلط حیلے استعمال کرنے سے قطعاً اجتناب و احتراز فرماتے تھے آپ اپنے امور میں شریعت محمدیہ سے سرمو تجاوز نہیں فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ کا مشہور و معروف ارشاد ہے۔ "لو لا التقیٰ لکنت ادھی العرب اگر تقویٰ الٰہی مانع نہ ہوتا تو میں سب عربوں سے زیادہ چالاک ہوتا (نہج البلاغۃ ج ۲ ص ۲۰۶ طبع مصر)

آپؑ اعدل الناس ہیں

آنجنابؑ کا لوگوں کے درمیان تقسیم اموال میں مساوات قائم کرنا اور کسی کو کسی پر ترجیح نہ دینا نہ قوی کو ضعیف پر نہ شریف کو وضیع پر نہ رشتہ دار کو اجنبی پر مسلّم و مشہور ہے جب طلحہ و زبیر نے اپنے حصّہ میں زیادتی کا مطالبہ کیا تو آنجنابؑ نے اسے مسترد کر دیا۔ اسی طرح جب آپکے حقیقی بھائی حضرت عقیلؓ نے اپنے مقررہ حصّہ سے زیادتی کا مطالبہ کیا تو آنجنابؑ نے جو انکے ساتھ سلوک کیا وہ مشہور و معروف ہے۔ بہرحال آنجنابؑ اپنی رعایا پر بیحد مہربان تھے، تمام ملک میں ہر ایک کی تکلیف کو اپنی تکلیف اور ہر ایک کی مصیبت کو اپنی مصیبت سمجھتے تھے۔ اگر کسی حاکم کے بارے میں کوئی شکایت پہنچی کہ رعایا کو اذیت پہنچاتا ہے تو آپ اس کو سخت الفاظ میں تنبیہ فرماتے تھے جب کوئی فیصلہ فرماتے تو اپنی رائے میں دوست دشمن، موافق، مخالف کسی کی رعائت نہ کرتے، سب کو ایک نگاہ سے دیکھتے تھے۔ بیت المال کی تقسیم کچھ لوگوں کی خود غرضیوں کی بدولت غیر منصفانہ قائم ہو چکی تھی سب سے پہلے اس کی اصلاح کی اور تمام رعایا پر مساوی حیثیت سے اسے تقسیم کیا جب کہیں سے خراج آتا تھا تو اسی دن بہ حصّہ مساوی بانٹ دیتے تھے۔ نہ اپنے لئے کبھی کوئی چیز مخصوص کی نہ کسی قرابت دار یا عہدے دار کے لئے۔ جب مال تقسیم ہو جاتا تھا تو بیت المال میں اپنے ہاتھ سے جھاڑو دے کر اور وہاں مصلّٰی بچھا کر نماز پڑھتے تھے۔ پھر فرماتے تھے اے زمین! گواہ رہ مسلمانوں کا مال تجھ میں علیؑ نے کبھی جمع نہیں کیا۔ مال کی تقسیم میں یہاں تک احتیاط فرماتے تھے کہ چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی اگر رہ جاتیں تو ان کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے تقسیم کر دیتے۔ اصفہان سے کچھ مال آیا اس میں ایک روٹی بھی تھی۔ آپ نے جب دوسرے مال کے حصّے کئے تو روٹی کے بھی سات حصّے کئے، پھر تمام مستحقین پر اسے برابر برابر تقسیم کر دیا، ہمیشہ بیت المال کا انتظام اپنے ہاتھ میں رکھا خزانچی سے حساب کر کے اہل اسلام پر خود تقسیم فرماتے تھے۔" (از سید الاوصیاء)

آنجناب کی یہی مساوات وعدالت تھی جو بعض نفس پرستوں اور ہوا وہوس کے بندوں کو ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی اور ان کی آپ سے علیحدگی کا باعث بھی یہی بنی۔ جیسا کہ ارباب علم واطلاع پر مخفی ومستور نہیں ہے۔

آپ اقوم الناس علی حدود اللہ ہیں آنجناب کا اقامہ حدود الٰہی کا نہ صرف تمام صحابہ سے بلکہ تمام لوگوں سے زیادہ خیال رکھنا، روز روشن کی طرح ظاہر وباہر ہے جس شخص کے خلاف ثبوت بہم پہنچ جاتا تھا۔ ہرگز اس کے اوپر شرعی حد جاری کرنے میں پس وپیش نہیں فرماتے تھے۔ اور نہ کبھی کسی کی رعایت کرتے ہوئے حدود شرعیہ میں غلط تاویلات کرتے تھے۔ خواہ دوست ہو یا دشمن قریب ہو یا بعید۔ جیسا کہ دوسرے مدعیان خلافت اس قسم کے حرکات کا ارتکاب برابر دن رات کیا کرتے تھے۔ آنجناب خدا کے معاملہ میں کسی شخص کی ناراضی یا رضامندی کی پرواہ نہیں فرماتے تھے۔ کتب حدیث وسیر وتواریخ اس قسم کے اخبار وآثار سے مملو ومشحون ہیں؛ (انتہیٰ ما اردنا نقلہ من کتاب منار الہدیٰ للشیخ علی البحرانی الاعلی) اگر انسان چشم بصیرت سے تعصب وعناد کی پٹی اتار کر مذکورہ بالا حقائق ودقائق کا بنظر غائر مطالعہ کرے تو اسے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی خلافت بلافصل کے برحق تسلیم کرنے میں ذرہ بھر شک وشبہ نہیں ہوسکتا۔ ہم گذشتہ بعض ابواب میں بڑی وضاحت سے ثابت کر چکے ہیں کہ کسی کے خلیفہ ونائب کو اپنے مستخلف ومنیب کے فضائل وکمالات اور تمام حالات وصفات کا آئینہ دار ہونا چاہیئے۔ اور اس کا نظیر ومثیل تاکہ اس کا کام اسی نہج وطریق پر چلا سکے جس طرح وہ خود چلاتا تھا۔ اور اس کے مشن کی کماحقہٗ تکمیل کر سکے۔ تاکہ اس کی وفات کی وجہ سے اس کے کام ومشن میں کسی قسم کا تعطل وانقطاع واقع نہ ہو۔ اور سابقہ اوراق میں یہ حقیقت الم نشرح کی جا چکی ہے۔ کہ پیغمبر اکرمؐ کی تمام صفات کمالیہ مثل علم وفضل۔ شجاعت وشہامت۔ جود وسخاوت ریاضت وعبادت۔ تقویٰ وزہادت۔ عدل وانصاف عصمت وطہارت۔ ایمان وایقان سیادت وقیادت۔ فصاحت وبلاغت اور اکملیت وافضلیت وغیرہ میں حضرت امیر علیہ السلام شریک وسہیم رسولؐ ہیں اور جو ایسا ہو وہی نائب وخلیفہ رسولؐ ہوتا ہے لہٰذا عقل سلیم بلا جھجک ان کی خلافت مطلقہ کے سامنے بے چون وچرا سر تسلیم خم کر دیتی ہے۔

علاوہ بریں سطور بالا کا مطالعہ کرنے والوں پر واضح ہے کہ کسی شخص کی خلافت ووصایت اور امامت کے لئے ام الالسنۃ عربی زبان میں جس قدر الفاظ مل سکتے تھے جیسے "خلیفہ" "وصی" "وارث" "وزیر" "مشیر" "امیر" "امام" "مولیٰ" "معلی" اور "اولیٰ"

وغیرہ وہ تمام الفاظ و عبارات پیغمبر اسلامؐ نے جناب امیرالمومنینؑ کے حق میں استعمال فرماتے ہیں ارباب عقل و انصاف بتائیں، اس سے زیادہ اور کون سا موثر و موقر طریقہ متصور ہو سکتا تھا، جس کے ذریعہ آنحضرتؐ حضرت امیر علیہ السلام کی خلافت مطلقہ کا اعلان فرماتے ؟

(کذلک یبیّن اللہ لکم الآیات لعلکم تعقلون)

بابِ ششم

خلافتِ حضرت امیر المومنینؑ کے متعلق بعض شکوک و شبہات کے جوابات

حضرت امیر المومنینؑ کی خلافتِ حقہ کے سلسلہ میں بعض لوگ جو شکوک و شبہات عائد کرتے ہیں ان کے تذکرہ و ازالہ سے پہلے ایک اساسی تحقیق ضروری معلوم ہوتی ہے اخبار و آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے اپنی نبوت و رسالت کے اعلان کے ساتھ ساتھ ہی اپنی خلافت و وصایت اور وراثت و وزارت کا اعلان بھی فرما دیا تھا۔ اور اپنے حقیقی خلیفہ کی تعین فرما کر اس گتھی کو ہمیشہ کے لئے سلجھا دیا تھا۔ ابدالآباد کے لئے مسئلہ خلافت میں ہر قسم کے منازعہ و مخاصمہ کا خاتمہ کر دیا تھا اور اس سلسلہ میں ہر قسم کی قیل و قال اور جنگ و جدال کا سدِباب فرما کر مرتبۂ خلافت و امامت کی اہمیت و عظمت پر مہرِ ثبت فرما دی تھی۔ لہٰذا بعد ازیں کلمہ گویانِ اسلام کا اس مسئلہ میں اختلاف و نزاع کرنا درحقیقت تکذیبِ رسولِ اسلام کے مترادف ہے اگر کسی صاحب کو ہمارے اس بیانِ حقیقت ترجمان میں کسی قسم کی غلط بیانی کا گمان ہو تو آیئے واقعۂ ذو العشیرہ پر ایک نظر ڈالئے سب عقدے حل ہو جائیں گے۔ اور گتھیاں سلجھ جائیں گی۔ بشرطیکہ تحقیق حق مقصود ہو۔

تفصیل واقعۂ دعوتِ ذو العشیرہ

اس عظیم الشان واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ جب آیۂ مبارکہ "و انذر عشیرتک الاقربین" (اے رسولؐ اپنے قرابت داروں کو ڈراؤ) نازل ہوئی تو آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو بلایا اور دعوت کے لئے کھانا تیار کرنے کا حکم دیا آپ نے ارشادِ نبوی کے مطابق مہمانی کا انتظام کیا اور پھر آنحضورؐ کے حکم کے مطابق اپنے اقربا اور حضرت عبدالمطلب کے بیٹوں اور پوتوں کو بلا لائے۔ سب کے سامنے بقدر ایک شخص کی خوراک کے کھانا رکھا۔ اسی میں سب لوگ سیر ہو گئے۔ سبحان اللہ! دعوت کی دعوت ہوئی اور معجزہ کا معجزہ دکھا دیا پھر ان لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دیتے ہوئے آنحضرتؐ نے جو تقریر فرمائی اس کا خلاصہ یہ تھا۔ یا بنی عبد المطلب انی واللہ ما اعلم شابا فی العرب جاء قومہ بافضل مما قد جئتکم جئتکم بخیر الدنیا والآخرۃ و قد امرنی اللہ تعالیٰ ان ادعوکم الیہ فایکم یوازرنی علی ھذا الامر علی

ان یکون اخی ووصی وخلیفتی فیکم اے اولادِ عبد المطلب! میں نہیں جانتا کہ کوئی عرب نوجوان اپنی قوم کے پاس اس سے بہتر چیز لایا ہو جو میں تمہارے پاس لایا ہوں۔ میں دین و دنیا کا بہترین تحفہ لایا ہوں مجھے خدا نے حکم دیا ہے کہ تمہیں اس کی دعوت دوں۔ تم میں سے کون ہے جو اس سلسلہ میں میرے ساتھ تعاون کرے۔ تاکہ وہ میرا بھائی، میرا وصی اور میرا خلیفہ وجانشین بنے یہ سن کر سب خاموش رہے اور کوئی آواز بلند نہ ہوئی۔ ان حضرت علی علیہ السلام جو سن کے لحاظ سے ان سب میں کم تھے کھڑے ہوگئے اور عرض کیا یارسول اللہ میں تیار ہوں۔ آنحضرتؐ نے علیؑ کا ہاتھ پکڑا۔ اور فرمایا۔ "ان ھذا اخی و وصیی وخلیفتی فیکم فاسمعوا لہ واطیعوا۔ یاد رکھنا یہ علیؑ میرا بھائی۔ میرا ولی عہد اور تم میں میرا خلیفہ ہے لہذا ہمیشہ اس کی بات سننا اور اس کے حکم کی تعمیل کرتے رہنا سب لوگ ہنستے اور مذاق کرتے اور حضرت ابوطالب سے یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے لیجئے اپنے بیٹے کی بات سنیئے اور اطاعت کیجئے۔ (ملاحظہ ہو تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۱۶ طبع مصر طبع اول، کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۲۲ مسند احمد ج ا ص ۱۱۱ طبع مصر نیز کنز العال طبع حیدر آباد ج ۲ ص ۴۰۶ و ص $\frac{۳۹۲}{۳۹۷}$ تاریخ ابو الفداء ج ا ص ۱۱۹ طبع مصر۔ تفسیر معالم التنزیل ص ۶۲۳ تفسیر ابن کثیر ج ۷ ص ۱۹۱ تفسیر ترجمان القرآن ص ۹۹ تفسیر در منثور ج ۵ ص ۹۷۔ تفسیر خازن ج ۳ ص ۳۷۱ معارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۵ تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۱۷ سیرت حلبیہ ج ا ص ۲۸۶ وغیرہا۔)

نوٹ:۔ دعوت ذو العشیرہ اور نصِ خلافت حضرت امیر علیہ السلام کا یہ واقع ایسا معتبر صحیح اور مشہور ہے کہ مسلمان تو بجائے خود غیر مسلمان مورخین نے بھی اسے اپنی کتب تواریخ میں ثبت وضبط کیا ہے۔ چنانچہ صاحب فلک النجاۃ نے کتاب ثبوتِ خلافت اور رسالہ "الوصی" کے حوالہ سے اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل کتابوں کے حوالے دیئے ہیں۔

(۱) کتاب اپالوجی فرام محمد اینڈ قرآن مولفہ ڈیون پورٹ صاحب ص ۸

(۲) مسٹر کارلیل صاحب کی کتاب ہیروز اینڈ ہیروز۔ واشپ لیکچر دوم ص ۶۱

(۳) کتاب خلفائے محمد اینڈ ہز سکسرز مولفہ واشنگٹن ایونگ ص ۳۷

(۴) ڈیکلائن آف رومن ایمپائر مسٹر گبن ج ۳ ص ۴۹۹۔

(۵) نیو پاپولر ان سائیکلو پیڈیا ص ۱۳۹

(۶) اوکلے صاحب کی تاریخ اسلام ص ۱۴

(۷) گبن سارا سنز مطبوعہ لنڈن ص ۸۳ ص ۲۲۵

یہ واقعہ حضرت علیؑ کی ولی عہدی کا مکمل ثبوت ہے آنحضرتؐ نے اپنا ولی عہد حضرت علیؑ
کو بنایا وہ بھی اس عوض میں کہ ساری زندگی مددگار بنے رہیں۔ دنیا میں ہبہ بلا عوض ٹوٹ جاتا ہے مگر
ہبہ بالعوض کسی قانون یا رواج سے نہیں ٹوٹتا حضرت علیؑ کو یہ عہدہ بالعوض ملا تھا۔ (سید الاوصیاء)
معاہدہ ہوگیا اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام اس عہد سے سبکدوش ہوئے یا نہیں
اگر حضرت امیر علیہ السلام اپنے فرائض میں کبھی تقصیر و کوتاہی کرتے تو یہ معاہدہ منسوخ ہو جاتا مگر تاریخ
عالم گواہ ہے کہ آنجنابؑ نے ابتداء سے اخیر تک حمایت رسولؐ و تائید اسلام کا فریضہ اس خوش
اسلوبی سے ادا فرمایا کہ اس کی مثال چشم فلک نے کبھی نہ دیکھی ہوگی۔ کون نہیں جانتا کہ حضرت امیرؑ نے زندگی بھر ایثار و
قربانی کی وہ عملی مثالیں پیش کیں۔ جس کی نظیر لانے سے اہل دنیا قاصر ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ تمام غزوات
آپ ہی کی ضرب ید اللہی کے برکات سے فتح ہوئے اور اس بے جگری سے حمایت رسولؐ کا فریضہ ادا
کیا جس کی مثال ڈھونڈے سے نہیں مل سکتی۔ آپ ہی کی انتھک کوششوں اور مشقتوں سے شجر اسلام
پھولا پھلا اور پروان چڑھا۔ و نعم قال ابن ابی الحدید

ولا ابو طالب و ابنہ — لما مثل الدین شخصا فقاما
فہذا بیثرب آوی وحامی — وذاک بمکۃ جس الحماما

جناب امیرؑ کی مثالی خدمات کا اجمالی بیان

حضرت امیر المومنینؑ نے بانیٔ اسلام کے ساتھ شامل ہو کر درخت اسلام لگانے اور اسے
پروان چڑھانے کے سلسلے میں جو زریں کارنامے انجام دیئے ہیں ان کی تفصیل کے لئے تو کئی دفتر
درکار ہیں اس مختصر میں ان کے عشر عشیر کی بھی گنجائش کہاں؟ صرف بطور نمونہ و اثبات دعوٰی آنجنابؑ
کے چند خدمات اور وہ بھی بالاجمال ذکر کیے جاتے ہیں تاکہ یہ حقیقت بالکل اجاگر ہو جائے سب
سے پہلا واقعہ شعب ابو طالب میں پناہ لینا ہے۔ تاریخ اسلام کا مشہور و مسلم واقعہ ہے
کہ جب پیغمبر اسلامؐ نے اعلان نبوت فرمایا اور توحید کا پرچار شروع کیا اور شرک کے خلاف آواز بلند کی تو کفار نے
طمع و لالچ کے ذریعہ آنحضرتؐ کو رام کرنا چاہا، مگر جب ان کا یہ حربہ ناکام ہو گیا اور آنحضرتؐ نے اپنے عمل
و کردار سے ثابت کر دیا کہ ؎

برو ایں دام بر مرغ دگر نہ — کہ عنقا را بلند است آشیانہ

تو پھر کفار نے اب سے مقاطعہ (بائیکاٹ) کا فیصلہ کیا اور نظر بظاہر حالات جناب پیغمبرؐ اسلام اپنے خاندان
سمیت شعب ابو طالبؑ ہی پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ ان حالات میں بھی جناب امیرؑ برابر کے شریک

مصائب رسول تھے اور جناب رسول خدا کی جان بچانے اور اسلام کی حفاظت کرنے کے لئے فداکاری کے بہترین جوہر دکھارہے تھے، حتیٰ کہ تین سال کے بعد کفار یہ معاہدہ منسوخ کرنے پر مجبور ہو گئے مگر ان کے پائے ثبات میں کوئی جنبش واقع نہ ہوئی۔

(ب) دوسرا واقعہ لیلۃ الہجرت والا ہے جب آنحضرتؐ اپنے خانوادہ کے ساتھ شعب ابوطالب میں تین سال گزرنے اور مختلف مصائب و شدائد جھیلنے کے بعد واپس مکہ پہنچے تو کفار کا یہ خیال تھا کہ اب ان کی روش و رفتار میں کچھ نرمی پیدا ہوگئی ہوگی مگر جب انہوں نے دیکھا کہ اب پہلے سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ تبلیغ میں مشغول ہیں تو ان لوگوں نے آنحضرتؐ کے قتل کا منصوبہ تیار کر لیا۔ خدا نے آنحضرتؐ کو ان لوگوں کے ناپاک عزائم کی اطلاع دی اور حکم دیا کہ جناب امیر کو اپنے بستر پر سلا کر راتوں رات مدینہ کی طرف ہجرت کر جائیں، چنانچہ آنحضرتؐ نے اس نازک وقت اور دشوار گزار منزل پر جناب امیر سے فرمایا "نم علی فراشی" میرے بستر پر سو جاؤ۔ جناب امیرؑ چونکہ وفاداری اور جان سپاری کا عہد و پیمان کر چکے تھے فوراً چادر اوڑھ کر سو گئے۔ اس موقع پر خداوند عالم نے یہ آیت نازل کی "ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ واللہ رؤف بالعباد" کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو خدا کی رضا جوئی کے لئے اپنی جان بیچ ڈالتے ہیں۔ قسطلانی نے المواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۶۰ پر لکھا ہے "فکان اول من شری نفسہ جناب امیر" پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے اپنی جان بیچی، یہاں تک کہ یہ مشکل مرحلہ آنجنابؑ کی فداکاری سے بحسن و خوبی طے ہو گیا

(ج) ۲ھ میں اسلام کی سب سے پہلی جنگ ہوئی جو جنگ بدر کے نام سے مشہور ہے مسلمانوں کی تعداد کم اور ساز و سامان حرب و ضرب نہ ہونے کے برابر، میدان جنگ چند آدمیوں کے ہاتھ رہا۔ جن میں نمایاں حصہ رسول اکرم کے قرابت داروں نے لیا، جیسے حضرت حمزہ، عبیدہ بن الحارث بالخصوص حضرت علیؑ نے وہ داد شجاعت دی کہ دنیا آج تک محو حیرت ہے۔ بالآخر یہ جنگ کامیابی کے ساتھ مکمل ہوئی

(د) ۳ھ میں جنگ احد واقع ہوئی تفصیلات میں جانے کی یہاں گنجائش نہیں، واقعات مشہور ہیں اول اول حالات جنگ سازگار تھے مگر بعض مسلمانوں کی بے تدبیری نے یکایک پانسہ بدل دیا، اور اکثر مسلمانوں نے راہ فرار اختیار کی۔ (جن میں ابوبکر صاحب (تاریخ خمیس ج ۱ ص ۴۸۵) عمر صاحب (تفسیر جامع البیان ابن جریر طبری ج ۴ ص ۹۴ تفسیر کبیر ج ۲ ص ۴۲)، عثمان صاحب (تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۱) بھی شامل تھے، قرآن نے بھاگنے والوں کی تصویر کشی ان الفاظ میں کی ہے۔ اذ تصعدون ولا تلون علی احد والرسول یدعوکم۔ یاد کرو اس وقت کو جب تم پہاڑ پر چڑھے جاتے تھے اور پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے، حالانکہ رسول تمہیں آواز دے رہا تھا، خلاصہ یہ کہ حضرت امیرؑ نے اس

جنگ اور ایسے کٹھن حالات میں وہ دادِ شجاعت دی کہ فرشتوں کو آپ کی شجاعت کی داد دینا پڑی۔ ؎

لافتی الا علی لاسیف الا ذوالفقار

اور آپ کی بدولت اری ہوئی جنگ کا نقشہ بدل گیا اور نصرت و کامیابی نے قدم چوم لئے۔

(۵) ۵ھ میں جنگِ خندق واقع ہوئی یہ وہی جنگ ہے جب عمرو بن عبدود مبارزطلبی کر رہا تھا اور مورخین کے بیان کے مطابق مسلمانوں پر یوں خاموشی طاری تھی۔ کانما علی رؤوسہم الطیر گویا سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ جناب امیرؑ ہی تھے جو مقابلہ کے لئے گئے اور اسے واصلِ جہنم کر کے اور کفر و شرک کا سرنگوں کر کے دربارِ رسالت سے ضربۃ علی یوم الخندق افضل من عبادۃ الثقلین کا تمغہ حاصل کیا۔

(۶) ۷ھ میں جنگِ خیبر درپیش آئی کئی روز تک کئی بزرگ علم لے کر گئے مگر ہر بار ناکام واپس آئے۔ مورخین نے ایک جملہ لکھا ہے "یجبنہم و یجبنونہ" فوج ان کو بزدل کہتی تھی اور وہ فوج کو بزدل کہتے تھے۔ مگر آنحضرتؐ نے جرنیل بدل کر عملاً فیصلہ فوج کے حق میں کر دیا۔ یہ مہم بھی حضرت امیرؑ کی بدولت سر ہوئی۔ اور آپ نے اس جنگ میں "کرار غیر فرار" کی سند حاصل کی۔

(۷) ۸ھ میں فتح مکہ کے بعد بت شکنی کا فریضہ بھی نبی و وصی نے مل کر ہی انجام دیا اس موقع پر جناب رسولِ خدا نے آپ سے فرمایا۔ طوبیٰ لک تعمل للحق و طوبیٰ لی احمل الحق (تاریخ خمیس ج ۲ صفحہ ۹۵) اس کلام کا ترجمہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے یوں کیا "اے علیؑ! خوشا وقت تو کار حق می کنی جندا حال من کہ بارِ حق می کشم (مدارج النبوۃ ج ۲ صفحہ ۲۸۵ از خلافت و امامت) ولله در القائل ؎

اسلام کے دامن میں بس دو ہی تو چیزیں ہیں ایک ضربِ یداللّٰہی اک سجدۂ شبیریؑ

بہرحال یہ خلافت حضرت علی علیہ السلام کا ایسا صاف و صریح اعلان تھا جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ تھی لیکن نافہموں کو مزید سمجھانے کے لئے آنحضرتؐ برابر حضرت علیؑ کی ولی عہدی کا ہر موقعہ پر اعلان بھی کرتے رہے اس امر کا ایک شمہ سابقہ نصوصِ خلافت کی صورت میں پیش کیا جا چکا ہے اور اس وقت تک آنحضرتؐ دارِ دنیا سے تشریف نہیں لے گئے جب تک جناب امیرؑ کی خلافت و وصایت کا عملی اعلان کر نہیں دیا۔ اور نہ ہی اس وقت تک دین مبین کامل ہوا جب خلافتِ علیؑ کا عملی اعلان ہوا اور تکمیل دین کی سند مل گئی۔ یہ اہتمام اس لئے تھا کہ مسلمان باطل پرستی سے محفوظ رہیں اور امامت مرکزِ حق سے جدا ہو کر ضلالت و گمراہی میں مبتلا نہ ہو جائے۔ لیکن عداوت و خود غرضی کا بُرا ہو کہ مسلمانوں نے اس سلسلہ میں اپنے کو منزلِ مقصود سے دور کرنے کی پوری کوششیں کیں اور اس سلسلہ میں مختلف وسیلہ

کاریوں اور عیاریوں کا ارتکاب کیا ، مثلاً

(۱) ان احادیث کی صحت سے انکار کیا گیا ۔

(۲) ان کی کیفیتِ دلالت اور ان کے معانی و مطالب میں بے جا تاویلات کیے گئے ۔

(۳) اس جہالتِ و ضلالت پر پردہ ڈالنے کے لیے ان نصوص کے تواتر سے انکار کر کے ان کو اخبار احاد کہہ کے ناقابلِ اعتماد قرار دیا گیا ۔

(۴) یہ کہا گیا کہ اگر یہ نصوص موجود تھیں تو حضرت علیؑ نے ادعائے خلافت کر کے ان سے کیوں استدلال و احتجاج نہیں کیا ۔

(۶) یہ کہہ کر اپنی گلو خلاصی کی سبیل نکالی گئی کہ اگر خلافت حضرت امیرؑ ہی کا حق تھی تو آپ نے باوجود شیرِ خدا ہونے کے مدعیانِ خلافت سے جنگ کیوں نہیں کی ؟

جب ان تمام رکیک اور کمزور ایرادات کا مکمل تشفی بخش جواب دے دیا جاتا ہے تو اب دیکھتے ہیں کہ ہر چہار طرف سے تاویل وغیرہ کا دروازہ بند ہو گیا ہے نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن نہایت بے دست و پائی و بے چارگی کے عالم میں مبہوت ہو کے رہ جاتے ہیں ۔ ہاں جن کے توفیقِ ایزدی شاملِ حال ہو جاتی ہے (و قلیل ما هم) وہ تو نہایت فرحت و انبساط کے ساتھ " بسم اللّٰہ مجریها و مرسها " کہتے ہوئے اہلِ بیتِ نبوت کی کشتیٔ نجات پر سوار ہو جاتے ہیں اور جو " ختم اللّٰہ علی قلوبهم الخ " کے مصداق بن چکے ہیں وہ اس طرح حق و حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد بھی آہستگی سے " لا نسلّم " (نہ مانوں) ، کہہ کر میدانِ تحقیق و مناظرہ سے فرار اختیار کرتے ہیں ۔ " سواء علیهم ءانذرتهم ام لم تنذرهم لا یؤمنون "

واضح ہو کہ مذکورہ بالا ایرادات شش گانہ میں سے پہلے دو ایرادوں کے جوابات شافیہ ہمارے سابقہ بیانات و تحقیقات میں دیئے جا چکے ہیں اب ہم ذیل میں بفضلہ تعالیٰ باقی چار اعتراضات کا قلع قمع کرتے ہیں تاکہ ہماری کتاب اس موضوع پر نہ صرف کامل بلکہ اکمل ہو جائے اور طالبانِ حقیقت کو اس کی موجودگی میں اس موضوع کے متعلق کسی اور کتاب کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت باقی نہ رہے ۔

اشکال اوّل

یہ اخبار آحاد ہیں کیونکہ اگر متواتر ہوتیں تو ہمیں بھی علم و یقین ہو جاتا کیونکہ خبر متواتر موجب علم و یقین ہوتی ہے حالانکہ ہمیں ہرگز ان سے علم حاصل نہیں ہوتا ۔ فخرالدین رازی نے نہایۃ العقول میں ان سے علم کے حاصل نہ ہونے پر حلف اٹھایا ہے معلوم ہوا کہ یہ اخبار متواترہ نہیں بلکہ اخبار آحاد ہیں اور خبر واحد اصولِ عقائد میں حجت نہیں ہوتی لہٰذا حضرت علیؑ کی خلافت کے اثبات

کے سلسلہ میں ان سے تمسک نہیں کیا جا سکتا۔ (شرح مواقف، شرح مقاصد مسامرہ وغیرہ)

الجواب بعون اللہ الوہاب

یہ اشکال بچند وجہ باطل ہے۔

اولاً: مقام شکر ہے کہ اس قدر تو تسلیم کر لیا گیا ہے کہ خلافت حضرت علیؑ کے متعلق اخبار آحاد موجود ہیں، حالانکہ آپ ہی تھے۔ جو عدم نقل پہ اصرار الدین "ان النبیؐ لم ینص علی احد" کی تکرار کرتے تھے اب جبکہ آپ نے یہ تسلیم کر لیا کہ اس موضوع پر اخبار آحاد موجود ہیں۔ تو اس سے آپ کے دعویٰ کا بطلان واضح و عیاں ہو گیا۔ اس کے بعد یہ تاویل علیل چہ معنی دارد؟

ثانیاً: مسئلہ خلافت و امامت آپ کے نزدیک فروع دین میں سے ہے۔ ظاہر ہے کہ فروع دین میں اخبار آحاد حجت ہیں۔ اپنے اصول مقررہ کی بنا پر آپ کو ہرگز ان نصوص کے رد کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔ ہمارے مقابلہ میں آپ کا ان نصوص سے دست بردار ہو جانا محض مجادلہ و مکابرہ پر مبنی ہے۔ جو اصول دیانت کے خلاف ہے۔

ثالثاً: خبر متواتر کی دو قسمیں ہیں (۱) متواتر لفظی (۲) متواتر معنوی۔ یہاں بحمدہ تعالیٰ دونوں طرح کا تواتر موجود ہے سابقاً محقق و مبرہن کیا جا چکا ہے کہ ان نصوص متکاثرہ میں سے بعض نصوص جیسے حدیث شریف ثقلین و حدیث غدیر متواتر لفظی ہیں۔ رہ گیا تواتر معنوی تو دیگر نصوص اگرچہ ان میں سے ہر ایک بظاہر خبر واحد ہے لیکن باعتبار مجموع من حیث المجموع تواتر معنوی کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں۔ واضح کیا جا چکا ہے کہ یہ سب نصوص باآں ہمہ اختلاف تعبیرات و الفاظ ایک ہی محور کے اندر گرد گھوم رہی ہیں، وہ محور اثبات خلافت مطلقہ حضرت امیر علیہ السلام ہے۔ ولنعم ما قیل ؏

عباراتنا شتی وحسنک واحد　　وکل الی ذاک الجمال یشیر

ان نصوص متواترہ کو اخبار آحاد قرار دینا تعصب و عناد کا نتیجہ ہے۔ ہیچ ہے جو

اذا لم یکن للمرء عین صحیحۃ　　فلا غرو ان یرتاب والصبح مسفر

رابعاً: یہ کہنا کہ اگر یہ نصوص متواتر ہوتیں تو ہمیں بھی ان کے سننے سے ان کو بھی خلافت حضرت علیؑ کا علم و یقین پیدا ہو جاتا۔ اس کے متعلق عرض ہے کہ حدیث متواتر سے علم و یقین کا حاصل ہونا اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ سامع کا ذہن شکوک و شبہات کی کدورتوں سے پاک ہو۔ ورنہ ان آلودگیوں کی موجودگی میں نور علم کا فیضان نہیں ہو سکتا۔ (ملاحظہ ہو شرح نخبۃ الفکر و اصول شاشی وغیرہ)

معلوم ہوا کہ عدم حصول علم کے سبب خود تم ہی ہو۔ اگر تعصب و عناد و لجاجت و لدار کی آلائش سے

اپنے صفحۂ اذہان کو آب انصاف سے پاک صاف کرکے ہماری طرح نفوس زاکیہ، قلوب صافیہ، عقول سلیمہ اور طبائع مستقیمہ کے ساتھ سرِ تسلیم خم کرکے گوشِ حقیقت نیوش سے ان نصوص شریفہ کو سماعت کرتے تو یقیناً نورِ علم و ایقان سے تمہارے قلوب بھی منور و درخشاں ہو جاتے۔ اگر شک ہو تو آج ہی اس نسخہ کو استعمال کرکے آزمائیے۔ ع

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے

اشکال دوم

اگر یہ نصوص موجود ہوتیں تو اس مسئلہ میں اختلاف کیوں واقع ہوتا اور صحابہ کرام ان سے اعراض کرکے کس طرح حضرت ابوبکر کی خلافت پر اجماع کر سکتے تھے؟ ماننا پڑے گا کہ یہ نصوص موجود نہ تھیں۔

الجواب بتائید اللہ التواب

غور و تامل سے واضح ہوتا ہے کہ یہ اشکال ایک نہیں بلکہ درحقیقت دو اشکالوں کا مجموعہ ہے۔

(۱) اگر یہ نصوص موجود تھیں تو صحابہ نے کس طرح ان سے اعراض کیا؟

(۲) اگر یہ نصوص موجود ہوتیں تو امت میں اس مسئلہ میں اختلاف نہ پایا جاتا۔ ہم ذیل میں ان دونوں ایرادوں کا جواب باصواب پیش کرتے ہیں۔ اشکال اول کے متعلق واضح ہو کہ

اولاً :- یہ شبہ بموجب بناء الفاسد علی الفاسد اہلِ جماعت کے فرسودہ و مردود نظریہ پر مبنی ہے وہ یہ کہ ان حضرات کا یہ خیال محال ہے کہ سب صحابہ مومن و عادل تھے۔ (الصحابۃ کلھم عدول) اس مزعومہ کی بنا پر یہ حضرات شریعتِ اسلامیہ کے جن فوائد و منافع سے محروم ہو گئے ان کا احصار و شمار اس مختصر کتاب میں نہیں کیا جا سکتا۔ یہ نظریہ عقلاً و نقلاً اور روایۃً و درایۃً بالکل فاسد ہے اس کے بطلان کا تفصیلی بیان تو ہمارے آئندہ بیانات میں حدیث مجعول "اصحابی کالنجوم" کی رد کے ضمن میں آرہا ہے یہاں بطور اختصار ایک اجمالی بیان پر اکتفا کی جاتی ہے تعصب و عناد کی پٹی اور آباؤ اجداد کی تقلید کی عینک اتار کر میدانِ تحقیق میں وارد ہونے اور نصوص قرآنیہ اور احادیث نبویہ کا بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں مومن و منافق موحد و مشرک، عادل و فاسق مرتکب صغائر و کبائر، دین دار و دنیا دار غرضیکہ ہر قسم و ہر قماش اور ہر مکتبِ خیال کے لوگ موجود تھے۔ طالبانِ رشد و ہدایت کی سہولت کے لئے بطور مثال چند آیات و روایات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

وہ بعض آیات جن میں بعض صحابہ کے افعالِ شنیعہ کا ذکر ہے

قرآن مجید کا ایک معتد بہ حصہ اس قسم کی آیات بلکہ مستقل سورتوں سے لبریز ہے بطور تازیانۂ عبرت یہاں چند آیتوں کی نشاندہی کی جاتی ہے۔

(۱) کتبِ تفاسیر و تواریخ میں ایک خاص جماعتِ صحابہ کے نام ملتے ہیں جن کی ایمانی کمزوری کا یہ عالم تھا کہ عین حالتِ نماز میں تجارت اور لہو و لعب کی آواز سن کر نماز توڑ کر، آنحضرتؐ کو تنہا چھوڑ کر اُدھر دوڑ جاتے تھے جس کی خبر عبرت اثر خلاقِ عالم نے ان الفاظ میں دی ہے۔ "واذا راوا تجارۃً اولھواً انفضوا الیھا وترکوک قائماً" (سورہ جمعہ پ۲۸) "جب تجارت یا کوئی لہو و لعب کا کام دیکھ لیں تو تمہیں اکیلا کھڑا ہوا چھوڑ کر اس کی طرف دوڑ جاتے ہیں"۔

(۲) انہی لوگوں میں یہ ایک غیر معمولی تعداد ان لوگوں کی تھی جو آنحضرتؐ کی تقسیم صدقات پر نکتہ چینی و حرف گیری کرتے تھے جس کی خبر خداوند عالم نے ان الفاظ میں دی ہے۔ "ومنھم من یلمزک فی الصدقات فان اعطوا منھا رضوا وان لم یعطوا منھا فاذا ھم یسخطون"۔ ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو تقسیم صدقات کے سلسلہ میں عیب لگاتے ہیں اگر ان کو حسب منشاء حصہ مل جائے تو راضی ہو جاتے ہیں اور اگر نہ ملے تو ناراض ہو جاتے ہیں"۔

(۳) انہی صحابہ میں ایک کثیر جماعت منافقین کی موجود تھی۔ جن کے نفاق و شقاق کا دامن سورہ منافقین وغیرہ میں چاک کیا گیا ہے۔ بالخصوص آیۂ ذیل میں اس امر کی صراحت موجود ہے "ومن اھل المدینۃ مردوا علی النفاق لا تعلمھم نحن نعلمھم سنعذبھم مرتین" الآیہ اس آیت کے ساتھ جب شبلی نعمانی کے بیان کو ضم کر دیا جائے تو حقیقت اور بھی اجاگر ہو جاتی ہے۔ لکھتے ہیں "آنحضرتؐ نے جب وفات پائی مدینہ منورہ منافقوں سے بھرا پڑا تھا۔ جو مدت سے اس بات کے منتظر تھے کہ رسولؐ کا سایہ اُٹھ جائے تو اسلام کو پامال کر دیں۔ (الفاروق ج ۱ ص۴۳ طبع لاہور)

(۴) انہی صحابہ میں سے اکثر حضرات کے کفر و ارتداد اور اپنے سابقہ ادیانِ باطلہ کی طرف پلٹنے کی تلویح بلکہ تصریح اس آیہ مبارکہ میں موجود ہے "افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیہ لن یضر اللہ شیئاً"۔ "اگر پیغمبر وفات پا جائے یا قتل ہو جائے تو کیا تم اپنے پچھلے پاؤں پلٹ جاؤ گے، دیادرکھو جو شخص اپنے پچھلے پاؤں پلٹ جائے گا۔ وہ خدا کا کچھ نہیں بگاڑے گا۔ (بلکہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔

(۵) انہی صحابہ میں کچھ ایسے بھی تھے، جن کے دنیا دار ہونے کی خالق اکبر نے بایں الفاظ خبر دی ہے

منکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الآخرۃ تم میں سے کچھ وہ ہیں جو دنیا کے طلبگار ہیں، اور کچھ وہ ہیں جو دین کے جویاں ہیں۔ (پھر سب کے سب عادل و مومن کیونکر ہو سکتے ہیں)

(۶) اسی جماعت صحابہ میں وہ لوگ بھی تھے جو رسول اسلامؐ کو نرغۂ اعداء میں گھرا ہوا چھوڑ کر اپنی جان بچانے کی خاطر بھاگ جاتے تھے۔ خدائے حکیم ان کی اس حرکت شنیعہ کی یوں خبر دیتا ہے۔ "اذ تصعدون ولا تلوون علی احد والرسول یدعوکم" اس کی تفصیل ابھی اوپر خدمات جناب امیرؑ کے ذیل میں گزر چکی ہے۔" الی غیر ذالک من الآیات الصریحۃ والاشارات الفصیحۃ۔

وہ احادیث جو بعض صحابہ کے شرک و کفر وغیرہ کو بتاتی ہیں

اس قسم کی احادیث اس قدر کثیر تعداد میں ہیں، جن کا احصار و شمار مشکل ہے۔ فقط چند احادیث پر اکتفاء کی جاتی ہے۔

(۱) تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص۹۵ میں باسناد امام احمد ابن حنبل مرفوعاً جبیر ابن مطعم سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: "ان فی اصحابی منافقین" یقیناً میرے صحابہ میں منافق بھی پائے جاتے ہیں۔"

آنحضرتؐ کے اس ارشاد کی تائید قطع نظر دیگر دلائل و شواہد کے خود حضرت عمر کے اقرار سے بھی ہوتی ہے۔ جو انہوں نے حضرت حذیفہ کے سامنے کیا تھا۔ "یا حذیفۃ باللہ انا من المنافقین" خدا کی قسم اے حذیفہ! یقیناً میں منافقوں میں سے ہوں۔" (میزان الاعتدال ج ۱ ص۲۶۵ مطبوعہ مصر) جب مسلمانوں کے خلیفہ دوم کے ایمان کی یہ کیفیت ہے تو مرتبہ و منزلت میں ان سے کم تر سمجھے جاتے ہیں ان کے ایمانی کوائف کا اس سے بآسانی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ع

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

(۲) تفسیر در منثور ج ۴ ص۵۲ میں مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے جناب ابوبکر سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "الشرک فیکم اخفی من دبیب النمل" تم لوگوں میں شرک چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی طور پر چلتا ہے۔"

(۳) احادیث حوض جو کہ صحاح ستہ وغیرہ میں باسناد متعددہ مذکور ہیں، بہت سے صحابہ کے قطعی جہنمی ہونے پر نص صریح ہیں، ان کا ماحصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ بروز محشر میں حوض کوثر پر موجود ہوں گا، میرے صحابہ کی ایک جماعت رواں دواں میری طرف بڑھے گی،

جب میرے نزدیک پہنچیں گے تو اچانک فرشتہ ہائے (عذاب) ان کو مجھ سے دور ہٹا کر جہنم کی طرف لے چلیں گے۔ میں کہوں گا بارالہا! یہ تو میرے صحابہ ہیں، میرے صحابہ ہیں۔ آواز آئے گی، تمہیں معلوم نہیں کہ انہوں نے تمہارے بعد کیا کیا بدعات جاری کئے تھے۔ تب میں کہوں گا، ہلاکت ہو، ان کے لئے جنہوں نے میرے دین میں تغیر و تبدل کیا اور بدعات و احداث جاری کئے۔ (ملاحظہ ہو بخاری کتاب الفتن ج ۴ صـ۷۹ ج ۴ صـ۲۵ طبع مصر، صحیح مسلم ج ۲ صـ۲۸۴، مسند ابو داؤد جزء ۱ صـ ۲۹۴/۲۹۵، مسند امام احمد صـ ۱۶۸/۱۸۵ ج ۲ صـ۲۱۱، خصائص سیوطی ج ۲ صـ۱۲۷، کنز العمال ج ۱ صـ۹۸ ج ۷ صـ۲۰، فتح الباری جزء ۲۷ صـ۱۸۱ وغیرہ۔ نووی نے شرح مسلم میں احادیث حوض پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے "احادیث الحوض صحیحۃ والایمان بہ فرض (الی قولہ) قال القاضی حدیثہ متواتر رواہ خلائق من الصحابۃ" (یعنی احادیث حوض صحیح ہیں اس پر ایمان رکھنا فرض ہے اور قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ یہ روایت متواتر ہے جسے بہت سے صحابہ نے نقل کیا ہے۔) اس حدیث متواتر نے حضرات اہل سنت کے اس مزعومہ "الصحابۃ کلھم عدول" کو بالکل ہی باطل و عاطل کر دیا ہے یہ اس امر پر نص صریح ہے کہ جماعت صحابہ میں کچھ لوگ "بدعتی" بھی گزرے ہیں جو اس فعل شنیع کی وجہ سے جہنم کا ایندھن قرار پائیں گے۔ اگر ان حضرات کے اسماء کا سراغ لگانا مطلوب ہو تو تاریخ الخلفاء سیوطی وغیرہ میں باب اولیات "فلاں" "فلاں" "فلاں" ملاحظہ ہو۔

نیز کتب حدیث میں ان بزرگوں کے نام بھی تلاش کرنے سے مل سکتے ہیں جو اپنی بدعات و اختراعات پر فخر و مباہات کرتے ہوئے کہا کرتے تھے۔ "نعمت البدعۃ ھذہ" (صحیح بخاری ۲۲۹ مطبوعہ مصر) اور موطائے مالک صـ۶۵ مجتبائی دہلی وغیرہ میں ان حضرات کے نام بھی مل سکتے ہیں جن سے آنحضرتؐ کو اپنے بعد دین میں بدعات و احداث جاری کرنے کا شدید خطرہ تھا۔ عاقلاں را اشارتے کافی است۔

وہ روایات جو بعض صحابہ کے حال خسران مآل کا پتہ دیتے ہیں

کتب سیر و تواریخ پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہ آنحضرتؐ کے حین حیات ہی میں بڑے بڑے گناہان کبیرہ مثل شراب خوری، چوری، سود خوری اور زنا کاری وغیرہ گناہان کبیرہ کا ارتکاب کیا کرتے تھے چنانچہ انہی حقائق کے پیش نظر بڑے بڑے صحابہ فلانجیرا انداختہ نظر آتے ہیں، اور بجز اقرار و اعتراف کے کوئی راہ فرار نہیں پاتے ملاحظہ ہو فتاوی عبدالعزیزیہ "آنکہ صحابہ کلھم معصوم اندکہ وجہے از وجوہ طعن نہ داشتند چہ از بعضے شرب خمر ثابت شدہ چنانچہ در مشکوٰۃ است بارہا آنحضرتؐ اقامہ حدود برآنہا کردہ اند واز حسان ابن ثابت و مسطح ابن اثاثہ قذف ام المومنینؓ ثابت

شدہ و بآنہا نیز حد جاری گشتہ واز ماعز اسلمی زنا صادر شدہ و مرجوم گردیدہ۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ تمام صحابہ معصوم تھے کہ ان پر کسی قسم کا اعتراض نہ وارد ہو سکے۔ کیونکہ بعض کے متعلق شراب نوشی ثابت ہو چکی ہے جیسا کہ مشکوٰۃ میں مذکور ہے۔ بارہا آنحضرتؐ نے ان پر حدیں جاری کیں اور حسان ابن ثابت اور مسطح ابن اثاثہ سے قذف (نسبت زنا بہ حضرت عائشہؓ) ثابت ہو چکا ہے آنحضرتؐ نے ان پر بھی حد جاری فرمائی۔ اور ماعز اسلمی نے زنا کیا جس کی پاداش میں اسے سنگسار کیا گیا۔ (ترجمہ فتاویٰ عزیزی ج ا ص ۲۲۲) اسی طرح دیگر گناہان کبیرہ مثل چوری سود خوری۔ کذب بیانی دنگا فساد کرنے بلکہ شک فی النبوۃ کرنے کے واقعات کتب مبسوطہ میں بالتفصیل مذکور ہیں۔

صحابہ کرام کی یہ کیفیت آنحضرتؐ کے حین حیات میں تھی باوجودیکہ آنحضرتؐ ان کے درمیان موجود تھے۔ افعال قبیحہ کی فوری سزا کا خطرہ دامنگیر ہوتا تھا۔ مذمت میں نزول قرآن کا اندیشہ بھی تھا۔ لیکن شمع رسالت کے گل ہو جانے کے بعد تو یہ خوف و ہراس بھی برطرف ہو گیا تھا۔ اب جو ظلم اور فسق و فجور کا کھلم کھلا طور پر ارتکاب کرتے انہیں کون سا امر مانع و حاجب تھا؟ یہی وجہ ہے کہ بعض درد دین رکھنے والے صحابہ کرام کہا کرتے تھے۔ عن حذیفۃ ابن الیمان قال ان المنافقین الیوم شر منھم علی عھد النبی کانوا یومئذ یسرون والیوم یجھرون۔ "آج کل منافقوں کی حالت اس سے کہیں بدتر ہے۔ جو آنحضرتؐ کے عہد میں تھی کیونکہ یہ اس وقت پوشیدہ طور پر حرکات شنیعہ کا ارتکاب کرتے تھے اور اب آشکارا طور پر ان کو بجا لاتے ہیں۔ (صحیح بخاری ج ۴ ص ۱۴۱ طبع مصر) شبلی نعمانی کے اس کلام سے اس مطلب کی تائید مزید ہوتی ہے جو ہم سطور بالا میں درج کر چکے ہیں۔ فراجع

آنحضرتؐ کی وفات حسرت آیات کے بعد کفر و ارتداد کی کچھ ایسی وبا پھیل گئی تھی کہ اچھے خاصے صحابہ کے قلوب متغیر اور حالات متبدل ہو گئے تھے۔ چنانچہ خصائص سیوطی ج ۲ ص ۱۴۲ طبع حیدرآباد دکن پر مذکور ہے۔ اخرج البزاز بسند صحیح عن ابن سعید قال ما عدا ان واریناً رسول اللہ فی التراب فانکرنا قلوبنا۔ بزاز نے بسند صحیح ابن سعید سے روایت کی ہے ان کا بیان ہے کہ جونہی ہم نے آنحضرتؐ کو دفن کیا۔ یکایک ہم نے اپنے دلوں کی کیفیت بدلی ہوئی پائی (یعنی سابقہ حالت سے منقلب ہو گئے) پھر ایسی ہی ایک روایت ابن سعید و حاکم و بیہقی سے باسناد انس نقل کی ہے۔ مخبر صادق نے اس بات کی خبر دے دی تھی چنانچہ فرماتے ہیں ان الناس دخلوا فی دین اللہ افواجا و سیخرجون منہ افواجا یعنی جس طرح لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہوئے ہیں اسی طرح گروہ در گروہ اس سے خارج ہو جائیں گے! (کنز العمال ج ۶ ص ۱۲۰ و ص ۲۳۸) اسی انقلاب قلوب و ارتداد کا نتیجہ تھا جو انکار نصوص و قتل

نفوس کی صورت میں ظہور پذیر ہوا۔ انہی حالات سے متاثر ہو کر علامہ سعد الدین تفتازانی شرح مقاصد ج ۲ ص ۳۰۶ پر یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے ان ما وقع بین الصحابۃ من المحاربات والمشاجرات علی الوجہ المسطور فی کتب التواریخ والمذکور علی السنۃ الثقاۃ یدل بظاہرہ علی ان بعضہم قد حاد عن طریق الحق و بلغ حد الظلم والفسق الخ جو جنگ وجدال اور جھگڑے اور فساد صحابہ کے درمیان واقع ہوئے جو کتب تواریخ میں مسطور اور معتبر آدمیوں کی زبانوں پر مذکور ہیں۔ بظاہر اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ بعض صحابہ کرام جادۂ حق سے ہٹ کر حد ظلم و فسق تک پہنچ گئے تھے"۔ جب ان حقائق کی روشنی میں کئی صحابہ کی عدم عدالت محقق ہو گئی، ان کا بڑے بڑے گناہوں کا بے محابہ ارتکاب کرنا بھی ثابت ہو گیا تو بعد ازاں ان سے نصوص خلافت امیر المومنین علیہ السلام کے انکار کا ارتکاب کرنا کون سا ایسا تعجب خیز امر ہے جو لوگ سرور کائنات کی وفات ایسے ظاہر و باہر امر کا انکار کر سکتے ہیں کیا وہ حضرت امیرؑ کی نصوص خلافت کا انکار نہیں کر سکتے تھے[1]؟ جب الصحابۃ کلہم عدول کے مزعومہ کا بطلان واضح و عیاں ہو گیا تو اب سے مذکورہ بالا اشکال بلکہ محض استبعاد کا بطلان اور اس کا درجۂ اعتبار سے ساقط ہونا بھی کالشمس فی رابعۃ النہار واضح و آشکار ہو گیا۔

امم سابقہ میں اس انقلاب کی نظیر

خاتم النبیین کے ارتحال پر ملال کے بعد اکثر صحابہ کا جادۂ حق سے منحرف ہو جانا اور باطل پر مجتمع ہو جانا کوئی ایسا انوکھا امر نہیں جس کی نظیر امم سابقہ میں نہ مل سکتی ہو بلکہ امم سابقہ کے حالات کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہر نبی کے بعد ایسے امور شنیعہ کا ارتکاب ہوتا رہا ہے۔ ع

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی[2]

---

[1] کتب سیر و تواریخ میں یہ واقعہ درج ہے کہ جب جناب رسول خدا کی وفات حسرت آیات واقع ہو چکی تو جناب عمر نے تلوار سونت لی، اور یہ اعلان کرنا شروع کیا۔ جو شخص یہ کہے گا کہ آنحضرت کا انتقال ہو گیا ہے میں اس تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا (الملل والنحل شہرستانی ج ۱ ص ۱۵ طبع مصر۔ فتدبر (منہ عفی عنہ)

[2] بعض اخبار و آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نبی کے بعد اختلاف کرنے والوں میں سے اہل باطل بظاہر غالب رہے ہیں چنانچہ کنز العمال ج ۱ ص ۹۳ پر باسناد طبرانی در اوسط حضرت عمر سے مروی ہے (اعلی ما النقلہ فی الغلاف) ما اختلف امۃ بعد نبی الا ظہر اہل باطلہا علی اہل حقہا۔ فرمایا جب بھی کسی نبی کے بعد اس کی امت نے اختلاف کیا ہے تو اہل باطل رحسب ظاہر اہل حق پر غالب رہے ہیں اس سے معلوم ہو گیا کہ اہل باطل کی کثرت اور ان کے ظاہری غلبہ و اقتدار سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے کیونکہ اس سے ان کی حقانیت ثابت نہیں ہوتی۔ "اکثر الناس لا یعلمون" (منہ عفی عنہ)

زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں حضرت موسیٰ علی نبینا و آلہ و علیہ السلام جن کے ساتھ ہمارے رسولؐ کو تشبیہ بھی دی گئی ہے انا ارسلنا الیکم رسولاً شاھداً علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا۔ ہی کے اصحاب کے کوائف و حالات ملاحظہ کیجئے کہ باوجودیکہ جناب موسیٰؑ کے متعدد معجزات نبوت دیکھ چکے تھے، ایمان لا چکے تھے۔ اور شرف صحبت سے مشرف ہو چکے تھے۔ لیکن جب جناب موسیٰؑ فقط چند راتوں کے لئے کوہ طور پر تشریف لے جاتے ہیں تو باوجودیکہ آپ کے حقیقی خلیفہ حضرت ہارون ان میں موجود تھے جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فرائض کو نہایت تن دہی سے انجام دیتے رہے لیکن بایں ہمہ صحابہ نے جس طرح منکرات و فواحش بلکہ کفر و ارتداد کا مظاہرہ کیا وہ قرآن مجید میں بالتفصیل مذکور ہے پھر جب حضرت موسیٰؑ کے بالنص مقرر کردہ خلیفہ کی موجودگی میں اصحاب موسیٰؑ ان سے منحرف ہو کر بلکہ ان کے قتل پر آمادہ ہو کر گوسالہ پرستی کر کے کفر صریح کا مظاہرہ کر سکتے ہیں تو کیا اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے حقیقی خلیفہ و جانشین سے کنارہ کشی اختیار کر کے کیوں اصنام قریش کی پرستش نہیں کر سکتے؟ ضرور کر سکتے تھے اور یقیناً کی کیونکہ حضرت مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام خبر دے چکے تھے کہ "ولتسلکن طریق من کان قبلکم حذو القذۃ بالقذۃ وحذو النعل بالنعل۔" تم گذشتہ لوگوں کے راستہ پر اس طرح چلو گے جس طرح ایک تیر دوسرے تیر اور ایک جوتا دوسرے جوتے کے برابر ہوتا ہے۔ (تفسیر در منثور ج ۵ ص ۲ باسناد ابن ابی شیبہ و احمد و حاکم مرفوعاً از حذیفہؓ اور بعض مقامات پر "ولتسلکن طریق من کان قبلکم" کے بجائے لتتبعن سنن من کان قبلکم شبراً بشبر موجود ہے۔ (بخاری مع فتح الباری طبع مصر ج ۱۲ ص ۲۵۹ ترمذی ج ۲ ص ۸۹) بعض روایات میں بجائے "حذو النعل" "ذراعاً بذراع" مذکور ہے۔ نہایہ ابن اثیر ج ۱ ص ۲۱۲ بذیل لغت "حذو" لترکبن سنن من قبلکم" الخ کے معنی یوں بیان کرتے ہیں۔ "تعملون مثل اعمالھم" تم گذشتہ لوگوں (یہود و نصاریٰ وغیرہ) کے ایسے اعمال بجا لاؤ گے۔ الغرض اس قسم کی روایات قریباً قریباً تمام کتب تفسیر و حدیث میں موجود ہیں مزید حوالہ جات کیلئے مندرجہ ذیل کتب ملاحظہ ہوں) (صحیح بخاری ج ۴ ص ۱۱۵ صحیح مسلم ج ۸ ص ۵۷ سنن ابن ماجہ ص ۲۹۶ مستدرک حاکم ج ۱ ص ۳۷ مسند امام احمد ج ۲ ص ۳۲۷ سیرت حلبیہ ج ۳ ص ۱۲۱ وغیرہ۔ ان احادیث شریفہ کی صداقت کے پیش نظر ماننا پڑے گا کہ اس امت میں بھی ان افعال ناشائستہ کا مظاہرہ کیا گیا ہے اور کیا جانا چاہیئے تھا۔

خداوند عالم کے سرکار سید المرسلین کو حضرت موسیٰؑ کے ساتھ تشبیہ دینے "انا ارسلنا الیکم رسولا شاھداً علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا۔" ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا ہے جو تمہارے

اور یہ شاہد ہے جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا۔ اور آنحضرتؐ کے حضرت امیر المومنینؑ کو حضرت ہارونؑ کے ساتھ تشبیہ دینے میں اس طرف بھی اشارہ تھا کہ حضرت علی علیہ السلام کو بھی اس امت کے ہاتھوں وہ دن دیکھنا نصیب ہوگا جس کا سامنا حضرت ہارونؑ کو ہوا تھا۔ غالباً اسی مناسبت کے لحاظ سے حضرت امیر علیہ السلام نے قوم کے لداد اور انتہائی ظلم و استبداد کے وقت منبر رسولؐ کی طرف خطاب کر کے اس آیہ مبارکہ کی تلاوت فرمائی تھی جسے حضرت ہارونؑ نے حضرت موسیٰؑ کی خدمت میں اپنی قوم کے شکوہ میں پڑھا تھا۔ یابن ام ان القوم استضعفونی وکادوا یقتلوننی۔ "اے میرے بھائی قوم نے مجھے بہت ہی ضعیف کر دیا۔ اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر ڈالیں۔ (الامامۃ والسیاسۃ طبع مصر ص ۱۳) حالات و واقعات شاہد ہیں کہ حضرت سرور کائناتؐ کی پیشین گوئی حرف بحرف سچی ثابت ہوئی اور ہو بہو وہی حالات حضرت امیر علیہ السلام کو پیش آئے جن سے حضرت ہارونؑ دوچار ہو چکے تھے یہ بھی ظاہر ہے کہ اس میں پیغمبر اکرمؐ کی تعلیم و تربیت کا کوئی قصور نہیں جو کچھ قصور ہے وہ خود لوگوں کا ہے ہر شخص نے اپنی اپنی استعداد کے مطابق اس چشمہ فیض سے فیض حاصل کیا۔ ؎

باران کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شورہ بوم و خس

سچ ہے ؎

نہ ہو طبیعت ہی جن کی قابل وہ تربیت سے نہیں سنورتے
ہوا نہ سرسبز رہ کے پانی میں عکس سرو کنار جو کا

کتمان شہادت حق کا ارتکاب

کتب سیر و تواریخ و احادیث میں بکثرت ایسے واقعات ملتے ہیں کہ کئی دفعہ حضرت امیر علیہ السلام نے اپنی نصوص خلافت کے متعلق بعض صحابہ سے شہادت طلب کی لیکن انہوں نے کتمان حق کرتے ہوئے ادائے شہادت سے انکار کر دیا اور آنجنابؑ کی بددعا کا شکار ہو کر مختلف امراض و مصائب میں گرفتار ہوئے چنانچہ مسند امام احمد بن حنبل مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۱۱۹ میں مروی ہے۔ کہ حضرت امیر علیہ السلام نے مقام رحبہ میں حاضرین سے خدا کا واسطہ دے کر شہادت طلب کی کہ جس شخص نے غدیر خم میں حضرت رسولؐ کو "من کنت مولاہ"، الخ فرماتے ہوئے سنا ہو وہ اٹھ کر شہادت دے۔ بارہ آدمیوں نے اٹھ کر شہادت دی کہ ہاں ہم نے آنحضرتؐ کو دیکھا اور یہ فرماتے ہوئے سنا تھا۔ لیکن تین آدمی جو کہ شاہد واقعہ تھے نہ اٹھے حضرت نے ان کے حق میں بددعا کی اور وہ مختلف شدائد و آلام میں مبتلا ہو گئے۔

اسی طرح ملا جامی نے شواہد النبوۃ مطبوعہ بمبئی ص۲۰۸ پر لکھا ہے "ازاں جملہ آنست کہ روزے بحاضرین مجلس سوگند داد کہ ہر کہ از رسول صلعم شنیدہ است کہ گفتہ "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" گواہی دہد انصاریں سے بارہ آدمیوں نے اٹھ کر شہادت نہ دی۔ حضرت علیؑ نے اس سے کہا کہ اے فلاں! تو نے گواہی کیوں نہیں دی اس نے اپنے بڑھاپے اور نسیان کے غلبہ کی وجہ سے فراموش ہو جانے کا عذر پیش کیا" امیرؑ گفت خداوندا اگر ایں شخص دروغ می گوید سفیدہ بر بشرۂ وے ظاہر گردان کہ عمامہ آنرا نہ پوشد۔ راوی گوید کہ واللہ من آں شخص را دیدم کہ سفیدی بر میان دو چشم وے درآں ساعت آمدہ بود" فرمایا بار الہا! اگر یہ آدمی جھوٹ کہتا ہے تو اس کے چہرہ پر ایک ایسی سفیدی ظاہر کر جسے عمامہ بھی نہ چھپا سکے۔ راوی کہتا ہے کہ بخدا میں نے دیکھا کہ اسی وقت اس شخص کی آنکھوں کے درمیان سفیدی ظاہر ہو گئی۔ یہ تھے انس بن مالک۔ بعد ازاں زید ابن ارقم کے انکار اور آنجنابؑ کی بددعا سے اس کے نابینا ہو جانے کا تذکرہ کیا ہے۔ (عین الفاظ یہ ہیں) "زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ گفتہ است کہ من در ہماں مجلس یا مثل آں حاضر بودم و من ازاں جملہ بودم کہ شنیدہ بودم اما گواہی نہ دادم و آں را پنہاں داشتم خدا تعالیٰ چشم مرا ببرد" محدث نسائی نے ایسے اشخاص کی تعداد بارہ بعض نے آٹھ اور بعض نے چالیس بتلائی ہے منجملہ ان کے انس بن مالک نے اس کی پیشانی پر مرض برص کا سفید داغ ظاہر ہو گیا تھا اور زید بن ارقم اور ابن عمیر نابینا ہو گئے تھے اشعث بھی مبتلائے عذاب ہوا تھا۔ براء ابن عازب عزیزوں سے جدا ہو کر عزبت کی موت مرا تھا۔ ایک شخص مرض جنون میں مبتلا ہوا تھا، اور ایک آدمی جنگ میں ہلاک ہو گیا۔ خلاصہ یہ کہ جن لوگوں سے آنجنابؑ نے بوقت ضرورت شہادت طلب کی اور انہوں نے انکار کیا۔ وہ سب ہی مختلف دینوی عذاب و عقاب کے شکار ہوئے۔ ولعذاب الاخرۃ اکبر۔

بتایئے اب اہل سنت کا یہ کلیہ کہ "الصحابۃ کلھم عدول" کہاں تک حقیقت پر مبنی ہے؟ [1]

---

[1] ہماری یہ کتاب لکھی جا چکی تھی کہ ہمیں حافظ علی بہادر دہلوی کی کتاب "صحابیت" اور جماعت اسلامی کے سربراہ کی کتاب "خلافت سے ملوکیت تک" دیکھنے کا اتفاق ہوا، ہر دو حضرات سنی المذہب ہیں انہوں نے داد تحقیق دیتے ہوئے اس غلط نظریہ کا تار و پود بکھیر کے رکھ دیا ہے افسوس ہے کہ ہم ان کتب سے استفادہ نہ کر سکے۔ تفصیل کے لئے شائقین ان کتب کا مطالعہ کریں (عفی عنہ)

"کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص کتمانِ شہادت حقہ کرے، آیت "لا تکتموا الشہادۃ" کی وعید شدید سے مطلقاً نہ ڈرے، اس گناہِ عظیم کے سبب سے عذابِ دنیوی میں بھی مبتلا ہو جائے اور یہ عذاب برص و جذام اور نابینائی وغیرہ کی صورت میں ظاہر بھی ہو جائے، بایں ہمہ اس کی عدالت قائم رہے؟ مالکم کیف تحکمون؟ یہ بات نظر انداز نہ کیجیے گا کہ یہ کونسا کتمان ہے؟ یہ کتمان حدیث پیغمبر اسلام ہے جن کے حق میں ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ وارد ہے، بنا بریں شہادت حدیث کا کتمان درحقیقت وحی خدا کا کتمان ہے جس کی سزا قرآن مجید میں یہ مذکور ہے۔ الذین یکتمون ما انزلنا من البینات والھدیٰ من بعد ما بیناہ للناس فی الکتب اولئک یلعنھم اللہ ویلعنھم اللعنون "جو لوگ چھپاتے ہیں ہماری نازل کی ہوئی دلیلوں اور ہدایت ہمارے لوگوں کے واسطے بیان کر دینے کے بعد ان پر اللہ لعنت کرتا ہے اور دوسرے لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں" (از موعظۃ الغدیر)

ایک ضمنی ایراد کا جواب

اگر یہ کہا جائے کہ سب صحابہ تو فاسق و فاجر نہ تھے۔ ان میں عادل و پرہیزگار بھی تو تھے انہوں نے ان نصوص کی بنا پر حضرت علیؑ کی متابعت کیوں نہ کی؟

اس ایراد کا جواب واضح ہے یہ بالکل درست ہے کہ صحابہ میں ایسے اشخاص موجود تھے اگرچہ ان کی تعداد بہت ہی قلیل ہے (وقلیل من عبادی الشکور)، بحمدہ تعالیٰ انہوں نے کسی وقت بھی حضرت امیر علیہ السلام کے دامن کو اپنے ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ کیفیت انعقادِ خلافتِ ابی بکر میں ہم ثابت کر آئے ہیں کہ تمام بنی ہاشم اور بعض دیگر جلیل القدر صحابہ کرام مثل سلمانؓ و ابوذرؓ و مقدادؓ و عمارؓ و امثالھم، حلقہ خلافت سقیفائی میں داخل نہیں ہوئے یہ ہمیشہ حضرت امیر علیہ السلام کے دامن سے متمسک رہے، خیال کیا جا سکتا ہے کہ شاید بنی ہاشم نے حضرت کی جانبداری کرتے ہوئے ایسا کیا ہو، مگر اس کا بطلان نہایت واضح و عیاں ہے کیونکہ

اولاً: تو یہ مسلمہ اہل سنت "الصحابۃ کلھم عدول" کے خلاف ہے، کیونکہ ایسا کہنا خود اس قاعدہ کا انکار کرنے کے مترادف ہے۔

ثانیاً: ان ہی ایسے حضرات بھی شریک ہیں جنہیں قومی نقطہ نظر سے حضرت علیؑ سے دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ جیسے حضرت ابوذرؓ و مقدادؓ و عمارؓ یا سر وغیرہ لہٰذا ماننا پڑے گا۔ کہ انہوں نے اپنی دیانت و امانت اور متانت و رزانت کا ثبوت دیتے ہوئے حضرت امیر علیہ السلام کی

خلافت و امامت سے کنارہ کشی اختیار نہیں کی۔

حضرت سید ابن طاؤس علیہ الرحمہ نے کتاب الیقین میں ص۱۱۳ تا ص۱۱۶ احمد ابن محمد طبری معروف بہ خلیلی اور محمد ابن جریر طبری کی کتاب مناقب سے ایک طویل روایت نقل کی ہے جس میں بارہ مہاجرین و انصار مثل حضرت مقدادؓ و عمار یاسرؓ و ابوذرؓ و سلمانؓ و بریدہ اسلمیؓ وغیرھم کا ابوبکر کے ناحق خلیفہ بن بیٹھنے پر ان سے ایک نہایت دلچسپ مکالمہ درج کیا ہے جو دلائل و براہین سے لبریز ہے جس میں ان کا خلیفہ صاحب کو لاجواب کرنا مذکور ہے اگر خوفِ طوالت دامنگیر نہ ہوتا۔ تو اس روایت کو یہاں من و عن درج کیا جاتا لیکن اختصار مانع ہے۔ اسی طرح سید صاحب موصوف نے کتاب مذکور میں ابن سعید عباد ابن یعقوب رواجنی کی کتاب معرفت سے ایک طویل روایت نقل کی ہے۔ جس میں عمران ابن حصین اور حضرت بریدہ ابن حصیب اسلمی کا حضرت ابوبکر کے پاس جا کر ان سے گفتگو کرنا مذکور ہے بریدہ نے کہا۔ لا ینبغی لاحد من المسلمین ان یتأمّر علی امیر المؤمنین علی بعد ان سمّاہ رسول اللہ بامیر المؤمنین۔ فان کان عندک عہد من رسول اللہ عہدہ الیک او امر امرک بہ لبعد ھذا فانت عندنا مصدق فقال ابوبکر لا واللہ ما عندی عہد من رسول اللہ ولا امر امرنی بہ ولکن المسلمین رأوا رأیاً فتابعتہم علی رأیہم فقال لہ بریدہ لا واللہ۔ ما ذلک لک ولا للمسلمین خلاف رسول اللہ الخ"

"یعنی کسی بھی مسلمان کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ حضرت امیر المومنین علیؑ پر حکومت کرے جب کہ خود رسولؐ خدا ان کو امیر المومنینؑ نامزد کر گئے ہیں اگر تمہارے پاس آنحضرتؐ کا کوئی وثیقہ یا حکم موجود ہو کہ انہوں نے دوبارہ خلافت آپ کو دیا تھا۔ تو اسے پیش کرو۔ ابوبکر نے کہا نہیں بخدا ایسا تو کچھ نہیں ہے بات صرف اس قدر ہے کہ مسلمانوں کی ایک رائے تھی کہ مجھے خلیفہ بنائیں میں نے ان کی پیروی کر کے اسے قبول کر لیا۔ یہ سن کر بریدہ نے کہا۔ نہیں بخدا! جناب رسول کریمؐ کے خلاف ایسا کرنے کا نہ آپ کو کوئی حق حاصل ہے اور نہ کسی اور مسلمان کو۔"

بعدہٗ مذکور ہے کہ حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو بلا بھیجا اور ان کے سامنے یہ ماجرا بیان کیا حضرت عمر نے کہا کہ اس کا جواب میرے پاس موجود ہے کہ "لا تجتمع النبوۃ و الملک فی اہل بیت واحد" "نبوت اور حکومت ایک ہی خاندان میں نہیں جمع ہو سکتی؟ بریدہ نے کہا اے عمر! خداوند عالم نے تمہارے اس جواب کا بطلان اپنی کتاب میں واضح و عیاں کر دیا ہے فرمایا۔ "ام یحسدون الناس

علی ما آتاھم اللہ من فضلہ، فقد آتینا آل ابراھیم الکتاب والحکمۃ واتیناھم ملکاً عظیماً۔ دیکھا! خدا نے کس صراحت کے ساتھ آلِ ابراہیم میں نبوت و ملک عظیم کے جمع ہونے کا تذکرہ فرمایا ہے، جب حضرت ثانی صاحب سے کوئی جواب نہ بن پڑا، تو شدتِ غیظ و غضب سے آنکھیں سرخ ہوگئیں اور طیش میں آکر کہنے لگے، "ماحبتما الا لتفرقا جماعۃ ھذہ الامۃ وتشتتا امرھا" تم چاہتے ہو کہ اس امت میں تفرقہ ڈالو اور ان کے معاملات کو درہم برہم کردو۔ معلوم ہوا کہ سب صحابہ گمراہ نہیں ہوگئے تھے۔ ہاں البتہ اکثریت ایسے ہی لوگوں کی تھی (وما اکثر الناس ولو حرصت بمومنین) بلکہ عادل صحابہ کی ایک جماعت اگرچہ وہ بہت ہی قلیل التعداد تھی۔ (وقلیل ماھم) وہ نہایت ثابت قدمی واطمینان قلبی کے ساتھ پیغمبرِ اسلام کی وصیت ونصیحت پر قائم ودائم رہی، آنحضرت کے منصوص خلیفہ کے مقابلے میں کبھی کسی سقیفائی وشورائی خلیفہ کی متابعت واقتدا نہیں کی۔

جزاھم اللہ خیر الجزاء عن حمایۃ الحق واھلہ۔

باقی رہا اشکال کا دوسرا پہلو کہ اگر تعیین خلیفہ کے متعلق نص موجود ہوتی تو پھر یہ اختلاف نہ ہوتا یہ شبہ بھی بچند وجہ باطل ہے۔

اوّلاً: تو سابقہ شبہ کے بطلان سے اس کا بطلان بھی واضح وعیاں ہوگیا، کیونکہ یہ شبہ بھی درحقیقت سب صحابہ کے متعلق انتہائی حسنِ ظن پر مبنی ہے جب سابق بیان میں اس حسن ظن کا بطلان اور بے جا ہونا قطعی دلیل وبرہان سے واضح ہوگیا اور آیاتِ الٰہیہ واحادیث نبویہ اور اخبار صحیحہ سے ثابت کردیا گیا، کہ جماعتِ صحابہ میں اکثر صاحبِ نفاق وشقاق اور اہل فسق وفجور وصاحبانِ ظلم وجور موجود تھے، جو اپنی خود غرضیوں کے ماتحت بڑے بڑے گناہانِ کبیرہ کا ارتکاب کرنے میں کچھ باک محسوس نہیں کرتے تھے۔ تو ایسے لوگوں کے لئے نصوص خلافت کے ہوتے ہوئے مسئلہ خلافت میں اختلاف کرنا کون سی تعجب خیز بات ہے؟

ثانیاً: اگر یہ قاعدہ کلیہ تسلیم کرلیا جائے کہ کسی چیز کے متعلق اختلاف کا موجود ہونا فی الحقیقت اس کے متعلق کسی ثبوت کے نہ ہونے کی دلیل ہے، تو اس سے لازم آئے گا، کہ پوری شریعتِ اسلامیہ کا جنازہ نکل جائے، کیونکہ اس قاعدہ کی رو سے ماننا پڑے گا، کہ نہ آنحضرتؐ نے کبھی وضو کیا تھا، نہ نماز پڑھی تھی، نہ کبھی روزہ رکھا تھا اور نہ یہ امور خلاق عالم کی طرف سے لائے تھے (العیاذ باللہ) اس لئے کہ ان سب باتوں میں مسلمانوں کے درمیان الیٰ ماشاء اللہ اختلافات موجود ہیں، اگر مسلمانوں کے اختلافات کو عدم نص کی دلیل قرار دیا جائے، تو تسلیم کرنا پڑے گا، کہ ان امور کے متعلق بھی

آنحضرتؐ کوئی قولی و فعلی نص موجود نہیں ہے۔ حالانکہ اس کا بطلان محتاج بیان نہیں ہے۔ طرفہ یہ کہ ان امور میں بعض ایسے امر بھی ہیں جن کو آنحضرتؐ تیئس سال کے عرصہ میں فقط قولی نہیں بلکہ عملی طور پر بھی ایک دو مرتبہ نہیں بلکہ ہر دن میں پانچ پانچ مرتبہ بجا لاتے تھے لیکن آنحضرتؐ کی وفات حسرت آیات کے بعد ان سب امور میں اختلافات پیدا کر دیئے گئے۔ جو تا حال موجود ہیں اور رہیں گے لیکن اس اختلاف کو ان امور کے منصوص ہونے میں قادح نہیں سمجھا جاتا۔ پھر مسئلہ خلافت و امامت میں باوجود آنحضرتؐ کی نص کے اس اختلاف کو کیوں حیرت و استعجاب کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور کیوں اسے عدم نص کی دلیل قرار دیا جاتا ہے؟ فما ھو جوابکم فھو جوابنا؟

ثالثاً: مذکورہ بالا امور (نماز وغیرہ) میں بیسیوں اختلافات پیدا کر دیئے گئے۔ حالانکہ ان میں اختلاف کرنے کے کوئی خاص علل و اسباب بھی موجود نہ تھے۔ بخلاف مسئلہ خلافت کے کہ اس میں حقیقی خلیفۂ رسولؐ سے انحراف کے متعدد اسباب و وجوہ موجود تھے۔ جن میں بعض اسباب تو حقیقت و واقعیت رکھتے ہیں اور بعض محض غاصبان خلافت کے ذہن کے اختراع و تلاش کردہ ہیں ذیل میں ہم ان چند وجوہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ جو کتب سیر و تواریخ کا مطالعہ کرنے سے ایک محقق کو معلوم ہوتے ہیں۔

حضرت علیؑ سے امت کے انحراف کے اسباب!

وجہ اوّل: حضرت عمر اور ان کے ہمنواؤں کا یہ خیال تھا کہ اگر حضرت علیؑ کو خلیفہ مقرر کر دیا گیا تو عرب ان کی اطاعت اور فرمانبرداری سے سرتابی کریں گے۔ کیونکہ آنجنابؑ اکثر لوگوں کے اعزا کو غزوات میں قتل کر چکے تھے۔ خیال کیا گیا کہ آپ کے خلیفہ ہونے سے فتنہ و فساد پیدا ہو جائے گا۔ اس لئے حضرت علیؑ کو اپنے مرکز سے ہٹانے میں بہتری نظر آئی۔ یہ وجہ خود حضرت عمر نے عبداللہ ابن عباس کے ساتھ ایک مکالمہ میں بیان کی جو کتاب شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۲ ص ۱۵۶ الفاروق شبلی ج ا ص ۱۲۸ طبع لاہور میں مذکور ہے۔

حضرت عمر کا یہ عذر "عذر گناہ بدتر از گناہ" کا مصداق ہے تعجب ہے کہ خدا و رسولؐ کی صواب دید کے مقابلہ میں اپنی رائے و تخمین کو ترجیح دے کر اپنے فعل قبیح پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ ارباب دانش و بینش پر مخفی و محتجب نہیں کہ اگر مہاجر و انصار حضرت علیؑ کی بیعت و اطاعت پر اتفاق کر لیتے تو ہرگز کسی عرب کو آپ کی مخالفت کی جرأت نہ ہوتی۔ بھلا جب تمام عرب حضرت ابی بکر ایسے عاری از کمالات اور بعد ازاں ان کے مشیر حضرت عمر ایسے فظ و غلیظ القلب کے حلقہ بگوش

اور مطیع و فرمانبردار ہو سکتے ہیں محض اس وجہ سے کہ اکثر مہاجر و انصار نے ان کی بیعت کرلی تھی۔ تو کیا یہ لوگ حضرت علیؑ جیسے عالی النسب، شریف النفس، کریم الطبع، پیکر عصمت و عدالت، مجسمہ شجاعت و شہامت مجموعۂ علم و عمل اور حامل تقویٰ و طہارت کی اطاعت سے سرتابی کر سکتے تھے؟ اگر تمام مہاجر و انصار جن میں شیخین بھی داخل تھے۔ آپ کی اطاعت و بیعت پر اتفاق کر لیتے تو کوئی متنفس آپ کے خلاف ہرگز علم بغاوت بلند نہ کرتا۔ اور نہ کر سکتا تھا۔ اس کی تائید اکید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جب قتل عثمان کے بعد مہاجر و انصار نے آنجنابؑ کی بیعت کرلی، تو کسی عرب نے اظہار ناراضگی اور مخالفت نہیں کی۔ بلکہ سب نے اپنی رضامندی و خوشنودی کا اظہار کیا۔ حتیٰ کہ جب فتنہ و فساد کا دروازہ کھلا تو اس کے سرغنہ خود بعض نام نہاد صحابہ و صحابیات ہی تھے۔ ابتداً انہی نے علم بغاوت و شقاوت بلند کیا بعد ازاں ان کے ورغلانے سے دوسرے اور بعض لوگ بھی ان کے ہم خیال ہو گئے۔ معلوم ہوا کہ غصب خلافت کی ذمہ داری سب مہاجر و انصار پر بالعموم اور شیخین پر بالخصوص عائد ہوتی ہے اور اس جرم سے ان کی گلوخلاصی ناممکن ہے۔

وجہ دوم:۔ یہ وجہ بھی حضرت عمر ہی کی تراش کردہ ہے کہا جاتا ہے کہ چونکہ حضرت علیؑ کمسن تھے۔ لہٰذا خوف تھا کہ عمر رسیدہ حضرات آپ کی اطاعت میں اپنی ہتک محسوس کریں، اس لئے آنجنابؑ کو اس منصب سے علیحدہ رکھنے میں مصلحت دیکھی گئی ہے۔ یہ وجہ حضرت عمر کے عبداللہ ابن عباس سے مکالمہ میں موجود ہے۔ (جو شرح نہج البلاغہ جدیدی ج ۲ ص۲۰ پر درج ہے)، اس کا دندان شکن جواب اسی وقت جناب ابن عباس نے ان کو دے دیا تھا۔ کہ تمہاری نظر میں حضرت علیؑ کی کم سنی اس امر سے مانع ہوئی۔ کہ آپ مسند خلافت پر متمکن ہوں مگر خدا اور رسولؐ کی نظر اشرف میں تو آپ کی یہ کم سنی اس امر سے مانع نہ ہوئی تھی۔ کہ تبلیغ سورۂ برأۃ کے وقت بوڑھے بزرگ (حضرت ابوبکر) کو معزول کر کے اس کم سن کو اس مہم کے انجام دینے کے لئے مقرر فرمایا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ وجہ نہایت ہی رکیک اور کمزور ہے کیونکہ ہر صاحب بصیرت جانتا ہے کہ عمر کا بڑا یا چھوٹا ہونا معیار فضیلت و بزرگی نہیں بلکہ معیار فضیلت عقل و دانش ہے عقلائے روزگار کا مقولہ ہے کہ "بزرگی بہ عقل است نہ بسال"۔ ظاہر ہے کہ اس امر میں عمر کی چھٹائی اور بڑائی کو کوئی دخل نہیں ہے۔ ذلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء۔ حضرت یحییٰ کے متعلق قرآن میں ہے کہ و اٰتیناہ الحکم صبیا۔ "ہم نے یحییٰ کو بچپن کے زمانہ میں حکم یعنی نبوت عطا کی"۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ مہد میں ہوتے ہوئے اپنی قوم سے خطاب کرتے ہیں۔ انی عبد اللّٰہ اٰتانی الکتاب وجعلنی نبیا۔ اگر بعض قشرین کو اصرار ہو کہ جو عمر میں بڑا ہو اسے ہی خلیفہ ہونا چاہیئے۔ تو بھی حضرت ابوبکر کی خلافت غلط ٹھہرتی ہے کیونکہ ان سے بھی عمر رسیدہ لوگ اس وقت موجود تھے۔ اگر اور کوئی

نہیں تو کم از کم آپ کے والد گرامی جناب ابو قحافہ تو بقید حیات تھے۔ ان کو خلیفہ منتخب کرنا چاہیئے تھا۔ یہی اعتراض خود ابو قحافہ سے منقول ہے۔ جیسا کہ بعض کتب میں مذکور ہے کہ جب ابو قحافہ کو حضرت ابوبکر کی خلافت کی مبارک باد دی گئی تو انہوں نے پہلا سوال یہی کیا کہ حضرت علیؑ موجود نہ تھے؟ کہا گیا کہ چونکہ وہ کمسن تھے اور تمہارے بیٹے کا سن ان سے زیادہ تھا اس لئے ان کو خلیفہ منتخب کیا گیا۔ کہا اگر معیار خلافت یہی ہے کہ جو سن میں بڑا ہو اسے خلیفہ بنانا چاہیئے تو پھر مجھے خلیفہ مانو کیونکہ میں ان میں سن میں بڑا ہوں۔ (احتجاج طبرسی)

وجہ سوم :۔ نبوت و خلافت ایک ہی گھر میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ "کرھوا ان یجمعوا فیکم النبوۃ والخلافۃ۔" قریش نے اسے پسند نہ کیا کہ نبوت و خلافت تمہارے ہی خاندان (بنی ہاشم) میں جمع ہوں، لہٰذا انہوں نے خود ایک خلیفہ کا انتخاب کر لیا۔ یہ وجہ بھی حضرت عمر اور عبداللہ ابن عباس کے بعض مکالمات میں موجود ہے (ملاحظہ ہو تاریخ ابن جریر طبری مطبوعہ مصر ج ۵ ص ۳۱/۳۲ و تاریخ کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۳۴ طبع مصر) اس کا جواب باصواب بھی اسی وقت دے دیا گیا تھا۔ کہ اختیار و انتخاب خدا کے ہاتھ میں ہے (بل یخلق ما یشاء و یختار ما کان لھم الخیرۃ" اللہ ہی خلق کرتا ہے اور وہی اختیار و انتخاب فرماتا ہے۔ لوگوں کو اس کا کوئی حق حاصل نہیں)۔ باقی رہا یہ کہ قریش نے اسے ناپسند کیا، تو اس کی نسبت خداوند عالم کا یہ ارشاد موجود ہے۔ "ذلک بانھم کرھوا ما انزل اللہ فاحبط اعمالھم" یعنی جس چیز کو اللہ عزوجل نے نازل کیا تھا، اس کو انہوں نے ناپسند کیا، پس خداوند عالم نے ان کے اعمال کو ضائع و اکارت کر دیا۔" اس مکالمہ میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت عمر نے کہا "بلغنی انک تقول انما صرفوھا عنا حسدا و ظلما" اے ابن عباس! مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم یہ کہتے ہو کہ لوگوں نے از روئے حسد و ظلم تم سے خلافت لے لی ہے۔" ابن عباس نے کہا، ظلم کی بابت تو یہ گذارش ہے کہ فقد تبین للجاہل والعلیم، ہر جاہل و عالم کو یہ حقیقت معلوم ہے۔ باقی رہا حسد تو یہ بھی کوئی تعجب کی بات نہیں۔ "فان ابلیس حسد آدم فنحن اولادہ المحسودون" شیطان نے حضرت آدم سے حسد کیا تھا، ہم اسی آدم کی اولاد ہیں، اس لئے ہم سے بھی حسد کیا جاتا ہے۔ نیز اشکال اول کے ذیل میں بیان کیا جا چکا ہے۔ کہ حضرت عمر کے اس مقولہ کی رد حضرت بریدہ ابن حصیب اسلمیؓ نے آیات قرآنیہ مثل آیہ مبارکہ ام یحسدون الناس علی ما آتاھم اللہ من فضلہ ولقد آتینا آل ابراہیم الکتاب والحکمۃ۔ و آتیناھم ملکا عظیما، سے کر دی اور ثابت کر دیا کہ یہ کہنا کہ نبوت و خلافت ایک خاندان میں جمع نہیں ہو سکتی ازروئے قرآن بے اصل و بے بنیاد ہے۔ یہ مکالمات بہت ہی دلچسپ

اور مفید ہیں اگر خوف طوالت دامنگیر نہ ہوتا تو ضرور انہیں من و عن نقل کر کے قارئین کرام کی چشم بصیرت کو جلا دی جاتی لیکن اختصار مانع ہے، شائقین تفصیل شرح حدیدی ج ۳ ص ۱۵۶ و ص ۱۰۵ طبع بیروت کی طرف رجوع فرمائیں،

تبصرہ حضرت عمر کے ان بیانات سے روز روشن کی طرح ظاہر و باہر ہے کہ آپ حضرت امیر المومنینؑ کو منصوص خلیفۂ رسولؐ سمجھتے تھے۔ لیکن ان سے منہ موڑ کر خلافت سقیفائی کی طرح ڈالنا مذکورہ بالا تاویلات علیلہ کی رو سے ان کے اجتہاد بے بنیاد کا نتیجہ تھا جو کہ تمام محققین کے نزدیک باطل ہے "لا مساغ للاجتہاد فی مورد النص" (نص کے مقابلہ میں اجتہاد کرنا جائز نہیں ہے دمجلۃ الاحکام الشرعیہ ص ۳۶ طبع بیروت) چونکہ خلیفہ صاحب کو نصوص قطعیہ کے مقابلہ میں اجتہاد بے بنیاد کرنے کی کچھ ایسی عادت پڑ چکی تھی کہ فروع دین سے تجاوز کر کے اصول عقائد میں بھی سرایت کر گئی۔ نصوص شرعیہ کے مقابلہ میں اجتہاد کے بطلان اور خلفائے ثلاثہ بالخصوص خلیفہ ثانی کے اجتہادات در مقابلہ نصوص کی تفصیلات دیکھنے کے شائق حضرات کتاب "النص والاجتہاد" کا مطالعہ فرمادیں۔

وجہ چہارم:۔ سابقہ بیانات میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ صحابہ میں اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جو اپنے دنیوی مفاد کو نفع اخروی پر مقدم سمجھتے تھے اور اپنے ان مقاصد مشئومہ کے حصول میں بڑے سے بڑے گناہ کا ارتکاب کرنے میں بھی کچھ جھجک محسوس نہیں کرتے تھے کیونکہ انہیں دین کے معاملہ میں آنجنابؑ کی سخت گیری اور حدود شرعیہ سے تجاوز و تعدی کرنے والوں کو سختی سے سخت سزا دینے پر یقین کامل تھا۔ نیز بڑے بڑے طماع و طالبان جاہ آنجنابؑ کے عدل و انصاف سے خائف و ترساں تھے کہ ان کے عہد معدلت مہد میں وہ اپنی من مانی کارروائیاں نہیں کر سکیں گے۔ انہیں علم تھا کہ حضرت علیؑ دین کے معاملے میں بڑے اور چھوٹے بڑے امیر و غریب اور قوی و ضعیف میں تفریق نہیں کرتے۔ سخت گیری۔ فالقوی عندہ ضعیف حتیٰ یاخذ منہ الحق والضعیف عندہ عزیز حتیٰ یاخذ لہ الحق۔ لہٰذا انہوں نے آنجنابؑ کو اپنے اصلی مرکز سے ہٹانے ہی میں اپنا مفاد مضمر سمجھا۔ فضلوا واضلوا کثیراً۔

وجہ پنجم:۔ غزالی نے اپنی کتاب سر العالمین مطبوعہ بمبئی ص ۹ پر بذیل حدیث غدیر تحریر فرمایا ہے: "واجمع الجماھیر علی متن الحدیث عن خطبتہ یوم غدیر خم باتفاق الجمیع وھو یقول من کنت مولاہ فعلی مولاہ فقال عمر بخ بخ لک یا ابا الحسن لقد اصبحت مولای ومولی کل مومن ومومنۃ ھذا تسلیم ورضیٰ وتحکیم ثم بعد ھذا غلب الھوی لحب الریاستہ وحمل عمود الخلافتہ وعقود النبوۃ وخفقان الھوی

فی قعقعۃ الرأیات واشتباک ازدحام الخیول وفتح الامصار سقاھم کأس الھوی فعادوا الی الخلاف الاوّل فنبذوہ وراء ظھورھم واشتروا بہ ثمنا قلیلا فبئس مایشترون

خلاصہ مطلب یہ کہ تمام مورخین و محدثین کا اجماع ہے کہ رسالت مآبؐ نے غدیر خم میں ارشاد فرمایا جس کا میں مولا ہوں اس کے علیؑ بھی مولا ہیں حضرت عمر نے مبارک باد دے کر حضرت علیؑ کی امارت کو قبول کیا لیکن اس کے بعد حکومت کی محبت، امارت کے ستون اٹھائے بڑے بڑے علموں کے پرچموں کا لہرانے سواروں کے ہجوم، فتح ممالک کی ہوس، سلطنت کی لالچ اور نام و نمود کی تمنا نے ان کو ہوا و ہوس کا جام پلا کر مست کر دیا۔ اس لئے انہوں نے اپنے اقرار کی خلاف ورزی کرتے ہوئے رسولؐ سے کئے گئے معاہدہ کو پس پشت ڈال دیا اور اپنی پہلی مخالفت کی طرف پلٹ گئے اور اپنے ایمان کو تھوڑی قیمت (یعنی چند روزہ دیوی سلطنت) پر فروخت کر ڈالا۔ انہوں نے بہت ہی بُرا سودا کیا!

اسی طرح سبط ابن جوزی نے تذکرہ خواص الامۃ صـ ۳۶ پر اس کلامِ حقیقت ترجمان کو نقل کیا ہے۔ علل و اسباب انحراف میں سے یہ وجہ نہایت ہی قوی بلکہ حقیقتاً آنجنابؐ سے اعراض و انحراف کی حقیقی وجہ یہی ہے۔ کما لا یخفی علی اولی الابصار۔ تعصب و عناد کی عینک اتار کر اگر امام غزالی اور علامہ سبط ابن جوزی جیسے مسلّم الثبوت آئمہ اہلِ سنت کے اس قول کو بنظرِ غائر دیکھا جائے۔ تو حضرت علیؑ کے عہدِ خلافت، نصِ امامت اور غصبِ حقوق میں کسی منصف مزاج انسان کو یقیناً کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہیں رہتا، بلکہ روزِ روشن کی طرح واضح و آشکار ہو جاتا ہے کہ ان لوگوں نے یوم غدیر خم بیعتِ خلافت کرنے کے بعد محبتِ دنیا اور حبِّ امارت و ریاست کے لئے اپنی سابقہ بیعت کو توڑ کر آنجنابؐ سے منہ موڑ لیا۔ سقیفۂ بنی ساعدہ میں جمع ہو کر نئی خلافت کی داغ بیل ڈال دی، حضرت علیؑ کے حقوق و نصوص کو پامال کر دیا۔ اور ان کے ظاہری منصبِ امامت و خلافت کو غصب کر کے خود اس پر قابض ہو گئے دعا ہے کہ خداوند عالم مسلمانوں کو ان حقائق کے سمجھنے کی توفیق عنایت فرمائے انہ علی کل شیئ قدیر و بالاجابۃ جدیر

اشکال سوم اگر یہ نصوص موجود ہوتے اور حضرت علیؑ اپنے کو منصوص من اللہ والرسول خلیفہ سمجھتے تو ضرور اس خلافت کا ادعا کرتے۔ لیکن آپ نے خلفائے ثلاثہ کے زمانہ میں کبھی اس امر کا اظہار نہیں کیا بلکہ بطیب خاطر ان کی بیعت کرتے رہے۔

الجواب و باللہ التوفیق لتحقیق الحق والصواب! یہ اشکال کتب سیر و تواریخ و احادیث اور ان کے مسلّمہ حقائق و دقائق سے سراسر جہالت

یا تجاہل پر مبنی ہے ورنہ اربابِ انصاف و اطلاع پر مخفی و مستور نہیں ہے۔ کہ (۱) حضرت امیر علیہ السلام ادوارِ ثلاثہ میں برابر اپنی خلافت و امامت کا ادعاء فرماتے رہے ہیں۔ (۲) ان کی خلافت کو ایک ظالمانہ و غاصبانہ خلافت سمجھتے تھے۔ (۳) کبھی ان کی بیعت نہیں فرمائی۔ اور اگر بالفرض یہ بیعت تسلیم بھی کر لی جائے تو اسے بطیب خاطر کہنا سراسر کذب و افتراء ہے بلکہ کتب اہل سنت سے بھی جو کچھ مستفاد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ نہایت اجبار و اکراہ کے ساتھ آپ سے بیعت لی گئی۔ ہم اس جواب باصواب کو تین حصص پر تقسیم کر کے ان تینوں مراحل میں اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے کتبِ معتبرہ کی رو سے حقائق کے چہرے سے نقاب کشائی کرتے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام کا عہدِ ثلاثہ میں ادعائے خلافت و امامت

حضرت امیر علیہ السلام کا اپنے کو حقدارِ خلافت سمجھنا اور بکرات و مرات اس حقیقت کا ادعا و اظہار کرنا ایک ایسی مسلمہ حقیقت ہے جس کا کوئی صاحب علم و انصاف انکار نہیں کر سکتا۔ چونکہ ہمارے اُن کے مولوی صاحبان بے چارے سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکا دینے اور البہ فریبی کرنے کے لئے ہمیشہ ان حقائق واقعیہ پر پردہ ڈالنے کی مذموم کوشش کرتے رہتے ہیں لہٰذا ہم نہایت اختصار کے ساتھ انہی کی کتبِ معتبرہ سے ان کے کذب و افتراء اور دجل و فریب کا پردہ چاک کئے دیتے ہیں تاکہ طالبانِ حقیقت کو ان حقائق میں صحیح غور و تامل کا موقع مل سکے

(۱) کتاب الامامۃ والسیاسۃ تالیف الامام الفقیہ ابی محمد عبداللہ ابن مسلم ابن قتیبہ الدینوری المتوفی سنہ ۲۷۰ھ (مطبوعہ مصر ص ۱۲ پر لکھا ہے۔ کہ حضرت علیؑ کو اخذ بیعت کے لئے ابوبکر کے پاس لایا گیا۔ اور ان سے کہا گیا ہے کہ ابوبکر کی بیعت کیجئے۔ فقال انا احق بھذا الامر منکم لا ابایعکم و انتم اولی بالبیعۃ لی اخذ تم ھذا الامر من الانصار الخ فرمایا امر خلافت کا میں تم سے زیادہ حق دار ہوں، میں تمہاری بیعت نہیں کرتا۔ بلکہ تمہیں میری بیعت کرنا چاہیئے تم نے رسولؐ سے اپنی قرابت کا احتجاج کر کے انصار سے خلافت کو لے لیا۔ وتاخذونہ منا اھل البیت غصباً الستم زعمتم للانصار انکم اولی بھذا الامر منھم الخ۔ اب تم ہم اہل بیتؑ سے غصب کرنا چاہتے ہو کیا تم نے انصار کے مقابلہ میں اس خیال کا اظہار نہیں کیا۔ کہ تم اس امر کے ان سے زیادہ لائق ہو کیونکہ حضرت محمد مصطفیٰؐ تمہارے قبیلہ میں سے تھے؛ انصار نے زمامِ قیادت تمہارے سپرد کر دی اور امارت تمہیں تفویض کر دی۔ فاذن احتج علیکم بمثل ما احتججتم علی الانصار فنحن اولی برسول اللہ حیاً و میتاً فانصفونا ان کنتم تؤمنون والا فبوؤا بالظلم و انتم

تعلمون اب میں تمہارے مقابل وہی احتجاج واستدلال کرتا ہوں جو تم نے انصار سے کیا، تم خود انصاف سے بتاؤ حضرت رسول کی حیات و ممات میں سب لوگوں سے زیادہ کون قریب ہے (ہم یا تم)؟ تم ہمارے ساتھ انصاف کرو، اگر ایمان رکھتے ہو (الی ان قال)

اللہ اللہ یا معشر المہاجرین لا تخرجوا سلطان محمد فی العرب عن دارہ و قعر بیتہ الی دورکم و قعور بیوتکم و لا تدفعوا اھلہ عن مقامہ فی الناس و حقہ فواللہ یا معشر المہاجرین لنحن احق الناس بہ لانا اھل البیت و نحن احق بھذا الامر منکم ما کان فینا القاری لکتاب اللہ الفقیہ فی دین اللہ والعالم بسنن رسول اللہ المضطلع بامر الرعیۃ الدافع عنھم الامور السیئۃ القاسم بینھم بالسویۃ واللہ انہ لفینا فلا تتبعوا الھوی فتضلوا عن سبیل اللہ فتزدادوا من الحق بعداً

اے گروہ مہاجرین اللہ سے ڈرو، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سلطنت وخلافت کو ان کے گھر سے نکال کر اپنے گھروں کی طرف نہ لے جاؤ ان کے اہلِ بیت کو ان کے حق و مقام سے محروم کر کے (خود خلیفہ نہ بن بیٹھو) بخدا اے گروہ مہاجرین البتہ ہم سب لوگوں سے آنحضرت کے زیادہ حق دار ہیں، کیونکہ ہم ان کی اہلِ بیت ہیں اور ہم ہی اس امر خلافت کے تم سب سے زیادہ حق دار ہیں، آیا ہم میں کتاب خدا کو پڑھنے والا دین خدا کا سمجھنے والا، سنن رسول کا عالم، رعیت کے معاملات پر مطلع وآگاہ ان سے بُرے امور کو دور کرنے والا اور ان میں برابر تقسیم کرنے والا کوئی نہ تھا؟ (جو تم نے ہم کو نظر انداز کر کے دوسروں کو خلیفہ مقرر کر دیا) بخدا ایسے صفات سے متصف تو ہم ہی ہیں۔ خبردار ہوا و ہوس کا اتباع نہ کرو۔ ورنہ راہِ حق سے بھٹک جاؤ گے اور حق سے بہت دور ہو جاؤ گے۔"

ملاحظہ فرمایئے کہ حضرت امیر المومنینؑ نے اس روایت شریفہ میں کس طرح واشگاف لفظوں میں کئی مرتبہ اپنی احقیت و اولویت کا اظہار و ابراز فرمایا ہے۔ اور کن زور دار الفاظ کے ساتھ مہاجرین و انصار کو اپنی حق تلفی سے خوفِ خدا دلایا ہے اے کاش یہ نصائح و مواعظ ان لوگوں کے قلوب میں کچھ اثر کرتے، لیکن محبّت امارت و ریاست کابوس کی طرح ان کے دل و دماغ پر اس طرح سوار تھی۔ کہ کوئی وعظ و نصیحت ان پر اثر انداز نہ ہوتی تھی۔ کیا اس کے بعد بھی کہا جا سکتا ہے کہ آنجناب نے اپنی خلافت کا ادعا نہیں فرمایا؟ حاشا وکلا

(۱) مزید ثبوت ملاحظہ ہو روضۃ الاحباب ج ۲ صفحہ ۲۲ ، روضۃ الصفاء ج ۲ صفحہ ۲۲۳ پر مذکور ہے

کہ ابوبکر علی را در مجمع مہاجرین خواند علی آمد موجب دریافت کرد عمر فاروق گفت کہ چنانچہ سائر اصحاب بیعت با ابابکر کردہ اند تو ہم بیعت کنی۔ علی گفت من ہمان سخن کہ شما بر انصار حجت ساختہ آید وایں راگر قیدید بر شما حجت مے گردانم راست بگوئید کہ بحضرت رسالت کہ اقرب بود وا وکیست ؟ عمر گفت ترا نگزاریم تا بیعت نکنی" الخ یعنی ابوبکر نے حضرت علیؑ کو مہاجرین کے مجمع میں طلب کیا حضرت علیؑ تشریف لائے۔ اور طلب کرنے کا سبب دریافت کیا۔ عمر نے کہا جس طرح دوسرے اصحاب نے ابوبکر کی بیعت کرلی ہے آپ بھی ان کی بیعت کریں، حضرت علیؑ نے کہا۔ خلافت حاصل کرنے کے سلسلہ میں جو دلیل آپ نے انصار کے بالمقابل پیش کی ہے۔ میں وہی دلیل تمہارے برخلاف پیش کرتا ہوں۔ سچ بتاؤ آنحضرتؐ کے ساتھ کون قرابت قریبہ رکھتا ہے ؟ عمر نے کہا ہم بیعت کئے بغیر آپ کو ہرگز نہیں چھوڑیں گے"

اس کے بعد روضۃ الاحباب کے ج ۲ صہ ۲۲۵ پر تصریح موجود ہے کہ اس سوال وجواب کے بعد آنجناب بیعت کیے بغیر واپس اپنے دولت سرا میں تشریف لے گئے۔

(۳) تاریخ طبری طبع مصر ج ۳ صہ ۲۰۲ پر مذکور ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے حضرت ابوبکر کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ "کنا نری ان لنا حقا فی ھذا الامر فاستبدد تم بہ علینا ثم ذکر قرابتہ من رسول اللہ وحقہ فلم یزل علی یقول ذلک حتی بکی ابوبکر" ہم اس امر (خلافت) کو اپنا حق سمجھتے تھے لیکن تم نے ظلم وستم کے ساتھ اسے ہم سے چھین لیا پھر آنجناب نے رسول خدا سے اپنی قرابت قریبہ اور اپنے حقوق کا ذکر فرمانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ابوبکر رونے لگے۔

(۴) صحیح مسلم ج صہ ۹۱ وصحیح بخاری ج ۳ صہ ۳۵ پر یہ مکالمہ بایں الفاظ مرقوم ہے " ولکنک استبددت علینا بالامر وکنا نحن نری لنا حقا لقرابتنا من رسول اللہ" (ترجمہ وہی ہے جو اوپر مذکور ہے۔)

(۵) کتاب استیعاب ابن عبدالبر مطبوعہ برحاشیہ اصابہ ج ۱ صہ ۵۰۲ بذیل حرف الراء بضمن ترجمہ رناعہ ابن رافع باسناد خود شعبی سے روایت کرتے ہیں۔ قال لما خرج طلحۃ والزبیر کتبت ام الفضل بنت الحارث الی علیؑ بخروجھم فقال علی العجب للطلحۃ والزبیر ان اللہ عزوجل لما قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قلنا نحن اھلہ واولیاءہ لاینازعنا سلطانہ احد فابی علینا قومنا فولوا غیرنا وایم اللہ لولا مخافۃ

الغرفۃ وان یعود الکفر و یبور الدین لغیرنا فصبرنا علی الالم. یعنی جب طلحہ و زبیر نے آپ کے خلاف خروج کیا تو ام الفضل دختر حارث نے حضرت علیؑ کو ان کے خروج کی اطلاع دی آنجناب نے فرمایا طلحہ و زبیر سے تعجب ہے کہ وہ کس طرح میرے خلاف علم بغاوت بلند کر رہے ہیں جب خداوند عالم نے اپنے رسولؐ کو اپنے جوار رحمت میں بلالیا۔ تو ہم نے کہا کہ ہم آپ کے اہل بیت اور ولی ہیں، آپ کی خلافت کے سلسلہ میں کوئی شخص ہمارے ساتھ نزاع اور اختلاف نہیں کرے گا لیکن ہماری قوم نے اس کا انکار کیا۔ اور ہمارے غیر (ابوبکر) کو اپنا حاکم بنالیا۔ بخدا اگر مجھے اس چیز کا خوف نہ ہوتا کہ مسلمانوں میں تفرقہ پڑجائے گا۔ کفر و شرک عود کر آئے گا اور دین اسلام خراب و برباد ہو کر رہ جائے گا۔ تو ہم یقیناً اس امر (خلافت ابوبکر) کو بدل کر رکھ دیتے ۔ لیکن ہم نے مذکورہ بالا مصالح کے پیش نظر بعض مصائب و آلام پر صبر کیا، الخ

(۱۹) آنجناب اپنے مشہور و معروف خطبہ شقشقیہ، نہج البلاغۃ ج ص۲۵ پر فرماتے ہیں۔

"لقد تقمصھا فلان وھو لیعلم ان محلی منھا محل القطب من الرحی ینحدر عنی السیل ولا یرقی الی الطیر الخ (الی ان قال) فصبرت وفی العین قذی وفی الحلق شجی ارى تراثی نھباً الخ پھر فلاں (ابوبکر) نے جامۂ خلافت زیب تن کرلیا۔ حالانکہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ مجھے خلافت سے وہی نسبت ہے جو قطب آسیہ کو آسیہ سے ۔ مجھ سے (علم و عرفان کے) چشمے پھوٹ رہے ہیں (میری بلندی مرتبہ تک) پرندہ بھی پرواز نہیں کرسکتا۔ (یہاں تک فرمایا) پس میں نے ان ناملائم حالات پر صبر کیا۔ حالانکہ (شدت غم و غصہ سے میری یہ کیفیت تھی کہ جیسے) آنکھوں میں خس و خاشاک پڑجائے اور حلق میں ہڈی پھنس جائے، کیونکہ میں دیکھ رہا تھا، کہ میری وراثت لوٹی جا رہی ہے!

اسی طرح آپ کے دیگر خطبات ایسے ہی دعاوی سے مملو و مشحون ہیں، مثلاً خطبہ پنجم مندرجہ نہج البلاغۃ ج ا ص۴۷ پر فرماتے ہیں۔ فو اللہ ما زلت مدفوعا عن حقی مستاثرا علی منذ قبض اللہ نبیہ صلی اللہ علیہ وآلہ حتی یوم الناس ھذا خدا کی قسم جب سے خداوند عالم نے اپنے پیغمبرؐ کو اپنے جوار میں بلایا ہے میں ہمیشہ اپنے حق سے دور رکھا گیا اور ہمیشہ مجھ پر دوسروں کو ترجیح دی جاتی رہی۔ اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ اسی طرح خطبہ نمبر ۱۴۶ نہج البلاغۃ ج ۲ ص۴۳ پر فرماتے ہیں:

"حتیٰ اذا قبض اللہ رسولہ صلی اللہ علیہ وآلہ رجع قوم علی الاعقاب وغالتھم السبل واتکلوا علی الولائج ووصلوا غیر الرحم وھجروا السبب الذی امروا بمودتہ ونقلوا البناء عن اساسہ فبنوہ فی غیر موضعہ معادن کل خطیئۃ الخ!

یعنی یہاں تک کہ جب خداوند عالم نے اپنے رسولؐ کو اپنے جوار رحمت میں بلا لیا تو ایک جماعت اپنے پچھلے پاؤں پلٹ گئی باطل کے راستوں نے انہیں تباہ و برباد کر دیا۔ اپنے غلط سلط عقیدوں پر بھروسہ کر لیا۔ عزیزوں کو چھوڑ کر غیروں سے حسن سلوک کرنے لگے۔ اور اہل بیتؑ جن کی مودت کا حکم دیا گیا تھا ان کو چھوڑ دیا اور خلافت کو اس کی بنیاد سے ہٹا کر بے محل جگہ منتقل کر دیا۔ الی غیر ذلک من التصریحات الصریحۃ والبیانات الفصیحۃ۔

آنجنابؑ کے ان دعاوی وبیانات اور تصریحات کی موجودگی میں آیا کوئی صاحب عقل و انصاف یہ کہہ سکتا ہے کہ آنجنابؑ نے کبھی اپنی خلافت کا ادعا نہیں فرمایا؟ (حاشا و کلا) یہ تو آنجنابؑ کے قولی بیانات تھے جو بطور نمونہ یہاں نقل کر دیئے گئے ہیں لیکن کتب سیر و تواریخ سے یہاں تک معلوم ہوتا ہے کہ آنجنابؑ نے اپنے قولی دعوؤں کو عملی جامہ پہنانے کی بھی پُرامن سعی بلیغ فرمائی ہے۔

(۱) چنانچہ کتاب الامامۃ والسیاسۃ ص ۱۲ طبع مصر پر مذکور ہے۔ "وخرج علیؑ کرم اللہ وجہہ یحمل فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم علی دابۃ لیلاً فی مجالس الانصار تسألھم النصرۃ فکانوا یقولون یا بنت رسول اللہ قد مضت بیعتنا لھذا الرجل ولو ان زوجک و ابن عمک سبق الینا قبل ابی بکر ما عدلنا بہ فیقول علی کرم اللہ وجہہ افکنت ادع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی بیتہ لم ادفنہ و اخرج انازع الناس سلطانہ فقالت فاطمۃ ما صنع ابو الحسن الا ما کان ینبغی لہ و لقد صنعوا ما اللہ حسیبھم و طالبھم انتہی۔"

حضرت علیؑ جناب فاطمہؑ کو ایک سواری پر اپنے ہمراہ لے کر ایک شب مجالس انصار میں تشریف لے گئے۔ جناب فاطمہؑ نے ان سے آنجنابؑ کی نصرت چاہی۔ انہوں نے جواب دیا کہ اے دختر رسولؐ ہم چونکہ ابو بکر کی بیعت کر چکے ہیں۔ لہذا مجبور ہیں۔ اگر آپ کے شوہر ابو بکر سے پہلے اپنی بیعت چاہتے تو ہم قطعاً انہیں چھوڑ کر ابو بکر کی بیعت نہ کرتے۔ یہ سُن کر حضرت علیؑ نے فرمایا کیا میں حضرت رسولؐ خدا کو بلا دفن و کفن ان کے گھر میں چھوڑ دیتا اور ان کی خلافت و سلطنت کے لئے لوگوں سے جھگڑنا شروع کر دیتا۔ جناب سیدہ نے فرمایا کہ ابو الحسن نے وہی کیا جو کرنا چاہیئے تھا۔ اور لوگوں نے وہ کام کیا جس کا خداوند عالم ان سے محاسبہ و مطالبہ کرے گا۔"

فائدہ — اخبار و آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ آنجنابؑ کے اعزا و احباب کا کیا ذکر آپ کے مخالفین اور مقابلین کو بھی آپ کی احقیت بالخلافت کا اقرار و اعتراف تھا جیسا کہ حضرت عمر کے

مکالمات سے ظاہر ہے ہم یہاں صرف ایک مختصر سے مکالمہ کے پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

صاحب فلک النجاۃ نے استقصار الافحام کے حوالہ سے کتاب محاضرات راغب اصفہانی سے نقل کرتے ہیں "ابن عباس کہتے ہیں میں عمر ابن خطاب کے ساتھ سیر کر رہا تھا۔ عمر نے کہا: خدا کی قسم تمہارے درمیان حضرت علیؑ مجھ سے خلافت کے زیادہ مستحق تھے میں نے کہا کہ پھر تم دونوں نے کیوں حملہ کر کے خلافت غصب کر لی! تو حضرت عمر نے کہا ہم نے عداوت سے نہیں لی (چالاکی ملاحظہ ہو) ہم ڈرے کہ اکثر لوگ عرب میں ان کے دشمن ہیں وہ ان پر اتفاق نہیں کریں گے نہ جمع ہوں گے۔ نیز حضرت علیؑ کم سن ہیں کام نہیں کر سکیں گے۔

ابن عباس نے کہا تم اور تمہارے دوست علیؑ کو حقیر سمجھ رہے ہو، ورنہ رسولؐ کریم تو ان کو قریش میں سردار مقرر کر کے بھیجتے تھے۔ اور اس وقت ان کو کوئی حقیر نہیں سمجھتا تھا؛ نیز اس مضمون کو درر السمطین محمد ابن یوسف زرندی سے نقل کیا ہے اس میں اتنا اضافہ ہے کہ "ابن عباس نے کہا بغض قریش کچھ نہیں کر سکتا۔ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ دیا ہے اور کم سنی کا تم جو ذکر کرتے ہو، تو تمہیں معلوم ہے کہ سورۂ برأتہ اترنے کے بعد ابوبکر کو دیا گیا لیکن خداوند عالم نے امر فرمایا کہ اس کو وہ آدمی پہنچائے جو نبی سے ہو تب حضرت علیؑ کو روانہ کیا گیا۔ کیا اللہ تعالیٰ کو اس وقت صغر سنی کا خیال نہ آیا۔ اس کے بعد عمر نے کہا خاموش ہو جاؤ اور اس بات کو چھپائے رکھو؛

ہم سابقہ بیانات میں حضرت عمر کے ہر دو عذروں پر تفصیلی تبصرہ کر چکے ہیں اس مقام پر حضرت عمر کا جناب ابن عباس کے استدلال کی تاب نہ لا کر لاجواب ہو جانا اور پھر ان کو اس حقیقت کے چھپانے کی تاکید کرنا خاص قابل دید ہے کیونکہ اس سے خلیفہ صاحب کے کوائف ایمانی و مدارج روحانی پر خاصی روشنی پڑتی ہے۔

(۲) کتاب مروج الذہب مسعودی مطبوعہ برحاشیہ کامل صفحہ ۶۸، العقد الفرید ج ۲ صفحہ ۳۱۹ پر جناب محمد ابن ابوبکر اور معاویہ کی خط و کتابت مذکور ہے یہاں فقط معاویہ کے ایک خط کے چند الفاظ پیش کئے جاتے ہیں۔ محمد ابن ابی بکر نے معاویہ کو بغاوت کے سلسلے میں ایک طعن آمیز خط لکھا تھا جس کے جواب میں معاویہ نے ان کو لکھا کہ "کان ابوک و فاروقہ اول من ابتزہ حقہ وخالفہ علی امرہ علی ذلک اتفقا واتسقا ثم انہما دعواہ الی بیعتہما فامتنع عنہما و تلکا علیہما فہما بہ الہموم و اراد ابہ العظیم" الخ "تیرا باپ (ابوبکر) اور اس کا فاروق (عمر) پہلے شخص تھے جنہوں نے علیؑ کا حق چھینا اور باہمی اتفاق کر کے ان کی مخالفت کی۔ پھر انہوں نے ان کو اپنی

بیعت کے لئے بلایا۔ مگر انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا جس کی وجہ سے ان دونوں نے ان کے خلاف بڑے بڑے ارادے کئے:

یہ خط و کتابت نہایت عجیب و غریب ہے جس کے دیکھنے سے بہت سے سربستہ راز کھل جاتے ہیں اور حضرات اہل جماعت کے بہت سے راز فاش اور پردے چاک ہو جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ تاریخ کامل ج ۳ صفحہ ۱۴۰ طبع جدید مطبع مصریہ وطبری ج ۵ صفحہ ۲۳۲ طبع مصر پر لکھا ہے۔ (جرت بین محمد و معاویہ مکاتبات کرھت ذکرھا فانہا کما لا یحتمل سماعھا العامۃ) "محمد ابن ابی بکر اور معاویہ کے درمیان کچھ ایسی خط و کتابت ہوتی رہی ہے جس کا ذکر کرنا ہمیں ناپسند ہے کیونکہ ان میں ایسے امور مذکور ہیں جنہیں سن کر عوام برداشت نہیں کر سکتے (یعنی وہ ایسے حقائق ہیں جنہیں معلوم کر کے سُنّی عوام سُنّی نہیں رہ سکتے۔)

ان تحقیقات و بیانات سے دوسرے دو مرحلے بھی طے ہو گئے اور ہمارے مدعا کی حقانیت و صداقت واضح ہو گئی۔ تاہم مزید وضاحت کے لئے ان دو مرحلوں پر ذیل میں قدرے تفصیل روشنی ڈالی جاتی ہے۔

حضرت علیؑ خلافت ثلاثہ کو جابرانہ اور غاصبانہ سمجھتے تھے

واضح ہو کہ ہمارے جواب کا مرحلہ دوئم یہ تھا۔ کہ حضرت امیر علیہ السلام خلفائے ثلاثہ کی خلافت کو ایک غاصبانہ و ظالمانہ خلافت سمجھتے تھے۔ اور خود مدعیان خلافت کو ظالم، غاصب، کاذب اور آثم جانتے تھے۔ اس کا ثبوت سابقہ بیانات میں موجود ہے کیونکہ آنجناب کے کلام حقائق ترجمان میں ان حضرات کی خلافت کے متعلق "غصب" "ظلم" "استبداد" وغیرہ الفاظ مذکور ہیں۔ جن کا صاف و صریح مفاد وہی ہے جس کا ہم نے ادعا کیا ہے۔ تاہم ازدیاد بصیرت کے لئے چند اور اشارات اور اجمالی بیانات پیش خدمت کئے جاتے ہیں۔

(۱) کتاب الامامت والسیاستہ صفحہ ۱۳ پر حضرت علیؑ اور دیگر چند حضرات کے بیعت ابوبکر سے تخلف کرنے اور جناب عمر کے غیظ و غضب کا اظہار کرنے کے بعد رقمطراز ہیں کہ "ابوبکر نے اپنے غلام قنفذ سے کہا کہ جا کر حضرت علیؑ کو بلا لاؤ۔ چنانچہ قنفذ حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آنجنابؑ نے اس سے آمد کا سبب دریافت فرمایا کہا۔ یدعوک خلیفۃ رسول اللہ۔ آپ کو خلیفۂ رسولؐ یاد کرتے ہیں۔ فقال علی سریع ما کذبتم علی رسول اللہ فرمایا۔ "تم لوگوں نے بہت جلد حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر افتراء کرنا شروع کر دیا (کہ خالفہ کو خلیفۂ رسولؐ کہتے ہو۔) قنفذ نے واپس جا کر جب یہ

کیفیت بیان کی تو عمر کے برانگیختہ کرنے پر ابوبکر نے دوبارہ اُسے یہ کہہ کر بھیجا کہ قل لہ امیر المومنین یدعوک لتبایع "امیر المومنین تمہیں بیعت کے لئے بلاتے ہیں" جب قنفذ نے حسب الامر آنجناب کو یہ پیغام دیا۔ فرفع علی صوتہ۔ فقال سبحان اللہ لقد ادعی ما لیس لہ" "تو حضرت علی علیہ السلام نے نہایت بلند آواز سے فرمایا، سُبحان اللہ! تعجب ہے کہ ابوبکر نے اس امر کا ادعا کیا ہے جس کے وہ اہل نہیں ہیں"

یہ روایت بہت حد تک امیر المومنینؑ کے حضرت ابوبکر وغیرہ کے متعلق خیالات کی غمازی کرتی ہے۔ اور اس پر نص صریح ہے کہ حضرت علی علیہ السلام ان کو ہرگز خلیفۂ رسول اور امیر المومنینؑ نہیں سمجھتے تھے وہ بھلا سمجھ ہی کیسے سکتے تھے۔ جب کہ پیغمبرِ اسلام اس عہدۂ جلیلہ کے لئے خود آپؑ کو بحکم پروردگار نامزد فرما چکے تھے۔

(۲) کتاب روضۃ الاحباب ج ۳ صلہ پر ہے "گویند اوّل خطبہ کہ در نہایت بلاغت و فصاحت انشا فرمودہ ایں بود الحمد للہ علی احسانہ قد رجع الحق الی مکانہ" "خداوند عالم کے اس احسان پر حمد کرتا ہوں کہ آج حق "خلافت" اپنے حقیقی محل پر پلٹا ہے" نہج البلاغۃ ج صہ پر حضرت کا وہ خطبہ مذکور ہے۔ جس میں یہ الفاظ موجود ہیں۔ "الآن اذ رجع الحق الی اھلہ ونقل الی منتقلہ "اب حق اپنے اہل کی طرف پلٹ آیا ہے۔ اور جہاں سے منتقل ہوا تھا۔ اس مقام پر پہنچ گیا ہے" آنجناب کا یہ ارشاد باسداد نہایت وضاحت و صراحت کے ساتھ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام حضرات ثلاثہ کی خلافت کو ناحق و ناجائز اور ان مدعیان خلافت کو اس کا نااہل سمجھتے تھے۔

لہ العقد الفرید ج ۲ صلہ ۲۳ طبع اوّل مصر پر حضرت امیر علیہ السلام کا ایک مکتوب گرامی مندرج ہے جو آپ نے معاویہ کے ایک طعن آمیز خط کے جواب میں تحریر فرمایا ہے۔ اثنائے کلام میں فرماتے ہیں "وذکرت ابطائی عن الخلفاء وحسدی ایاھم والبغی علیھم فاما البغی فمعاذ اللہ ان یکون واما الکراھۃ لھم فو اللہ ما اعتذر للناس من ذلک الخ" "اے معاویہ! تو نے خلفاء سے میری سستی (در بیعت) اور ان سے حسد و بغاوت کرنے کا ذکر کیا ہے جہاں تک بغاوت کا تعلق ہے خدا کی پناہ کہ وہ کبھی عمل میں آئی ہو۔ باقی ان کا بُرا سمجھنا۔ خدا کی قسم اس امر کی میں ہرگز معذرت نہیں چاہتا" (کیونکہ حقیقت الامر یہی ہے) لہٰذا حضرت علیؑ کے اس حلفیہ بیان کے بعد کوئی مسلمان اس امر میں شک و شبہ کر سکتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام خلفائے ثلاثہ کو بُرا سمجھتے تھے (منہ عفی عنہ)

(۳) حضرت علی علیہ السلام کی حضرات ثلاثہ سے مخالفت اور ان کو کاذب، خائن، غادر اور آثم سمجھنا ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ جس کا خود ان حضرات کو اقرار تھا۔ (آج کل ان کے پیروکار اس کا انکار کرکے اپنے پیرو مرشد حضرت عمر وغیرہ کی تکذیب کریں تو اور بات ہے۔) صحیح بخاری ج ۴ ص ۱۱۱ مصر و مسند امام احمد ج ۱ ص ۵۵ طبع مصر وغیرہ کتب میں حضرت عمر کا ایک طولانی خطبہ مذکور ہے جس میں انہوں نے سقیفائی خلافت کی کیفیت بیان فرمائی ہے اور اسے بیعت "فلتائی" (کانت بیعۃ ابی بکر فلتۃ "وقی اللہ شرھا" حضرت ابوبکر کی بیعت بغیر سوچے سمجھے عمل میں آئی تھی۔ لیکن خدا نے اس کے شر سے بچا لیا) قرار دینے کے بعد فرماتے ہیں۔ وخالف عنا علی والزبیر ومن معھما۔ "علیؑ اور زبیرؓ اور ان کے ہمراہیوں (بنی ہاشم و دیگر چند خواص) نے تخلف کیا۔

(۴) صحیح مسلم مع شرح نووی ج ۲ ص ۹۱ پر مذکور ہے کہ حضرت عمر نے حضرت علیؑ و عباس کو خطاب کرتے ہوئے کہا۔ ریتمانی کاذبا آثما غادراً خائناً۔ تم دونوں مجھے جھوٹا، گنہگار، دغاباز اور خیانت کار سمجھتے ہو۔ بلکہ جو مجھ سے بہتر تھا۔ (حضرت ابوبکر) تم اس کو بھی ایسا ہی سمجھتے تھے۔ ملاحظہ فرمائیے کہ اپنے اور اپنے رفیق خاص کے متعلق حضرت علیؑ و عباس کے نظریات کی ترجمانی اپنی زبانی کس صراحت و وضاحت کے ساتھ فرمائی ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ حضرت علیؑ و عباس نے جناب عمر کی اس نسبت کی رد نہیں فرمائی کہ عمر! یہ کیا کہہ رہے ہو! ہم تو آپ کو فاروق اعظم اور نہایت پاکباز خلیفہ رسولؐ سمجھتے ہیں۔ اسی طرح ابوبکر کو صدیق اکبر اور خلیفہ رسولؐ جانتے ہیں۔ بلکہ آپ نے اس مقام پر اپنے سکوت سے حضرت عمر کے خیالات کی تصدیق فرماتے ہوئے اس نسبت کی صحت پر مہر ثبت فرما دی ہے۔

(۵) اسی طرح حضرت عمر کے مکالمات سے بھی مترشح ہوتا ہے کہ وہ حضرت علیؑ کو مظلوم سمجھتے تھے چنانچہ عبداللہ ابن عباس سے ان کے مکالمہ مندرجہ شرح حدیدی ص ۲۰/ج ۳ میں یہ فقرہ موجود ہے۔ ما اریٰ صاحبک الا مظلوما "اے ابن عباس میں تمہارے ساتھی (حضرت علیؑ) کو مظلوم سمجھتا ہوں" ظاہر ہے کہ ظلم بغیر ظالم کے متحقق نہیں ہو سکتا۔ جب حضرت علی مظلوم ہیں تو لامحالہ حضرات شیخین اور ان کے اتباع ہی ظالم ہوں گے ورنہ خلیفہ نواز حضرات ہمیں یہ بتائیں کہ شیخین کے زمانہ میں اور کس شخص نے حضرت علیؑ پر ظلم و ستم کیا تھا جس کی بنا پر آنجنابؑ مظلوم و مقہور تھے؟

اس سلسلہ میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ سب کتب معتبرہ اہل سنت ہی سے ماخوذ ہے اور ہماری کتب میں جو کچھ اس موضوع کے متعلق موجود ہے وہ "عیاں راچہ بیاں" کا مصداق ہے لہذا باتفاق روایات فریقین واضح ہو گیا کہ حضرت امیر المومنین اصحاب ثلاثہ کو غاصب و ظالم، کاذب

وآثم، غادر اور خائن سمجھتے تھے ہمیں اس سے سروکار نہیں کہ اس سلسلہ میں حق بجانب کون تھا۔ وہ دلائل وبراہین مثل "الحق مع علی وعلی مع الحق اور القرآن مع علی وعلی مع القرآن" وغیرہ سے معلوم کرنا چاہئے ہمیں تو سردست فقط یہ دکھلانا منظور تھا کہ حضرت امیر علیہ السلام ان کو ظالم وغاصب سمجھتے تھے جو بحمدہ تعالیٰ باحسن وجہ واضح وآشکار ہو گیا۔ اگر کوئی مجمل ومتشابہ یا ضعیف السند یا موضوع ومجہول روایت ان متفق بین الفریقین روایات صحیحہ کے مقابلہ میں پیش کی جائے تو اسے درجہ حجیت واعتبار سے ساقط سمجھا جائے گا اس مقام پر حضرات اہل سنت کتر و بیونت کر کے ہماری کتب سے جو بعض روایات حضرت علیؑ کے ثلاثہ کے ساتھ خوشگوار تعلقات ثابت کرنے کے لئے پیش کیا کرتے ہیں۔ ان کے استدلال کے ابطال کے لئے فاضل جلیل مولانا حکیم امیر الدین صاحب (مرحوم) کے رسالہ "ابطال الاستدلال لاهل الزيغ والضلال" کا مطالعہ فرمائیں۔ اُمید کامل ہے کہ انشاء اللہ اس رسالہ شریفہ کے دیکھنے سے سب سربستہ راز کھل جائیں گے اور شکوک وشبہات کے تمام بادل چھٹ جائیں گے۔[1]

حضرت علیؑ نے خلفاء ثلاثہ کی بیعت نہیں کی

حقیقت یہ ہے کہ سابق دو مرحلوں کے اثبات کے اب اس مرحلہ میں گفتگو کرنے کی کچھ حاجت باقی نہیں رہتی کیونکہ صاحبان دانش وبینش نہایت آسانی سے یہ بات سمجھ سکتے ہیں کہ جب دلائل قاہرہ وبراہین باہرہ سے ثابت ہو گیا ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ خلافت وامامت کو بلا شرکت غیرے محض اپنا حق سمجھتے تھے اور مدعیان خلافت کو اپنے حقوق کا غاصب اور ظالم وخائن، کاذب اور آثم جانتے تھے۔ تو ان حالات میں کوئی صاحب عقل وانصاف یہ تصور بھی کر سکتا ہے۔ کہ آنجنابؑ نے بطیب خاطر ان کی بیعت کی ہو؟ حاشا وکلا۔

ہمیں اس بات کا انہی حضرت سے پتہ چلا ہے کہ خلیفہ رسولؐ کو مومن عادل (بلکہ معصوم) ہونا چاہئے پھر کیا کوئی عقل سلیم اسے باور کر سکتی ہے۔ کہ حضرت علیؑ نے انکو گنہگار اور غدار سمجھتے ہوئے بھی ان کی بیعت کرلی ہو؟ ماننا پڑے گا کہ ہرگز کوئی بیعت عمل میں نہیں آئی (کما استقر علیہ رائی المحققین من علماء الامامیہ کثرهم الله فی البریہ) "اگر یہ بیعت بظاہر واقع بھی ہوئی ہے (کما استقرت

---

[1] یا ہماری کتاب "تجلیات صداقت" کی طرف رجوع فرمائیں جو اس کتاب کی طبع ثانی کے وقت منظر عام پر آ چکی ہے۔ جس میں بڑی تفصیل جمیل کے ساتھ ان لوگوں کی دسیسہ کاریوں کا پردہ، چاک کیا گیا ہے۔ اور ان کے تمام مستمسکات کا تار و پود بکھیر کے رکھ دیا گیا ہے۔ (منہ عفی عنہ)

علیہ کلمۃ جمہور المخالفین۔) تو وہ نہایت اجبار و اکراہ اور اضطرار کے عالم میں ہیں۔

سابقہ بیاناتِ شافیہ و تحقیقات کافیہ کے بعد اس سلسلہ میں مزید قلم فرسائی کی چنداں ضرورت تو نہ تھی۔ لیکن تاہم محض مشککین حضرات کے شکوک کا ازالہ اور متوقفین کی تسکین اور مومنین کے ازدیادِ یقین کی خاطر اس بیعت کے عدمِ وقوع اور بصورتِ وقوع اس کے اجباری و اکراہی ہونے پر چند دلائل و شواہد کتب معتبرہ اہل سنت سے پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) ابن قتیبہ دینوری اپنی کتاب الامامۃ والسیاسۃ ص۱۲ پر " اباءتہ علی کرم اللہ وجہہ عن بیعتہ ابی بکر رضی اللہ عنہما " (عنوان قائم کر کے رقمطراز ہیں) " ثم ان علیا کرم اللہ وجہہ اتی ابابکر وھو یقول انا عبد اللہ واخو رسول اللہ فقیل لہ بایع ابابکر فقال انا احق بھذا الامر منکم الخ ..... فقال لہ عمر انک لست متروکا حتی تبایع فقال لہ علی احلب حلبا لک شطرہ واشدد لہ الیوم یردہ علیک غدا ثم قال واللہ یا عمر لا اقبل قولک ولا ابایعہ فقال لہ ابوبکر فان لم تبایع فلا اکرھک الخ " حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ابوبکر کے پاس لایا گیا۔ (خود تشریف نہیں لائے۔ مقامِ تدبر ہے اور اس لائے جانے کی کیفیت بھی عنقریب بیان کی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ) آنجناب نے فرمایا کہ میں عبد خدا اور برادرِ رسول ہوں عمر نے کہا کہ ابوبکر کی بیعت کرو۔ ..... آپ نے فرمایا کہ میں تم سے زیادہ حق دارِ خلافت ہوں تمہیں میری بیعت کرنا چاہیئے۔ عمر نے کہا تمہیں ہرگز نہیں چھوڑا جائے گا۔ جب تک بیعت نہ کرو۔ حضرت علی نے فرمایا اے عمر! تم اس دودھ کو خوب دوھ لو جس میں تمہارا بھی حصہ ہے[1] آج اس امر کو ابوبکر کے لئے خوب

---

[1] حضرت امیر المومنینؑ کا یہ نظریہ ایسا صحیح تھا جو حرف بحرف صحیح ثابت ہوا۔ حتیٰ کہ غیر مسلمان محققین و مورخین ان حالات کے پیش نظر اسی نتیجہ تک پہنچے ہیں۔ چنانچہ ڈیون پورٹ انگریز مورخ نے اپنی انگریزی کتاب "خلافت" میں حضرت ابوبکر کے خلیفہ بننے کی روایت اور حضرت عمر کے حضرت فاطمہؑ کا گھر پھونکنے کی دھمکی کا حال بیان کر کے لکھا ہے "کہ عمر کے اس طرح جبری بلکہ بے محابہ کردار کا باعث بے شک یہ خیال ہوا کہ ابوبکر چونکہ سن رسیدہ ہیں وہ تو بعد رسول کے غالباً بہت دن زندہ نہیں رہیں گے انہوں نے امید کی کہ ٹھیک ترکیب سے وہ خود ابوبکر کے بعد خلیفہ ہو سکتے ہیں۔ بشرطیکہ علیؑ کو خارج کر سکیں۔ کہ وہی ایک مدمقابل تھے جن سے ان کو کسی وجہ سے خوف کرنا پڑتا تھا"۔ (منقول از تاریخ اسلام ج ۳ ص ۲۵ بتوسط رسالہ اصلاح کھجوہ) فاعتبروا یا اولی الابصار۔ (منہ عفی عنہ)

متکلم کرو۔ کیونکہ وہ کل تمہیں واپس لوٹا دیں گے۔ پھر فرمایا اے عمر! میں ہرگز تمہارے قول کو قبول نہیں کروں گا۔ اور نہ ہی ابوبکر کی بیعت کروں گا۔ حضرت ابوبکر نے کہا تو میں تمہیں مجبور نہیں کرتا۔" اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت امیر علیہ السلام نے ہرگز بیعت نہیں فرمائی اور بڑی شدت سے انکار کیا۔

(۲) نیز اسی کتاب الامامۃ والسیاسۃ صفحہ ۱۳ پر محدث ابن قتیبہ بذیل عنوان "کیف کانت بیعۃ علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ" لیعنی :-

"حضرت علیؑ کی بیعت کرنے کی کیفیت"

رقمطراز ہیں ان ابابکر رضی اللہ عنہ تفقد قوماً تخلفوا عن بیعتہ عند علی کرم اللہ وجھہ فبعث الیھم عمر فجاء فناداھم وھم فی دار علیؑ فابوا ان یخرجوا فدعا بالحطب وقال والذی نفس عمر بیدہ لتخرجن او لاحرقنھا علی من فیھا۔ فقیل لہ یا اباحفص ان فیھا فاطمۃ فقال وان (الخ)

حضرت ابوبکر نے ایک گروہ کو نہ پایا جو ان کی بیعت سے تخلف کر کے حضرت علیؑ کے پاس جاگزین ہو گئے تھے حضرت عمرؓ کو ان کے پاس بھیجا۔ چنانچہ عمرؓ نے جا کر ان کو آواز دی جب کہ وہ حضرت علیؑ کے گھر میں موجود تھے۔ انہوں نے نکلنے سے انکار کر دیا۔ عمر نے لکڑیاں منگوائیں اور کہا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں عمر کی جان ہے باہر نکل آؤ۔ ورنہ میں گھر کو معہ گھر والوں کے آگ لگا دوں گا[۱]۔ ان سے کہا گیا۔ اے ابوحفص! اس گھر میں تو فاطمہؑ بھی ہیں! عمر نے کہا ہوں! مجھے ان کی کوئی پرواہ نہیں! چنانچہ دیہ شدت دیکھ کر دوسرے لوگوں نے تو باہر نکل کر ابوبکر کی بیعت کر لی مگر حضرت علیؑ باہر نہ نکلے۔ (الخ) آگے بڑھ کر صفحہ ۱۴ پر محدث ابن قتیبہ حضرت علیؑ کے متعلق لکھتے ہیں :- ولقی عمر ومعہ قوم فاخرجوا علیاً فمضوا بہ الی ابی بکر فقالوا لہ بایع فقال ان انا لم افعل فمہ؟ قالوا اذن واللہ الذی لا الہ الا ھو نضرب عنقک قال اذن تقتلون عبداللہ و اخا رسولہ قال عمر اما عبداللہ فنعم واما اخو رسولہ فلا وابوبکر ساکت لا یتکلم فقال لہ عمر الا تامر فیہ بامرک فقال لا اکرھہ علی شئ ما کانت فاطمۃ الی جنبہ فلحق علیؑ بقبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیصیح ویبکی وینادی یا ابن عم ان القوم استضعفونی وکادوا یقتلوننی۔" عمر اور ان کے ساتھ ایک جماعت (دراقدس پر) باقی رہ گئی۔

---

[۱] عمر بن خطاب کا جناب صدیقہ کبریٰ سلام اللہ علیہا کا گھر جلانے کے لئے لکڑیاں جمع کرنا ملاحظہ ہو الملل والنحل مصنفہ شہرستانی مطبوعہ بولاق مصر صفحہ ۲ شرح ابن الحدید مطبوعہ ایران ج ۲ صفحہ ۲، الفاروق مصنفہ شبلی نعمانی حصہ اول صفحہ ۴، العقد الفرید ج ۲ صفحہ ۱۷۶، تاریخ ابوالفداء ج ۱ صفحہ ۱۵۶، روضۃ المناظر مطبوعہ حاشیہ کامل ابن اثیر ج ۱۱ صفحہ ۱۱۳ اور تاریخ طبری ج ۳ صفحہ ۱۹۸ وغیرہ کتب اہل سنت میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے (منہ عفی عنہ)۔

حضرت علیؑ کو نکال کر ابوبکر کے پاس لے گئے[2]۔ ان سے کہا گیا کہ بیعت کیجئے۔ فرمایا۔ اگر بیعت نہ کروں تو کیا کرو گے؟ کہا گیا ہمیں اس خدا کی قسم جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں اگر بیعت نہیں کرو گے تو آپ کی گردن اڑا دیں گے۔ آپ نے فرمایا، اگر ایسا کرو گے تو خدا کے ایک بندے اور اس کے رسول کے بھائی کے قتل کے مرتکب ہو گے! عمر نے کہا۔ مجھے تمہارے خدا کے بندہ ہونے سے کوئی انکار نہیں۔ لیکن رسولؐ کا بھائی ہونا تسلیم نہیں۔"

اس دوران گفتگو میں حضرت ابوبکر بالکل خاموش بیٹھے رہے۔ عمر نے ان سے کہا۔ تم ان کے متعلق اپنا حکم کیوں صادر نہیں کرتے؟ کہا میں ان کو کسی چیز پر مجبور نہیں کرتا۔ جب تک فاطمہؑ ان کے پہلو میں موجود ہیں۔" (اس واقعہ ہائلہ کے بعد) حضرت علیؑ قبر رسولؐ سے لپٹ گئے۔ وہ بلند آواز سے گریہ و بکا کرتے اور کہتے تھے۔ اے بھائی! قوم نے مجھے بالکل ہی ضعیف سمجھ لیا۔ اور قریب ہے کہ مجھے قتل کر ڈالیں۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ اس وقت کوئی بیعت عمل میں نہیں آئی۔ نہ اختیاری نہ اجباری۔

(۳) اس مطلب کی تائید مزید روضۃ الاحباب ج ۲ ص ۲۵ سے ہوتی ہے۔ اس میں حضرت امیرؑ کے دربار خلافت میں لائے جانے کے بعد اور ان سے بیعتِ ابوبکر کا مطالبہ کرنے اور آنجناب کے انکار کرنے اور بعض صحابہ سے گفتگو کرنے کے تفصیلی واقعات کے بعد آخر میں لکھا ہے کہ ابوبکر نے کہا۔" اگر حالا توقف کنی و خواہی کہ دریں تامل کنی و تفکر نمائی۔ ہیچ حرج نیست پس علیؑ از مجلس برخواست و متوجہ خانہ خویش گشت۔" اگر آپ کو بیعت کرنے میں توقف ہے اور اس معاملہ میں غور و فکر کرنا چاہتے ہیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ چنانچہ اس کے بعد حضرت امیرؑ اٹھ کر گھر تشریف لے گئے۔ (۴) اسی طرح حبیب السیر ج اجزء چہارم ص ۲ پر روضۃ الاحباب کی طرح پوری تفصیل لکھنے کے بعد آخر میں لکھا ہے اور بالآخر شاہِ ولایت بے آنکہ با صدیق اکبر بیعت نماید مراجعت فرمود۔" یعنی حضرت امیرؑ نے ابوبکر کی بیعت کئے بغیر مراجعت فرمائی۔" ان چار عدد شہادتوں پر اکتفا کی جاتی ہے، ورنہ بعض آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ بیعت اجباری بھی اس کی تائید بخاری شریف ج ۲ ص ۱۱ طبع مجتبائی دہلی کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔ لکھا ہے" وکان لعلی وجہ حیاۃ فاطمۃ فلما

---

[2] ۔ دینوری نے آنجنابؑ کو گھر سے نکالنے کی کیفیت میں اجمال سے کام لیا ہے۔ اس کمی کو ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغۃ ج ۱ ص ۱۳۴ پر لکھا ہے وہ ابن سعد سے روایت کرتے ہیں۔ کہ "تخلف علیؑ من بیعۃ ابی بکر فاخرج ملببا یمضی بہ رکیضاً" جب حضرت علیؑ بیعتِ ابوبکر سے اعراض کر کے خانہ نشین ہو گئے۔ تو ان کے گلے میں کپڑا ڈال کر باہر نکالا گیا۔ اور دوڑاں دوڑاں ابوبکر کے پاس لائے گئے۔ (لا) یہی طعنہ معاویہ نے اپنے ایک خط میں حضرت امیرؑ کو دیا تھا۔ کہ تقاد کما یقاد الجمل المخشوش تمہیں دربار خلافت میں یوں زبردستی جکڑ کر لایا جاتا تھا جیسے مست اونٹ کے ناک میں نکیل ڈال کر کھینچا جاتا ہے اور جناب امیرؑ نے اس کے جواب میں لکھا تھا یا معاویہ اردت ان تذم فمدحت وان تفضح فافتضحت وما علی المسلم من غضاضۃ فی ان یکون مظلوما الخ۔ اے معاویہ تو نے چاہا تھا کہ میری مذمت کرے

توفیت استنکر علی وجوہ الناس فالتمس مصالحۃ ابی بکر و مبایعتہ ولم یکن یبایع تلک الاشہر الخ۔" جب تک جناب فاطمہ زندہ تھیں تو عام لوگوں کی نظروں میں حضرت علیؑ کی کچھ عزت و وقعت تھی۔ لیکن جب آپ وفات پا گئیں تو حضرت علیؑ نے دیکھا کہ لوگ ان سے بالکل رُو گرداں ہو گئے ہیں تب چاہا کہ ابُوبکر سے مصالحت و مبایعت کریں۔ لیکن ان مہینوں میں وجن میں جناب فاطمہؑ زندہ تھیں حضرت علیؑ نے ابُوبکر کی بیعت نہیں کی تھی۔"

بخاری کی یہ روایت اس امر پر نص صریح ہے کہ حضرت علیؑ نے (بقول اہلسنت) جب تک جناب سیدہ بقید حیات تھیں ہرگز ابُوبکر کی بیعت نہیں فرمائی۔ اگر بقول اہل سنت بیعت کی بھی تو اُن کی وفات کے بعد اور وہ بھی ناملائم و ناگزیر حالات کو الگ سے مجبور ہو کر اور وہ مبایعت بھی بمعنی مصالحت ہے نہ بمعنی حقیقی۔ ظاہر ہے کہ مصالحت تو غیر مسلمانوں سے بھی روا ہے۔ قابل غور امر یہ ہے کہ اگر حضرت علیؑ ابوبکر کو خلیفہ برحق سمجھتے تھے تو چھ ماہ تک تخلف و اعراض یعنی چہ؟ اور چھ ماہ کے بعد ناخوشگوار حالات سے مجبور ہو کر بیعت کرنا چہ معنی دارد؟ جو شخص حقیقی خلیفہ کی معرفت حاصل کئے بغیر مر جائے اس کے متعلق پیغمبر اسلامؐ کا یہ فرمان موجود ہے: "من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاہلیۃ" جو شخص اپنے زمانہ کے امام کی معرفت کے بغیر مر جائے وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔" (منصب امامت شاہ اسماعیل ص۲۱ مترجم اردو) اگر حضرت علیؑ اس اثنا میں دار البقا کی طرف منتقل ہو جاتے اور مسلمان ان پر کیا فتویٰ لگاتے؟ اور سیدۃ عالم السلام اللہ علیہا جو اسی عدم بیعت یعنی جناب ابوبکر کو خلیفہ رسولؐ نہ جاننے کے عالم میں رحلت فرما گئیں ان کے متعلق برادران اسلام کیا فتویٰ صادر فرمائیں گے؟"

ع مشکلے دارم ز دانش مند مجلس باز پرس؟

ماننا پڑے گا کہ حضرت امیر علیہ السلام جناب ابوبکر کو ہرگز خلیفہ رسولؐ نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کے متعلق آپ کا دہی نظریہ تھا جو سطور بالا میں بیان ہو چکا ہے: "الحق مع علی و علی مع الحق"۔

ازالہ شبہ کہا جاتا ہے کہ تاریخ الامم والملوک جلد دوم ص۴۴۷ سطر ۲۱ پر ہے: "حضرت علیؑ اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ کسی آنے والے نے کہا کہ ابوبکر لوگوں سے بیعت لینے کے لئے بیٹھ گئے ہیں۔ حضرت علیؑ جلدی سے اٹھے۔ درحالیکہ آپ صرف ایک کرتہ پہنے ہوئے تھے۔ نہ تہ بند تھا نہ چادر تھی۔ آپ نے بیعت کرنے میں دیر کو مکروہ جانا۔ یہاں تک کہ بیعت کی۔ پھر ابوبکر کے پاس بیٹھ گئے اور کپڑوں کے لئے آدمی بھیجا وہ آیا تو آپ چادر اوڑھ کر بیٹھ گئے اور حضرت ابوبکر کی مجلس کو لازم پکڑ لیا۔" روایت بخاری کے متعلق ابن حجر عسقلانی اور عینی شارحین بخاری کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے کہ چھ ماہ بعد جو بیعت ہوئی تھی وہ بیعت ثانیہ تھی۔ پہلی بیعت تو وہی تھی جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مسجد نبوی میں حسب بیان ابن جریر طبری کر لی تھی۔"

سابقہ تحقیقات کے بعد اس خیال کا ابطال محتاج بیان نہیں ہے کیونکہ مذکورہ بالا بیان حقیقت ترجمان سے اس شبہ کا بطلان روز روشن کی طرح واضح و عیاں ہو گیا ہے۔ کون صاحب عقل و انصاف انسان مذکورہ بالا تاریخی حقائق و

مسلّمات کے مقابلہ میں طبری یا اس کے دیگر امثال کی ایک بے سروپا روایت کو ترجیح دے کر ان مسلّمات کا انکار کر سکتا ہے؟
حالانکہ اسی تاریخ طبری میں اس روایت کے خلاف دیگر روایات موجود ہیں جن میں سے بعض روایات اس جواب کے مرحلہ اولیٰ میں مذکور ہو چکی ہیں۔ منجملہ ان کے ایک روایت ج ۳ صفحہ ۲۰۲ پر مذکور ہے "قال معمر فقال رجل للزھری افلم یبایعہ علی ستۃ اشھر قال لا ولا احد من بنی ھاشم" معمر بیان کرتے ہیں۔ کسی شخص نے زہری سے پوچھا کہ حضرت علیؑ نے چھ ماہ تک بیعت نہیں کی تھی؟ کہا ہرگز نہیں اور نہ بنی ہاشم سے کسی نے کی تھی؟ علاوہ بریں تاریخ الامم والملوک کی جلد دوئم طبع اوّلیٰ در مطبع حسینیہ بالمصر ہمارے پیش نظر ہے اس میں اس محولہ بالا روایت کا نام و نشان بھی نہیں ہے بلکہ سرے سے اس میں نشان دادہ صفحات ہی نہیں ہیں کیونکہ جلد دوم تین صد صفحات پر مشتمل ہے لہٰذا صفحہ ۴۴۷ سطر ۱۲ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح روایت بخاری کے متعلق یہ کہنا کہ یہ بیعت ثانیہ تھی بالکل غلط ہے کیونکہ اگر دیگر ادلہ و براہین سے حضرت علیؑ کا پہلے بیعت کرنا ثابت ہو جاتا اور کسی روایت سے یہ معلوم ہوتا کہ چھ ماہ بعد بیعت فرمائی تو شاید ممکن تھا کہ اس قسم کی کوئی تاویل علیل کی جا سکتی لیکن جب روایات اس کے خلاف موجود ہیں یعنی کتب فریقین سے حضرت علیؑ کا بیعت نہ کرنا ثابت ہے تو اسے کس قاعدہ کی رو سے بیعت ثانیہ پر محمول کیا جا سکتا ہے؟ مزید برآں قطع نظر ادلۂ خارجیہ کے خود بخاری کی روایت میں یہ تصریح موجود ہے کہ "لم یکن لیبایع تلک الاشھر" حضرت علیؑ نے ان چھ ماہ میں ہرگز بیعت نہیں کی؛ اگر پہلے بیعت کر چکے تھے، تو مذکورہ بالا جملہ کے کیا معنی ہیں؟ تاویل کنندگان نے اس جملہ کو نظر انداز کر کے اس تاویل علیل کا ارتکاب کیا ہے ورنہ اس کے پیش نظر ہرگز یہ تاویل نہیں کی جا سکتی۔ کما لا یخفیٰ۔ پس بنا بریں صحیح بخاری اور تاریخ طبری کی روایت میں تعارض ہو جائے گا۔ اور ظاہر ہے کہ بنا بر اصول مقررہ اہل سنّت تعارض کے وقت صحیح بخاری کی روایت کو سب کتب پر مقدم سمجھا جاتا ہے۔ (و قد تقدم تفصیلہ)
علاوہ بریں بیعت ثانیہ کی آنجناب کو کون سی حاجت لاحق ہو گئی تھی؟ کیا آپ کی سابقہ بیعت ڈھیلی پڑ گئی تھی؟ جو اس کی پختگی کے لئے دوبارہ بیعت کی! کسی اور صحابی کی بیعت تو ڈھیلی نہ پڑی۔ ہاں اگر کمزور ہو گئی تو حضرت علیؑ کی بیعت!

رع "بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است" یہی وجہ ہے کہ علامہ سعد الدین تفتازانی نے شرح مقاصد میں اقرار کیا ہے کہ یہ بیعت طرفین سے بڑے تشدد کے بعد عمل میں آئی۔ اور ان حضرات کی شدید ردّ کی ہے جو اس کے بطیب خاطر فوراً وقوع پذیر ہونے کے قائل ہیں۔ چنانچہ شرح مقاصد ج ۲ صفحہ ۲۸۶ طبع اسلامبول پر ادلہ خلافت ابوبکر کے ضمن میں رقمطراز ہیں۔ "الاوّل وھو العمدۃ اجماع اھل الحل والعقد علی ذالک و ان کان من البعض بعد تردد و توقف الخ (الی ان قال) وذکر فی صحیح البخاری وغیرہ من الکتب الصحیحۃ ان بیعۃ علی (۹)"

وفی ارسال ابی بکر وعمر ابا عبیدة الجراح الیٰ علی رضی اللہ عنہ رسالةً لطیفةً رواھا الثقاة باسناد صحیح یشتمل علی کلام کثیر من الجانبین وقلیل غلظة من عمر وعلی ان علیاً جاء الیھما ودخل فیما دخلت فیہ الجماعة وقال حین قام عن المجلس بارک اللہ فیما ساءنی وسرّکم فیما ردی اذ ثم بایع .... محل نظر انتھیٰ"

"یعنی پہلی دلیل ۔ اہل حل وعقد کا اجماع ہے ۔ اگرچہ بعض حضرات نے بڑے تردّد و توقّف کے بعد بیعت کی ۔ (یہاں تک کہ کہا) صحیح بخاری وغیرہ کتب صحیحہ میں لکھا ہے کہ بیعتِ علیؑ ۔ اسی طرح ابوبکر و عمر کا ابوعبیدہ بن جراح کو خاص پیام دیکر حضرت علیؑ کے پاس بھیجنا جسے قابلِ وثوق علماء نے باسناد صحیح لکھا ہے ۔ جو طرفین سے بڑی طویل گفتگو پر مشتمل ہے ۔ جس میں حضرت علیؑ اور عمرؓ کے درمیان تلخ کلامی کا ہونا بھی مذکور ہے اور یہ بھی درج ہے کہ جب حضرت علیؑ آئے اور اس امر میں داخل ہو گئے جس میں دوسری جماعت داخل تھی تو بزم سے اٹھتے وقت فرمایا ۔ خدا تمہیں وہ چیز (بیعت) مبارک کرے جس نے تمہیں خوش اور مجھے غمناک کیا ہے اور جن آثار میں وارد ہے کہ آپؑ نے برضاء و رغبت بیعت کی یہ محل نظر ہے ۔" (یعنی درست نہیں ہے ۔) ان حقائق کی روشنی میں ثابت ہو گیا کہ اگر اس قسم کی اکراہی و اجباری بیعت ثابت بھی ہو جائے ۔ تو بھی اس سے مدعیانِ خلافت کو بجائے نقصان کے کوئی نفع حاصل نہیں ہو سکتا ۔ کما لا یخفیٰ ۔

اشکال چہارم اگر حضرت علیؑ واقعاً اپنے کو مستحقِ خلافت اور حضرت ابوبکر وغیرہ کو ظالم و غاصب سمجھتے تھے تو باں شجاعت و شہامت سکوت کیوں اختیار فرمایا اور اپنا حق حاصل کرنے کے لئے تلوار کیوں نہ اٹھائی ؟ ان کا سکوت ان کی رضامندی کی دلیل ہے ۔

الجواب وبہ الثقة فی ردّ کلّ مرتاب ۔ قبل اس کے کہ اس شبہ کا جواب شافیہ و کافیہ سے قلع قمع کیا جائے بطور تمہید یہاں دو باتوں کا بیان کر دینا مناسب ہے ۔

(۱) یہ دنیا والوں کی ناسمجھی ہے کہ وہ ہر اس شخص کو جو محل بے محل جنگ پر آمادہ ہو جائے بہادر اور شجاع کہہ دیتے ہیں لیکن شجاعت حقیقتہً یہ ہے کہ انسان کے لئے جس وقت قدم اٹھانا مناسب ہو اور اقدام ضروری ہو اس وقت پر جگری کے ساتھ وہ آگے بڑھے اور سب کچھ کرے جو اس کا فرض معلوم ہوتا ہو چاہے اس سلسلہ میں اُسے جان بھی دینا پڑے اور جب موقع پر اقدام مناسب نہ ہو بلکہ سکوت اور چشم پوشی کی ضرورت ہو اس وقت تحمل سے کام لے

ﻟﮧ : علاوہ بریں حضرت امیرؑ کا بیعت ابوبکر وغیرہ کرنا عقلِ سلیم کے بھی خلاف ہے کیونکہ کسی کی بیعت وہ کرتا ہے جو جنت حاصل کرنے میں اس کا محتاج ہو مگر جو خود بنص رسولؐ قسیم الجنة والنار ہو وہ دوسروں سے بے نیاز اور دوسرے تمام لوگ جنت میں جانے میں اس کے محتاج ہوں وہ کیونکر دوسروں کی بیعت کر سکتا ہے اور جب اس کے ساتھ ساتھ خلیفۂ اوّل کی یہ روایت کردہ لا یجوز احد الصراط الا من کتب لہ علی الجواز (صواعق محرقہ ص ۷۵ طبع مصر) ... حضرت ... کا پروانۂ جنت ... کوئی شخص ... کے جنت میں نہیں جا

چاہے اس میں کتنے ہی مشکلات درپیش ہوں اور ناگوار صورتوں کا مقابلہ کرنا پڑے۔ اس صورت میں خاموشی اسی طرح شجاعت کا ثبوت ہوگی جس طرح پہلی صورت میں نبرد آزمائی"۔

(شہید انسانیت صفحہ ۲۶۴ طبع دوم)

(۲) عقلائے روزگار کا یہ طریقہ ہے کہ جب دلائل و براہین سے ۔۔۔۔ ان کے نزدیک کوئی امر محقق و مبیّن ہو جائے تو محض استبعاد عقلی کی بنا پر اس امر سے دستبردار نہیں ہوتے بالخصوص جب کہ اس امر کا تعلق کسی ایسی ذات الا صفات کے ساتھ ہو جو دانش و بینش اور عقل و حکمت میں سرآمد عقلاء روزگار ہو بلکہ وہ ایسے مواقع پر اس امر کے لئے کچھ مصالح حکم معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر کوئی صحیح وجہ معلوم ہو جائے تو فبہا ورنہ سوائے سر تسلیم خم کرنے اور اپنے عجز و قصور کا اقرار کرنے کے اور کوئی چارہ کار نہیں سمجھتے۔ زبان طعن و تشنیع اور جحود و انکار دراز کرنے کو خلاف دانش تصور کرتے ہیں۔ صاحب تحفہ اثنا عشریہ اپنی کتاب کے صفحہ ۹۰ پر اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں "پس اسرار این معاملات کہ حق تعالیٰ با خاصان خود می فرماید۔ بہر یکے از ایشاں برنگ دیگر سلوک مے کند بسیار دقیق باریک اند کہ ذہن ہر کس بآنہا نمی رسد۔ (بعد ازیں مے گوید) لہٰذا محققین ایں اسرار حوالہ بہ علم الٰہی نمایند و مہر خوشی بر دہان نہند"۔ خلاصہ مطلب یہ کہ:۔ خاصان خدا سے جن افعال و کوائف کا ظہور ہوتا ہے اور خداوند عالم ان کے ساتھ جس لطف و رحمت کی روش و رفتار کا اظہار فرماتا ہے اس کی اصل حقیقت تک ہر ایک کے عقل کی رسائی نہیں ہو سکتی اسی لئے محققین ان اسرار و رموز کو خداوند عالم کے علم کے سپرد کر کے اپنے دہنوں پر مہر سکوت لگا دیتے ہیں اور ہرگز کسی قسم کی قیل و قال نہیں کرتے"۔

بنا بریں ہم کہتے ہیں کہ جب ادلہ قاطعہ و براہین ساطعہ سے حضرت علیؑ کی عصمت و طہارت و دیانت و امانت اور فراست و قیاست محقق و مبرہن ہو چکی ہے اور یہ امر بھی براہین قاطعہ سے ثابت کر دیا گیا ہے کہ آنجناب اپنے کو مستحق خلافت اور مدعیان خلافت کو ظالم و غاصب اور آثم و غادر سمجھتے تھے لیکن اگر باایں ہمہ ان سے جنگ و جدال اور قتل و قتال نہیں فرمایا تو لا محالہ اس میں کچھ مصالح و حکم مضمر و مخفی ہوں گے۔ "لان فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ" یقیناً ان علل و اسباب کے معلوم کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے۔ اگر معلوم ہو جائیں تو فہو المقصود ورنہ زبان پر مہر خاموشی لگا کر سر تسلیم خم کرنا چاہیئے کسی صاحب عقل و انصاف کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ آنجناب کے اس کردار پر زبان طعن دراز کرتے ہوئے یہ کہنے کی جسارت کرے۔ کہ اگر حضرت علیؑ ان کو ظالم و غاصب سمجھتے تھے اور پھر حصول حق کے لئے ان سے جنگ نہ کی تو آپ کی عصمت و امامت رخصت ہو جائے گی"۔ جیسا کہ شارح مقاصد اور صاحب صواعق و تحفہ اثنا عشریہ وغیرہ نے اس گستاخانہ کلام باطل نظام کا اظہار کیا ہے۔ اگرچہ مذکورہ بالا اجمالی بیان ارباب انصاف کے لئے کافی ہے لیکن شاید کوئی متوہم ہمارے اس بیان سے یہ توہم کرے کہ ہمارے پاس حضرت علیؑ کے اس سکوت اور ترک قتال کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔ لہٰذا اس تمہید مفید کے بعد ہم چند علل و اسباب کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور بجائے اس کے کہ اپنی طرف سے کچھ وجوہ

پیش کی جائیں انہی وجوہ کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جنہیں خود امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بعض خطب و خطوط میں بیان فرمایا ہے کیونکہ یہ شبہ آجکل کی پیداوار نہیں بلکہ آنجناب کے عہد معدلت مہد سے برابر اس کا چرچا چلا آ رہا ہے۔ مدعیان خلافت کے حمائتیوں نے اپنی شاطرانہ چالوں سے اسے کچھ اس طرح اذہان عامہ میں کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا کہ باوجودیکہ اس کے متعدد جواب اور علل و اسباب بیان کئے گئے لیکن تا امروز یہ شبہ بدستور پیش کیا جاتا ہے۔ سچ ہے من لم یجعل اللہ لہ نوراً فما لہ من نور۔ بہرکیف جب حضرت امیر المومنینؑ کو یہ معلوم ہوا کہ کچھ لوگ اس قسم کے شبہات کا اظہار کر رہے ہیں تو آپ نے مختلف اوقات میں متعدد نقضی و حلی جوابات دیئے اور اپنے اس فعل جمیل کے متعدد مصالح و حکم بیان فرمائے ہم ذیل میں آنجنابؑ کے تین جوابات سے کچھ اقتباسات پیش کرتے ہیں:۔

جواب اوّل بعض کتب معتبرہ میں روایت ہے کہ جن دنوں حضرت علی علیہ السلام کوفہ میں رونق افروز تھے تو آپ کو معلوم ہوا کہ کچھ لوگ اس شبہ کا اظہار کر رہے ہیں، آپ نے لوگوں کو جامع کوفہ میں جمع کر کے ایک خطبہ دیا حمد و ثنائے ایزدی کے ارشاد فرمایا معاشر الناس انہ بلغنی عنکم کذا وکذا قالوا صدق امیر المومنین قد قلنا ذلک قال فان لی بستۃ من الانبیاء اسوۃ فیما فعلت قال اللہ تعالیٰ فی محکم کتابہ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ وقالوا ومن ھم یا امیر المومنین؟ قال اولھم ابراھیم اذ قال لقومہ واعتزلکم وما تدعون من دون اللہ فان قلتم ان ابراھیم اعتزل لغیر مکروہ اصابہ منھم فقد کفرتم وان قلتم اعتزلھم لمکروہ راٰہ منھم فالوصی اعذر ولی بابن خالتہ لوط اسوۃ اذ قال لقومہ لو ان لی بکم قوۃ او اوی الی رکن شدید فان قلتم ان لوطا کانت لہ بھم قوۃ فقد کفرتم وان قلتم لم یکن لہ بھم قوۃ فالوصی اعذر۔ ولی بیوسف علیہ السلام اسوۃ اذ قال رب السجن احب الی مما یدعوننی الیہ فان قلتم ان یوسف دعا ربہ وسألہ السجن لسخط ربہ فقد کفرتم وان قلتم انہ اراد بذلک لئلا یسخط ربہ علیہ فاختار السجن فالوصی اعذر۔ ولی بموسیٰ علیہ السلام اسوۃ اذ قال ففررت منکم لما خفتکم فان قلتم ان موسیٰ فر من قومہ بلا خوف کان لہ منھم فقد کفرتم وان قلتم ان موسیٰ خاف منھم فالوصی اعذر۔ ولی باخی ھارون اسوۃ اذ قال لاخیہ یابن ام ان القوم استضعفونی وکادوا یقتلوننی فان قلتم لم یستضعفوہ ولم یشرفوا علی قتلہ فقد کفرتم وان قلتم استضعفوہ واشرفوا علی قتلہ فلذلک سکت عنھم فالوصی اعذر۔ ولی بمحمد صلی اللہ علیہ وآلہ اسوۃ حین فر من قومہ ولحق بالغار من خوفھم وانامنی علی فراشہ فان قلتم فر من قومہ لغیر خوف منھم فقد کفرتم وان قلتم خافھم وانامنی علی فراشہ خافھم ولحق ھو بالغار من خوفھم فالوصی اعذر۔

(اربعین علامہ مجلسیؒ ص ۱۱۵/۱۱۶۔ احتجاج طبرسی ص ۔۔۔ علل الشرائع ج ۱ ص ۱۴۲ طبع ایران)۔

ایھا الناس! مجھے تمہاری کچھ چہ میگوئیوں کی اطلاع ملی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا ہاں یا امیر المومنین یہ اطلاع درست ہے۔ آپ نے فرمایا میں نے جو کچھ کیا ہے اس میں میرے لئے چھ انبیاء کرام کا نمونہ عمل موجود ہے۔ لوگوں نے عرض کیا وہ انبیاء کون

سے ہیں؟ فرمایا ان میں سے پہلے حضرت ابراہیمؑ ہیں جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا میں تم سے اور جن کو تم خدا کے علاوہ پکارتے ہو علیحدگی اختیار کر لوں گا۔ پس اگر تم یہ کہتے ہو کہ جنابؑ نے قوم کے رنج والم کے بغیر ایسا کہا تو تم کافر ہو جاؤ گے۔ اور اگر یہ تسلیم کرتے ہو کہ انہوں نے قوم کی اذیت رسانی کی بنا پر ایسا کیا تو پھر وصی رسولؐ زیادہ معذور ہے۔ (احتجاج طبرسی کی روایت میں حضرت ابراہیمؑ کی بجائے حضرت نوحؑ کا ذکر ہے جنہوں نے قوم کے حالات سے مجبور ہو کر یہ کہا رب انی مغلوب فانتصر۔ یا اللہ میں کمزور ہوں میری نصرت فرما) دوسرے جناب ابراہیمؑ کے خالہ زاد بھائی حضرت لوطؑ ہیں جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا اے کاش مجھے قدرت حاصل ہوتی یا کسی مضبوط قلعہ میں پناہ حاصل کر سکتا؟ اگر تم یہ کہتے ہو کہ انہوں نے طاقت وقدرت کے رکھتے ہوئے بھی یہ فرمایا تو تم کافر ہو جاؤ گے اور اگر یہ مانتے ہو کہ ان میں قوت نہ تھی تو پھر وصی رسولؐ زیادہ معذور ہیں۔ تیسرے جناب یوسفؑ ہیں جب کہ انہوں نے بارگاہِ ایزدی میں یہ درخواست پیش کی اے پروردگار جس بات کی طرف یہ مجھے بلاتی ہیں اس سے تو مجھے قید وبند زیادہ پسند ہے۔ اگر تم یہ کہتے ہو کہ جناب یوسفؑ نے بلا مجبوری اپنے پروردگار کو ناراض کرنے کے لئے اس سے قید وبند کا سوال کیا تو تم کافر ہو جاؤ گے اور اگر یہ تسلیم کرتے ہو کہ انہوں نے یہ سوال اس لئے کیا تھا کہ خدا ناراض نہ ہو تو پھر وصیٔ رسولؐ زیادہ معذور ہے۔ چوتھے حضرت موسیٰؑ ہیں جو فرماتے ہیں جب میں نے تم سے خوف محسوس کیا تو میں بھاگ نکلا۔ اگر تم یہ کہتے ہو کہ انہوں نے بلا خوف فرار اختیار کیا تھا تو کافر ہو جاؤ گے اور اگر یہ مانتے ہو کہ ان کو خوف دامن گیر تھا تو پھر وصیٔ رسولؐ زیادہ معذور ہیں۔ پانچویں حضرت ہارونؑ ہیں جنہوں نے اپنے برادر معظم کی خدمت میں قوم کی شکایت کرتے ہوئے عرض کیا۔ اے بھائی! قوم نے مجھے اس قدر کمزور سمجھا کہ قریب تھا کہ مجھے قتل کر ڈالیں۔ پس اگر تم یہ کہتے ہو کہ قوم نے ان کو کمزور نہیں سمجھا تھا تو کافر ہو جاؤ گے اور اگر یہ مانتے ہو کہ انہوں نے ان کو کمزور سمجھا اور ان کے قتل کا ارادہ بھی کیا تو پھر وصیٔ رسولؐ زیادہ معذور ہیں۔ چھٹے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جب کہ انہوں نے قوم کے مظالم سے مجبور ہو کر ہجرت کی اور ان کے خوف ڈر اس کی وجہ سے غار میں پناہ لی اور مجھے اپنے

جواب دوم جب حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال پر ملال ہوا تو مدینہ منافقوں سے بھرا ہوا تھا جو شجرِ اسلام کی بیخ کنی کرنے کے لئے ہر وقت مختلف تدابیر سوچنے کی دھن میں لگے ہوئے تھے جیسا کہ شبلی نعمانی نے لکھا ہے۔ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت وفات پائی مدینہ منورہ منافقوں سے بھرا پڑا تھا جو مدت سے اس بات کے منتظر تھے کہ رسولؐ کا سایہ اٹھ جائے تو اسلام کو پامال کر دیں۔" (الفاروق ج ۱ ص ۵۲ طبع لاہور) اور اس پر

بستر پر سلا دیا پس اگر تم یہ کہتے ہو کہ بلا خوف غار میں تشریف لے گئے تھے تو تم کافر ہو جاؤ گے۔ اور اگر یہ مانتے ہو کہ انہوں نے قوم کے خوف کی وجہ سے ایسا کیا تو پھر ان کا وصی زیادہ مجبور ہے (الغرض اگر ظاہری کمزوری کی وجہ سے ان انبیاء علیہم السلام نے اپنی قوموں سے عملی جہاد نہیں کیا بلکہ صرف زبانی اظہارِ نفرت پر اکتفا کی ہے۔ مگر اس سے ان کی نبوتوں میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔ تو اگر علیؑ نے ظاہری کمزوری کی بنا پر غاصبین سے جنگ نہیں لڑی تو اس میں کیا جائے تعجب واعتراض ہے؟)

طرۃ یہ کہ جو مومن تھے ان میں اکثر نو واردانِ اسلام تھے جو ہنوز راسخ الایمان اور ثابت القول نہ تھے۔ لہٰذا معمولی فتنہ و فساد اور شبہ و ایراد کی بنا پر ان کے کفر و الحاد کی طرف عود کر جانے کا بھی شدید خطرہ تھا، حتیٰ کہ اسی خوف سے حضرت رسولِ خدا بعض ضروری اصلاحات انجام نہ دے سکے۔[1] یہ تو تھے داخلی کوائف۔ اور جہاں تک خارجی حالات کا تعلق ہے ان کی کیفیت یہ تھی۔ کہ ہر چہار طرف سے دشمنانِ اسلام شمعِ اسلام کو گل کرنے کی گھات میں بیٹھے ہوئے رات دن منصوبے باندھ رہے تھے۔ ان حالات میں اگر حضرت علی علیہ السلام تلوار اٹھا لیتے اور مسلمانوں کے درمیان عین دار الخلافہ میں خانہ جنگی شروع ہو جاتی تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ نو واردانِ اسلام دوبارہ کفر و شرک کی طرف پلٹ جاتے اور منافقین کو شجرِ اسلام کی بیخ کنی کا نہایت عمدہ موقع مل جاتا اور معاندینِ اسلام کو شمعِ اسلام گل کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آتی۔ اس طرح حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تئیس سالہ زحمات و مشقات کا جن میں حضرت امیر علیہ السلام بھی برابر کے شریک و سہیم تھے۔ خونِ ناحق ہو جاتا اور جہاں نورِ اسلام اپنی ضیا پاشیوں سے تمام عالم کو منور و درخشاں کر رہا تھا۔ اس کی جگہ دوبارہ ظلمتِ کفر و شرک چھا جاتی۔ ابد الآباد کے لئے لوگ نورِ اسلام سے بہرہ مند ہونے سے محروم ہو جاتے۔ یہ ایسا امر تھا جسے حضرت امیر المومنین ایسے محسنِ اسلام کسی صورت میں گوارا نہیں فرما سکتے تھے چنانچہ خود آنجناب نے متعدد بار ان حقائق کا اظہار فرمایا ہے۔

نہج البلاغہ ج ۳ صفحہ ۱۳۱ مطبوعہ مصر پر مذکور ہے۔ فرمایا "اما بعد فان اللہ سبحانہ بعث محمداً نذیراً للعالمین ومهیمناً علی المرسلین فلما مضی علیہ السلام تنازع المسلمون الامر من بعدہ فواللہ ما کان یلقی فی روعی ولا یخطر ببالی ان العرب تزعج ہذا الامر من بعدہ عن اہل بیتہ ولا انہم منحوہ عنی من بعدہ فما راعنی الا انثیال الناس علی فلان یبایعونہ فامسکت یدی حتی رأیت راجعۃ الناس قد رجعت عن الاسلام یدعون الی محق دین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فخشیت ان لم انصر الاسلام واہلہ ان اری فیہ ثلماً او ہدماً تکون المصیبۃ بہ علیّ اعظم من فوت ولایتکم التی ہی متاع ایام قلائل یزول منہا ما کان کما یزول السراب او کما یتقشع السحاب۔ فنہضت فی تلک الاحداث حتی زاح الباطل وزہق واطمان الدین وتنہنہ"۔ خداوند عالم نے جناب رسولِ خدا کو عالمین کے لئے نذیر اور انبیاء و مرسلین کے لئے شاہد بنا کر بھیجا۔ جب آپ دارِ دنیا سے رحلت فرما گئے تو مسلمان ان کے بعد امر خلافت میں جھگڑا کرنے لگے بخدا

---

[1] بخاری ج ۲ صفحہ ۱۴۰ مطبوعہ مصر پر مروی ہے کہ ایک بار جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عائشہ صاحبہ سے بطور شکوہ فرمایا کہ تمہاری قوم نے کعبہ کو دوبارہ تعمیر کرتے وقت اس کی اصل بنیادوں سے کم کر دیا۔ عائشہ نے کہا یا رسول اللہ الا تردہا علی قواعد ابراہیم۔ یا رسول اللہ! آپ اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قائم کردہ بنیادوں پر کیوں نہیں لوٹا دیتے؟ آپ نے فرمایا لولا حدثان قومک بالکفر۔ اگر تیری قوم تازہ کفر سے نکل کر اسلام میں داخل نہ ہوئی ہوتی (جس کے دوبارہ ارتداد کا اندیشہ ہے) تو میں ایسا کرتا (منہ عفی عنہ)۔

میرے دل میں یہ بات کبھی نہیں آئی تھی کہ عرب اس امر (خلافت) کو آنحضرتؐ کے اہل بیت سے اور بالخصوص مجھ سے دور کر دیں گے (ان حالات میں مجھے) باز نہیں رکھا۔ مگر اس بات نے کہ لوگ بیعت کرنے کے لئے فلاں پر ٹوٹے پڑتے تھے پس میں نے اپنا ہاتھ (تلوار اٹھانے سے) روک لیا۔ یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ دین اسلام سے برگشتہ ہو رہے ہیں جو دین رسولؐ کے مٹانے کی طرف لوگوں کو بلا رہے ہیں۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں ایسے حالات میں اسلام اور اہل اسلام کی نصرت نہ کروں (صبر و سکوت کرکے) تو پھر مجھے اسلام میں ایسا شگاف اور رخنہ دیکھنا پڑے گا جس کا صدمہ چند روزہ خلافت کے چھن جانے سے بھی زیادہ سخت ہوگا۔ یہ چند روزہ ظاہری حکومت تو اس طرح زائل ہو جاتی ہے جس طرح بادل یا کہر زائل ہو جاتا ہے لہٰذا میں نے ان احداث و بدعات کے وقت تائید حق کی یہاں تک باطل مٹ گیا۔ اور دین مطمئن و مستقر ہو گیا۔" ع

ونعم ما قال ابو سلیمان بن حرب فی ھذا المعنی

ما کنت احسب ان الامر منصرف ❊ عن ھاشم ثم منھا عن ابی الحسن (شرح حدیدی
الیس اوّل من صلی لقبلتھم ❊ واعلم الناس بالقرآن والسنن ج ۲ ص ۳۸۸)

(۲) سابقاً استیعاب ابن عبد البرؒ مطبوعہ برحاشیہ اصابہ ج ا ص ۵۰۲ سے ہم نقل کر چکے ہیں کہ آنجنابؑ کو جب طلحہ و زبیر کی بغاوت کی اطلاع ملی تو آنجنابؑ نے ان کو خط لکھا۔ اس میں اپنی احقیت بالخلافت کے اظہار کے بعد تحریر فرمایا۔" وایم اللہ لولا مخافۃ الفرقۃ وان یعود الکفر ویبور الدین لغیرنا فصبرنا علی بعض الالم الخ۔" خدا کی قسم اگر مسلمانوں میں تفرقہ پڑ جانے کا اندیشہ، کفر کے پلٹ آنے کا خطرہ اور دین کی تباہی کا خوف نہ ہوتا۔ تو یقیناً ہم حالات کا کایا پلٹ کر رکھ دیتے۔ لیکن ہم نے (مذکورہ بالا مصالح کے پیش نظر) ان مصائب پر صبر کیا۔"

(۳) مناقب خوارزمی و مناقب ابن مردویہ اور کنز العمال ج ۳ ص ۱۵۵ پر شوریٰ کے دن حضرت امیر علیہ السلام نے یہ کلام حقیقت ترجمان ارشاد فرمایا۔ عامر ابن واثلہ سے روایت ہے۔" قال کنت علی الباب یوم الشوریٰ فارتفعت الاصوات بینھم فسمعت علیاً یقول بایع الناس ابابکر وانا واللہ اولی بالامر منہ واحق بہ منہ فسمعت واطعت مخافۃ ان یرجع الناس کفاراً یضرب بعضھم رقاب بعض بالسیف الخ" عامر بیان کرتے ہیں کہ میں بروز شوریٰ دروازہ پر موجود تھا جب اہل شوریٰ کی آوازیں بلند ہوئیں تو میں نے حضرت علیؑ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ وہ فرما رہے تھے" لوگوں نے ابوبکر کی بیعت کی حالانکہ خدا کی قسم میں اس سے زیادہ حق دار خلافت تھا لیکن میں نے محض اس اندیشہ کے ماتحت سکوت اختیار کیا (اس خانہ جنگی کی وجہ سے) لوگ کفر کی طرف پلٹ کر ایک دوسرے کی گردنیں نہ اڑانا شروع کر دیں۔"

(۴) ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ ج ۲ ص ۵۵ طبع بیروت پر روایت کرتے ہیں کہ" ان فاطمۃ حرضت

امیرالمومنین یوماً علی النہوض وابو الاثوب فسمع صوت المؤذن اشہد ان محمداً رسول اللہ فقال لہا ایسرک زوال ہذا النداء من الارض قالت لا قال فانہ ما اقول لک" ایک دن حضرت فاطمہ زہرا نے حضرت امیرالمومنین کو جنگ کے لئے برانگیختہ کیا۔ اس اثنا میں آنجناب نے مؤذن کی اذان سنی جو اشہد ان محمداً رسول اللہ کہہ رہا تھا حضرت امیر نے اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے) فرمایا کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ یہ ندا زمین سے ختم ہو جائے؟ جناب سیدہ نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا یہی وہ چیز ہے جو میں تم سے کہتا ہوں" (کہ میرے جنگ کرنے سے یہ ندا ختم ہو جائیگی) ان حقائق کی روشنی میں واضح وعیاں ہو گیا کہ حضرت امیرالمومنین نے محض بقائے دین و حفظ شریعت سید المرسلین اور خوف افتراق بین المسلمین کے جذبہ صالحہ کے ماتحت یہ تمام مصائب و آلام برداشت کئے اور اپنے حقوق کو پامال ہوتے دیکھتے رہے لیکن بجز صبر و شکیبائی کے کوئی اقدام نہ فرمایا۔ آپ کا یہ بر محل صبر و ضبط ہی آپ کی بے پناہ خداداد قوت و شجاعت اور حکمت و مصلحت بینی کا بین ثبوت و شاہکار ہے۔

جواب سوم کتب سیر و تواریخ و احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آنے والے فتنہ و فساد اور مکر و فریب سے باعلام ایزدی حضرت امیر علیہ السلام کو مطلع فرما دیا تھا اور بصورت انصار و اعوان کے نہ ہونے کے آپ سے صبر و تحمل کا عہد و پیمان لے لیا تھا۔ اس لئے آنجناب مطابق وصیت رسول تمام ظلم و ستم سہنے پر مامور اور تلوار اٹھانے سے معذور تھے۔ چنانچہ کنز العمال ج ۶ ص ۱۵۷ پر لکھا ہے کہ آنحضرت نے حضرت علی سے فرمایا "ان الامۃ ستغدر بک من بعدی و انت تعیش علی ملتی و تقتل علی سنتی الخ" اے علی! میری امت میرے بعد تمہیں بے یار و مددگار چھوڑ دے گی۔"؎ اسی طرح الخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۱۳۵ طبع حیدرآباد دکن بحوالہ ابو یعلی و حاکم و بیہقی و ابو نعیم حضرت علی سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ان مما عہد الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان الامۃ ستغدر بی بعدہ) ازالۃ الخفا ج ۱ ص ۲۲۵ پر باسناد ابو یعلی ایک طولانی حدیث کے ضمن میں حضرت امیر علیہ السلام روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا فلما خلا لی الطریق اعتنقنی ثم اجہش باکیا قال قلت یا رسول اللہ ما یبکیک؟ قال ضغائن فی صدور قوم لا یبدونہا لک الا من بعدی قلت یا رسول اللہ فی سلامۃ من دینی؟ قال فی سلامۃ ۔ جب حضرت رسول کو راستہ میں تنہائی حاصل ہوئی تو مجھے گلے سے لگا لیا۔ اور زار و قطار رونا شروع کیا۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ کو کیا چیز رلا رہی ہے؟ فرمایا ایک قوم کے سینوں کے کینے مجھے رلا رہے ہیں جنہیں میرے بعد تمہارے لئے ظاہر کریں گے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرا دین تو سلامت رہے گا؟ فرمایا ہاں۔"

کنز العمال ج ۶ ص ۹۹ میں یہ تتمہ بھی موجود ہے۔ قلت اترکہم وما اختاروا واختار اللہ ورسولہ والدار الآخرۃ واصبر علی مصائب الدنیا وبلواہا حتی الحق بک انشاء اللہ قال صدقت اللہم افعل ذالک بہ ایس

؎ تم میری ملت پر قائم رہو گے اور میری سنت پر شہید ہو گے"

نے کہا ہیں انہیں اور جسے وہ اختیار کریں گے ، ترک کر دوں گا ۔ خدا و رسولؐ اور دارِ آخرت کو اختیار کروں گا ۔ اور راہِ خدا میں جس قدر مجھ پر مصائب و شدائد ڈھائے جائیں گے ۔ ان پر صبر کروں گا یہاں تک کہ آپ کے ساتھ ملحق ہوں فرمایا : سچ کہتے ہو ، واقعاً تم ایسا ہی کرو گے ، بارالہا ! علیؑ کو اس کی توفیق دینا " ؛

ازالۃ الخفاء ج ۱ صـ۲۵ بسند مرفوعاً " ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ سے فرمایا : " انک مستلق بعدی جهداً قال فی سلامة من دینی ؟ قال فی سلامة (او قال نعم) اے علیؑ تجھے میرے بعد نہایت محنت و مشقت کا سامنا کرنا پڑے گا ، عرض کیا میرا دین تو سلامت رہے گا ؟ فرمایا ہاں ! (کذا فی کنز العمال ج ۶ صـ۱۵۶ والخصائص للسیوطی ج ۲ صـ۱۳۵) ؛

اسی طرح معارج النبوۃ رکن چہارم صـ۲۴۵ روضۃ الاحباب ج ۳۹۲ پر مذکور ہے : اے علیؑ ! اول کسیکہ بر لب حوض کوثر بمن رسد تو باشی ۔ بعد ازیں بسیارے از مکروہات بتو خواہد رسید باید کہ دل تنگ نہ گردی و دست در عروۂ وثقیٰ تحمل زدہ طریق حق پیش گیری و چوں بینی کہ دنیا مرضی و مختار خلق گردد باید کہ تو آخرت را اختیار کنی ۔ الخ " اے علیؑ ! جو شخص سب سے پہلے حوضِ کوثر پر میرے پاس وارد ہو گا ، وہ تم ہی ہو ۔ اے علیؑ ! میرے بعد تمہیں بہت سے مکروہات و ناملائم حالات کا سامنا کرنا پڑے گا ، تمہیں ان سے دل تنگ نہیں ہونا چاہیئے ۔ اور صبر و تحمل کے علم دستے کو پکڑے رہنا ، طریق حق پر ہمیشہ گامزن رہنا ، اور جب لوگ دنیا کو اختیار کر لیں تو تم آخرت کو اختیار کرنا " الی غیر ذلک من الاخبار والوصایا التی یضیق عن احصائها نطاق البیان) ؛

مقامِ تدبر ہے کہ حضرت سرورِ کائنات کے انتقال کے بعد وہ کون سے مصائب و شدائد تھے جو حضرت امیر المؤمنین پر ڈھائے گئے ؟ اور وہ لوگ کون تھے جنہوں نے یہ مصائب و آلام ڈھائے ؟ نفاق و شقاق اور حسد و کینے سے بھرے ہوئے سینے کون سے تھے ؟ جن کی پیشین گوئی مخبر صادق فرما گئے تھے ؟ ان سوالات کے جوابات سابقہ بیانات میں موجود ہیں ۔ اربابِ اطلاع و بصیرت پر مخفی و مستور نہیں ہے کہ وہ مصائب و شدائد غصب خلافتِ حقہ ، اکراہ برائے بیعت ابوبکر ، غصب فدک اور احراقِ بابِ سیدۂ عالم سلام اللہ علیہا وغیرہ کی شکل میں نمودار ہوئے جن کا شکوہ حضرت امیر علیہ السلام بایں الفاظ کرتے ہیں " اری تراثی نهبا " . . . . فصبرت و فی العین قذی و فی الحلق شجی " اور جناب سیدۂ عالم ان الفاظ کے ساتھ ان مصائب کا تذکرہ فرماتی ہیں ؛

صبت علیّ مصائبٌ لو انها ۞ صبت علی الایام صرن لیالیا (تفسیر الباری ترجمہ بخاری)

ظاہر ہے کہ خاندانِ رسالت پر مصائب و آلام کے پہاڑ گرانے والوں کے سربراہ مسلمانوں کے خلیفۂ اول و دوم رہا تھے ۔ دنیا جانتی ہے کہ ان جانگداز حالات و کوائف میں حضرت امیر المؤمنین نے مطابق وصیتِ رسولؐ جس فراخدلی اور بلند حوصلگی اور صبر و شکیبائی سے ان فتن و فسادات اور محن و آفات کی آگ کو فرو کیا ۔ دنیا اس کی نظیر پیش کرنے

سے ظاہر ہے چونکہ ہم یہ التزام کر چکے ہیں کہ اس سلسلہ میں وہی جوابات دیں گے جو خود حضرت امیر المؤمنین کے خطب و خطوط سے ماخوذ ہیں، لہٰذا اس وصیّت کے سلسلہ میں بھی خود آنجناب کا کلام حقیقت ترجمان پیش کئے دیتے ہیں، کتاب محاضرات ابن عربی ج ۲ صفحہ ۳ پر موجود ہے کہ عمر بن خطاب و ابو عبیدہ کے تشدد کے وقت حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا " وفی النفس کلام لولا سابق قول و سالف عہد لشفیت غیظی بخنصری و بنصری (الی ان قال) لکنی ملجم.... (الی ان قال) و صابر علی ما سائنی و سرّکم الخ" میرے دل میں کچھ کلام موجود ہے اگر قول سابق اور گذشتہ عہد و پیمان نہ ہوتا تو میں اپنے غیظ و غضب کو اپنی دو انگلیوں کے ساتھ دور کر لیتا۔ (یعنی تلوار ہاتھ میں لے کر تم سے جنگ کرتا) اس کے بعد فرمایا کہ لیکن ملجم (یعنی خاموش) ہوں .... اور ان امور پر صبر کرتا ہوں جو میرے لئے باعث غم و الم اور تمہارے لئے باعث فرحت و نشاط ہیں"۔

ایک استبعاد کا جواب اس بیان حقیقت ترجمان سے ایک اور عقدہ بھی حل ہو گیا جو بعض مشککین کے دلوں میں پیدا ہوا تھا وہ یہ کہ جب ابو بکر و عمر حضرت علیؑ کی شجاعت کے جوہر بچشم خود دیکھ چکے تھے تو بھلا ان کو کیونکر جراءت ہو سکتی تھی کہ ان کے ساتھ ایسا تشدد کریں؟ یہی استبعاد (مسئلہ فدک کے بارے میں کیا جاتا ہے کہ حضرت علیؑ ایسا غیور امام دیکھتا رہے اور حضرت فاطمہ زہراؑ کا حق غصب کیا جائے اور ان پر ظلم و ستم ڈھایا جائے ایسا کیونکر ہو سکتا ہے؟

توضیح مرام یہ ہے کہ یہ ظالمین و غاصبین حضرت علیؑ کو صبر و تحمل کے متعلق حضرت رسول کریمؐ کی وصیتیں سنتے رہتے تھے اور انہیں حضرت علیؑ کے دین و دیانت پر یقین کامل تھا۔ کہ وہ ہرگز آنحضرتؐ کی وصیّت کی مخالفت نہیں کریں گے لہٰذا انہیں اطمینان تام حاصل تھا کہ جو چاہیں ان کے اوپر ظلم و ستم کریں وہ ہرگز چون و چرا نہیں کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ان حضرات نے ظلم و ستم میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی اور حضرت علی علیہ السلام نے بجز صبر و تحمل کے کوئی اقدام نہ کیا۔ اور جب ان کا ظلم و استبداد حد سے بڑھ گیا تو فقط یہی فرمایا کہ اگر حضرت رسول خدا والا عہد و پیمان مانع نہ ہوتا تو میں اپنے غیظ و غضب کی آتش کو تلوار کی دھار کے پانی سے بجھا دیتا۔ لیکن وصیّت مانع ہے و سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون ؎

ازالۂ اشتباہ کہا جاتا ہے کہ اگر یہ وصیّت موجود تھی تو حضرت علیؑ نے جنگ جمل، جنگ صفین، اور جنگ نہروان وغیرہ میں کیوں تلوار اٹھائی۔ یہاں صبر و شکیبائی سے کیوں کام نہ لیا۔ یہ شبہ بچند وجہ باطل و عاطل ہے۔

اولاً کہ اگرچہ بعض طرق و اسناد میں وصیّت کے الفاظ میں عموم پایا جاتا ہے لیکن بعض روایات میں اس وصیّت کو مقید کیا گیا ہے کہ یہ صبر و تحمل اس وقت تک کرنا جب تک لوگ خود بخود تمہاری بیعت نہ کر لیں۔ لہٰذا بعد ازیں کوئی فتنہ و فساد برپا کرنا چاہے تو اس کی سرکوبی کے لئے دفاعی تدابیر اختیار کرنے کی آپ کو اجازت تھی۔ چنانچہ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ ج ۲ صفحہ ۲۹۲ طبع مصر میں ایک طولانی حدیث کے ضمن میں جو کہ آنے والے فتنہ و فسادات کی اطلاع پر مشتمل ہے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: "فکن جلیس بیتک حتی تقلدہا فاذا قلدتہا جاشت علیک الصدور و قلبت لک الامور تقاتل علی تاویل

القرآن کما قاتلت علی تنزیلہ" تم بالکل کنارہ کش اور خانہ نشین رہنا یہاں تک کہ خلافت از خود تمہارے سپرد کر دی جائے لیکن اب جبکہ تمہارے حوالے کر دی جائے گی تو لوگوں کے سینے تمہارے خلاف کھولنے لگیں گے۔ اور تمہارے معاملات کو دبایا جائے گا۔ اس وقت تم تاویل قرآن پر اسی طرح جہاد کرنا جس طرح میں نے تنزیل قرآن پر جہاد کیا ہے۔"

ثانیاً واضح ہے کہ اسلامی اصطلاح میں اصحاب جمل کو ناکثین، اصحاب صفین کو قاسطین اور اصحاب نہروان کو مارقین کہا جاتا ہے۔ حضرت امیر علیہ السلام کو ان ہر سہ فرق باطلہ کے ساتھ جنگ وجدال کرنے کا حکم تھا۔ نہ صبر وضبط کا جیسا کہ کتب فریقین میں اس قسم کی بکثرت روایات موجود ہیں "یا علی تقاتل المارقین والقاسطین" الخ فرائد السمطین ج ۱ باب ۵۳ پر مرقوم ہے۔ سعد بن عبادہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا امرت لقتال ثلاثة القاسطین والناکثین والمارقین" الخ وکذا فی المناقب خوارزمی صفحہ ۱۲ طبع تبریز میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۲۷ طبع مصر کنز الاعمال بر حاشیہ مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۴۳ طبع مصر تاریخ بغداد ج ۸ صفحہ ۳۴۰ مجمع الزوائد ج ۷ صفحہ ۲۳۸ ج ۵ صفحہ ۱۸۶ مصر ینابیع المودہ صفحہ ۱۳۰ لہٰذا حضرت علیؑ کا ان سے جنگ کرنا مطابق حکم نبوی تھا نہ مخالف وصیت کما لا یخفی۔

ثالثاً یہ وصیت صبر وتحمل اس امر کے ساتھ مشروط تھی کہ جب تک آپ کو یار و انصار نہ مل جائیں لیکن جب اعوان و انصار مل جائیں تو پھر صبر کی کوئی وصیت نہ تھی، چنانچہ کتاب اربعین صفحہ ۱۵۱ پر آنحضرتؐ کا ارشاد یوں مروی ہے۔ فرمایا "یا ابا الحسن! ان الامة ستغدر بك وتنقض عهدي فيك وانك مني بمنزلة هارون من موسى فقلت يا رسول الله فما تعهد الي اذا كان كذالك؟ فقال ان وجدت اعوانا فبادر اليهم وجاهدهم وان لم تجد اعوانا فكف يدك واحقن دمك" الخ " اے ابو الحسنؑ! میری امت تمہارے ساتھ غدر کرے گی اور تمہارے بارے میں میرے عہد و پیمان کو توڑ دے گی۔ تمہیں مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی۔ اگر اعوان و انصار مل جائیں تو ان سے جہاد کرنا ورنہ ہاتھ کو روک لینا اور اپنے خون کو محفوظ رکھنا"۔

رابعاً بعض اخبار سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صبر وشکیب کی تلقین فقط مدینہ کی حرمت محفوظ رکھنے کے لئے تھی کہ مدینہ ہی میں رہ کر جنگ و جدال نہ کرنا۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام بڑے سب جنگیں مدینہ سے باہر واقع ہوئیں۔ غالباً اسی چیز کے پیش نظر حضرت امیر المؤمنین نے اپنی ظاہری خلافت کے عہد میں حرم رسولؐ کو چھوڑ کر کوفہ کو دار الخلافہ قرار دیا تھا۔ ان حقائق کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ ان جنگوں کا سقیفائی خلافتوں کے ارکان سے جنگ نہ کرنے پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے بلکہ ع این زمین را آسمانے دیگر است

هذا تمام الكلام في هذا المقام بعون الله الملك العلام والحمد لله تعالى في المبدأ والاختتام - يا ايها الناس قد جاءتكم موعظة من ربكم وشفاء لما في الصدور وهدى ورحمة للمؤمنين ٭

بابِ ہفتم

دیگر ائمہ یازدہ علیہم السّلام کی خلافت و امامت کا اثبات

واضح ہو کہ حضرت امیر المؤمنین ؑ کی خلافتِ عظمیٰ، امامتِ کبریٰ اور وصایتِ مطلقہ کے محقق و مبرہن اور واضح و ثابت ہو جانے کے بعد اگرچہ دیگر ائمہ معصومین صلوات اللہ علیہم اجمعین کی خلافت و وصایت کے اثبات پر علیحدہ دلائل و براہین قائم کرنے کی چنداں ضرورت نہیں تھی کیونکہ حضرت امیر علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی خلافت بلافصل کے ثابت ہو جانے کے بعد ان حضرات کی خلافت و امامت خود بخود ثابت ہو جاتی ہے۔ کما لایخفیٰ علی اولی الافہام من العوام فضلاً عن العلماء الاعلام۔ تاہم مزید وضاحت و صراحت کے لئے اس سلسلۂ جلیلہ کے متعلق چند ادلّہ قطعیّہ عقلیہ و نقلیہ پیش کئے جاتے ہیں۔ مخفی نہ رہے کہ حضرت امیر المؤمنین ؑ کی خلافت و امامت کی طرح دیگر ائمہ معصومین ؑ کی خلافت و امامت کے متعلق بھی بکثرت ادلّہ قطعیہ و نصوص صریحہ و براہین قطعیہ عقلیہ و نقلیہ موجود ہیں۔ جن سب کا احصار کرنا علاوہ متعسّر بلکہ متعذّر ہونے کے وضع کتاب سے بھی خارج ہے۔ لہٰذا بطور نمونہ چند دلائل ساطعہ و براہین قاطعہ پر اختصار کیا جاتا ہے جیسا کہ تا حال ہم نے اسی رویّہ و رفتار کو اختیار کیا ہے۔

امامت ائمہ ؑ اطہار کی امامت کے اثبات پر دلیلِ عقلی اس دلیل کا بیان اور طرز استدلال بعینہٖ اسی طرح ہے جس طرح ہم اثباتِ خلافت حضرت امیر المؤمنین ؑ میں ذکر کر چکے ہیں۔ عقل سلیم و طبع قویم جن دو طریق مستقیم سے حضرت امیر علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خلافت و امامت مطلقہ پر دلالت کرتی ہے۔ انہی دو راہوں سے دیگر ائمہ معصومین ؑ کی ولایت و وصایت پر بھی دلالت کرتی ہے۔ بغرضِ تذکّر اجمالاً اشارہ کئے دیتے ہیں۔

طریقِ اوّل سرکار رسالت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کے بعد سلسلۂ خلافت و امامت دو ہی سلسلوں میں منحصر ہے۔ یا حضرت ابوبکر، عمر و عثمان تا مروان حمار اور یا حضرت علیؑ و حسنؑ و حسینؑ تا مہدی دوراںؑ۔ امامت ان دو سلسلوں سے باتفاق فریقین خارج نہیں ہے۔ جب فصول سابقہ میں سلسلۂ اول کا بطلان واضح و عیاں کر دیا گیا۔ اور مزید برآں حضرت امیر علیہ السلام کی خلافت بلافصل پر دلائل و براہین بھی قائم کر دیئے گئے۔ تو اس کے بعد عقلِ سلیم کی روشنی میں دیگر ائمہ اہل بیت ؑ کی خلافت و امامت کا اثبات محتاج بیان نہیں رہتا۔ کما لایخفیٰ علی اولی الاذہان۔

طریقِ دوم جب کسی شخص میں تمام صفات و شرائط امامت پائے جائیں اور بعد ازاں وہ شخص ادعائے امامت بھی کرے اور بوقتِ ضرورت اپنے دعویٰ کے اثبات پر کوئی معجزہ بھی پیش کر دے تو عقل سلیم کو اس کی امامت و خلافت کی حقانیت و صداقت پر ہرگز کسی قسم کا پس و پیش نہیں ہوتا۔ ہم ذیل میں بالاختصار ادلّہ قطعیہ سے ثابت کرتے ہیں کہ ائمہ

اہلبیتؑ میں تمام شرائط امامت از قسم قرشیت، علمیّت، شجاعت، عصمت، طہارت اور افضلیت وغیرہ بدرجہ اتم واکمل پائی جاتی ہیں۔

نیز ان حضرات کا دعویٰ امامت کرنا محتاج دلیل و برہان نہیں۔ اسی طرح ان کے معجزات قاہرہ و کرامات باہرہ سے کتب فریقین مملو و مشحون ہیں۔ بلقین کامل ہے کہ ان ذواتِ قدسی صفات کی خلافت و امامت کی صحت و حقیقت میں عقل سلیم کو ہرگز کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہ جائے گا۔ اور وہ بلا تامل ان کی ولایت و وصایت کی تصدیق و تائید کرے گی۔

آئمہؑ اہلبیتؑ تمام امت سے اعلم ہیں جب سابقہ ابواب میں ابوالائمۃ الطاہرین حضرت امیر المؤمنینؑ کی اعلمیت دلائل قاطعہ کے ساتھ ثابت ہو چکی تو اگرچہ اس سے خود بخود ائمہ طاہرین کی اعلمیت بھی ضمناً ثابت ہو جاتی ہے (لانھم فی الفضل سواء یثبت لآخرھم ما یثبت لاولھم) تاہم ذیل میں علیحدہ تمام ائمہ ہدیٰ کی اعلمیت پر اختصار کے پیش نظر اجمالاً روشنی ڈالی جاتی ہے۔

علمیت ائمہ اہلبیت علیہم السلام از قرآن کریم کلام مجید میں بہت سی ایسی آیات مبارکہ موجود ہیں جو ائمہ اطہار کی علمیت پر صراحۃً یا کنایۃً دلالت کرتی ہیں۔ ان سب آیات کا ثبت و ضبط وضع کتاب سے خارج ہے کیونکہ:۔

سفینہ چاہیئے اس بحر بے کراں کے لئے

لہٰذا صرف ایک آیہ وافی ہدایہ پر اکتفا کی جاتی ہے۔ ارشاد باری ہوتا ہے ثم اورثنا الکتب الذین اصطفینا من عبادنا الخ پھر ہم نے قرآن مجید کا وارث ان لوگوں کو قرار دیا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے منتخب کر لیا ہے۔ صاحب ینابیع المودۃ نے اپنی کتاب کے صفحہ ۳ پر حضرت ثامن الائمہ حضرت امام رضا علیہ التحیۃ والثناء سے اسی آیۃ مبارکہ کی تفسیر میں ایک طولانی حدیث نقل کی ہے جس کے ضمن میں آنجناب ارشاد فرماتے ہیں: "المراد بذالک العترۃ الطاھرۃ" یعنی ان وارثانِ کتاب سے مراد (آنحضرت صلعم) کی عترتِ طاہرہ ہے (کذا فی فرائد السمطین) کتاب اللہ سے مراد وہی کتاب ہے جس کے متعلق ارشاد رب العباد ہے: "تبیاناً لکل شیئ" اور اس کی جامعیت کے بارے میں وارد ہے: "لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین"۔ خلاصہ یہ کہ یہ وہ کتاب ہے جس میں علوم اولین و آخرین موجود ہیں۔ اور زمین و آسمان جنت و نار ماکان و ما یکون غرضیکہ تمام علوم و فنون مذکور ہیں لہٰذا وارثانِ کتاب وہی ہونگے جو ان تمام امور پر علمی احاطہ تامہ رکھتے ہوں اور ظاہر ہے کہ ایسے ذواتِ قدسی صفات تمام ملت اسلامیہ میں سوائے ائمہ اہلبیت علیہم السلام کے اور کہیں نظر نہیں آتے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔ (راویانِ اخبار کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امام جعفر صادق آل محمدؑ نے فرمایا: انی لاعلم ما فی السموات وما فی الارض واعلم ما فی الجنۃ واعلم ما فی النار واعلم ما کان واعلم ما یکون میں ان چیزوں کو جانتا ہوں جو آسمانوں میں ہیں اور ان سے بھی آگاہ ہوں جو زمین میں ہیں اور ان سے بھی واقف ہوں جو جنت میں ہیں اور ان امور پر بھی مطلع ہوں جو جہنم میں ہیں اور گذشتہ کا بھی علم رکھتا ہوں اور آئندہ کا بھی۔ راوی بیان کرتا ہے کہ آنجناب یہ فرما کر تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہو گئے۔ فرأی ان ذالک کبر

علی من سمع نبض شناس امام نے دیکھا کہ آپ کا یہ دعویٰ سامعین پر گراں گزرا ہے فقال علمت ذالک من کتاب اللہ ان اللہ عزّ وجل یقول فیہ تبیانا لکلّ شیئی۔ فرمایا کہ میں یہ سب امور کتابِ خداوندی کی برکت سے جانتا ہوں جس کے متعلق خداوندِ عالم ارشاد فرماتا ہے کہ اس میں ہر چیز کا بیان ہے (اصول کافی) علوم و معارف ائمہ دین کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ورنہ کتابِ خدا کا انکار متصوّر ہوگا۔: وما یجحد بآیاتنا الا الکافرون :۔

اعلمیت ائمہ ہدیٰؑ از حدیث رسول عظیمؐ

اس کے متعلق احادیث مستفیضہ نبویہ موجود ہیں۔ البتہ سب سے جامع حدیث شریف ثقلین ہے۔ جو متعدد وجوہ سے ائمہؑ کی اعلمیت پر دلالت کر رہی ہے۔ یہاں اس حدیث شریف سے صرف دو طرح سے استدلال کیا جاتا ہے:۔

(۱) ائمہ اہلِ بیت علیہم السلام کو لفظ ثقل کے ساتھ تعبیر کرکے انہیں عدیل و ثانی قرآن قرار دیا گیا ہے۔ یہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ علوم و معارف حقہ یقینیہ قرآن و مسائلِ شرعیہ اصولیہ و فرعیہ از قسم حلال و حرام وغیرہ انہی ائمہ کرام علیہم السلام سے حاصل کرنا چاہیں اور یہ جب ہی ہوسکتا ہے کہ یہ حضرات قرآن کے سب ظواہر و بواطن اور اس کے تمام اسرار و رموز سے کما حقہٗ بتعلیم ربانی واقف ہوں جب یہ صفت دیگر کسی فردِ امّت میں نہیں پائی جاتی ہیں۔ تو واضح ہوگیا کہ یہ حضرات تمام امّت سے اعلم ہیں:۔

(۲) اسی حدیث شریف کے بعض طرق و اسانید معتبرہ میں اس کا ایک تتمہ بھی موجود ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ لاتعلّموھم فانّھم اعلم منکم۔ اے مسلمانو! دیکھو تم اس (عترتِ طاہرہ) کو تعلیم نہ دینا بلکہ ان سے تعلیم حاصل کرنا کیونکہ وہ تم سے زیادہ عالم ہیں (صواعق محرقہ صفحہ ۹۰ طبع مصر قدیم) الحمد للہ اعلمیت ائمہ اہلِ بیتؑ کے متعلق سرکار رسالت مآبؐ کی ایسی تصریح صریح مل گئی ہے جس سے بڑھ کر اور صراحت متصوّر ہی نہیں ہوسکتی۔:۔ پیغمبر اسلام کی اس متواترہ حدیث کے مقابلہ میں کسی کلمہ گو کو یہ جرأت ہوسکتی ہے کہ کسی اور شخص کی اعلمیت کا ادّعا کرے؟ اور کون مسلمان یہ جسارت کرسکتا ہے کہ اعلمیت ائمہ ہدیٰ کا انکار کرکے جماعۃ المسلمین سے خارج ہوجائے اس لئے کہ اس امر کا انکار قرآن اور سید الابرار کی صحیح حدیث کے انکار کو مستلزم ہے (المتواتر یوجب انکارہ الکفر۔ حدیث متواتر کا انکار موجب کفر ہوتا ہے اصول شاشی [illegible]) :۔

عصمت ائمہ طاہرینؑ قرآن کریم کی روشنی میں

اس سلسلہ میں اگرچہ متعدد آیاتِ مبارکہ پیش کی جاسکتی ہیں مگر سب سے زیادہ جامع اور واضح آیت مبارکہ آیتِ تطہیر ہے جس کی وجہ دلالت بر عصمت حضرت امیر المومنینؑ کی عصمت و طہارت کے اثبات کے ضمن میں بیان ہوچکی ہے۔ ظاہر ہے کہ اہلِ بیتؑ کا مصداق صرف حضرت امیرؑ ہی نہیں بلکہ تمام ائمہ طاہرین ہیں۔ لہٰذا آیہ وافی ہدایہ جس طرح آنجنابؑ کی عصمت پر دلالت کرتی ہے۔ بعینہٖ اسی طرح دیگر ائمہ معصومینؑ کی عصمت و طہارت پر بھی دلالت کرتی ہے۔ کما لا یخفیٰ۔ دوسری آیت قل لا اسئلکم علیہ اجرًا الّا المودّۃ فی

القربیٰ۔ یہ آیت مبارکہ باتفاق فریقین آئمہ اہل بیتؑ کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ (تفسیر بیضاوی، تفسیر کشاف، تفسیر در منثور وغیرہ ملاحظہ ہوں۔) لہٰذا ان کی محبت بنص آیت، واجب و لازم ہے۔ شافعیؒ کہتے ہیں:۔

یا اہلبیت رسول اللہ حبکم ⁂ فرض من اللہ فی القرآن انزلہ (صواعق محرقہ ص۸۸)

کفاکم من عظیم القدر انکم ⁂ من لم یصل علیکم لا صلوٰۃ لہ (طبع مصر قدیم)

یہ امر محتاج دلیل نہیں ہے کہ وجوب محبت وجوب اتباع و اطاعت کو مستلزم ہے اور یہ امر کئی بار واضح کیا جا چکا ہے کہ جس ذات کی اطاعت مطلقہ واجب ہو وہ ذات معصوم ہی ہو سکتی ہے لہٰذا یہ آیہ مبارکہ بدلالت التزامی ائمہ اہلبیتؑ کی عصمت و طہارت پر بھی دلالت کرتی ہے۔ وہو المطلوب۔

عصمت ائمہ طاہرین احادیث خاتم النبیین کی روشنی میں اس سلسلہ میں کئی احادیث شریفہ موجود ہیں سب سے اصح و اکمل اور اثبت و اضبط حدیث ثقلین ہے۔ یہ حدیث شریف کئی اعتبار سے ان حضرات کی عصمت پر دلالت کرتی ہے۔

(۱) آنحضرتؐ نے تمام امت کو ضلالت و گمراہی سے بچنے اور جادۂ رشد و ہدایت پر چلنے کے لئے قرآن و عترت سے تمسک کرنے کو واجب و لازم قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مقصد جب ہی پورا ہو سکتا ہے کہ عترت طاہرہ اپنے قرین و عدیل یعنی قرآن مجید کی طرح ہر قسم کی علمی و عملی خطا و لغزش سے منزہ و مبرا اور درجۂ عصمت و طہارت پر فائز ہو۔ ورنہ ان کی اتباع موجب رشد و ہدایت نہیں ہو سکتی۔

(۲) مخبر صادق نے خبر دی ہے کہ قرآن و عترت قیامت تک ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے۔ اس عدم علیحدگی کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ بزرگوار ہر قول و فعل میں قرآن کے ساتھ ہوں گے اور قرآن ان کے ساتھ ہو گا۔ اگر عمداً یا سہواً ان سے کبھی کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو لازم آئے گا کہ یہ قرآن سے جدا ہو جائیں۔ حالانکہ یہ امر مستلزم تکذیب رسولؐ ہے لہٰذا ماننا پڑے گا کہ یہ بزرگوار من المہد الی اللحد ہر صغیرہ و کبیرہ گناہ سے ہر حالت میں منزہ و مبرا ہیں اور یہی معنی ہیں ان کے معصوم و مطہر ہونے کے۔

(۳) اسی حدیث شریف کے بعض طرق و اسانید میں مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: انہم لن یدخلوکم باب ضلالۃ ولن یخرجوکم من باب ھدی۔ یعنی یہ بزرگوار تم کو کبھی ضلالت و گمراہی میں داخل نہیں کریں گے اور کبھی تمہیں رشد و ہدایت سے خارج نہیں کریں گے۔

وظاہر ہے کہ جو شخص اپنے پیروؤں کو کبھی اور کسی حال میں جادۂ مستقیم سے نہ ہٹائے اور کبھی انہیں وادیٔ ضلالت میں نہ ڈالے وہ معصوم ہی ہو سکتا ہے۔

دوسری حدیث کتاب فرائد السمطین ج ۲ باب ۳۱ ینابیع المودۃ باب ۵۶ میں ابن عباس سے مروی ہے۔ قال سمعت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول انا وعلی والحسن والحسین وتسعۃ من ولد الحسین مطہرون معصومون۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں۔ میں نے پیغمبرِ اسلام کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہیں" علیؑ، حسنؑ وحسینؑ اور حسینؑ کے نو فرزند (از امام زین العابدینؑ تا حضرت امام مہدیؑ) مطہر و معصوم ہیں"۔ اس قدر صراحت کے بعد بھی وضاحت کا کوئی درجہ باقی رہ جاتا ہے؟ اگر بایں ہمہ کوئی شکی مزاج شکوک و شبہات کی وادیوں میں چکر لگاتا ہے اور ان دلائل و براہین ساطعہ کی روشنی سے اپنی چشمِ بصیرت کو جلا نہ کرے اپنے قلب کو نورِ ایمان سے منور نہ کرے تو یہ اس کی شپرہ چشمی کوتاہ اندیشی ہے اس میں دانائے سبل، ختم رسل کا کوئی قصور نہیں ہے۔ سچ ہے:۔ ؎

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبرِ کامل ⁂ کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

افضلیت یازدہ ائمہ معصومین علیہم السلام اگرچہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی افضلیت ثابت ہو جانے کے بعد باقی ائمہ علیہم السلام کی افضلیت ثابت کرنے کی چنداں ضرورت نہیں رہتی کیونکہ ادلہ قطعیہ سے ثابت ہے کہ یہ حضرات فضائل و کمالات میں ایک دوسرے کے مثیل ہیں۔ "وان کان شرف الابوۃ والسابقیۃ وبعض الخصائص مخصوصاً باامیر المومنین ولکنہ لایضر بما نحن بصدد اثباتہ فی ہذا المقام کما لا یخفی علی اولی الافہام واللہ العاصم من زلۃ الاقدام وبہ الاعتصام فی المبدء والختام" محض مزید وضاحت کے پیشِ نظر باقی ائمہ معصومین کی فضیلت کی طرف بھی اشارہ کیا جاتا ہے:۔

افضلیت ائمہ دین از روئے کتابِ مبین سابقہ بیانات میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ آیہ مبارکہ "ثم اورثنا الکتب الذین اصطفینا من عبادنا الخ" انہی بزرگواروں کی شان میں وارد ہے اور یہی حضرات وارثانِ علمِ کتاب ہیں (ینابیع المودۃ وغیرہ) نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ بزرگوار آیہ تطہیر میں بھی داخل ہیں۔ اور درجہ رفیعہ عصمت و طہارت پر فائز ہیں ظاہر ہے کہ وہ صفات کمال جو معیارِ فضیلت قرار دی جا سکتی ہیں۔ یہی دو صفتیں یعنی علم و عصمت ہیں جب ان دو صفتوں میں ان کی افضلیت و برتری ثابت ہو گئی تو اس سے ان کی افضلیت بھی ثابت ہو گئی:۔

باقی رہی دوسری میزانِ افضلیت یعنی کثرتِ ثواب تو اس کے متعلق بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ ثواب کی کثرت عبادت کی کثرت و گرانقدری پر موقوف ہے۔ کتبِ سیر و تواریخ سے واقفیت رکھنے والے حضرات پر مخفی و محتجب نہیں ہے کہ ائمہ اہل بیتؑ کا زہد و تقویٰ اور ورع و تقدس اور کثرت الطاعت و عبادات ضرب المثل کا حکم رکھتی ہے۔ ہمیں اس کے متعلق خامہ فرسائی کرنے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے کیونکہ ؎

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

جسے شک ہو وہ ان بزرگواروں کے حالاتِ گرامی کتبِ فریقین میں ملاحظہ کر کے اطمینانِ قلب حاصل کر سکتا ہے۔ ہم بعد ازیں ان کے حالات و صفات کا ایک مختصر سا مرقع پیش کریں گے۔ انشاء اللہ۔ جس سے ان کے کمالاتِ نفسانیہ کا کچھ اندازہ ہو جائیگا (ان شاء اللہ)

علاوہ بریں دیگر بہت سی آیاتِ مبارکہ سے ان ذواتِ قدسی صفات کی افضلیت پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔

جیسے آیہ مودۃ "قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ"۔ اس آیت مبارکہ سے بالاصالۃ حضرت علی و فاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام اور بالتبع دیگر آئمۂ معصومینؑ مراد ہیں۔ یہ بھی ادلّہ قطعیہ سے ثابت ہے کہ خلاّق عالم نے محبت و مودّت اہلبیتؑ کو اجرِ رسالتؐ قرار دیتے ہوئے اُسے تمام لوگوں پر واجب و لازم قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ وجوبِ محبت مستلزم وجوبِ اطاعت ہے لہٰذا جن ذواتِ مقدسہ کی محبت اجرِ رسالت ہو اور تمام مسلمانوں کے اور جن میں خلفائے ثلاثہ بھی شامل ہیں ہر قسم کا اکرام و احترام واجب اور ہر قول و فعل میں اُن کی اطاعت و فرمانبرداری لازم ہو لامحالہ وہ حضرات باقی سب مسلمانوں سے افضل و برتر ہوں گے۔

اسی طرح آیہ "اولی الامر" اور آیہ "کونوا مع الصادقین" بھی افضلیت اہل بیتؑ پر دلالت کرتی ہیں۔ اس کا تفصیلی بیان اثباتِ امامت آئمۂ ہدیٰ از نصوص قرآنیہ کے ذیل میں آئے گا انشاء اللہ۔

افضلیت آئمۂ دین از احادیثِ رسولِ کریم

اس موضوع کے متعلق احادیثِ نبویہ کا ایک معتدبہ ذخیرہ موجود ہے ہم یہاں فقط چند احادیثِ شریفہ پر اکتفا کرتے ہیں۔

(۱) حدیث ثقلین ہے جو بوجہ اتم و اکمل افضلیت آئمہ علیہم السلام پر دلالت کرتی ہے۔ وجہ استدلال مصر کے دو عالموں کے قلم سے بیان کی جاتی ہے کتاب "ماضی الاسلام و حاضرہ" طبع مصر صفحہ ۱۵ .... بذیلِ حدیث ثقلین .... آئمہ اہل بیتؑ کا ذکر خیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: "ھم الاتقیاء و ھم الخیرۃ الادلاّء العارفون بکنہ الدین الکریم الموجہون الی الارشاد و فصحبتہم عصمۃ والتماس الدین فی اعمالہم ھدایۃ و لذالک دلّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیہم و امر باتباعھم (الی ان قالا) و لذالک ایضاً جعل النبی صلی اللہ علیہ وسلّم بینھم و بین القرآن ملازمۃ و ذلک من السید الرسول صلی اللہ علیہ وسلّم تنویہ بشانھم و تعلیم انھم اقرب الی الرشاد من غیرھم الخ (الی ان قالا) اختار سفر لک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم طریق الھدایۃ کشانہ فی کل امرہ (الی ان قالا) ولکنھم رضی اللہ عنھم من غیرھم احق وھم کما قال الزنیانی فی غیرھم۔ (شعر)

فانک شمس والملوک کواکب ✽ اذا طلعت لم یبد منھن کوکب

(یعنی آئمہ اہل بیتؑ متقی و پرہیزگار اور سب لوگوں سے برگزیدہ ہیں اور راہ رشد و ہدایت کی راہبری کرنے والے ہیں دینِ کریم کی کنہ و حقیقت سے واقف اور رشاد و صلاح کی طرف لوگوں کو پھیرنے والے ہیں۔ ان کی صحبت و ہم نشینی عصمت ہے۔ (گناہوں سے بچاتی ہے) اور ان کے اعمال و اقوال میں دین کی تلاش عین ہدایت ہے اسی وجہ سے (کہ یہ حضرات فضائل و کمالات علمیہ و عملیہ میں سرآمدِ روزگار تھے) پیغمبرِ اسلام نے ان کے اتباع کا حکم دیا۔ اور اسی سبب سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے آئمہ اور قرآن کے درمیان تلازم قرار دیا ہے (ولن یفترقا حتیٰ یردا علی الحوض) اور یہ تلازم ہمارے سردار رسول اعظمؐ کی طرف سے ان حضرات کی شان و شوکت اور عظمت و جلالت کی طرف اشارہ ہے اور لوگوں کو اس امر کی تعلیم و تلقین ہے کہ یہ بزرگوار رشد

ولایت کے سب سے زیادہ قریب ہوں۔ جیسے رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طریق رشد و ہدایت کو تلوار سے الگ بے نقاب کر دیا ہے۔ جس طرح کہ ہر امر میں آنحضرتؐ کا یہی فریضہ ہے کہ حق و حقیقت کو واضح کریں۔ لیبین لھم الذی اختلفوا فیہ یہ بزرگوار رضی اللہ عنہم راہِ نجات کی ہدایت کرنے میں سب سے زیادہ حق دار ہیں اور ان حضرات کی نسبت باقی لوگوں سے وہی ہے جو نبیائی شاعر نے کسی بادشاہ کی مدح کرتے ہوئے کہا ہے تو آفتاب ہے اور باقی بادشاہ ستارے ہیں جب آفتاب طلوع کرے تو کوئی ستارہ ظاہر نہیں ہوتا"۔

اس بیانِ حقیقت ترجمان سے ائمہ دین کی افضلیت روزِ روشن کی طرح واضح و عیاں ہو گئی۔

(۲) ینابیع المودۃ باب ۴۶ جناب جابر ابن عبد اللہ انصاری سے روایت ہے کہ انہوں نے امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں جا کر ان سے کہا کہ آپ کے جدِ امجد نے مجھ سے فرمایا تھا کہ جب آپ سے ملوں تو ان حضرتؑ کا آپ کو سلام پہنچاؤں (اخبرنی ان الائمۃ الھداۃ من اھل بیتہ من بعدہ احکم الناس صغارا و اعلم الناس کبارا وقال لا تعلموھم فانھم اعلم منکم "

آنحضرتؐ نے مجھے یہ خبر دی تھی کہ آنحضرتؐ کے اہل بیتؑ میں سے آپ ہی حضرات ائمہ ہدیٰ ہیں

جعفر سنی میں سب لوگوں سے زیادہ حلیم و بردبار اور بڑی

عمر میں سب سے زیادہ عالم و واقف کار ہو اور یہ بھی فرمایا تھا کہ ان کو تعلیم نہ دینا کہ وہ تم سے بڑے عالم ہیں"

یہ حدیث شریف بھی ان حضرات کے افضل النّاس ہونے پر بوجہ اتم دلالت کرتی ہے۔

(۳) کتاب صواعق محرقہ ص۹۰ طبع جدید ینابیع المودۃ ج ص۱۸ وغیرہ کتب میں آنحضرتؐ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا النجوم امان لاھل السماء واھل بیتی امان لاھل الارض، یعنی ستارے اہلِ آسمان کے لئے باعثِ امان اور میرے اہل بیتؑ اہلِ زمین کے لئے باعثِ امن و امان ہیں جب ستارے نہیں رہیں گے تو اہلِ آسمان کی ہلاکت واقع ہو جائے گی اور جب میرے اہل بیتؑ کا وجود زمین پر نہیں رہے گا۔ تو اہلِ زمین نیست و نابود ہو جائیں گے۔ یہ حدیث بھی نہایت وضاحت کے ساتھ افضلیت ائمہ اہل بیتؑ پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ جب تمام عالم کی بقاء انہی کے برکات وجود سے ہے تو لامحالہ یہ بزرگوار تمام کائنات سے افضل و برتر ہوں گے۔ کما ھو اوضح من ان یخفیٰ۔

ان دلائل و براہین کی روشنی میں تبیین و محقق ہو گیا کہ حضرات ائمہ اہل بیتؑ تمام صفات کمالیہ میں سرخیل خلائق ہیں یہ اور بات ہے کہ مقام اظہار و ابراز میں کسی بزرگوار کو کسی صفت کمال کے اظہار کا موقعہ ملا اور کسی کو کسی دوسری صفت کے اظہار کا اتفاق ہوا۔ اگر کسی سے عبادت و اطاعت شدت سے ظہور پذیر ہوئی تو انہیں زین العابدین کہہ دیا گیا۔ اور اگر کسی سے علم و عرفان کا بکثرت فیضان ہوا تو انہیں باقر العلوم کہہ دیا گیا اگر کسی سے صدق و صفا کا بہت اظہار ہوا۔ تو انہیں صادق آلِ محمدؐ کہہ دیا گیا۔ اور اگر کسی سے کظم غیظ اور حلم و بردباری کا زیادہ ظہور ہوا تو انہیں کاظم کہہ دیا گیا۔ وعلیٰ ھذا القیاس۔ ورنہ یہ تمام حضرات ان صفات کمالیہ میں باہم شریک ہیں اور تمام امتِ اسلامیہ میں سے کوئی شخص بھی ان مراتب و مدارج علمیہ و عملیہ میں ان کا شریک و سہیم نہیں ہے جو دعا ہے کہ خلاق عالم مسلمانوں کی چشم بصیرت سے

تعصب وعناد اور تقلید آباؤ اجداد کی پٹی اتار دے تاکہ وہ حقیقت کو بآسانی دیکھ سکیں، یہی تعصب وعناد یا تقلید آباؤ اجداد ہی حقیقت کے اتباع سے انسان کو روکتی ہے۔

صاحب ینابیع المودۃ نے باب ۲۱ صفحہ ۵۲ طبع اسلامبول پر جاحظ کا ایک زرّیں مقولہ نقل کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

ان الخصومات نقصت العقول السلیمة و افسدت الاخلاق الحسنة من المنازعة فی فضل اهل البیت علی غیرهم فالواجب علینا طلب الحق و اتباعه وطلب مراد الله فی کتاب الله و ترک التعصب والهوی وطرح تقلید السلف والاساتید و الآباء" افضلیت اہل بیتؑ بر اغیار کی وجہ سے پیدا شدہ خصومتوں نے عقول سلیمہ کو ناقص اور اخلاق حسنہ کو فاسد کر دیا۔ (یعنی منکرین افضلیت اس مقام پر ضد میں آکر عقل سلیم اور خلق کریم سب ہی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں) ہمارے اوپر واجب یہ ہے کہ حق کو طلب کریں۔ اور اس کی اتباع کریں۔ کتاب اللہ میں خداوند عالم کی مراد کو تلاش کریں (کہ خلاق عالم کے نزدیک کون افضل ہے) اور تعصب وعناد کو ترک کر دیں۔ اپنے اسلاف، اساتذہ اور آباؤ اجداد کی تقلید کو دور پھینک دیں۔ خواہش نفسانی تعصب وعناد وتقلید آباؤ اجداد وغیرہ سے پیدا شدہ مفاسد اور ان کے ترک کرنے کے فوائد اور طالب حق وحقیقت کو ان سے دست بردار ہونے کی ضرورت وہ کھلی ہوئی حقیقتیں ہیں جن کی وضاحت کی احتیاج نہیں ہے۔ ہمیں یقین کامل ہے کہ اگر ان شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے قرآن وحدیث کی روشنی میں اس موضوع کی تحقیق کی گئی تو افضلیت اہل بیتؑ کالشمس فی نصف النہار ارباب عقل وانصاف پر واضح وآشکار ہو جائے گی۔ قد بینا الآیات لقوم یعقلون۔

آئمہ اہل بیتؑ بنی ہاشم سے ہیں

اس کتاب کے دوسرے باب میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ خلیفہ و امام کے لئے خاندان بنی ہاشم سے ہونا ضروری ہے۔ دوسری شرائط کی طرح یہ شرط بھی بوجہ اتم واکمل آئمہ اہل بیتؑ میں پائی جاتی ہے۔ ان حضرات قدسی صفات کا بنی ہاشم بلکہ فخر بنی ہاشم ہونا "عیاں را چہ بیان" کا مصداق ہے۔ یہ تمام بزرگوار اولاد امیرالمومنین ہیں جو ددھیال وننھیال کی طرف سے ہاشمی ہیں۔

آئمہ ہدیٰ مدعیٔ خلافت وامامت تھے

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے بعد دوسرے آئمہ طاہرینؑ کا ہمیشہ اپنے اپنے دور میں اپنی امامت کا ادعا کرتے رہنا ایک ایسا تاریخی مسئلہ ہے جس کا کوئی باخبر انسان انکار نہیں کر سکتا۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ بعض اوقات بعض بزرگوار بوجہ شدت خوف ظلمۂ اعداء دین سے اُسے مخفی رکھتے تھے۔ لیکن تاہم ان کے ماننے والوں کی ایک کثیر جماعت ہمیشہ ان کے انوار امامت وفیوض وہدایت وبرکات علم وعمل سے اپنے نفوس کا تزکیہ اور قلوب کا تصفیہ کر کے اپنے اعمال کو بارگاہ احدیت میں قابل قبول بناتی رہتی تھی۔ اور اقوام عالم کے سامنے کردار کی پاکیزگی وبلندی کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتی تھی۔

آئمہ اطہار صاحب معجزات تھے

آئمہ اطہار کو اپنی امامت وخلافت کے اثبات کے متعلق بوقت ضرورت

دکھانا ناقابلِ انکار حد تک تاریخی شواہد سے ثابت ہے۔ تفصیل کے لئے شائقین کتب مبسوطہ مثل مدینۃ المعاجز۔ مناقب شہر ابن آشوب۔ مجلداتِ بحار الانوار اور معائب الانوار وغیرہ کی طرف رجوع کریں۔ اختصار مانع ہے ورنہ ان معجزاتِ جلیلہ کا کچھ حصہ یہاں پیش کیا جاتا۔ ان حقائق کی روشنی میں عقل سلیم آئمہ طاہرین صلوات اللہ علیہم اجمعین کی امامت کے برحق ہونے میں ذرہ بھر تامل و ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتی۔ بلکہ بڑی مسرت اور بلند حوصلگی سے ان کی امامت حقہ و خلافت مطلقہ کے برحق ہونے کا فیصلہ صادر کرتی ہے۔ ان فی ذالک لاٰیۃ لمن کان لہٗ قلب او القی السمع و ھو شھید۔

اثبات امامت یازدہ آئمہ طاہرین منصوص قرآن کریم

قرآن کریم میں بکثرت ایسے آیات ونقلی روایات موجود ہیں جو آئمہ اہل بیتؑ کی خلافت و امامت اور وصایت و ولایت پر دلالت کرتے ہیں جن میں سے چند آیات کریمہ حضرت امیر المؤمنینؑ کی خلافت کے اثبات میں ذکر ہو چکی ہیں۔ اب ہم اختصار کے پیشِ نظر اپنے التزام کے مطابق اس مقام پر چند آیات شریفہ کا ذکر کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

پہلی آیت قال اللہ تبارک و تعالیٰ یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم (پ ۵ ع ۵)۔

اے ایمان والو! اطاعت کرو خدا کی اور اطاعت کرو رسولؐ کی اور ان ذوات کی جو تم میں سے صاحبانِ امر ہیں۔

اس آیت مبارکہ سے استدلال کرنے سے پہلے چند امور کی تنقیح ضروری ہے۔

(۱) علم اصولِ فقہ میں یہ امر پایۂ ثبوت تک پہنچ چکا ہے کہ صیغۂ امر وجوب میں حقیقت ہے جب تک استحباب کے متعلق کوئی قرینہ قطعیہ موجود نہ ہو مطلق صیغۂ امر کو وجوب و لزوم پر ہی محمول کرنا لازم ہے بنا بریں اس آیہ وافی ہدایہ میں اطاعت اولی الامر کے وجوب و لزوم کے لئے استحباب کے قرینہ کا نہ ہونا ہی کافی تھا۔ چہ جائیکہ جب اس کے وجوب کے لئے آیہ میں قرینہ قطعیہ بھی موجود ہے اور وہ یہ کہ اطاعتِ اولی الامر کو اطاعت خدا و رسول کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ رسولؐ اور اولی الامر کے درمیان صیغہ "اطیعوا" کی تکرار بھی نہیں کی گئی۔ ظاہر ہے اطاعت خدا و رسولؐ بالاتفاق واجب و لازم ہے پس اسی طرح اطاعت اولی الامر بھی لازم ہو گئی۔

(۲) واضح ہے کہ خدا و رسولؐ کی اطاعت کا وجوب کسی خاص زمان و مکان یا کچھ خاص اشخاص کے ساتھ مختص نہیں ہے بلکہ ہر مکان و زمان غرضیکہ ہر حال اور ہر امر میں ہر شخص پر روز قیامت تک اطاعتِ مطلقہ لازم و متحتم ہے لہذا بعینہٖ اسی طرح اطاعت اولی الامر بھی ہر وقت و ہر حال و ہر امر میں اور ہر شخص پر واجب و لازم ہو گی۔ اپنے مقام پر یہ امر مبین و مبرہن کیا جا چکا ہے کہ جن ذواتِ مقدسہ کی اطاعتِ مطلقہ کو واجب و لازم قرار دیا جائے بعقل و نقل کی رو سے ان کو ہر قول و عمل میں ہر خطا و زلل سے منزہ و معصوم ہونا ضروری ہے ورنہ عدم عصمت کی صورت میں اس قدر مفاسد لازم آتے ہیں جن کا حصر مشکل ہے۔ دیگر مفاسد سے قطع نظر کرتے ہوئے اجتماع ضدین کے مفسدۂ عظیمہ کو لے لیجئے جو عند العقل محال ہے وہ لازم آتا ہے۔ اس وجہ کے پیش نظر فخر الدین رازی ایسے امام المتکلمین بھی عصمت اولی الامر تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے

ہیں۔ انہوں نے اپنی تفسیر کبیر ج ۳۔ ص ۳۵۷ مطبع اسلامبول پر اس آیہ کے ذیل میں ایک طویل الذیل تقریر دل پذیر صحیح
فرمائی ہے جو بالتمام ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ فرماتے ہیں ان اللہ تعالیٰ امر بطاعۃ اولی الامر علی سبیل الجزم فی
ہذہ الآیۃ ومن امر اللہ بطاعتہ علی سبیل الجزم والقطع لابد و ان یکون معصوماً قد امر اللہ بمتابعتہ فیکون ذالک
امراً بفعل ذلک الخطاء والخطاء لکونہ خطاء منہی عنہ فہذا یقتضی اجتماع الامر والنہی فی الفعل
الواحد وانہ محال (الیٰ ان قال) فثبت قطعاً ان اولی الامر المذکور فی ہذہ الآیۃ لابد وان یکون
معصوماً " یعنی خداوند عالم نے اولی الامر کی اطاعت کو بطور جزم واجب قرار دیا ہے لہٰذا ان کا معصوم ہونا ضروری ہے۔
کیونکہ اگر یہ احتمال ہو کہ وہ کبھی کسی غلطی کا مرتکب ہو سکتا ہے تو اس صورت میں کہ وہ کسی غلطی کا اقدام کرے تو گویا خدا اس غلطی
میں اس کی پیروی کا حکم دے رہا ہے اور چونکہ وہ غلطی ہے اور غلطی کے ارتکاب سے خدا نے ممانعت فرمائی ہے لہٰذا ایک ہی
چیز میں امر و نہی کا اجتماع لازم آئے گا۔ حالانکہ یہ قطعاً محال ہے لہٰذا ماننا پڑے گا کہ اولی الامر کو معصوم ہونا چاہیئے۔"

ان حقائق کی روشنی میں ظاہر و باہر ہو گیا کہ اولی الامر کو مثل رسولؐ درجہ رفیعہ عصمت و طہارت پر فائز
ہونا چاہیئے۔ واضح ہے کہ باتفاقِ فریقین امتِ محمدیہ میں سوائے آئمہ اہلبیتؑ کے اور کوئی شخص مطہر و معصوم نہیں ہے
ہاں البتہ ان بزرگواروں کی عصمت و طہارت عقلِ سلیم و قرآنِ کریم اور احادیثِ سید المرسلینؐ صلوات اللہ علیہ
وآلہ اجمعین کی رو سے محقق و ثابت ہے۔ (جیسا کہ سابقہ صفحات میں ثابت کیا جا چکا ہے)

بنا بریں ماننا پڑے گا کہ اولی الامر سے یہی بزرگوار مراد ہیں۔ اس کی تائید مزید فرائد السمطین حموینی کی روایت
سے بھی ہوتی ہے (علی ما نقلہ مولانا السید ابوالقاسم النقوی ثم اللاہوری فی بعض تصانیفہ۔ خلاصہ روایت
یہ ہے کہ حضرات شیخین نے ایک دفعہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چند آیات کی تفسیر دریافت کی۔ منجملہ ان کے
ایک یہ آیہ وافی ہدایہ بھی تھی۔ عرض کیا یا رسول اللہ! یہ آیت کن لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے؟ آنحضرتؐ نے
فرمایا: "فی اوصیائی الی یوم القیامۃ" "قیامت تک میرے آنے والے اوصیاء کے حق میں" عرض کیا یا رسول اللہ! ذرا
ان اوصیاء کے نام تو ارشاد فرما دیجیئے۔ فرمایا: علی اخی ووزیری ووارثی وخلیفتی فی امتی وولی کل مومن
بعدی ثم ابنی الحسن ثم الحسین ثم تسعۃ من ولد الحسین واحد بعد واحد " ان اوصیاء میں سے پہلے وصی میرے
برادر، وزیر، وارث اور خلیفہ حضرت علیؑ ہیں۔ اور ان کے بعد میرا بیٹا حسنؑ اور ان کے بعد ان کی اولاد میں سے یکے
بعد دیگرے نو امام ہیں" نیز اس امر کی تائید کتاب کفایۃ الاثر کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔ جابر ابن عبداللہ انصاریؓ بیان
کرتے ہیں کہ جب آیہ مبارکہ یا ایہا الذین اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم نازل ہوئی تو
میں نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ! عرفنا اللہ ورسولہ فمن اولی الامر الذین قرن اللہ
طاعتہم بطاعتک فقال رسول اللہ ہم خلفائی یا جابر وائمۃ المسلمین بعدی اولہم علی ابن ابی

طالب ثم الحسن ثم الحسین ثم علی ابن الحسین ثم محمد ابن علی المعروف فی التوراۃ بالباقر وستدرکہ یا جابر فاذا لقیتہ فاقراہ منی السلام ثم الصادق جعفر ابن محمد ثم موسیٰ ابن جعفر ثم علی ابن موسیٰ ثم محمد ابن علی ثم علی ابن محمد ثم الحسن ابن علی ثم سمّی وکنّی حجۃ اللہ فی ارضہ وبقیتہ فی عبادہ ابن الحسن ابن علی ذلک الذی یفتح اللہ عزوجل ذکرہ علی یدیہ مشارق الارض ومغاربھا الخ. یا رسول اللہ! ہم نے خدا اور رسول کو تو پہچان لیا۔ لیکن یہ فرمایئے کہ وہ اولی الامر کون ہیں جن کی اطاعت کو آپ کی اطاعت کے ساتھ ملا کر بیان کیا گیا ہے؟ فرمایا اے جابر! وہ میرے خلفاء اور میرے بعد مسلمانوں کے امام ہیں ان میں سے پہلے خلیفہ و امام حضرت علی ابن ابی طالب ہیں اور ان کے بعد حسنؑ الخ...... (یہاں تک کہ پورے آئمہ دوازدہ کے نام نامی و اسماء گرامی ذکر فرمائے۔ آخر میں فرمایا آخری امام میرا ہمنام وہم کنیت حجۃ من الحسن ہوگا۔ جس کے ہاتھوں پر خدا تمام مشارق ومغارب کو فتح کرے گا۔

اس آیہ مبارکہ کے متعلق اہل سنت کے بعض تاویلات کا ابطال

اس بیانِ حقیقت ترجمان سے روزِ روشن کی طرح واضح وعیاں ہوگیا کہ اس آیت مبارکہ میں اولی الامر سے آئمہ معصومین علیہم السلام مراد ہیں اور اس امر کے اثبات کے ساتھ ساتھ حضرات اہل سنت کے تاویلات کا بطلان بھی واضح وعیاں ہوگیا۔ ان حضرات نے اس آیہ کے متعلق کئی دلیشہ دوانیاں کی ہیں۔

تاویل اول اور اس کا ابطال

اس سے مراد حکام وقت وسلاطین زمانہ ہیں۔ یہی قول ان کے ہاں زیادہ مشہور ہے لیکن جب اسے میزان عقل ونقل پر پرکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ بالکل غلط اور باطل ہے۔

اوّلاً یہ تفسیر بالرائے ہے جس کا ارتکاب کرنے والا بمنطوقِ رسول جہنمی ہے من فسر القرآن برایہ فلیتبوء مقعدہ من النار۔ جو شخص قرآن کی اپنے رائے سے تفسیر کرے اس کا ٹھکانا جہنم ہے (تفسیر اتقان وبرہان وغیرہ) لہٰذا یہ قول تفسیر بالرائے ہونے کی وجہ سے درجۂ حجیت واعتبار سے ساقط ہے۔

ثانیاً ابھی اوپر واضح کیا جا چکا ہے کہ اولی الامر میں عصمت کا ہونا ضروری ہے حالانکہ حکام زماں وسلاطین دوراں میں ہر قسم اور ہر قماش کے لوگ ہوتے ہیں مومن بھی منافق وفاجر بھی بلکہ کافر ومشرک بھی جو کہ بالاتفاق ملعون ومطرود بارگاہِ الٰہی۔ اس صورت میں آیا کوئی عقل سلیم اسے باور کر سکتی ہے کہ خدائے علیم وحکیم تمام مومنین کو ان

مامتقین بلکہ کافرین کی اطاعتِ مطلقہ پر مامور فرمائے ؟ ان ھذا الا اختلاف! معلوم ہوا کہ اس سے مراد شاہانِ دنیا نہیں بلکہ اس سے مقصود شاہانِ دنیا و دین یعنی حضرات آئمہ طاہرین علیہم السلام ہیں۔ وہو المقصود۔

تاویل دوم اور اس کا ابطال

آج کل بعض مدعیانِ علم و فضیلت بے چارے عوام الناس کو تحوی صرفی المجنون میں ڈال کر بڑے طمطراق سے ثابت کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ صاحبانِ امر سے مراد حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علیؓ ہیں۔

حضرت علیؑ کا اس میں داخل ہونا تو بلاشبہ صحیح ہے لیکن حضرات خلفائے ثلاثہ کو اس دائرہ میں لانا انہی سابقہ دو وجہوں کی بنا پر باطل ہے۔

اولاً یہ تفسیر بالرائے ہے جو عندالکل حرام ہے حتیٰ کہ خود حضرت ابوبکر جو بہت بڑے بڑے امور پر اقدام کرنے سے نہیں جھجکتے تھے وہ بھی تفسیر بالرائے کرنے کی جرأت نہیں کیا کرتے تھے۔ چنانچہ جب ان سے بعض الفاظ قرآنی (مثل آبّا وغیرہ) کے معانی دریافت کئے گئے تو اپنی زبانی اس سے اپنی ناواقفیت و نادانی کا اس طرح اقرار کرلیا۔ ای سماء تظلنی وای ارض تقلنی ان انا قلت فی کتاب اللہ بوائی (اوقال) مالیس لی بہ علم" کون سا آسمان مجھ پر سایہ ڈالے گا اور کون سی زمین مجھے اٹھائے گی اگر میں کتاب خدا میں اپنے رائے سے کچھ حرف زنی کروں" (تفسیر اتقان ج ۲ ص ۱۷۸ طبع مصر) مگر تفسیر بالرائے کرنے کی جسارت نہ کی۔ جب خلیفہ صاحب کی یہ حالت ہے تو کیا ان کی روح خوش ہوتی ہوگی جب ان کے نام لیوا ان کی حمایت میں قرآن مجید کی تفسیر بالرائے کرتے ہوں گے۔ اگر کسی کو اس کے تفسیر بالرائے ہونے میں کچھ بھی شک و شبہ ہے تو وہ اس کے متعلق کوئی حدیث نبوی پیش کرے۔ ورنہ زبانی جمع خرچ سے کچھ حاصل نہ ہوگا

ثانیاً باتفاق فریقین خلفائے ثلاثہ معصوم نہ تھے بلکہ مسلمانوں کے ایک عظیم الشان فرقہ کے نزدیک ان کا اسلام بھی محل کلام ہے حالانکہ واضح کیا جا چکا ہے کہ اولی الامر کے لئے معصوم ہونا ضروری ہے لہٰذا اصحاب ثلاثہ اس کے مصداق قرار نہیں دیئے جا سکتے!

ثالثاً فرائد السمطین والی روایت شریفہ جس کے راوی خود شیخین ہیں مظہر ہے کہ "اولی الامر" سے مراد حضرت علیؑ اور ان کی اولاد طاہرین میں سے دیگر یازدہ آئمہ معصومین صلوات اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ اگر اصحاب ثلاثہ بھی اس میں شامل ہوتے تو سرکار رسالت مآبؐ ان کی بھی تصریح فرما دیتے۔ بلکہ آنحضرتؐ کا یہ فرمانا کہ یہ میرے خلفاء کے حق میں نازل ہوئی ہے اور پھر شیخین کے اس سوال پر کہ آپ کے ان خلفاء کے نام کیا ہیں؟ آنحضرتؐ کا آئمہ اہل بیتؑ کے نام گنوانا اس سے تو حضرات شیخین کی خلافت کا بطلان بھی واضح و عیاں ہو جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ جب حضرت ابوبکر و عمر کی روایت کردہ حدیث کی رو سے بھی اولی الامر سے مراد آئمہ اہل بیتؑ ہیں تو باوجود اس کے یہ کہنا کہ اس سے مراد "خلفائے ثلاثہ" ہیں علاوہ مسلّم تکذیب رسول ہونے کے خود تکذیب شیخین کے مترادف ہے اور "مدعی سست و گواہ چست" کی مصداق"۔

تاویل سوم اور اس کا ابطال

اس سے اہل حل وعقد یا قاضی وعالم مراد ہیں۔ اس تاویل علیل کا کساد و فساد بھی سابقہ دو تاویلوں کے اجوبہ شافیہ وکافیہ سے ظاہر و باہر ہوگیا ہے فلا نطیل الکلام بالاعادۃ فانہ خال عن الافادۃ

سابقہ مقدمات ذہن نشین کر لینے کے بعد اس آیہ مبارکہ کی آئمہ طاہرین کی خلافت وامامت پر دلالت محتاج بیان نہیں کیونکہ معمولی عقل ودانش اور بصیرت رکھنے والا ہر مسلمان جانتا ہے کہ جن ذوات مقدسہ کی اطاعت ہر وقت، ہر حال وہر امر اور ہر شخص پر واجب ولازم ہو وہ انبیاء یا ان کے حقیقی خلفاء واوصیاء ہی ہو سکتے ہیں۔ یہ امر واضح ہے کہ یہ "اولی الامر" انبیاء تو نہیں ہیں کیونکہ جناب نبی خاتم الانبیاء ہیں۔ لہٰذا دوسری شق متعین ہو جائے گی یعنی ماننا پڑے گا کہ صاحبان امر سے مراد سید المرسلین کے حقیقی جانشین ائمہ طاہرین ہیں۔ بحمدہ تعالیٰ اس بیان حقیقت ترجمان سے اس آیہ وافی ہدایہ کا آئمہ اہل بیتؑ کی خلافت وامامت پر نص صریح ودلیل فصیح ہونا روز روشن کی طرح واضح وآشکار ہوگیا

دوسری آیت

قال اللہ تعالیٰ یا ایہا الذین امنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین "اے ایمان والو! تقویٰ الٰہی اختیار کرو اور صادقین کے ساتھ ہو جاؤ"۔ واضح ہو کہ اس آیہ وافی ہدایہ میں چند امور قابل توجہ ہیں ان کے بیان کرنے سے آئمہ اہل بیتؑ کی خلافت وامامت پر اس کی دلالت واضح ولائح ہو جائے گی۔

(۱) آیت سابقہ میں بیان کیا جا چکا ہے کہ صیغہ امر وجوب میں حقیقت ہے۔ بنا بریں جس طرح تقویٰ الٰہی اختیار کرنا واجب ہے اسی طرح صادقین کی معیت بھی واجب ولازم ہوگی۔

(۲) یہ امر اپنے مقام پر محقق ومبرہن ہو چکا ہے کہ جہاں جہاں تک حدود شریعت پھیلے ہوتے ہیں وہاں وہاں تک خطابات شرعیہ بھی پہنچے ہوتے ہیں ظاہر ہے کہ شریعت اسلامیہ کسی خاص ملک وملت یا قوم وقبیلہ کے ساتھ مختص نہیں بلکہ وہ تمام بنی نوع انس وجان کی فلاح وصلاح کی ضامن ہے اور اس کے حدود حدود قیامت سے ملے ہوئے ہیں لہٰذا اس کے اوامر ونواہی بھی قیامت تک کے لئے سب لوگوں کو شامل ہوں گے۔ اس لئے صادقینؑ کی معیت کا حکم زمانہ رسولؐ سے لے کر قیامت تک ہونے والے تمام افراد مسلمین کو شامل ہوگا۔

(۳) عقل سلیم یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ جن افراد کو یہ حکم دیا جا رہا ہے وہ اور ہیں اور جن کے ساتھ معیت اختیار کرنے کا حکم ہے وہ صادقین اور ہیں بصورت اتحاد لازم آئے گا کہ مخاطبین حضرات خود ہی تابع اور خود ہی متبوع خود ہی صادق اور خود ہی مصدق قرار پائیں اور یہ امر بالبداہت باطل ہے ماننا پڑے گا کہ صادقین سے کچھ مخصوص ذوات قدسیہ مراد ہیں جن کی معیت اختیار کرنے کا عام مسلمانوں کو حکم دیا جا رہا ہے۔

(۴) ارباب دانش وبینش پر مخفی نہیں ہے کہ اس معیت سے معیت جسمانیہ اور حضور خارجی مراد نہیں ہے

یعنی صادقین کے ساتھ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اطراف و اکناف عالم سے تمام مسلمان اپنے کو صادقین تک پہنچائیں اور ہر وقت ان کے ہمراہ رہیں کیونکہ یہ بوجہ تکلیف مالایطاق ہونے کے (جو عقلاً و نقلاً باطل ہے) ناقابل عمل ہے کما لا یخفیٰ۔ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ اس معیت سے معیت روحانیہ اور معیت فی العمل مراد ہے یعنی مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے لازم ہے کہ تمام اقوال و افعال اور اعمال میں صادقین کا اتباع کریں۔

(۵) نیز عقل سلیم فیصلہ کرتی ہے کہ قیامت تک ہر دور و ہر زمانہ میں جماعت صادقین میں سے کسی نہ کسی فرد فرید کا باقی رہنا ضروری ہے تاکہ مومنین اس کی معیت اختیار کر سکیں۔ مشہور و معروف حدیث من مات ولم یعرف امام زمانه مات میتة جاهلیة (جمع بین الصحیحین للحمیدی و منصب امامت) "جو شخص مرجائے اور اپنے زمانہ کے امام کی معرفت حاصل نہ کرے وہ جاہلیت یعنی کفر و شرک کی موت مرتا ہے"۔ فخرالدین رازی نے اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے۔ نحن نعترف بانه لابد من معصوم فی کل زمان الخ۔ ہم یہ اعتراف کرتے ہیں کہ اس آیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہر زمانہ میں ایک معصوم کا ہونا ضروری ہے (تفسیر کبیر ج ۴ ص ۳۱۳) یہ اور بات ہے کہ انہوں نے بعد میں اس سے اجماع کو مراد لیا ہے جس کا بطلان دوسرے باب میں عیاں کیا جا چکا ہے ہم اس خلاف عقل بات کو سمجھنے سے قاصر ہیں اور شاید ہر صحیح العقل اور سلیم الفطرت انسان قاصر ہوگا کہ گنہگار افراد کا مجموعہ کس طرح معصوم ہو سکتا ہے؟

(۶) جب یہ ثابت ہو گیا کہ اس معیت سے ہر قول و فعل میں صادقین کی متابعت واتباع مراد ہے تو ماننا پڑے گا کہ ان صادقین کو ہر قسم کی خطا و لغزش سے معصوم، تمام نقائص و عیوب سے منزہ و مبرا اور سب ارجاس و انجاس سے مطہر ہونا چاہیئے۔ اس کی وجہ تفصیلاً مسئلہ عصمت امام اور اجمالاً اس سلسلہ کی پہلی آیت کے ضمن میں بیان ہو چکی ہے۔

(۷) قطع نظر دیگر ادلہ و براہین کے خود اس آیت کے الفاظ صادقین کی عصمت و طہارت پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ اس آیت میں صادقین کی معیت واجب قرار دی گئی ہے ظاہر ہے کہ علی الاطلاق صادق اس شخص کو کہا جا سکتا ہے جس کا دامن اول عمر سے آخر عمر تک کبھی کسی حالت میں قولی اور فعلی طور پر کذب کی لوث و آلائش سے ملوث نہ ہوا ہو۔ واضح ہے کہ ایسا شخص معصوم ہی ہو سکتا ہے کیونکہ غیر معصوم سچائی اختیار کرنے کی ہزار کوشش کرے لیکن ضرور کسی نہ کسی حالت میں عمداً نہ سہی سہواً، قولاً نہ سہی عملاً کذب کا مرتکب ہو ہی جاتا ہے۔ اسی لئے اسے صادق علی الاطلاق نہیں کہا جا سکتا وهذا واضح لمن تدبر و ترک التکبر۔

(۸) جب ان حقائق کی روشنی میں صادقین میں عصمت و طہارت کا لازماً پایا جانا واضح ہو گیا تو اس سے خود بخود صادقین کی تعیین و تشخیص بھی ہو گئی کیونکہ۔

؎ بارہا گفتہ ام و بار دگر می گویم

کہ امت محمدیہ میں باتفاق فریقین سوائے آئمہ اہل بیتؑ کے اور کوئی شخص درجۂ عالیہ عصمت وطہارت پر فائز نہیں ہے معلوم ہوا کہ صادقین سے مراد حضرات آئمہ اہل بیت علیہم السلام ہیں وھو المطلوب.

(۵) اگرچہ تعیین صادقین کے لئے مذکورہ بالا بیانِ حقیقت ترجمان ہی ارباب بصیرت کے لئے کافی ہے لیکن اس خیال کے پیش نظر کہ کوئی ہمیں تفسیر بالرائے کا طعنہ دے دے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متعلق اہل سنت کی کتب معتبرہ سے چند روایاتِ معتبرہ پیش کردی جائیں چنانچہ تفسیر درمنثور ج ۳ صفحہ ۲۹۰ پر ابن عباس سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کونوا مع الصادقین. قال مع علی ابن ابی طالب. یعنی "صادقین سے مراد حضرت علیؑ ہیں ان کی معیت اختیار کرنی چاہیئے"۔

اور ایسا ہی مسند ابن عساکر میں مروی ہے (علی ما نقلہ صاحب المعارف قدس سرہ) جب حضرت امیر المومنینؑ کا اس سے مراد ہونا معلوم ہوگیا تو اس سے دیگر آئمہ معصومینؑ کا بھی اس میں داخل ہونا واضح ہوگیا "لانھم فی ھذا الامر شرع سواء" شاید کوئی متوہم ہمارے اس بیان کو "دعویٰ عام اور دلیل خاص" پر محمول کرے لہٰذا ذیل میں وہ روایات بھی درج کئے جاتے ہیں جن میں دیگر آئمہ اہل بیتؑ کی شمولیت کی تصریح موجود ہے صاحب معارف الملت اور صاحب ہدایۃ الموحدین اعلی اللہ مقامہم نے تفسیر ثعلبی و تفسیر خرگوشی سے اور انہوں نے باسناد خود حضرت امیر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آنجناب نے صادقین کی تفسیر میں فرمایا ھم محمد و آلہ صلوات اللہ علیھم" یعنی صادقین سے مراد محمدؐ و آلِ محمدؐ ہیں" نیز مناقب خوارزمی، فرائد حموینی و حافظ ابو نعیم اصفہانی روایت کرتے ہیں کہ "ھم محمد و علی و آلھما" ان سے مراد محمدؐ و علیؑ اور ان کی اولاد امجاد ہیں. ینابیع المودۃ طبع بمبئی ص ۱۱۹ میں بحوالہ مناقب موفق ابن احمد ابن عباس سے مروی ہے کہ فرمایا الصادقون فی ھذہ الآیۃ محمد و اھل بیتہ" اس آیت میں صادقین سے مراد حضرت محمدؐ اور ان کی اہل بیتؑ ہیں" ابو نعیم و [illegible] خوارزمی نے باسناد خود حضرت امام محمد باقر و حضرت امام جعفر علیہما السلام سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا الصادقون ھم الائمۃ من اھل البیت.

صادقین سے مراد آئمہ اہل بیتؑ علیہم السلام ہیں. فرائد السمطین ج ۱ باب ۶۸ میں مفصل مرقوم ہے کہ ابن صالح امام محمد باقرؑ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے کونوا مع الصادقین کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا۔ "مع آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ" نیز اسی مقام اور اسی باب میں اس آیہ مبارکہ کی تفسیر میں ابن عباس کا یہ قول نقل کیا ہے "قال مع علی ابن ابی طالب صلوٰۃ اللہ علیہ" ان روایات شریفہ سے کالنار علی المنار واضح و آشکار ہوگیا کہ صادقین سے مراد حضرات آئمہ اہل بیتؑ ہیں. اس کے قبل نہایت شرح و بسط کے ساتھ ثابت کیا جا چکا ہے. کہ اس قسم کے موارد میں لفظ اہل بیتؑ سے مراد آئمہ اثنا عشری ہوتے ہیں.

(۲) اس امر کے اثبات کے ساتھ ساتھ فخرالدین رازی کی اس قیاس آرائی کا سب اولیٰ سے مراد اجماع امت ہے، کا بطلان بھی واضح و عیاں ہو گیا کیونکہ علاوہ اس کے کہ اس صورت میں وہ تمام مفاسد لازم آئیں گے۔ جو ہم اوپر امر سوم میں بیان کر چکے ہیں، یہ قول مذکورہ بالا روایات صریحہ کے مخالف ہونے اور تفسیر بالرائے ہونے کی وجہ سے درجۂ حجیت و اعتبار سے ساقط ہے۔ فلا یعبأ بہ بل یضرب بہ ضرب الجدار۔

مذکورہ بالا بیان کے بعد اس آیۂ مبارکہ کا امامت آئمہ اطہار پر نص صریح ہونا واضح و آشکار ہو گیا کیونکہ سابقہ آیت کے ماتحت اور اس کے علاوہ متعدد مقامات پر بدلائل ثابت کیا جا چکا ہے۔ کہ جن ذوات قدسیہ کی اطاعت مطلقہ کو خداوند عالم سب مسلمانوں پر واجب و لازم قرار دے، وہ نبی یا وصی نبی ہی ہو سکتے ہیں لیکن ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سلسلۂ نبوت تو ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا۔ کہ جن کی اطاعت مطلقہ کو اس آیت مبارکہ میں لازم قرار دیا جا رہا ہے وہ آپ کے حقیقی جانشین ہی ہو سکتے ہیں۔ کما لا یخفی علی ادنی الافہام من العوام فضلا عن العلما الاعلام و الفضلاء العظام "علیٰ عشرۃ کاملۃ"

تیسری آیت

قال اللہ تبارک و تعالیٰ واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا (آل عمران پ ۴) اے مسلمانو! اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑو اور آپس میں تفرقہ اندازی نہ ڈالو۔ کتب فریقین شاہد ہیں کہ یہ آیۂ مبارکہ آئمہ اہل بیت علیہم السلام کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ صاحب صواعق محرقہ ص ۹۰ طبع مصر جدید پر رقمطراز ہیں:

"الآیۃ الخامسۃ، قولہ تعالیٰ واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا اخرج الثعلبی فی تفسیرھا عن جعفر الصادق رضی اللہ عنہ انہ قال نحن حبل اللہ الذی قال اللہ فیہ واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا۔"

"یعنی پانچویں آیت ارشاد ایزدی واعتصموا بحبل اللہ جمیعا الخ ہے ثعلبی نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا ہم ہی وہ ریسمان خداوندی ہیں کہ جن کے بارے میں خداوند عالم فرماتا ہے واعتصموا بحبل اللہ الآیۃ۔ ایسا ہی کتاب ینابیع المودۃ

میں بحوالہ تفسیر ثعلبی ابن عباس سے مروی ہے کہ ہم حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں موجود تھے۔ کہ ایک اعرابی نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ وہ حبل اللہ کون ہے۔ جس سے اعتصام کا ہمیں خداوند عالم نے حکم دیا ہے؟ فضرب یدہ فی ید علی وقال تمسکوا بھذا ھو حبل اللہ المتین۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست مبارک حضرت امیر علیہ السلام کے ہاتھ پر مار کر فرمایا کہ اس کے ساتھ تمسک کرو کیونکہ یہی خداوند عالم کی محکم ریسمان ہے۔ (یعنی اس سلسلہ مبارکہ کی پہلی کڑی یہی ہے) علامہ زمخشری ربیع الابرار میں روایت کرتے ہیں (علی مانقل عنہ) کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمۃ مھجۃ قلبی وولداھا ثمرۃ فوادی وزوجھا قرۃ عینی والائمۃ من ولدھا امناء ربی وحبلہ الممدود بینہ وبین خلقہ فمن تمسک بھم نجی ومن تخلف عنھم ھلک والی جھنم سلک " آنحضرت نے فرمایا فاطمہ میرے دل کا ٹکڑا ہے اس کے دونوں بیٹے حسنؑ وحسینؑ میرے دل کا ثمرہ اور ان کا شوہر میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں اور ان کی اولاد میں جو امام ہیں وہ میرے پروردگار کے امین اور اس کی وہ ریسمان ہیں جو اس کے اور اس کے بندوں کے درمیان کھنچی ہوئی ہے۔ جو شخص ان سے تمسک کرے گا وہ نجات پا جائے گا۔ اور جو شخص ان سے اعراض وانحراف کرے گا۔ وہ ہلاک ہو جائے گا۔ اور جہنم کی طرف جائے گا:

تقریب استدلال

جب یہ امر واضح ہو گیا کہ آیۂ مبارکہ آئمہ اہل بیتؑ کے حق میں نازل ہوئی ہے تو اب اس کا ان کی خلافت وامامت پر نص ہونا ظاہر ہے کیونکہ یہاں "حبل" سے مراد وہ چیز ہے جو خالق ومخلوق کے درمیان واسطہ ہو جیسا کہ ربیع الابرار کی روایت میں فقرہ "حبلہ الممدود بینہ وبین خلقہ" بھی اس مطلب پر دلالت کرتا ہے اس کے ظاہری معنی "رسی" ہرگز مراد نہیں ہیں۔ اسی طرح واعتصام سے اس کے معنی لغوی مراد نہیں ہیں کہ انسان ان کے ظاہری دامن سے لپٹ جائے بلکہ اس سے مراد وجوب تمسک واتباع ہے جیسا کہ ربیع الابرار والی حدیث میں وارد شدہ فقرہ "من تمسک بھم نجی" اور ینابیع المودۃ والی روایت میں "تمسکوا بھذا" سے بھی ظاہر و باہر ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ وہ ذوات قدسیہ جو حقیقی طور پر خالق ومخلوق کے درمیان دینی اور دنیوی امور میں وسیلہ ہوں اور جن کی ہر حال میں متابعت واقتدار واجب ہو۔ ایسی معصوم ہستیاں انبیاء یا ان کے حقیقی خلفاء واوصیاء ہی ہو سکتی ہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ حضرات آئمہ معصومینؑ انبیاء نہیں تھے۔ لامحالہ خلفاء واوصیاء نبی ہوں گے۔ وھو المطلوب

تنبیہ

ہم نے اس آیت کے بیان میں نہایت اختصار سے کام لیا ہے ورنہ جو امور آیۂ مبارکہ "وکونوا مع الصادقین" سے سابقاً استنباط کئے گئے ہیں مثلاً یہ کہ صیغہ امر وجوب میں حقیقت ہے اور یہ خطاب قیامت تک سب مسلمانوں کو شامل ہے لہٰذا تا قیامِ قیامت اس جماعت مقدسہ میں سے کسی نہ کسی فرد کا ہر زمانہ میں موجود رہنا ضروری ہے اور علی الاطلاق وجوب اتباع واقتدار ان بزرگواروں کی عصمت پر دلالت کرتا ہے جن کی اتباع واقتدار واجب ہے اور امتِ محمدیہ میں سوائے ائمہ اہلِ بیتؑ کے اور کوئی معصوم نہیں۔ الی غیر ذلک یہ سب امور اس آیۂ مبارکہ سے بھی مستفاد ہوتے ہیں لہٰذا ان مقدمات کو پیشِ نظر رکھ کر اس آیت سے خاطر خواہ نتیجہ اخذ کرنے میں مزید آسانی ہو جاتی ہے اب ہم انہی تین آیتوں پر اکتفا کرتے ہوئے عنانِ قلم کو ان نصوص کے ذکر کی طرف پھیرتے ہیں جو سرکار خاتم الانبیاء کی احادیث سے ماخوذ ہیں وفی ہذا المقدار من الآیات الشریفۃ کفایۃ لمن لہ ادنیٰ درایۃ لان من لا ینفعہ الاشارۃ لا یفیدہ الف عبارۃ واللہ سبحانہ الموفق لضیاء القلب والانارۃ۔ مگر آگے بڑھنے سے پہلے ایک مشہور اعتراض کا جواب پیش کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ایک مشہور اعتراض

کہا جاتا ہے کہ اگر مسئلہ امامت اس قدر اہم تھا کہ جتنا شیعہ حضرات خیال کرتے ہیں تو خداوندِ عالم نے آئمہ کے اسماء گرامی صراحتہً قرآن میں کیوں نہ ذکر کر دیئے تاکہ مسلمانوں کا اس مسئلہ میں اختلاف ختم ہو جاتا اور سب مسلمان ایک مسلک میں منسلک ہو جاتے۔

الجواب بعون اللہ الوھاب

اس ایراد کا دو طرح جواب دیا جا سکتا ہے ایک الزامی دوسرا حلی

الزامی جواب:- کی تفصیل اس طرح ہے کہ اگرچہ شیعہ وسنی کے درمیان اس بات میں اختلاف ہے کہ امامت کا تعلق اصول سے ہے یا فروع سے؟ شیعہ اسے اصول میں داخل سمجھتے ہیں اور سنی فروع میں (جیسا کہ اس کی تحقیق پہلے باب میں گزر چکی ہے) لیکن اہلِ سنت کے نزدیک بھی امامت ہے اس قدر اہم کہ تقررِ امام کے لئے جنازۂ رسول کو موخر بلکہ ترک کیا جا سکتا ہے اور اس کی عدم معرفت سے جہالت کی موت لازم آتی ہے بنابریں جب خداوندِ عالم نے بظاہر معمولی معمولی فروعی مسائل از قسم وضو وغسل بیع وشرا وغیرہ تو تفصیل سے بیان کر دیئے ہیں تو امامت ایسے اہم مسئلہ کو کیوں نظر انداز کیا ہے اور اماموں کے نام کیوں نہیں بتائے؟ اس سوال کا جو جواب اہلسنت دیں گے وہی ہمارا جواب متصور ہوگا!!

حلی جواب:- حلی وتحقیقی جواب یہ ہے کہ فریقین کی بعض روایات کے مطابق آئمہ اطہار علیہم السلام کے اسمائے گرامی قرآن مجید میں موجود تھے مگر جمع قرآن کے وقت انہیں نظر انداز کر دیا گیا۔ چنانچہ ہماری تفسیر صافی ص۹ مقدمہ ششم طبع ایران بحوالہ تفسیر عیاشی حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے فرمایا لو قرأ القرآن کما انزل لالفیتمونا فیہ

اگر قرآن کو اسی طرح پڑھا جاتا جس طرح وہ نازل ہوا تھا تو تم اس میں ہمیں نام بنام موجود پاتے۔

اور برادرانِ اسلامی کی تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۲۹۸ طبع مصر میں ابن مسعود سے مروی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں: کنا نقرأ علی عہد رسول اللہؐ یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک ان علیاً مولی المؤمنین وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ ہم زمانۂ رسول میں آیت تبلیغ کو اس طرح پڑھا کرتے تھے۔ "یا ایہا الرسول..." (مگر اب نام علیؑ موجود نہیں ہے) سورہ توبہ کے بارے میں وارد ہے کہ اس میں متعدد منافقین کے نام موجود تھے جو عندالجمع ساقط کر دیئے گئے حضرت عمر بیان کرتے ہیں، ما فرغ من تنزیل برائۃ حتی ظننا انہ لم یبق منا احد الا سینزل فیہ وکانت تسمی فاضحۃ۔ ابھی سورہ برائۃ (توبہ) کی تنزیل کمل نہیں ہوئی تھی ہمیں ظن غالب ہو گیا کہ ہم میں سے کوئی شخص باقی نہیں رہے گا مگر یہ کہ اس کے بارے میں کچھ نہ کچھ (مذمت میں) نازل ہو ہی جائے گا اسی بنا پر اس سورہ کو فاضحہ (رسوا کنندہ) کہا جاتا تھا؟ علاوہ بریں اربابِ عقل و دانش جانتے ہیں کہ اگر اس قسم کی روایات سے صرفِ نظر بھی کر لیا جائے۔ (کیونکہ یہ موہم تحریف ہیں) تو بھی اس مسئلہ کی اہمیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ کسی صاحبِ منصب کا نام لینا اس قدر مفید نہیں ہوتا۔ جس قدر اس اہلِ منصب کے صفات کا بیان کر دینا مفید ہوتا ہے کیونکہ نام کے مطابق فرضی نام تو رکھا جا سکتا ہے۔ مگر صفات پیدا نہیں کیے جا سکتے۔ اس لئے قرآن مجید میں جناب رسولِ خداؐ کے صحیح جانشینوں کے اوصاف کمالیہ کے بیان کرنے پر اکتفا کی گئی ہے۔ جس کے بعد اہلِ عقل و فکر کو ان کے موصوف تلاش کرنے میں کوئی خاص دقت محسوس نہیں ہوتی؟

اثباتِ امامت یازدہ ائمۂ طاہرین بنصوص رسول عظیم

خلافت و امامت آئمہ اطہار کے متعلق بکثرت نصوص نبویہ کتب فریقین میں موجود ہیں جن کا عد و احصاء وضع کتاب سے خارج اور طولِ طول کا باعث ہونے کے علاوہ خود ہم ایسے قلیل البضاعت انسان کے لئے مشکل بھی ہے لہٰذا بموجب "ما لا یدرک کلہ لا یترک کلہ" فقط چند نصوص صحیحہ و صریحہ پر اکتفا کی جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے پیشتر حدیث شریف ثقلین کو پیش کیا جاتا ہے۔

نص اول حدیث ثقلین

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اہلبیتی ما ان تمسکتم بہما لن تضلوا بعدی وانہما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض"۔ اے مسلمانو! میں تم میں دو گرانقدر اور نفیس چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ایک کتاب خداوندی اور دوسرے اپنی عترت اہلِ بیت" جب تک تم ان کے ساتھ متمسک رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ اور یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوضِ کوثر پر میرے پاس وارد ہوں: (حدیث نبوی متواتر متفق علیہ)

واضح ہو کہ ہم کتاب تحقیقات الفریقین فی حدیث الثقلین میں دلائل قاہرہ و براہین باہرہ سے اس حدیث کا

صحیح بلکہ متواتر ہونا ثابت کر چکے ہیں۔ اور اس کتاب میں بھی ضمناً کئی مقام پر اس حدیث کی وجہ دلالت برامامت آئمہ اہل بیتؑ پر مفصل روشنی ڈالی جاچکی ہے۔ تاہم ناظرین کرام کی سہولت کے لئے اس کی دلالت برامامت کے متعلق یہاں چند وجوہ کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

وجہ اوّل - آنحضرتؐ کا اپنی وفات کے قریب یہ حدیث ارشاد فرمانا جیسا کہ صحیح مسلم وغیرہ میں ہے انما انا بشر یوشک ان یاتینی رسول ربی واجیب وانی تارک فیکم الخ .... اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ آنحضرتؐ اپنے بعد لوگوں کے لئے ایک مرجع و مرکز اور بالفاظ دیگر اپنے جانشین کی تعیین فرما رہے ہیں تاکہ لوگ جن امور میں آپ کے حین حیات آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اب آپکے بعد اس مقرر کردہ جانشین کی طرف رجوع کریں۔ جس طرح تمام افعال واقوال میں آنحضرتؐ کی متابعت واقتداء مسلمانوں پر واجب تھی۔ اس طرح آنحضرت کے اس مقرر کردہ مرکز کی اطاعت و متابعت بھی واجب ہوگی۔ ولا نعنی من الامامۃ الا ھذا المعنی

وجہ دوم | مخبر صادق کا قرآن کے ساتھ عترت کا ذکر کرکے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کی باہمی عدم جدائی کی خبر دینا ان حضرات کی عصمت و طہارت کی بین دلیل ہے کیونکہ ان جدا نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عترت اہل بیتؑ کسی امر میں قرآن کی مخالفت نہیں کریں گے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص ابتدائے عمر سے انتہائے عمر تک کسی قول و فعل اور کسی حالت میں قرآن کی مخالفت نہ کرے اور نہ قرآن اس کی مخالفت کرے تو ایسا شخص معصوم ہی ہوسکتا ہے کما لا یخفیٰ۔

جب اس سے ان حضرات کی عصمت و طہارت ثابت ہوگئی تو اس سے ان کی خلافت و امامت بھی ثابت ہوگئی کیونکہ شرائط امامت میں ثابت کیا جاچکا ہے کہ امام کے لئے عصمت ضروری ہے اور جب ان کے علاوہ امت محمدیہ میں اور کوئی معصوم نہیں ہے تو بس یہی بزرگوار خلیفہ و امام ہوں گے۔

وجہ سوم | اس حدیث شریف میں ان حضرات سے تمسک کرنے میں رشد و ہدایت اور ترکِ تمسک میں ضلالت و غوایت قرار دی گئی ہے یہ امر بھی ان بزرگواروں کی عصمت و طہارت کی قطعی دلیل ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ جس شخص کے ساتھ تمسک کرنا ہر حال میں موجب رشد و ہدایت اور جس کی مخالفت ہر حال میں موجب ضلالت ہو۔ وہ معصوم کی ذات والاصفات ہی ہوسکتی ہے۔ ورنہ غیر معصوم کی نہ تو اطاعت مطلقہ واجب ہوسکتی ہے اور نہ ہر حال میں اس سے تمسک موجب رشد و ہدایت ہوسکتا ہے بلکہ بعض اوقات حق و صواب اس کی مخالفت میں منحصر ہوتا ہے اور موافقت میں عین ضلالت و گمراہی بس ثبوت عصمت کے ساتھ ساتھ ان کی امامت بھی ثابت ہوگئی۔

وجہ چہارم اس حدیث شریف میں تمسک کو واجب و لازم قرار دیا گیا ہے۔ ارباب دانش و بینش پر مخفی نہیں ہے کہ اس تمسک سے "الاخذ بالید" (ہاتھ سے پکڑنا) مراد نہیں بلکہ اوامر و نواہی اور تمام امور دین و دنیا میں ان کی اقتدار کرنا مقصود ہے "وھذا یدل علی عصمتھم کما لا یخفیٰ" اور بیانات سابقہ میں مکرّراً واضح کیا جا چکا ہے کہ جن حضرات کی اطاعت مطلقہ واجب و لازم ہو وہ نبی یا وصی نبی ہی ہو سکتے ہیں لیکن واضح ہے کہ عترت اہل بیتؑ نبی تو نہیں ہیں لہٰذا لامحالہ وصیٔ نبی ہوں گے۔

وجہ پنجم بعض طرق حدیث میں اس حدیث کا ایک تتمۂ مہمہ بایں الفاظ موجود ہے۔ "فلا تقدموھم فتھلکوا" "عترت اہل بیتؑ سے کسی امر میں آگے نہ بڑھنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے" یہ اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ ہر امر میں عترت اہل بیتؑ کو مقدم کرنا چاہیے۔ چنانچہ احمد ابن تادر العجیل الشافعی ذخیرۃ المآل میں اس فقرہ کی شرح میں رقمطراز ہیں۔ "واما التقدیم فھم اولیٰ بذلک فی مواضع کثیرۃ منہا الامامۃ الکبریٰ" (الخ) جہاں تک عترت رسولؐ کو مقدم کرنے کا تعلق ہے وہ کئی مقام پر اس کے زیادہ حقدار ہیں منجملہ ان مقامات کے ایک امامت کبریٰ بھی ہے (علیٰ ما نقل فی العبقات) اسی طرح ابن حجر کی صواعق محرقہ ص ۲۲۷ طبع جدید میں اسی فقرہ کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "فی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تقدموھم الخ دلیل علی ان من تاھّل منھم للمراتب العلیۃ والوظائف الدینیۃ کان مقدماً علی غیرہ" "آنحضرت کے ارشاد میں اس بات کی دلیل ہے کہ عترت رسولؐ میں سے جو شخص ان مراتب کا اہل ہو وہ دوسروں پر مقدم سمجھا جائے گا" واضح ہوا کہ تمام امور میں اور بالخصوص مسئلہ امامت کبریٰ میں عترت اہل بیتؑ ہی کو مقدم کرنا واجب ہے۔
(ولکنھم عکسوا الامر فجعلوھم معکوساً)

وجہ ششم اسی طرح مذکورہ بالا تتمہ کے ساتھ یہ فقرہ بھی ملتا ہے۔ "ولا تعلموھم فانھم اعلم منکم" "اے مسلمانو! تم ان کو تعلیم نہ دینا کیونکہ وہ تم سے زیادہ عالم ہیں۔" یہ حدیث اعلمیت اہل بیتؑ پر نص صریح ہے اور شرائط امامت میں واضح کیا جا چکا ہے کہ امام کے لئے اعلم ہونا ضروری ہے لہٰذا جب ان حضرات کی اس حدیث سے اعلمیت ثابت ہو گئی تو اس کے ساتھ ساتھ ان کی امامت بھی ثابت ہو گئی۔

وجہ ہفتم حضرت امیر المومنینؑ و دیگر بعض ائمہ معصومینؑ کا وقتاً فوقتاً اپنی خلافت و امامت حقہ کی حقانیت کے اثبات میں اس حدیث شریف سے احتجاج و استدلال کرنا بھی اس کے نص امامت

و وصایت ہونے کی نہایت محکم و مضبوط دلیل ہے (تفصیل کے لئے تحقیقات الفریقین دیکھیں)

نص دوم حدیث سفینہ

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم مثل اھل بیتی کمثل سفینۃ نوح من رکبھا نجی ومن تخلف عنھا غرق و ھوی۔ (حدیث نبی صحیح متفق علیہا) میرے اہل بیت کی مثال کشتی نوح کی سی ہے، جو اس پر سوار ہوگا وہ نجات پا جائے گا، اور جو اس سے اعراض کرے گا وہ ہلاک و برباد ہو جائے گا۔ (تفسیر کبیر فخرالدین رازی بذیل آیہ مودۃ۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ملاعلی قاری لمعات شرح مشکوٰۃ محدث عبدالحق دہلوی خود مشکوٰۃ شریف ...... قرۃ العینین شاہ ولی اللہ دہلوی، تذکرہ خواص الامۃ سبط ابن جوزی، مسند احمد ابن حنبل، صحیح مسلم، مسند ابوالیعلیٰ، مستدرک حاکم، ینابیع المودۃ، تفسیر درمنثور سیوطی صواعق محرقہ ابن حجر مکی معارف ابن قتیبہ دینوری وغیر ذلک من الکتب المعتمدہ) یہ حدیث شریف بھی بچند وجہ خلافت و امامت آئمہ اطہار پر دلالت کرتی ہے۔

وجہ اوّل ظاہر ہے کہ اہل بیت کو کشتی نوح سے تشبیہ دینے اور اس پر سوار ہونے کو موجب نجات قرار دینے سے ان حضرات کی متابعت و اقتداء کی ترغیب و تحریص اور اس کشتی سے اعراض کو موجب غرق و ہلاکت قرار دینے سے ان بزرگواروں کی معصیت و نافرمانی سے ترہیب و تخویف مقصود ہے۔ سابقاً بکرات و مرات واضح کیا جا چکا ہے کہ جن ذوات قدسیہ کی اطاعت مطلقہ واجب اور معصیت مطلقہ حرام ہو وہ نبی یا امام ہی ہو سکتے ہیں لیکن واضح ہے کہ ائمہ اہل بیت نبی نہیں ہیں لہٰذا خلیفہ و امام ضرور ہوں گے۔

وجہ دوم اس حدیث شریف میں سفینۂ اہل بیت میں رکوب یعنی ہر حال میں ان کی اطاعت و فرمانبرداری کو موجب نجات و باعث رشد و ہدایت اور اس سفینۂ نجات سے تخلف اور اعراض یعنی ان کی نافرمانی کو موجب ہلاکت و ضلالت قرار دیا گیا ہے۔ یہ امر ان حضرات کی عصمت و طہارت کی بیّن دلیل ہے کیونکہ مکرر ثابت کیا جا چکا ہے کہ جن حضرات کا ہر حال میں اتباع موجب نجات اور مخالفت موجب ضلالت ہو وہ معصوم ہی ہو سکتے ہیں۔ شرائط امامت میں امام کے لئے عصمت کا لازم ہونا ثابت کیا جا چکا ہے۔ لہٰذا جب اس حدیث سے ان بزرگواروں کی عصمت واضح ہوگئی تو اس سے ان کی خلافت و امامت بھی ثابت ہوگئی۔

وجہ سوم اس حدیث شریف سے ان بزرگواروں کی افضلیت واضح ہوتی ہے کیونکہ اگر آنحضرت کی امت میں کچھ اور افراد بھی ایسے موجود ہوتے جن کی اطاعت مطلقہ واجب اور معصیت

مطلقہ حرام، اطاعت موجب نجات اور مخالفت موجب ہلاکت ہوتی تو مدرسان کو بھی آنحضرت سفینۂ نوح سے تشبیہ دیتے ورنہ ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی جو عقلاً و نقلاً باطل ہے۔ معلوم ہوا کہ ان حضرات کا ہم پلہ اور ہم مرتبہ اور کوئی شخص امتِ محمدیہ بلکہ تمام امم و عوالم میں نہیں پایا جاتا لہٰذا یہ بزرگوار افضل الامۃ بلکہ افضل الخلائق ہوں گے۔ شرائط امامت میں محقق و مبرہن کیا جا چکا ہے کہ امام کے لئے افضل ہونا لازم ہے لہٰذا اس حدیث سے ان کی افضلیت کے ثبوت کے ساتھ ساتھ ان کی امامت بھی ثابت ہو گئی۔

وجہ چہارم اس حدیث شریف سے ائمہ اہلبیتؑ کی محبت و مودت کا وجوب اور ان کے بغض و عداوت کی حرمت مترشح ہوتی ہے ظاہر ہے کہ وجوب محبت مستلزم وجوب اطاعت ہے اور جس کی اطاعتِ مطلقہ واجب ہوگی، وہ امام یا نبی ہوگا۔ لہٰذا جب یہ بزرگوار نبی نہیں ہیں تو یقیناً امام ہوں گے۔

وجہ پنجم بعض ائمہ معصومین علیہم السلام کا اپنی امامت کے اثبات میں اس حدیث شریف سے احتجاج و استدلال کرنا اس کے نصِ خلافت و امامت ہونے کی قطعی دلیل ہے چنانچہ کتاب راحۃ الروح فی شرح حدیث سفینۃ نوحؑ میں ائمہ اطہارؑ کا اس حدیث کے ساتھ تمسک کرنا مذکور ہے۔ (فراجع)

وجہ ششم بعض علمائے اہل سنت نے بھی اس حدیث کی دلالت برامامت کو دبی لفظوں میں تسلیم کر لیا ہے حتیٰ کہ ملا عبد العزیز دہلوی نے باآں ہمہ تعصب و عناد اتنا تو تسلیم کیا ہے کہ دینی ہدایت اور اخروی فوز و فلاح ان حضرات کی دوستی اور ان کی متابعت میں منحصر ہے اور ان کی دوستی و اتباع سے دست بردار ہونا ہلاکت ابدی کا باعث ہے۔ چنانچہ موصوف تحفہ اثنا عشریہ باب ہفتم میں ذیل حدیث سفینہ رقمطراز ہیں۔ "ہیں تم حدیث مثل اھلبیتی فیکم مثل سفینۃ نوح من رکبھا نجی ومن تخلف عنھا غرق،

"دلالت نمی کند مگر بر آنکہ فلاح و ہدایت مربوط بدوستی ایشاں و منوط باتباع ایشاں است وتخلف از دوستی و اتباع ایشاں موجب ہلاک۔"

شاہ صاحب کا یہ تسلیم کر لینے کے بعد کہ یہ حدیث فلاح و نجات اور رشد و ہدایت کے محبت و اتباع اہل بیتؑ میں منحصر ہونے اور ان کی آنتداء سے انحراف و اعراض کے موجب ہلاکت ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ یہ کہنا کہ یہ حدیث ان بزرگواروں کی خلافت و امامت پر دلالت نہیں کرتی عجیب مغلطہ ہے کیونکہ خلیفہ و امام سے مراد ہی یہ ہے کہ جس کی دوستی اور اطاعت و فرمانبرداری تمام مسلمانوں پر واجب و لازم

اور جس کی دشمنی و مخالفت ان کے لیے حرام ہو، یہی وہ ریاستِ عامہ ہے جسے امامت کی تعریف میں ذکر کیا جاتا ہے۔ ظاہری حکومت و ریاست کو اس کے تحقق و ثبوت میں کوئی دخل نہیں جس طرح کہ خود نبوت کے ثبوت میں ظاہری اقتدار کو کوئی تعلق نہیں ہے۔ امامت و خلافت کا حقیقی مفہوم اہلبیتؑ نبوت میں تسلیم کر لینے کے بعد یہ کہنا کہ یہ حدیث ان کی خلافت و امامت پر دلالت نہیں کرتی، یعنی اتباع و اقتداء اہلبیت کی واجب اور ان کی پیروی سے انحراف کرنا باعثِ ہلاکت ہے لیکن رسول کے خلیفے حضرت ابوبکر و عمر وغیرہ ہیں یہ صاف و صریح تناقض نہیں تو اور کیا ہے؟ ممکن ہے شاہ صاحب کی طرف سے کہا جائے کہ ہم اصحاب ثلاثہ کو محض ملک و بادشاہ سمجھتے ہیں نہ خلیفہ و امام جن کی دوستی واجب ہے نہ اطاعت لازم نہ دشمنی حرام ہے نہ مخالفت ناجائز۔ ہم عرض کریں گے کہ اگر فی الواقع ایسا ہی ہے تو "دل ماشاد و چشم ما روشن" کیونکہ ایسا تو ہم بھی ان کو مانتے ہیں۔ بہرکیف اس کے سوا شاہ صاحب کو اپنی گلو خلاصی کرانے کے لیے اور کوئی چارہ نہیں ہے۔

وجہ ہفتم کتاب مودۃ القربیٰ سید علی ہمدانی صفحہ ۳۲ طبع بمبئی میں یہ حدیث ایسے الفاظ کے ساتھ مروی ہے جن کا نص برامامت اہلبیتؑ ہونا اظہر من الشمس ہے۔ آنحضرت فرماتے ہیں "من احب ان یرکب سفینۃ النجاۃ و یتمسک بالعروۃ الوثقیٰ و یعتصم بحبل اللہ المتین فلیوال علیاً بعدی و یعاد عدوہ ولیأتم بالائمۃ الھداۃ من ولدہ فانھم خلفائی من بعدی اوصیائی و حجج اللہ علیٰ خلقہ بعدی و سادۃ امتی و قادۃ الاتقیاء الی الجنۃ حزبھم حزبی و حزب اعدائھم حزب الشیطان۔" جو شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ کشتیٔ نجات پر سوار ہو، عروۃ وثقیٰ کے ساتھ تمسک کرے اور خدا کی مضبوط رسی کے ساتھ چنگل زنی کرے۔ اسے چاہیئے کہ میرے بعد علیؑ کو اپنا امام بنائے اور ان کے دشمنوں سے دشمنی رکھے اور ان کی اولاد میں سے جو ہادی و امام ہیں ان کی اقتداء کرے کیونکہ یہی میرے بعد میرے حقیقی خلفاء و اوصیاء ہیں اور یہی مخلوق خدا پر اس کی حجت اور میری امت کے سردار اور اہل تقویٰ و طہارت کو جنت میں لے جانے کے قائد ہیں۔ ان کا گروہ خدا کا گروہ ہے اور ان کے دشمنوں کا گروہ شیطان کا گروہ ہے۔

وضاحت اس حدیث شریف سے یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ جب تک ضلالت و ہلاکت کا خوف موجود ہے اس وقت تک اس سفینۂ نجات یعنی ائمہ اہل بیتؑ میں سے کسی نہ کسی فرد فرید کا ہمیشہ موجود رہنا بھی ضروری ہے ظاہر ہے کہ یہ اندیشۂ ضلالت قیام قیامت تک باقی ہے لہٰذا اس سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ قیامت تک ہر زمانہ میں ائمہ اہل بیتؑ میں سے کوئی فرد موجود رہے

جن کی محبت و اتباع باعث امن اور موجب رشد و ہدایت قرار پا سکے۔ ورنہ دنیا ایک لحظہ بھی اس کے وجود کے بغیر باقی نہیں رہ سکتی۔ حدیث نجوم میں بھی اس امر کو بیان کیا گیا ہے۔ قال رسول اللہ النجوم امان لاهل السماء واهلبیتی امان لاهل الارض (ملاحظہ ہو مسند امام احمد، فرائد السمطین حموینی وغیرہ) قطع نظر باقی ادلہ و براہین کے صرف یہی حدیث حضرت سلطان عصر و امام زمان عجل اللہ تعالیٰ فرجہ کے وجود ذی جود کو ثابت کرنے کے لئے کافی و وافی ہے۔ واللہ یهدی من یشاء الی صراط مستقیم

نص سوم حدیث اثنا عشر خلیفة

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم لا یزال الدین قائما و عزیزا منیعا حتی تقوم الساعة و یکون علیه اثنا عشر خلیفة کلهم من قریش" فرمایا جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کہ دین ہمیشہ قائم و دائم (یا فرمایا، معزز و مکرم اور سربلند) رہے گا، یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے اور اس میں بارہ خلیفہ ہوں گے، جو تمام قریش سے ہوں گے۔" یہ حدیث نہایت مشہور و معروف بلکہ متواتر اور کتب فریقین میں مذکور ہے ینابیع المودۃ ص۴۴۴ طبع اسلامبول پر لکھا ہے کہ "یحییٰ ابن حسن نے کتاب عمدہ میں اس حدیث کو بیس طرق سے بخاری نے تین طرق سے، مسلم نے نو طرق سے، ابو داؤد نے تین طرق سے ترمذی نے ایک طریق سے اور حمیدی نے جمع بین الصحیحین میں تین طرق سے روایت کیا ہے۔" نیز ینابیع المودۃ باب ۷۷، ص۴۴۵ پر لکھا ہے کہ ابن سمرہ (راوی حدیث) بیان کرتے ہیں کہ جب آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یکون بعدی اثنا عشر خلیفة کہ میرے بعد بارہ خلیفہ ہوں گے۔ ثم اخفی صوته، پھر آپ نے اپنی آواز مبارک آہستہ کر لی اور کچھ ارشاد فرمایا جسے میں نہ سمجھ سکا۔ میں نے قریب بیٹھے ہوئے آدمی سے پوچھا کہ آپ نے کیا فرمایا؟ کہا! فرماتے ہیں۔ کلهم من بنی هاشم یہ سب ائمہ بنی ہاشم میں سے ہوں گے۔

توضیح

مخفی نہ رہے کہ صحیح مسلم وغیرہ کی روایت میں یہ مذکور ہے کہ فرمایا کلهم من قریش "یہ سب ائمہ قبیلہ قریش سے ہوں گے۔" ان دو روایتوں کے درمیان کسی قسم کا تعارض و تباین نہیں ہے بلکہ ان کے درمیان عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے کیونکہ بنی ہاشم قریش ہی کا ایک خاص خاندان ہے۔ ظاہر ہے کہ عام اور خاص کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہوتا۔ بلکہ خاص کو عام کا بیان و کاشف مراد سمجھا جاتا ہے لہذا بنا بریں عام قریش والی روایت کو اس خاص بنی ہاشم والی روایت پر محمول کیا جائے گا۔ کما لا یخفی علی من له ادنی المام بالعلوم العربیة۔ بہرکیف تتمہ حدیث جو بھی ہو صدر حدیث یعنی "یکون بعدی اثنا عشر خلیفة" کی صحت پر تو تمام مسلمانوں کا اجماع ہے چنانچہ ابن حجر مکی

صواعق محرقہ ص۱۱ پر لکھتے ہیں "قال الائمۃ، صدر ھذا الحدیث مجمع علی صحتہ" ائمہ حدیث کہتے ہیں کہ اس حدیث کے ابتدائی حصے کی صحت پر اجماع ہے۔"

ائمہ اثنا عشر کی تعیین

اب غور طلب امر یہ ہے کہ ان بارہ خلفاء سے مراد کون سے بارہ خلیفے ہیں۔ آیا خلفائے بنی امیہ یا خلفائے بنی عباس؟ یا خلفائے اہل بیت علیہم السلام؟ قطع نظر دلائل و قرائن خارجیہ کے خود اس حدیث شریف میں متعدد ایسے شواہد قطعیہ موجود ہیں جو ائمہ اہل بیت ہی کے مراد و مقصود ہونے پر صریحی دلالت کرتے ہیں۔

شواہد داخلیہ

"بعض نصوص حدیث میں وارد ہے۔ "لن یزال ھذا الدین قائما" اور بعض طرق میں "لا یزال الاسلام عزیزاً منیعاً" یعنی اسلام ہمیشہ مکرم و معظم اور قائم و دائم رہے گا جب تک اس میں بارہ ائمہ گذریں گے یعنی وہ ائمہ دین اسلام کے لئے باعث عزو افتخار ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ صفت ائمہ اہل بیت ہی میں نظر آتی ہے کیونکہ مسلمانوں کے مزعومہ خلفاء میں اکثر ایسے گزرے ہیں جن کا وجود اسلام کے صاف و سفید دامن پر نہایت بدنما دھبہ تھا۔

دوسرا شاہد

اس حدیث شریف کے بعض طرق میں وارد ہے کہ یہ مبارک سلسلہ قیامت تک قائم و دائم رہے گا۔ "ما دام لھم اثنا عشر خلیفۃ" یا "تقوم الساعۃ" وغیرہ الفاظ وارد ہیں ظاہر ہے کہ ان مسلمانوں کے خود ساختہ خلفاء کا سلسلہ صدیوں سے منقطع ہو چکا ہے لیکن اسلام اب بھی بحمدہ تعالیٰ عزیز و منیع ہے۔ ماننا پڑے گا کہ پیغمبر اسلام کا کوئی حقیقی خلیفہ و جانشین اب بھی ایسا موجود ہے جس کے برکات وجود سے زمین و زمان، مکین و مکان اور اسلام و ایمان فتن و شرور اور حوادث دہور سے محفوظ و مصئون ہیں اور یہ بزرگ نہیں ہیں مگر حضرت حجتہ ابن الحسن صاحب العصر و الزمان عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف۔

تیسرا شاہد

بعض طرق حدیث میں وارد ہے کہ "کلھم من بنی ہاشم" یہ سب ائمہ دوازدہ بنی ہاشم سے ہوں گے (ینابیع المودۃ و عمدہ ابن بطریق وغیرہ) واضح ہے کہ وہ جو ائمہ خاندان بنی ہاشم میں سے ہوئے وہ یہی دوازدہ ائمہ ہیں جن کی خلافت و امامت کے شیعہ خیر البریہ ہیں نہ کوئی اور

چوتھا شاہد

بعض طرق حدیث میں وارد ہے "لا تھلک ھذہ الامۃ حتی یکون فیھا اثنا عشر خلیفۃ کلھم یعمل بالھدی و دین الحق" یہ امت ہلاک نہیں ہوگی جب تک ان میں بارہ ائمہ گذریں گے۔ ان میں سے ہر ایک رشد و ہدایت اور دین حق پر عمل

کرنے والا ہوگا۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری طبع دہلی پارہ ۲۹ ص۲۴۵) واضح ہے کہ یہ صفات جلیلہ فقط آئمہ اہلبیتؑ میں ہی پائی جاتی ہیں۔ ورنہ دوسرے سلسلہ میں تو اکثریت ایسے آئمہؑ کی ہے جو باقرارِ اہل سنت ظالم وجابر اور فاسق وفاجر تھے (تاریخ الخلفاء سیوطی ملاحظہ ہو۔) نیز اس حدیث شریف میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب تک بارہ آئمہ میں سے کسی نہ کسی امام کا وجود دنیا میں رہے گا، امت ہلاک نہیں ہوگی۔ یعنی جب ان کا وجود دنیا سے اٹھ جائے گا تو امت کی ہلاکت واقع ہو جائے گی۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ امت بدستور بلکہ بیش از پیش صحت وسلامتی کے ساتھ موجود ہے۔ مگر مسلمانوں کے مزعومہ خلفاء تو مدتوں سے ختم ہو چکے ہیں۔ لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ حقیقی خلفاء رسولِ مقبولؐ نہ تھے۔ ورنہ لازم تھا کہ ان کی موت کے ساتھ ساتھ امت بھی موت کے گھاٹ اتر جاتی بلکہ بساطِ عالم ہی لپیٹ دی جاتی۔ امتِ مرحومہ کا وجود اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ اب بھی کوئی حقیقی نائب وخلیفۂ رسولؐ اس دنیا میں زندہ وسلامت موجود ہے جس کے برکات وجود کے طفیل میں امت مرحومہ موجود ہے اور نظام عالم درہم برہم ہونے سے محفوظ ہے۔ ؎

قدم سے مہدیؑ دیں کے زمین قائم ہے پانی پر ؎ قرار کشتیٔ دنیا کے لنگر ایسے ہوتے ہیں

بعض علماء اہلسنت کا اعترافِ حقیقت

انہی حقائق کی بنا پر بعض محققین علماء اہل سنت کو یہ اقرار کرنا پڑا کہ اس حدیث میں وارد شدہ خلفاء سے مراد ائمہ اہل بیتؑ ہیں چنانچہ شیخ سلیمان حنفی قندوزی اپنی کتاب ینابیع المودۃ ص۴۴۶ طبع اسلامبول اس حدیث کو متعدد طرق سے نقل کرنے کے بعد رقمطراز ہیں: ذکر بعض المحققین ان الاحادیث الدالۃ علی کون الخلفاء بعدہ صلی اللہ علیہ وسلم اثنا عشر قد اشتہرت من طرق کثیرۃ فبشرح الزمان وتعریف الکون والمکان علم ان مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من حدیثہ ہذا الائمۃ الاثنا عشر من اہل بیتہ وعترتہ اذ لا یمکن ان یحمل ہذا الحدیث علی الخلفاء بعدہ من اصحابہ لقلتہم عن اثنا عشر ولا یمکن ان نحملہ علی الملوک الامویۃ لزیادتہم علی اثنا عشر ولظلمہم الفاحش الا عمر بن عبد العزیز ولکونہم غیر بنی ہاشم لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال کلہم من بنی ہاشم فی روایۃ عبد الملک عن جابر واخفاء صوتہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ہذا القول یرجح ہذہ الروایۃ لانہم لا یحسنون خلافۃ بنی ہاشم ولا یمکن ان نحملہ علی الملوک العباسیۃ لزیادتہم علی العدد المذکور ولقلۃ رعایتہم الآیۃ وقل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ وحدیث الکساء فلا بد من ان یحمل ہذا الحدیث

علی الائمة الاثنیٰ عشر من اہل بیتہ و عترتہ صلی اللہ علیہ وسلم،
لانہم کانوا اعلم اہل زمانہم واجلہم واورعہم واتقاہم واعلاہم
وافضلہم حسباً واکرمہم عند اللہ وکان علومہم عن آبائہم متصلاً
بجدّہم صلی اللہ علیہ وسلم وبالوراثة اللدنیة کذا عرفہم اہل العلم
والتحقیق واہل الکشف والتوفیق ویؤیدہ ہذا المعنیٰ ای ان مراد النبی صلی اللہ
علیہ وسلم الائمة الاثنیٰ عشر من اہل بیتہ ویشہدہ ویرجحہ حدیث الثقلین
والاحادیث المتکثرة المذکورة فی ہذا الکتاب وغیرہا۔ انتہی کلامہ" بعض محققین
اہلِ سنّت نے بیان کیا ہے کہ وہ احادیث جو خلفاء کے بارہ ہونے پر دلالت کرتی ہیں بہت مشہور اور
طرقِ کثیرہ سے مروی ہیں۔ شرح زمان اور تعریف کون و مکان کی واقعاتی شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد ان بارہ خلفاء سے وہی بارہ امام ہیں جن کا تعلق آپ کی عترتِ طاہرہ
سے ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ اس حدیث کو ان خلفاء پر محمول کیا جائے جو آپ کے صحابہ میں سے آپ کے
بعد ہوئے۔ اس لئے کہ ان کی تعداد بارہ سے کم ہے۔ یہ بھی ممکن نہیں کہ اس حدیث کو شاہانِ بنی امیہ
پر حمل کیا جائے کیونکہ اوّل تو ان کی تعداد بارہ سے زائد ہے۔ دوسرے سوائے عمر بن عبدالعزیز
کے ان کا ظلم و جور ظاہر ہے۔ تیسرے اس لئے کہ وہ غیر بنی ہاشم تھے۔ حالانکہ آنحضرتؐ نے عبدالملک
از جابر والی روایت میں فرمایا ہے کہ وہ سب کے سب بنی ہاشم میں سے ہوں گے۔ نیز اس روایت
(عبدالملک) میں آنحضرتؐ کا پست آواز سے بنی ہاشم کا ذکر کرنا اس خیال کی تائید کرتا ہے اس لئے کہ
لوگ بنی ہاشم کی خلافت کو پسند نہیں کرتے تھے۔ یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ اس کو ملوکِ بنی عباس پر
حمل کیا جائے کیونکہ اولاً تو ان کی تعداد بارہ سے زیادہ ہے۔ ثانیاً انہوں نے آیۂ مودّت کی مخالفت
کرتے ہوئے سادات پر جو ظلم و ستم کئے ہیں وہ ظاہر ہیں۔ بنابریں ضروری ہے کہ اس حدیث شریف
کو ائمہ اہلِ بیتؑ پر ہی حمل کیا جائے کیونکہ وہ سب سے زیادہ عالم، سب سے زیادہ حلیم و بردبار،
سب سے زیادہ متقی و پرہیزگار اور از روئے حسب و نسب سب سے بلند و برتر تھے۔ ان کے علوم
اپنے آباؤ اجداد کے ذریعے خود آنحضرتؐ سے ماخوذ ہیں۔ اہلِ معرفت و تحقیق نے ان کو اسی طرح پہچانا ہے
اور اسی طرح ان کا تعارف کرایا ہے اور اس مطلب کی تائید حدیث شریف ثقلین اور دوسری ان احادیث
سے بھی ہوتی ہے جو اس کتاب میں درج ہیں۔"

خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں * گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

یہ مطلب جو بعض محققین نے بیان کیا ہے کوئی ایسا دقیق و عمیق فلسفیانہ مطلب نہیں ہے جس کے سمجھنے میں بہت علم و فضل یا زیادہ تحقیق و تدقیق درکار ہو۔ بلکہ یہ ایسا صاف و صریح اور عام فہم مفہوم ہے جسے ہر معمولی عقل و انصاف رکھنے والا انسان معمولی تامل و تفکر کے بعد تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اس میں نہ کسی قسم کا تکلف ہے۔ نہ تعسف نہ اعوجاج ہے اور نہ تعصب! بلکہ ایک واضح حقیقت ہے جس کی صحت کا کوئی صاحبِ عقل و انصاف انکار نہیں کر سکتا۔ ادنیٰ تدبر سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث ائمہ اہلِ بیتؑ پر اس طرح منطبق ہوتی ہے جس طرح کسی کے قد و قامت کے مطابق سلا ہوا پیراہن اس کے جسم پر پورا اترتا ہے۔

امت کا اختلاف دامنِ اہلِ بیت چھوڑنے کا نتیجہ ہے

لیکن جب مسلمانوں نے ان ذواتِ قدسیہ کے دامن کو اپنے ہاتھ سے چھوڑ دیا جن کے ساتھ تمسک و اعتصام کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ تو اس کا نتیجہ وہی نکلا جو نکلنا چاہیئے تھا یعنی اختلاف و افتراق میں مبتلا ہو گئے کیونکہ مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس تلخ حقیقت کی خبر دے چکے تھے۔ ارشاد ہوتا ہے اھل بیتی امان من الاختلاف فاذا خالفتها قبیلة من العرب اختلفوا فصاروا حزب ابلیس (صواعق محرقہ ص ۱۹/۱۴۰ وغیرہ)۔ "میرے اہلِ بیتؑ اختلاف و افتراق سے بچنے کا واحد ذریعہ ہیں۔ جب عرب کا کوئی قبیلہ ان کی مخالفت کرے گا۔ تو وہ باہمی اختلاف میں مبتلا ہو کر شیطان کا گروہ بن جائے گا۔" چنانچہ جب لوگوں نے ائمہ اہلِ بیتؑ کے انوار سے استفادہ نہ کیا تو ظلمتِ اختلاف و افتراق میں مبتلا ہو گئے اسی کا نتیجہ ہے کہ یہ لوگ دوسرے مسائل حلال و حرام کی طرح خود خلفاء کی تعیین میں آج تک متحیر و سرگرداں نظر آتے ہیں۔

خلفاءِ اثنا عشر کی تعیین میں علمائے اہلِ سنت کی سراسیمگی

کبھی تو آنحضرتؐ کے بعد متصل اور پے در پے ہونے والے خلفاء کو مراد لیتے ہیں جن میں خلفاءِ اربعہ کے علاوہ پانچویں معاویہ اور چھٹے یزیدؔ الخ ہیں کبھی سلسلۂ اتصال کی کڑی کو توڑ کر خلفائے بنی امیہ و بنی عباسیہ میں انتخاب در انتخاب اور نہایت کانٹ چھانٹ کر کے بزعم خود ان میں سے جو نیک و صالح تھے۔ وہ مراد لیتے ہیں اس سلسلہ میں چار خلفائے راشدین اور پانچویں عمر ابن عبد العزیز اور چھٹے مہدی عباسی تجویز کئے جاتے ہیں الی غیر ذلک من الاختلافات الفاحشة۔

اربابِ دانش و بینش پر مخفی و محتجب نہیں ہے کہ ان حضرات کے ان اقوال کو اگر حقیقت کے معیار پر رکھا جائے تو سب غیر معتبر اور ناقص العیار ثابت ہوتے ہیں کیونکہ اگر مطلق ادعائے خلافت اور لوگوں کی بیعت کر لینے کو معیارِ خلافت و امامت سمجھا جائے تو یہاں کئی سلسلے موجود ہیں۔

پہلا سلسلہ ان خلفاء کا ہے جو بنی امیہ وغیرہ سے چلا ہے۔ جن کی ترتیب یہ ہے حضرت ابوبکر۔ عمر۔ عثمان
علی۔ معاویہ۔ یزید لعین۔ معاویہ ابن یزید۔ مروان ابن الحکم۔ عبدالملک ابن مروان۔ ولید ابن عبدالملک۔ سلیمان ابن
عبدالملک۔ عمر بن عبدالعزیز۔ یزید ابن عبدالملک۔ مروان ابن محمد ابن مروان۔ یہ چودہ [۱۴] خلفاء ہوئے۔ حالانکہ حدیث
میں بارہ [۱۲] خلفاء کا ذکر ہے۔

دوسرا سلسلہ محض خلفاء بنی امیہ کا ہے۔ جن کی سلطنت فقط اندلس میں محدود تھی۔ ان کی تعداد بھی چودہ [۱۴]
ہے اگر ان کو پہلے سلسلہ کے ساتھ منضم کر دیا جائے تو ان کی تعداد اٹھائیس ہو جاتی ہے کہاں بارہ کہاں اٹھائیس؟

تیسرا سلسلہ خلفائے بنی عباس کا ہے جن کی تعداد سینتیس [۳۷] ہے۔ بارہ [۱۲] اور سینتیس میں جو نمایاں فرق ہے وہ محتاج
بیان نہیں ہے۔ اگر ان کو پہلے سلسلوں کے ساتھ ملا دیا جائے تو مجموعی تعداد اکتالیس یا پچپن ہو جاتی ہے۔

ع ببیں تفاوت رہ کجاست تا بہ کجا؟

اگر رشتۂ خلافت کو قطع کر کے بزعم اہل سنت ان میں سے اچھے اچھے خلفاء مراد لئے جائیں تو یہ شق بھی بچند وجہ
باطل ہے۔

اولاً ان کے زعم کے مطابق بھی پورے بارہ نیک خلفاء نہیں ملتے کیونکہ جن کو یہ منتخب کر کے نیک سمجھتے
ہیں ان ہی کے مطاعن و مثالب سے ان کی کتب پر ہیں۔

ثانیاً جب سلسلہ خلافت کو درمیان سے قطع کر دیا جائے تو انقطاع کے وقت محافظ شریعت اور امت
مرحومہ کو ہرج مرج سے بچانے والا کون ہوگا؟

ثالثاً کتب فریقین میں یہ مشہور و معروف حدیث موجود ہے کہ من مات ولم یعرف امام زمانہ
مات میتۃ جاھلیۃ۔ جو شخص اپنے امام وقت کی معرفت حاصل کئے بغیر مر جائے وہ جہالت یعنی کفر و شرک کی موت
مرتا ہے۔ اس انقطاعی دور میں مرنے والوں کا کیا حشر ہوگا؟ قطع نظر اس کے کہ یہ حدیث ہر دور میں ایک امام برحق
کے موجود ہونے پر بیّن دلیل ہے۔

رابعاً یہ احتمال مفاد و مفہوم حدیث کے بالکل مخالف ہے۔ کیونکہ حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مبارک
سلسلہ یکے بعد دیگرے قیامت تک متصلاً دائم و قائم رہے گا۔ ملاحظہ ہوں الفاظ حدیث لا یزال الدین قائماً حتی
تقوم الساعۃ ویکون علیھم اثنا عشر خلیفۃ۔ یہی وجہ ہے کہ یہ سب ہاتھ پیر مارنے کے بعد بالآخر جب بعض اہل
انصاف علمائے اہل سنت نے دیکھا کہ: ع بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی
تو اپنی کھلبلی اور سراسیمگی کا ان الفاظ میں اقرار کر ہی لیا ملاحظہ ہو ابوداؤد و مترجم اردو مطبوعہ صدیقی پریس لاہور
کتاب المہدی ص۳۰۱ پر مولوی وحید الزمان صاحب اس حدیث کے ترجمہ کے بعد بعنوان (فائدہ) رقمطراز ہیں "بظاہر یہ

حدیث مشکل ہو گئی ہے علماء پر کیونکہ چار ہی خلفاء ایسے گذرے ہیں جن سے دین قائم ہوا۔ اور کل یا اکثر امت نے ان پر اتفاق کیا باقی خلفائے عباسیہ اور بنی امیہ تو ظالم و جابر تھے ! گویا یہ علماء زبانِ حال سے پکار رہے ہیں ؎

کبھی جھکتا ہوں ساغر پر کبھی گرتا ہوں مینا پر ⁂ میری بے ہوشیوں سے ہوش ساقی کے بکھرتے ہیں

اس خبط و جنون کو واقعاً ائمہ اہل بیتؑ سے ترک تمسک کا تازیانۂ عبرت سمجھنا چاہیئے۔ کس قدر عبرت و تعجب کا مقام ہے۔ اس خبط و تحیّر اور تردّد و سراسیمگی کی وجہ سے جو ان حضرات کو اس حدیث شریف کی تطبیق میں عارض ہے۔ بیسیوں احتمال ذکر کئے جا رہے ہیں لیکن واہ رے عداوتِ اہل بیتؑ ! ان کے ساتھ تو مسلمانوں کو کچھ ایسی قلبی کدورت و پرخاش ہے کہ اہل بیتؑ کا تو بھول کر بھی نام نہیں لیتے اور نہ اس خانوادۂ عصمت و طہارت کی طرف کبھی آنکھ اٹھا کر دیکھتے ہیں۔ اگر مسلمانوں میں ذرّہ بھر بھی عدل و انصاف ہوتا تو اور کچھ نہیں تو کم از کم جہاں اور احتمالات ذکر کر رہے ہیں، وہاں بطور احتمال ہی اہل بیتؑ کا ذکر کر دیتے تاکہ طالبانِ حق و حقیقت کو حق و باطل میں تمیز دینے میں مدد مل سکتی لیکن افسوس !

؎ ہم کو ان سے وفا کی ہے امید ⁂ جو نہیں جانتے وفا کیا ہے ؟

اگر ایسا کرنا بھی بارِ خاطر تھا تو پھر بہتر یہ ہوتا کہ ان بزرگواروں سے بالکل تعرّض ہی نہ کرتے، نہ اقرار کرتے نہ انکار لیکن یکبارگی قیامت ڈھائی کہ اپنے ساختہ پرداختہ خلفاء کے نام گنوانے کے بعد ائمہ اہل بیتؑ کی خلافت و امامت کی صریحاً نفی کر دی۔ چنانچہ شرح عقائد طبع نول کشور لکھنؤ صفحہ ۱۱۱ شرح فقہ اکبر مطبوعہ ہندو پریس لاہور صفحہ ۱۷۶ شرح مقاصد مطبوعہ اسلامبول ج ۲ صفحہ ۲۹۰ وغیرہ کتب میں اپنے مزعومہ بارہ خلفاء کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے :-

" لا کما زعمت الشیعۃ خصوصاً الامامیۃ ان امام الحق بعد رسول اللہ علیٌ ثم ابنہ الحسن ثم اخوہ الحسین ثم ابنہ علی زین العابدین ثم ابنہ محمدٌ الباقر ثم ابنہ جعفر الصادق ثم ابنہ موسیٰ الکاظم ثم ابنہ علی الرضا ثم ابنہ محمدٌ التقی ثم ابنہ علی النقی ثم ابنہ الحسن العسکری ثم ابنہ القائمُ المنتظر المہدیٌ (صلوات اللہ علیہم اجمعین) (یعنی حقیقی خلفائے رسول تو وہ تھے جو ہم نے ذکر کئے جن میں چھٹے خلیفہ بنی امیہ کے چشم و چراغ یزید ابن معاویہ اور اس کے بعد والے راندۂ بارگاہِ رسولؐ مروان ابن الحکم کی اولاد سے ہیں)، نہ وہ کہ جن کا شیعہ اور بالخصوص امامیہ حضرات گمان کرتے ہیں یعنی یہ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے بعد امام حق حضرت علیؑ ہیں۔ پھر ان کے بیٹے حسنؑ۔ پھر ان کے بھائی حسینؑ۔ پھر ان کے بیٹے علی زین العابدینؑ، (یہاں تک کہ پورے بارہ ائمہ معصومین کے نام گنوائے ہیں"))

اے کاش ! ان لوگوں نے ان ائمہ ہدیٰ علیہم التحیۃ والثناء سے اعراض و انحراف کی وجہ تو ذکر کر دی ہوتی

جس کی بناپر ان کو درخورِ اعتنا نہیں لایا گیا۔ آیا ان میں علم و عمل کی کمی تھی۔ یا فضل و کمال کی خامی؟ کیا زہد و تقویٰ کی قلت تھی یا دیگر صفاتِ حسنہ کی ندرت؟ کیا ان کے یہاں طالبانِ ہدایت کے لئے رشد و ہدایت کی شمعیں روشن نہ تھیں۔ یا عصمت و طہارت کی قندیلیں آویزاں نہ تھیں؟ کیا ان کے یہاں صدق و صفا اور جود و سخا کے چراغ روشن نہ تھے۔ یا شجاعت و شہامت کے جوہر نمایاں نہ تھے؟ کیا اطاعت و عبادت پروردگار کے انوار سے ان کے بیوت عالیہ منور و درخشاں نہ تھے۔ یا تکبیر و تہلیل اور تسبیح و تقدیس کی مقدس آوازیں ان کے درودیوار سے بلند نہ تھیں؟ کیا آیہ مبارکہ (فی بیوتٍ اذن اللہ ان ترفع ویذکر فیھا اسمہٗ یسبح لہٗ فیھا رجال لا تلھیھم تجارۃٌ ولا بیعٌ عن ذکر اللہ) ان بیوت کی شان میں نہ تھی؟ غرضیکہ خصائل و شمائل کمالیہ اور فضائل و فواضل نفسانیہ میں سے وہ کونسی صفتِ کمال تھی جس سے یہ حضرات متصف نہ تھے۔ بھلا کیونکر ایسے نہ ہوتے جب کہ صاحبِ ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ نے فرمایا تھا۔ نحن اھل بیت لا یقاس بنا احد من الناس۔ "ہم وہ اہلبیت ہیں کہ (فضائل و محامد) میں ہمارے ساتھ کسی کا قیاس نہیں کیا جاسکتا۔"

ایں زمین را آسمانے دیگر است

اسی طرح حضرت امیر علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی فرمایا کرتے تھے "نحن اھل بیتٍ لا یقاس بنا احد" (ملاحظہ ہو کنز العمال ج ۶ ص ۲۱۸ طبع حیدرآباد) ہاں البتہ جو چیز ان بزرگواروں کے یہاں موجود نہ تھی۔ وہ ہے جہل و نادانی۔ تکبر و غرور کی فراوانی، کذب افترا، جور و جفا۔ سفاکی و بے باکی۔ شراب خوری و زناکاری، قماربازی و شیطان نوازی۔ کیونکہ بمقتضائے آیۂ تطہیر افعالِ قبیحہ اور صفات قبیحہ سے ان کا دامن عفت و عصمت آلودہ و داغدار نہ تھا۔ بخلاف ان کی مدمقابل جماعت کے کہ ان کے یہاں ان امور کی بہتات اور فراوانی تھی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا "الا ان ائمتکم وفدکم عند ربکم فانظروا من توفدون" آگاہ ہو جاؤ کہ تمہارے امام خدا کے سامنے تمہارے پیشرو ہیں۔ لہٰذا اچھی طرح دیکھ بھال کر لیا کرو کسے اپنا پیشرو بناتے ہو۔" مسلمانو! جب ان عصمت و طہارت کے پیکر مجسمۂ علم و فضل، گلدستۂ فضائل و کمالات ائمہ اہل بیتؑ کو چھوڑ کر ظلم و جور کے پیکر، جہل و نادانی کے مجسمہ نقائص و رذائل کے مجموعہ ملوک بنی عباس و بنی امیہ کو اپنا امام و پیشرو بنا کر بروز حشر خداوند عالم کی بارگاہ میں حاضر ہوگے اور قہار و جبار کی بازپرس کا سلسلہ شروع ہوگا تو اول الذکر ائمہ کو ترک کر کے ثانی الذکر ائمہ کو اختیار کرنے کا کیا جواب دوگے؟ کیا یہ کہوگے کہ حضرت رسولؐ نے ان کو نامزد کیا تھا! یہ تو تمہارے اصولِ مذہب کے خلاف ہے یا یہ کہوگے کہ فضائل و کمالات میں یہ سر آمد روزگار تھے اس لئے ہم نے ان کو اپنا امام و مقتدا بنایا تھا۔ یہ کذب و افترا عظیم ہے جس کی تکذیب کے لئے خود تمہاری کتابیں شاہد عادل ہیں۔ کیا اس وقت حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ندامت و خجالت دامن گیر نہ ہوگی جنہوں نے زندگی بھر ائمہ اہل بیتؑ کا تعارف کرانے اور ان سے تمسک و اعتصام کی ترغیب و تحریص دلانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت

نہیں کیا تھا۔ لیکن تم بایں ہمہ ان کے دامن کو چھوڑ کر اور ان سے منہ موڑ کر ان لوگوں کے دروازوں پر جا پہنچے جو خود اپنی نجاح و فلاح کے لئے انہی آئمہ اہل بیتؑ کے محتاج تھے۔ حضرت ابوبکر راوی ہیں:۔
قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا یجوز احد الصراط الا من کتب لہ علی الجواز "، میں نے حضرت رسولؐ خدا کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کوئی شخص بھی اس وقت تک پل صراط سے عبور نہیں کر سکے گا۔ جب تک حضرت علی علیہ السّلام کے ہاتھ کا لکھا ہوا پروانہ راہداری اس کے پاس نہ ہو گا"۔ (صواعق محرقہ ص۱۲۴ طبع مصر) ہمیں یقین ہے کہ اس دن اپنے کئے پر ضرور تم نادم و پشیمان ہو گے۔ اور اپنے ساختہ و پرداختہ خلفاء سے اظہار برائت کرو گے۔ لیکن اس وقت کی پشیمانی و بیزاری کچھ فائدہ نہ دے سکے گی اس امر کی خداوند عالم نے ان الفاظ میں خبر دی ہے:۔" اذ تبراء الذین اتبعوا من الذین اتبعوا و راؤ العذاب وتقطعت بھم الاسباب۔ الآیۃ "۔

ہم نے اس سلسلہ میں جس قدر غور و تامل کیا ہے کہ آخر مسلمانوں کی چشم بصیرت پر کیا پردے پڑ گئے تھے۔ کہ انہوں نے ایسے آئمہ کی امامت کو اپنا شعار قرار دیا۔ جن میں یزید ایسے نابکار بھی موجود تھے؛ ہمیں اس کی کوئی معقول وجہ سوائے اس کے معلوم نہیں ہو سکی۔ کہ شاید ان حضرات نے یہ خیال کیا۔ کہ اگر ان خلفاء کی خلافت کا انکار اور آئمہ اہل بیتؑ کی امامت کا اقرار کرتے ہیں۔ تو خلفائے ثلاثہ کا دامن بھی ہاتھ سے چھوٹا جاتا ہے (جسے یہ کسی صورت میں گوارا نہیں کر سکتے تھے۔) کیونکہ ظاہر ہے کہ خلفائے بنی امیہ وغیرہ انہی خلفائے ثلاثہ اور بالخصوص خلیفہ ثالث کی کاشت کاری کا نتیجہ ہیں۔ خدا را ارباب انصاف ہمیں بتلائیں۔ کہ اس نحیف و ضعیف وجہ کی بنا پر ان کی گلو خلاصی ہو سکتی ہے؟ کیا عند اللہ و عند الرسول و عند العقلاء انہیں معذور سمجھا جا سکتا ہے؟ حاشا وکلا و معاذ اللہ! بلکہ ارباب حق و حقیقت ان سے یہی کہیں گے۔ کہ اگر ان خلفاء کے ترک کرنے سے خلفائے ثلاثہ کا دامن بھی ہاتھ سے چھوٹتا ہے تو چھوٹنے دو۔ آخر خلفاء ثلاثہ بھی تو تمہارے خود ساختہ پرداختہ ہیں۔ لہذا اگر خدا و رسولؐ کے مقرر کردہ ائمہ کی امامت تسلیم کرنے سے تمہارے خود ساختہ آئمہ کا دامن ہاتھ سے چھوٹتا ہے۔ تو ہزار بار چھوٹے۔ آؤ ہم تم مل جل کر ان ائمہ اطہار کے دامن سے متمسک ہو جائیں۔ جن کو پیغمبر اسلامؐ نے ہماری دینی و دنیوی فوز و فلاح کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ وہ یہی ائمہ اہل

بیت ؑ ہیں۔ جن کا ذکر اس بارہ ۱۲ خلفاء والی حدیث و حدیث ثقلین اور حدیث سفینہ وغیرہ بیسیوں احادیث نبویہ ؐ میں موجود ہے۔ قرآن مجید میں خداوند عالم نے دو ہی قسم کے ائمہ کا ذکر فرمایا ہے۔ ایک وہ ائمہ ہیں جن کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔ وجعلنا ھم ائمۃ یھدون بامرنا لما صبروا و اوحینا الیھم فعل الخیرات و اقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ وکانوا بامرنا لیعملون رپ ۔ س انبیاء ع ۵) ہم نے ان کو ایسا امام بنایا ہے۔ جو ہمارے حکم کے مطابق ہدایت کرتے ہیں اور ہم نے ان کو فعل خیرات اقامۃ صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ کی وحی کی ہے اور وہ ہمارے حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں ۔

دوسرے وہ ائمہ ہیں جن کے بارے میں فرماتا ہے: وجعلنا ھم ائمۃ یدعون الی النار" یعنی کچھ ایسے امام بھی ہم نے خلق کئے ہیں۔ جو لوگوں کو جہنم کی طرف بلاتے ہیں۔ سابقہ حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے ارباب عقل و انصاف کو یہ فیصلہ کرنے میں کوئی دقت در پیش نہیں آتی۔ کہ پہلی آیت مبارکہ کن ائمہ پر منطبق ہوتی ہے اور دوسری آیت کن ائمہ پر صادق آتی ہے

" ان فی ذالک لایات لقوم یعقلون "

باب ہشتم

مختصر موازنہ صفات آئمہ اہلبیتؑ با خلفاء اہلسنت

اس کتاب کے تیسرے باب میں یہ امر واضح و مبرہن کیا جا چکا ہے کہ حقیقی موازنہ اور مفاضلہ کے لئے دو شخصوں یا دو فریقوں کا اصل صفت میں باہم شریک ہونا اور پھر اس صفت کے ظہور کا ایک میں خفیف اور دوسرے میں شدید ہونا لازم ہے بنابریں اگرچہ آئمہ اہل بیتؑ علیہم السلام کا خلفائے اہل سنت کے ساتھ تقابل کرنا بالکل ایک بے معنی سی بات معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہاں جو اخلاق فاضلہ، صفات جلیلہ، سمات نبیلہ آئمہ اہل بیتؑ کا طرۂ امتیاز ہیں۔ دوسرے فریق میں ان کا بالکل ہی فقدان ہے۔ اس طرف سراسر علم و فضل ہے تو اس طرف سراسر جہل و نادانی۔ ادھر سب عصمت و طہارت ہے۔ تو ادھر تمام تر عصیاں و گناہ۔ اس جانب بالکل ورع و تقدس ہے تو اس جانب بالکل فسق و فجور۔ اس خانوادۂ عصمت میں اخلاق حسنہ کی کثرت ہے تو اس خانوادۂ ظلمت میں اخلاق سیئہ کی بھرمار۔ غرضیکہ ان دونوں سلسلوں کے آئمہ و خلفاء کے درمیان کوئی قدر مشترک متصور ہی نہیں ہو سکتی۔ مگر کیا کیا جائے۔ مسلمانوں کی روش و رفتار ہمیں اس وادیٔ پُرخار میں داخل ہونے پر مجبور کرتی ہے۔ جب وہ دن کو رات اور رات کو دن۔ نور کو ظلمت اور ظلمت کو نور۔ علم کو جہل اور جہل کو علم، صواب کو خطاء اور خطاء کو صواب قرار دے کر آئمہ اہل بیتؑ علیہم السلام پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہوئے ان کی خلافت کا اقرار اور آلِ رسولؐ کی امامت کا انکار کرتے ہیں تو اہل حق و حقیقت مجبور ہو جاتے ہیں۔ کہ ان کے ساتھ محاشاعت کرتے ہوئے حقائق کے چہرہ سے نقاب کشائی کریں تاکہ تصویر کے دونوں رُخوں کے سامنے آ جانے کے بعد طالبان حق کو حق و باطل، صحیح و غلط اور سلیم و سقیم کے درمیان امتیاز کر کے باطل سے کنارہ کشی اور حق کے ساتھ تمسک کرنے میں آسانی ہو جائے گی۔ اسی غرض و غایت کے ماتحت ہم نے اس باب میں بڑے اجمال و اختصار کے ساتھ برادران اسلامی کی کتب سے آئمہ فریقین کے حالات و کوائف کا ایک مختصر مگر جامع مرقع پیش کر دیا ہے۔ جس کے دیکھنے کے بعد یقیناً حق و باطل کے درمیان خطِ امتیاز کھینچنے کے سلسلہ میں ایک

نئے باب کا اضافہ ہوگا۔ انشاءاللہ العزیز۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

ائمہ اہل بیت علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مختصر مگر جامع حالات

(۱) امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام

ولادت باسعادت آپ کی ولادت باسعادت ۱۳ رجب المرجب عام الفیل کے تیس سال بعد کعبہ کے اندر واقع ہوئی۔ (مطالب السئول کمال الدین ابن طلحہ شافعی ص۲۹ طبع عراق نور الابصار مومن شبلنجی ص۷۶ طبع مصر وغیرہ) ابن صباغ مالکی لکھتے ہیں۔ لم یولد فی البیت الحرام قبلہ احد سواہ وھی فضیلۃ خصہ اللہ اجلالاً لہ واعلاءً برتبتہ (الفصول المہمہ ص۱۲) "آپ سے پہلے کعبہ میں کسی کی ولادت نہیں ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی عظمت وجلالت کو زیادہ اور آپ کے رتبہ کو بلند کرنے کے لئے آپ کو اس فضیلت کے ساتھ مخصوص کیا" ؎

ولدتہ فی الحرم المعظم امہ   طابت وطاب ولیدھا والمولد

شاہ ولی اللہ دہلوی ازالۃ الخفاء ج ۲ ص۲۵۱ بحوالہ حاکم نیشاپوری لکھتے ہیں "قد تواترت الاخبار بان فاطمہ بنت اسد ولدت علیاً فی جوف الکعبۃ یعنی اخبار متواترہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ بنت اسد نے حضرت علی کو وسط کعبہ میں جنم دیا" ؎

کسے را میسر نشد ایں سعادت   بکعبہ ولادت بمسجد شہادت

گوہر چوں پاک بود وصدف نیز پاک بود   آمد میانہ حرم کعبہ در وجود

؎ اے شحنۂ دشت نجف او تو نجف دیدہ شرف   تو دُرّی و کعبہ صدف بستاں سلامت می کند

پرورش اور بچپن آپ کی پرورش آنحضرتؐ نے اپنے کنارِ تربیت میں فرمائی، آنحضرتؐ کے آغوشِ مبارک میں آنکھیں کھولیں آنحضرتؐ آپ سے بے حد مانوس تھے اور سوتے وقت آپ کے گہوارہ جنبانی فرماتے اور جاگتے وقت آپ کو سینے سے لگاتے رہتے (اثبات الوصیۃ مسعودی ص۱۰۹ طبع نجف، تاریخ طبری جلد ۲ ص۵۶ طبع مصر کامل ابن اثیر ج ۲ ص۲۲ طبع مصر) آپ نے خود اپنے ایک خطبہ میں فرمایا۔ وضعنی فی حجرہ وانا ولید یضمنی الیٰ صدرہ۔ و

یکنفنی الی فراشہ و یمسنی جسدہ ویشمنی عرفہ (خطبہ قاصعہ) میں بچہ ہی تھا کہ آنحضرتؐ نے مجھے اپنے آغوشِ مبارک میں لیا اور مجھ کو حضورؐ اپنے سینہ سے لگایا کرتے تھے۔ اور رختِ خواب میں مجھ کو اپنے پہلو میں لٹاتے اور اپنے جسم اقدس کو میرے جسم سے مس کرتے اور اپنی خوشبو مجھ کو سونگھاتے تھے۔

اخلاق کریمانہ

زہد و تقویٰ، جود و سخا، علم و حلم اور دیگر خصائل حمیدہ میں آنجنابؑ کا جو بلند مقام ہے وہ پوشیدہ نہیں ہے جود و سخا میں آپ کو قرآنی تمغہ حاصل ہے ویطعمون الطعام علی حبہ مسکیناً ویتیماً واسیراً ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ ج ا صا میں لکھتے ہیں ایک مرتبہ آپ کے پاس کل چار درہم تھے آپ نے ایک درہم رات کو اور ایک دن کو ایک پوشیدہ اور ایک اعلانیہ صدقہ دیا تو آیہ مبارکہ الذین ینفقون اموالھم سراً وعلانیۃ الخ نازل ہوئی اور آپ نے ساری زندگی کسی سائل کو بے نیلِ مرام نہیں لوٹایا ایک مرتبہ معاویہ کے پاس کسی دین فروش نے امیر المومنین کے بارے میں کہا جئتک من ابخل الناس۔ میں تمہارے پاس بخیل ترین شخص سے ہو کر آیا ہوں۔ معاویہ نے کہا اے دروغ گو! علیؑ تو اتنے سخی ہیں کہ اگر ان کے پاس ایک مکان بھوسے کا ہو اور دوسرا سونے کا تو سونے کا مکان بھوسے والے مکان سے پہلے خرچ کر دیں گے وہ تو خود بیت المال میں جاروب کشی کرتے ہیں۔ حلم کا یہ عالم کہ آپ نے جنگ جمل میں اپنے بدترین دشمن مروان کو معاف کر دیا اور عبد اللہ بن زبیر جو آپ کی شان میں اعلانیہ گستاخی کرتا تھا۔ جنگ جمل میں اس کو گرفتار کر کے معاف کر دیا۔ جب جنگِ صفین میں معاویہ نہر فرات پر قابض ہو گیا تھا۔ تو اس نے آپ کے لشکر پر پانی بند کر دیا تھا۔ مگر جب آپ کے لشکر نے حملہ کر کے فرات پر قبضہ کر لیا۔ تو معاویہ کا لشکر چٹیل میدان میں جا پہنچا اور پانی کا ایک قطرہ بھی ان کے پاس نہ رہا آپؑ کے بعض اصحاب نے آپ سے بہت کہا کہ آپ بھی پانی بند کر دیں مگر آپ نے فرمایا لا واللہ لا اکافیھم بمثل فعلھم امنحوا الھم عن الشریعۃ۔ میں ان کی بدکرداری کا بدلہ بدکرداری سے نہیں دے سکتا۔ ان کے لئے فرات کا راستہ کھول دو اور پانی سے منع نہ کرو۔ (شرح ابن ابی الحدید ص۱۱ ج۱)

عبادت و زہادت

آپ کی عبادت اور زہد و تقویٰ ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکا ہے ابن ابی الحدید لکھتے ہیں۔ کان اعبد الناس و اکثرھم صلاۃ و صوماً ومنہ تعلم الناس صلاۃ اللیل (الی ان قال) وما ظنک برجل یبلغ من محافظتہ علی اورادہ ان یبسط لہ نطع بین الصفین لیلۃ الھریر فیصلی علیہ وردہ والسھام

نقع بین یدیہ و تمرّ علی صماخیہ یمیناً و شمالاً فلا یرتاع لذلک و لا یقوم حتیٰ یفرغ آپ تمام لوگوں سے زیادہ عبادت گزار تھے نماز خوانی میں شب زندہ دار اور روزہ کے سلسلہ میں صائم النہار تھے آپ سے ہی لوگوں نے نمازِ تہجد سیکھی۔ ایسے شخص کے حق میں تم کیا خیال کرتے ہو۔ جس کی عبادت اور درد خوانی کی پابندی کا یہ عالم ہو کہ لیلۃ الہریر میں دونوں صفوں کے درمیان مصلیٰ بچھایا جاتا ہے اور وہ عبادت الٰہی بجالانے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ تیر آپ کے سامنے آرہے ہیں اور گوش مبارک سے گزر کر گر رہے ہیں مگر آپ ان کی پروا تک نہیں کرتے اور اسی حالت میں اپنے وظائف عبودیت کو انجام دیتے ہیں (شرح ابن ابی حدید ج ۱ صا)

فضائل و کمالات آپ کے فضائل و کمالات کے متعلق اتنا ہی لکھ دینا کافی ہے کہ آنحضرتؐ فرماتے ہیں۔ جعل اللّٰہ لاخی علی فضائل لا تحصیٰ کثرۃ خداوند عالم نے میرے بھائی علیؑ کو اس قدر فضائل عطا فرمائے ہیں کہ بوجہ کثرت ان کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔ (مطالب السئول صہ ریاض النضرۃ ج ۲ صہ ۲۱۳ وغیرہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خاص عنایت سے آپ کو اپنے فیوض قدسیہ سے فیضیاب فرمایا۔ کئی مرتبہ اپنے صحابہ کے سامنے آپ کی علمی لیاقتوں کا اظہار ان کلمات سے فرمایا۔ اعلم امتی من بعدی علیؑ ابن ابی طالب میرے بعد میری امت میں سب سے بڑا عالم علیؑ ابن ابی طالب ہیں (منتخب کنز العمال صہ ۳۳ مناقب خوارزمی صہ ۴۹ کنوز الحقائق صہ ۱۹ اخبار القضاۃ صہ ۸۸ ج ۱ طبع مصر) مصر کے مشہور مورخ مصطفیٰ بک نجیب نے حماۃ الاسلام صہ ۹۸ ج ۱ میں آپ کے متعلق اپنی رائے کا اظہار یوں فرمایا ہے۔ ما ذا یقول القائل فی ھذا الامام و کل وصاف منسوب الی العجز لتقصیرہ عن الغایۃ مھما انتھیٰ بہ العقول و کفیٰ لبشہادۃ نبیہ صلعم بانہ باب مدینۃ العلم دلیلاً علیٰ مکنون السر الذی فیہ "کہنے والا اس امام کے متعلق کیا کہہ سکتا ہے جب کہ آپ کے صفات بیان کرنے والا ہر شخص آپ کے فضائل و کمالات کی انتہا تک پہنچنے سے عاجز و قاصر نظر آتا ہے اور آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہی اس پوشیدہ راز پرنشان دہی کرنے کے لیے کافی ہے کہ میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے یہی وجہ ہے کہ تمام علوم اسلامی اسی سرچشمہ علوم الٰہیہ کی ذات والا صفات تک منتہی ہوتے ہیں جیسا کہ اس مطلب کی پہلے کسی مناسب مقام پر وضاحت کی جا چکی ہے۔ مشہور فرانسیسی گابریل انگیری اپنی کتاب شہسوارِ اسلام میں لکھتا ہے کہ " علیؑ کی بلند شخصیت میں دو صفتیں علیٰ حد الکمال ایسی پائی جاتی ہیں کہ جن

کہ ایک مقام پر جمع ہونا سمجھ سے باہر ہے اور تاریخ عالم میں علیؑ کے سوا کوئی ایسی شخصیت نہیں ملتی جو قہرمان جنگ اور فاتح و جرنل ہونے کے علاوہ زبردست عالم اور فصیح ترین خطیب بھی ہو آپ کے فضائل و کمالات کے متعلق بے شمار شواہد و دلائل آپ کو اس کتاب کے متفرق مقامات میں نظر آئیں گے انہی حقائق کے پیش نظر علمائے اہل سنت کو اقرار کرنا پڑا۔ ماجاء لاحد من اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم من الفضائل بالاسانید الحسان ماجاء لعلی ابن ابی طالب (صحیح حاکم ج ۳ ص ۱۰۷ استیعاب ج ۲ ص ۴۷۹) جید اور عمدہ سندوں کے ساتھ کسی صحابی رسولؐ کے اس قدر فضائل وارد نہیں ہوئے۔ جس قدر حضرت علیؑ کے متعلق وارد ہوئے ہیں۔

شہادت امیر المومنینؑ نے ۶۳ سال کی عمر میں بتاریخ ۱۹ رمضان المبارک سنہ ۴۰ ہجری مسجد کوفہ میں ابن ملجم مرادی کے دست باطل پرست سے زخمی ہو کر شب ۲۱ کو شہادت پائی۔ اور آپ (بقول ادیب عصر عبداللہ علائلی) "اہل اسلام کو حیات بخش اسلامی کا پیغام سناتے ہوئے خون میں غلطاں ہوئے۔ اور اسی حالت میں رمضان المبارک کی ایک تاریک رات لوگوں کو زہد و تقویٰ کی طرف بلاتے ہوئے شہید کر دیئے گئے" آپ کا مزار مبارک نجف اشرف عراق میں ہے اور وہاں ہر وقت آپ کی بدولت لوگوں کو فیوض و برکات ربانیہ حاصل ہو رہے ہیں (تاریخ کامل ابن اثیر ج ۳ فصول مہمہ ص ۱۱۸ نور الابصار ص ۱۰۶ طبع مصر وغیرہا)

(۲) حضرت امام حسن علیہ السلام

ولادت باسعادت ابن صباغ مالکی لکھتے ہیں ولد الحسن علیہ السلام فی المدینۃ النصف من شہر رمضان سنۃ ثلاث من الھجرۃ (الفصول المہمہ ص ۱۴۳ مطالب السئول ص ۱۸۶) امام حسنؑ مدینہ منورہ میں ۱۵ رمضان المبارک ۳ھ کو پیدا ہوئے آپ کی ولادت کے ساتویں روز آنحضرت صلعم نے آپ کا عقیقہ کیا۔ آپ کے بال منڈوائے اور بالوں کے وزن چاندی صدقہ میں دی۔ (اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۳ فصول مہمہ ص ۱۴۳ مطالب السئول ص ۱۸۶) آپ شکل و صورت میں آنحضرتؐ کے بہت مشابہ تھے۔ اور آپ کا اسم گرامی حسنؑ آپ کے جد امجدؐ نے ہی بحکم خدا رکھا۔ (فصول مہمہ ص ۱۸۶)

آپ کی تربیت اور فضائل

آپ کی تربیت بھی آنحضرتؐ کی آغوشِ مبارک میں ہوئی چنانچہ بخاری اور مسلم نے براء ابن عازب سے روایت کی ہے۔ فرائیت رسول اللہ والحسن علیٰ عاتقہ و یقول اللّٰھم انی احبہ فاحبہ۔ میں نے رسولِ اللہؐ کو دیکھا جب کہ حسنؑ آپ کے دوشِ مبارک پہ تھے اور آپؐ فرما رہے تھے اے میرے معبود! میں اس بچہ سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر۔ (نور الابصار صہ ۱۱۹) ابن عباس روایت کرتے ہیں۔ ایک دفعہ آنحضرتؐ دولت سرائے بتولؑ سے باہر تشریف لائے۔ جب کہ آپؐ نے حسنؑ بن علیؑ کو دوشِ مبارک پر اٹھا رکھا تھا کسی نے کہا، نعم المرکب رکبت یا غلام اے بچے! تو بہت اچھی سواری پر سوار ہوا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ و نعم الراکب ھو۔ اگر سواری اچھی ہے تو سوار بھی تو اچھا ہے۔ (صواعق محرقہ صہ ۱۳۵ طبع مصر) شیخ قطب الدین راوندی نے الخرائج میں روایت کی ہے۔ کان رسول اللہ یاتی مراضع فاطمۃ فیتفل فی افواھھم۔ آنحضرتؐ جناب فاطمہؑ کے گھر تشریف لاتے تھے اور بچوں کے منہ میں اپنا لعابِ دہن ڈالا کرتے تھے۔ صواعق محرقہ صہ ۱۳۶ میں مروی ہے "کان رسول اللہ یدفع لسانہ للحسنؑ فاذا رأی الصبی حمرۃ اللسان یھش الیہ" رسول اکرمؐ اپنی زبان مبارک امام حسنؑ کے منہ میں ڈال دیا کرتے تھے۔ اور جب حسنؑ زبان کی سرخی دیکھتے تو اس کی طرف دوڑ پڑتے! تمام امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ الحسنؑ و الحسینؑ امامان قاما او قعدا۔ حسن و حسین دونوں امام ہیں، خواہ جہاد کے لئے کھڑے ہوں یا صلح کر کے بیٹھیں (ینابیع المودۃ۔ ارجح المطالب وغیرہ)

نیز آنحضرتؐ کے اس ارشاد پر بھی تمام فرقِ اسلامیہ متفق ہیں کہ فرمایا۔ الحسن و الحسین سیدا شباب اھل الجنۃ۔ و ابوھما افضل منھما، حسن و حسین جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔ اور ان کے والد ماجد ان سے بھی افضل ہیں۔ (مسند احمد، ترمذی، سنن، ابن ماجہ، حلیۃ الاولیاء، مناقب خوارزمی، کنز العمال ج ۷ صہ ۱۰۷، صواعق محرقہ صہ ۱۱۷، تاریخ الخلفاء صہ ۱۲۳ وغیرہا)

صاحب مطالب السؤل نے لکھا ہے کہ حسنؑ بن علیؑ تمام اہلِ زمانہ سے بڑے عالم تھے۔

آپؑ کے مکارم اخلاق اور زہد و تقویٰ

جود و سخا اور زہد و تقویٰ میں آپ کا مقام بہت ہی بلند ہے فصول مہمہ صہ ۱۴۹ میں ہے کہ آپ نے ایک شخص کو دیکھا جو کہ دعا کر رہا تھا اے میرے معبود! مجھ کو ایک لاکھ درہم عطا فرما۔ آپ گھر تشریف لائے اور ایک لاکھ درہم اس شخص کے پاس بھیج دیئے۔ اسی طرح ایک مہمان کو آپ نے ایک ہزار بکریاں اور ایک ہزار درہم عطا فرمائے۔ ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ آپ نے بیس مرتبہ پیدل حج کیا۔ اسد الغابہ ج ۲ صہ ۱۳

پر لکھا ہے کہ ۲۵ حج پا پیادہ کئے اس طرح کہ سواریاں ہمراہ ہوتی تھیں مگر سوار نہیں ہوتے تھے۔ فرماتے مجھے اپنے پروردگار سے شرم آتی ہے کہ اس کے گھر کی زیارت کے لئے جاؤں اور سوار ہو کر جاؤں۔

ابن صباغ کا قول ہے کان من ازهد الناس فی الدنیا ولذاتها۔ آپ دنیا اور اس کی لذات کے متعلق تمام لوگوں سے زیادہ زاہد تھے۔ (فصول مہمہ ص ۱۳۸) جناب کے زہد کا یہ عالم تھا کہ تین بار اپنا کل مال اور دو مرتبہ آدھا مال راہ خدا میں فقراء و مساکین میں تقسیم کر دیا۔ (مرآۃ الجنان یافعی ج ۱ ص ۱۲۳ و نور الابصار ص ۱۱۹ وغیرہ) آپ حلم و بردباری میں ضرب المثل تھے آپ کے صبر و تحمل کے بکثرت واقعات ہیں یہاں صرف ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے۔ مطالب السئول ص ۲۱۱ ج ۲ میں مروی ہے کہ ایک شامی مدینہ میں آیا اور امام حسن علیہ السلام کی شان میں ناگفتہ بہ گستاخانہ کلمات کہے۔ جب وہ تھک کر خاموش ہوا تو آپ نے فرمایا۔ ان احتجت الی منزل انزلناك او مال رفدنك او حاجة عاونّاك۔ اے شامی! اگر تم کو کسی مکان کی ضرورت ہے۔ تو ہم تم کو رہائش کے لئے مکان دیں اگر مال کی ضرورت ہے تو تم کو مال و دولت دیں، اور اگر کوئی اور حاجت ہے تو اس کو پورا کرنے میں ہم تیری معاونت کریں! شامی اپنے فعل پر بے حد پشیمان ہوا، اور آپ سے معافی طلب کی اور کہا۔ اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ (کامل ج ۲ ص ۱۳)

آپ کی شہادت

شیعہ کی طرح علماء اہل سنت کے محققین کے نزدیک یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ آپ کی شہادت معاویہ کی خفیہ سازش کی وجہ سے ہوئی۔ اس نے جعدہ بنت اشعث کے ذریعہ آپ کو زہر دلوایا۔ مروج الذہب میں مروی ہے کہ معاویہ نے جعدہ کو ایک لاکھ درہم انعام اور یزید سے شادی کرانے کا لالچ دیا۔ (کذا فی الفصول المہمہ ص ۱۴۶) ابن شحنہ حنفی نے اپنی تاریخ ابن شحنہ مطبوعہ برحاشیہ کامل ج ۱۱ طبع مصر ص ۱۳۲ میں لکھا ہے سمته امرأته جعدة بنت اشعث وقالت طائفة کان ذلك منها بتدسیس معاویة الیها۔ آپ کو جعدہ نے زہر دی اور علماء کے ایک گروہ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ معاویہ کی خفیہ سازش تھی۔ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ ج ۴ ص ۴ میں ابو الفرج اصفہانی سے روایت کی ہے۔ بعث الیها معاویة بمائة الف درهم ففعلت و سمت الحسن۔ معاویہ نے ایک لاکھ درہم جعدہ کے پاس بھیجے اور اس نے آپ کو زہر دے دی آپ کی شہادت ۲۸ صفر ۵۰ھ میں واقع ہوئی۔ فصول مہمہ ص ۱۴۷ تاریخ ابن شحنہ ص ۱۳۲ برحاشیہ کامل ابن اثیر ج ۱۱ میں ہے کہ آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ آپ کو رسول اللہ صلعم کے پاس دفن کیا جائے مگر عائشہ صاحبہ نے دفن نہ ہونے دیا، اس لئے ان کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ آج وہاں ان کا مزار مقدس مسلمانوں کے ظلم و جمود کی بولتی ہوئی تصویر ہے اور اس کے خلاف خاموش احتجاج ہے۔

وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون؟

(۳) حضرت امام حسین علیہ السلام

ولادت باسعادت

مشہور یہ ہے کہ آپ کی ولادت باسعادت ۳ شعبان المعظم ۴ھ کو ہوئی مگر تحقیقی قول یہ ہے کہ ۵ شعبان کو ہوئی۔ چنانچہ ولادت ۵ شعبان ۴ھ مدینہ منورہ میں ہوئی اور آنحضرتؐ نے آپ کا اسمِ گرامی بحکم خدا حسینؑ رکھا (کذا فی مطالب السئول ص۲۴۲)

آپ کے فضائل و کمالات

آپ کے فضائل میں آنحضرتؐ سے بہت سی احادیث مروی ہیں، ترمذی نے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا، حسین منی وانا من الحسین احب اللہ من احب حسینا (کذا فی الصواعق المحرقہ ص۱۹۰ و مطالب السئول ص۲۳ ج ۲)
حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں، جو شخص حسین سے محبت کرتا ہے خدا اس سے محبت کرتا ہے
متعدد روایات میں آیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ الحسن والحسین سیدا شباب اهل الجنة حسنؑ و حسینؑ جوانانِ جنت کے سردار ہیں (صواعق محرقہ ص۱۹۱ مطالب السئول ج ۲ ص۲۳) ابن صباغ مالکی آپ کے علوم و معارف کے متعلق لکھتے ہیں۔ علوم اهل البیت لا تتوقف علی التکرار والدرس ولا یزید یومهم فیها علی ما کان بالامس لانهم المخاطبون فی اسرارهم والمحدثون فی النفس
اہل بیت علیہم السلام کے علوم تکرار اور درس و تدریس کے محتاج نہیں ہیں، اور ان کے علوم میں روز بروز (عام طرح) تدریجی و اکتسابی ترقی نہیں ہوتی کیونکہ خود خداوند عالم ان کو علوم کا فیضان و الہام کرتا ہے۔ (الاتحاف بحب الاشراف ص۱۷ الفصول المہمہ ص۱۵۸) مورخین نے آپ کی شجاعت کے متعلق لکھا ہے کانت الجیوش تنکشف عنہ انکشاف المعزی اذا اشتد علیها الذئب (طبری) آپ کے سامنے لشکر اس طرح بھاگتے تھے جس طرح بکریاں بھیڑیا کے حملہ آور ہونے کے وقت بھاگتی ہیں؟

آپ کا زہد و تقویٰ اور دیگر مکارم اخلاق

کمال الدین بن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام نہایت اعلیٰ درجہ کے مہمان نواز اور غریب پرور تھے اور یتیموں پر شفقت فرماتے تھے انس بن مالک سے روایت ہے کہ ایک روز میں امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ ایک کنیز نے پھولوں کا دستہ پیش کیا، اور آپ نے فرمایا، انت حرة لوجه اللہ میں نے تجھ کو خوشنودی خدا کے لئے آزاد کر دیا، آپ کے کرم اور جود و سخا سے متاثر ہو کر صاحب فصول مہمہ

کھفے میں الکرم۔ ثابت لهم لآل القوم حقيقة، ولغيرهم مجازاً (فصول مہمہ ص۱۵۸) اہل بیتؑ عصمت کے لیے جود و کرم در حقیقت ثابت ہے اور دوسروں کے لیے مجازاً ہے۔ آپ کی عبادت گزاری کے متعلق اس قدر لکھ دینا ہی کافی ہے کہ نویں محرم کی عصر کو جب کہ دشمنوں کی فوجیں آپ کو شہید کرنے پر آمادہ تھیں تو آپ نے ان سے آخری درخواست یہی کی کہ ہم کو اس رات کی مہلت دی جائے۔ تاکہ ہم دل کھول کر عبادت الٰہی اور دعا و استغفار میں رات بسر کرلیں، ابن اثیر نے لکھا ہے۔ فلما امسوا قاموا الليل كله يصلون ويستغفرون ساری رات آپ مع اصحاب کے عبادت و استغفار میں مصروف رہے۔ (تاریخ احمدی ص۱۷۷) حتیٰ کہ بنا بر مشہور آپ کی شہادت بھی سجدہ کی حالت میں ہوئی۔ (روضۃ الاحباب تاریخ احمدی ص۳۱۶) ؎

عبادت ہو تو ایسی ہو

آپ کی شہادت

آپ کی شہادت عظمیٰ ۱۰ محرم سنہ ۶۱ھ کو کربلا میں واقع ہوئی جس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے متعدد احادیث میں پیش گوئی فرما چکے تھے۔ صواعق ص۱۹۰ میں عائشہ سے مروی ہے۔ اخبرنی جبرئيل ان ابنی هذا يقتل بعدی بارض الطف۔ مجھ کو جبرئیلؑ نے خبر دی ہے کہ میرا بیٹا میرے بعد زمین کربلا میں شہید کر دیا جائے گا۔[1]

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن ... خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

(۴) حضرت امام زین العابدین علیہ السلام

ولادت باسعادت

آپ کی ولادت مدینہ منورہ میں ہوئی۔ تاریخ ولادت ۱۵ جمادی الاولیٰ سنہ ۳۸ھ ہے آپ کی والدہ ماجدہ شاہ زنان بنت یزدجرد ہیں ؎

وان غلاماً بين كسرىٰ و هاشم ... لاكرم من نيطت عليه التمائم

زہد و تقویٰ اور عبادت

مورخین متفق القول ہیں کہ آپ اپنے زمانہ میں بے مثال زاہد و متقی تھے۔ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے: انه كان يصلی فی اليوم والليلة الف ركعة الى ان مات آپ ہر شب و روز میں ایک ہزار رکعت نماز پڑھتے تھے۔ اسی حالت میں آپ نے اس

---

[1] واقعہ کربلا کو اس کی پوری مستند تفصیلات کے ساتھ اس کے پس منظر و پیش منظر میں دیکھنے کے خواہشمند حضرات ہماری کتاب سعادۃ الدارین فی مقتل الحسینؑ کی طرف رجوع فرمائیں۔ (منہ عفی عنہ)

جہانِ فانی سے رحلت فرمائی (فصول مہمہ ص۱۸۲ تاریخ احمدی ص۳۲۹) احیاء العلوم غزالی میں ہے۔ کان اذا توضأ للصلوٰۃ یصفر لونہ فقیل لہ ما ھذا الحال الذی یعتریک قال أتدرون بین یدی من ارید ان اقف۔ امام زین العابدین علیہ السلام جس وقت وضو کرتے تھے آپ کا رنگ زرد پڑ جاتا تھا۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ تم نہیں جانتے کہ میں کس کے سامنے کھڑا ہونے والا ہوں۔ (کما نقلہ فی تاریخ احمدی ص۳۳۵) صواعق محرقہ ص۱۹۸ الفصول المہمہ ص۱۸۳ نور الابصار ص۱۲۹ میں جناب ابن شہاب زہری سے روایت ہے کہ لم ار ھاشمیا افضل من علی بن الحسینؑ میں نے علی بن حسینؑ سے افضل کوئی ہاشمی نہیں دیکھا فصول ص۱۸۵ پر جلیل القدر تابعی سعید بن مسیب کا قول ہے لم ار اورع منہ۔ میں نے امام زین العابدین سے زیادہ کوئی پرہیزگار نہیں دیکھا۔ (کذا فی نور الابصار ص۱۲۹) دوست و دشمن سب تسلیم کرتے ہیں کہ آپ فی الحقیقت زین العابدین تھے۔

آپ کا علم و فضل

یحیی عامری نے الریاض المستطابہ میں لکھا ہے فکان رضی اللہ عنہ نھایۃ فی العلم (۱) فی العبادۃ وکان لہ فی الیوم و اللیلۃ اوراد الا یطیق القیام بھا جماعۃ من الناس ولہ فی ذالک اخبار واسعۃ آپ کی ذات ستودہ صفات علم کی انتہائی بلندیوں اور عبادت کی انتہا تک پہنچی ہوئی تھی آپ شب و روز میں اس قدر اوراد و وظائف پڑھا کرتے تھے کہ لوگوں کی ایک جماعت بھی اتنا نہیں پڑھ سکتی اور اس سلسلہ میں آپ کے بارے میں بکثرت روایات وارد ہیں (الریاض المستطابہ ص۳۶۷ طبع بیروت) آپکے علمی کمالات کا اندازہ لگانے کیلئے آپ کی مقدس دعاؤں کے مجموعہ صحیفۂ کاملہ اور آپ نے ان عدیم النظیر خطبوں کا مطالعہ کرنا ہی کافی ہے۔ جو آپ نے انتہائی پریشانی و بے سرو سامانی کے عالم میں کوفہ و شام کے درباروں اور بازاروں میں دیئے۔

آپکے اخلاق کریمانہ

آپ کے اخلاق کریمانہ میں سے صرف ایک واقعہ کا نقل کر دینا ہی کافی ہوگا۔ نور الابصار ص۱۳۱ طبع مصر میں مروی ہے ان علیا زین العابدین خرج من المسجد یوما فلقیہ رجل فسب و بالغ فی سبہ فعاد الیہ العبید والموالی فکفہم عنہ ما قبل الیہ و قال ما ستر عنک من امرنا اکثر الک حاجۃ نعینک فیھا فاستحی الرجل فالقی الیہ خمیصۃ والقی الیہ خمسۃ الاف درھم فقال اشھد انک من اولاد المصطفیٰ۔ ایک مرتبہ آپ مسجد سے برآمد ہوئے تو ایک شخص سے آپ کی ملاقات ہوگئی جس نے آپ کی شان میں بہت ہی گستاخانہ کلمات کہے۔ آپ کے غلام اس کی طرف بڑھے۔ مگر آپ نے ان کو روک دیا اور فرمایا اے شخص ہمارے حالات کا بہت حصہ تو تجھ سے مخفی ہے۔ اگر تجھ کو کوئی حاجت ہو، تو بیان کرو تاکہ ہم تمہاری معاونت کریں پھر آپ نے اپنا جبہ اور پانچ ہزار درہم اس کی طرف پھینک دیئے۔ اس کو حیا آئی اور اس نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ واقعی آپ اولاد رسولؐ ہیں۔ غریب نوازی کا یہ عالم تھا کہ رات کی تاریکی میں ان کے گھروں میں نان و نفقہ پہنچاتے

اور ان لوگوں کو معلوم بھی نہیں تھا کہ کون ان کو کھانا پہنچاتا ہے۔ جب آپ کی شہادت ہوئی اور غسل دیا جانے لگا تو آنجناب کی پشت مبارک پر ایک سیاہ داغ نظر آیا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ آپ آٹے اور روٹیوں کا بورا اٹھا کر فقراء مدینہ کے گھر پہنچایا کرتے تھے۔ (نور الابصار صفحہ ۱۴۰) ونعم ما قال الفرزدق فی مدح ھذا الامام الھمام ؎

ھذا الذی تعرف البطحاء وطاتہ	والبیت یعرفہ والحل والحرم
ھذا ابن خیر عباد اللہ کلھم	ھذا التقی النقی الطاھر العلم
من معشر حبھم دین و بغضھم	کفر و قربھم منجیً و معتصم
مقدم بعد ذکر اللہ ذکرھم	فی کل بدء و مختوم بہ الکلم
ان عد اھل التقی کانوا ائمتھم	او قیل من خیر اھل الارض قیل ھم
من یعرف اللہ یعرف اولیۃ ذا	فالدین من بیت ھذا نالہ الامم

آپ کی شہادت آپ کی وفات حسرت آیات ۲۵ محرم الحرام ۹۵ھ میں ہوئی جب کہ آپ کی عمر ۵۷ سال تھی ابن صباغ مالکی نے لکھا ہے۔ یقال انہ مات مسموما و ان الذی سمہ ھو ولید بن عبدالملک و دفن بالبقیع فصول مہمہ صفحہ ۱۹۱ صواعق محرقہ صفحہ ۱۹۹ علماء کا قول ہے کہ آپ زہر سے شہید کیے گئے اور آپ کو ولید بن عبدالملک نے زہر دی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

(۵) حضرت امام محمد باقر علیہ السلام

ولادت باسعادت آپ کی ولادت باسعادت یکم رجب المرجب ۵۷ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔ آپ کی والدہ ماجدہ جناب فاطمہ بنت الامام حسن علیہ السلام ہیں آپ والد اور والدہ کی طرف سے ہاشمی و فاطمی رہیں۔ آپ کا لقب باقر ہے جس کی وجہ علماء نے یہ لکھا ہے کہ سمی بذلک من بقر الارض ای شقھا و اثار مخبأتھا فلذلک ھو اظھر من مخبات کنوز المعارف وحقائق الاحکام من ثم قیل ھو باقر العلم وجامعہ و شاھر علمہ و رافعہ (صواعق محرقہ صفحہ ۱۹۹) بقر کے لغوی معنی شگافتہ کرنے کے ہیں کہا جاتا ہے بقر الارض ای شقھا و اثار مخبأتھا۔ اس نے زمین کو شگافتہ کیا یعنی اس کو چیرا اور اس کے پوشیدہ اسرار کو واضح کیا۔ آپ کو اسی مناسبت سے باقر کہا جاتا ہے کیونکہ آپ نے خزائن علوم و معارف کے اسرار و رموز اور احکام کے حقائق و دقائق کو

واضح کردیا اس وجہ سے کہا جاتا ہے آپ ہی علم کے شگافتہ کرنے والے، اس کو جمع کرنے والے اور اس کے علمبردار ہیں۔ آپ کا یہ لقب گرامی خود رسول اللہ نے تجویز فرمایا تھا۔ چنانچہ الفصول المہمہ ص۱۹۳ اور صواعق محرقہ ص۱۹۹ میں جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا۔ یا جابر یوشك ان تلحق بی لدی من ولد الحسین اسمہ کاسمی یبقر العلم بقراً ای یفجرہ تفجیراً فاذا رأیتہ فاقرأہ منی السلام۔ اے جابر عنقریب تم امام حسین کی اولاد میں سے میرے ایک فرزند سے ملاقات کروگے۔ جو میرا ہم نام ہوگا، جو کہ علم کو شگافتہ کرے گا۔ یعنی اس کے چشمے جاری کرے گا۔ جب تم ان کو دیکھو تو ان کو میرا سلام کہہ دینا۔ (روضۃ الاحباب، تاریخ طبری، بحوالہ تاریخ احمدی ۳۲۸)

آپ کا علم وفضل

صاحب نور الابصار ص۱۴۳ میں اور ابن صباغ مالکی فصول مہمہ ص۱۹۲ میں، بحوالہ الارشاد لکھتے ہیں۔ کان اشہرھم ذکراً واکملھم فضلاً واعظمھم نبلاً لم یظھر من احد من ولد الحسن والحسین من علم الدین والسنن وعلم القرآن وفنون الادب ما ظھر عن ابی جعفر الباقر علیہ السلام۔ آپ تمام ائمہ علیہم السلام سے زیادہ مشہور اور زیادہ صاحب فضل وجلالت تھے۔ اولاد امام حسن وامام حسین علیہما السلام میں سے کسی سے اس قدر علم دین وسنن اور علم قرآن اور فنون ادب ظاہر نہیں ہوئے۔ جس قدر امام محمد باقر علیہ السلام سے ظاہر ہوئے ہیں۔ آپ سے جلیل القدر تابعین اور جید علماء نے علوم دینیہ حاصل کئے اور آپ کے متعلق محدث شہیر مالک بن اعین جہنی کہتا ہے۔ "اذا طلب الناس علم القرآن کان القریش علیہ عیالاً" اگر لوگ علم قرآن حاصل کریں تو قریش اس علم میں امام باقر علیہ السلام کے عیال ومنون احسان ہیں۔ انہ باقر علوم الاولین والآخرین وکاشف رموز الاولین والآخرین حقا۔ ؎

یا باقر العلم لاھل التقی   وخیر من لبی علی الجبل

آپ کا زہد وتقویٰ اور اخلاق فاضلہ

ابن حجر مکی صواعق محرقہ ص۱۹۹ میں فرماتے ہیں۔ آپ علم وعبادت اور زہد وتقویٰ میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے قائم مقام تھے۔ ابن صباغ مالکی الفصول المہمہ ص۱۹۲ میں فرماتے ہیں۔ ھو باقر العلم وجامعہ وشاہر علمہ ورافعہ ومتفوق دررہ وراصعہ صفی قلبہ وزکی عملہ وطھرت نفسہ وشرفت اخلاقہ وعمرت اوقاتہ بطاعۃ اللہ ورسخ فی مقام التقویٰ قدمہ ومیثاقہ۔ آپ ہی علم (کے سینہ) کو چیرنے والے اس کے جامع اور اس کے علم بردار ہیں اور اس کے آبدار موتیوں کو ٹانکنے والے ہیں۔ آپ پاکیزہ دل، نیک سیرت، طاہر النفس اور شریف الاخلاق تھے جن کے

اوقات اللہ کی اطاعت سے آباد رہتے تھے اور مقامِ تقویٰ وطہارت میں راسخ القدم تھے؛ ابن صباغ لکھتے ہیں کہ امام محمد باقر علیہ السلام اپنے علم وفضل، ریاست علمیہ اور امامت کبریٰ کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ مشہور ترین سخی تھے اسود بن کثیر نے آپ کی خدمت میں تنگدستی کی شکایت کی، آپ نے اس کو سات سو درہم عطا فرمائے۔ اور فرمایا فی الحال ان کو صرف کرو، جب یہ ختم ہو جائیں تو مجھ کو آگاہ کر دینا۔ (الفصول المہمہ صفحہ ۲۱۱)

آپ کی شہادت

آپ کی شہادت زہر کی وجہ سے ہوئی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ صواعق محرقہ صفحہ ۱۹۹ میں ہے دنور الابصار صفحہ ۱۱۲) توفی سنۃ سبع عشرۃ ومأۃ عن ثمان وخمسین سنۃ مسموماً کابیہ۔ آپ ۵۸ برس کی عمر میں اپنے والد ماجد کی طرح زہر سے شہید ہوئے۔ اور سن شہادت ۱۱۷ھ ہے" (صحیح ۱۱۴ھ ۷ ذی الحجہ ہے)۔ آپ کی شہادت ہشام بن عبدالملک کے دورِ حکومت میں واقع ہوئی، کہا جاتا ہے، کہ ابراہیم بن ولید بن عبدالملک بن مروان نے ہشام کے اشارہ سے آپ کو زہر دیا (منتہی الآمال ج ۲ صفحہ ۱۱۸ و ۱۱۷)

(۶) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

ولادت باسعادت

آپ کی ولادت ۱۷ ربیع الاول ۸۳ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی آپ کی والدہ ماجدہ جناب ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر ہیں۔ (مطالب السئول صفحہ ۵۵)

آپ کا علم وفضل

ابن طلحہ شافعی لکھتے ہیں ھو من عظماء اھل البیت وسا داتھم علیھم السلام ذوعلوم جمۃ وعبادۃ موفرۃ واوراد متواصلۃ وزھادۃ بینۃ (مطالب السئول صفحہ ۵۵) آپ اہلبیت علیہم السلام کے عظیم الشان لوگوں میں سے تھے اور نہایت ہی جلیل القدر عالم اور کثیر العبادت عابد وزاہد اور مسلسل اوراد و استغفار میں مشغول رہنے والے فاضل تھے۔

نیز صاحب المطالب نے لکھا ہے" العلوم التی تقصر الافہام عن الاحاطۃ بحکمھا تضاف الیہ وتروی عنہ"۔ وہ علوم جن کے حکم واسرار کے احاطہ سے عقول وافہام قاصر ہیں وہ انہی جناب کی طرف منسوب اور انہی سے مروی ہیں"

ابن خلکان نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے، کان من سادات اھل البیت ع ولقب بالصادق لصدقہ فی مقالہ وفضلہ اشھر من ان یذکر (تاریخ احمدی صفحہ ۳۵۱) آپ سادات اہل بیت علیہم السلام میں سے تھے۔ اور صدق مقال کی وجہ سے آپ کا لقب صادق مشہور ہوا اور آپ کا فضل وکمال محتاج بیان نہیں ہے حلیۃ الاولیاء میں عمرو بن مقدام سے مروی ہے، کنت اذا نظرت الی جعفر بن محمد علمت انہ من

سلالۃ النبیین۔ جب میں امام جعفر صادق کو دیکھتا تھا تو میرا دل گواہی دیتا تھا۔ کہ یہ انبیاء کی اولاد میں سے ہیں۔ ابن طلحہ لکھتے ہیں۔ استفاد منہ العلم جماعۃ من الائمۃ و اعلامھم مثل یحیی بن سعید وابن جریح و مالک بن انس والثوری و ابن عنیبۃ و شعبۃ و ایوب وغیرھم وعدوا اخذھم عنہ منقبۃ شرفوا بھا و فضیلۃ اکتسبوھا۔ (مطالب السئول ص۵۵) آپ سے ائمہ دین اور علمائے اعلام کی ایک جماعت نے علم حاصل کیا جن میں سے یحیی بن سعید، ابن جریح، مالک ابن انس، ثوری، ابن عنیبہ، شعبہ اور ایوب جیسے محدثین بھی ہیں اور یہ لوگ آپ کی شاگردی کو اپنے لئے باعث شرف و افتخار قرار دیتے تھے۔ جسٹس امیر علی نے لکھا ہے "حضرت علیؑ بن الحسینؑ کے پوتے امام جعفر صادق نے اپنے جد امجد حضرت علیؑ المرتضیٰ کی عظیم الشان تعلیم کا پھر مدینہ میں جاری کی۔ مگر یہ صحرا میں ایک ہی سچا نخلستان تھا۔ اس کے چاروں طرف ظلمت و ضلالت چھائی ہوئی تھی۔ (تاریخ اسلام ص۲۶)

آپ کا زہد و تقویٰ اور اخلاق کاملہ

آپ کے اخلاق کاملہ اور زہد و تقویٰ سے متاثر ہو کر ابن طلحہ لکھتے ہیں۔ خصالہ شاھدۃ علی انہ من سلالۃ النبوۃ وطھارۃ افعالہ تصدع انہ من ذریۃ الرسالۃ۔ آپ کے خصال حسنہ اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ آپ رسول اللہ کی اولاد میں سے تھے اور آپ کے افعال بتلاتے ہیں کہ آپ رسولؐ اللہ کی ذریت طاہرہ میں سے تھے۔ انس بن مالک کہتے ہیں، کان لا یخلو من احدی ثلاث خصال اما صائماً او قائماً و اما ذاکراً و کان من عظماء العباد و اکابر الزھاد الذین یخشون اللہ و کان کثیر الحدیث و اذا قال قال رسول اللہ اصفر لونہ۔ آپ کبھی تین حالتوں سے خالی نہ رہتے تھے یا عبادت میں مشغول رہتے یا اللہ کی یاد میں اور آپ (اپنے زمانہ کے) جلیل القدر عبادت گزار اور خدا سے ڈرنے والے عباد و زہاد میں سے عظیم المرتبہ زاہد تھے، اور کثیر الحدیث تھے اور نقل حدیث کے وقت جب "قال رسول اللہ" فرماتے تو آپ کا رنگ زرد ہو جاتا تھا۔ آپ نہایت ہی مستجاب الدعوات تھے۔ جب آپ نے حکیم ازدی کا یہ شعر سنا۔ جو اس نے حضرت زیدؓ کے متعلق کہا تھا

صلبنا لکم زیداً علی جذع نخلۃ   و لم ار مھدیاً علی الجذع یصلب

تو آپ نے فرمایا۔ اللھم سلط علیہ کلباً من کلابک۔ اے میرے معبود اس پر اپنے درندوں میں سے ایک درندہ مسلط کر۔ چنانچہ اس کو ایک شیر نے چیر پھاڑ دیا۔ (صواعق محرقہ ص۲۰۰۔ نور الابصار ص۱۴۷ ارجح ۲ صفحہ ۸)

آپ کی شہادت

ابن حجر صواعق محرقہ صـ۱۲۱ میں لکھتے ہیں۔ توفی سنۃ اربع وثمانین ومائۃ مسموماً۔ آپ نے ۱۸۴ھ میں زہر کی وجہ سے ۶۵ سال کی عمر میں شہادت پائی۔ اور جنۃ البقیع میں دفن ہوئے۔ (کذافی نورالابصار صـ۱۲۷) صحیح تاریخ ۲۵ شوال ۱۴۸ھ ہے منصور دوانقی لعنہ نے انگور میں زہر دے کر آپ کو شہید کیا۔ (منتہی الآمال ج ۲ صـ۱۵)

(۷) حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

ولادت باسعادت

آپ کی ولادت باسعادت ۷ صفر ۱۲۸ھ کو مقام ابواء میں ہوئی (جو کہ مکہ اور مدینہ منورہ کے درمیان واقع ہے) آپ کی والدہ ماجدہ جناب حمیدہ خاتون بربریہ ہیں۔ آپ کی کنیت ابوالحسن اور لقب کاظم ہے صواعق صـ۱۲۱ میں مروی ہے کہ سمی الکاظم لکثرۃ تجاوزہٖ وحلمہٖ آپ اپنی بے پناہ بردباری اور خطاکاروں کی خطاؤں سے عفو و درگزر کرنے کی وجہ سے کاظم مشہور ہوئے۔ (کذافی تاریخ الخمیس ج ۲ صـ۳۲۰)

آپ کا علم وفضل اور عبادت

ابن حجر لکھتے ہیں آپ علم ومعرفت اور کمالات وفضائل میں اپنے والد بزرگوار کے صحیح جانشین قرار پائے۔ وکان معروفاً عند اھل العراق بباب قضاء الحوائج عند اللہ وکان اعبد الناس فی زمانہ واعلمھم واسخاھم (صواعق محرقہ صـ۱۲۱) اہل عراق میں آپ کا لقب "باب قضاء الحوائج عند اللہ" مشہور تھا۔ یعنی خدا کے نزدیک حاجت برآری کے در۔ اور اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عابد، عالم اور سخی تھے۔ تاریخ ابن خلکان میں منقول ہے۔ کان یدعی بالعبد الصالح من عبادتہ واجتہادہ آپ بلحاظ عبادت واجتہاد عبد صالح کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔" ابن طلحہ شافعی لکھتے ہیں ھو الامام الکبیر القدر العظیم الشان الکبیر المجتھد الجاد فی الاجتھاد المشھور بالعبادۃ المواظب علی الطاعات (مطالب السئول صـ۲۷۸) آپ جلیل القدر امام اور عظیم الشان اور جید مجتہد تھے اور اپنی عبادت کی وجہ سے مشہور تھے اور طاعت الٰہی پر مواظبت رکھتے تھے۔" ابن صباغ لکھتے ہیں۔ اما مناقبہ وکراماتہ وفضائلہ وصفاتہ الباھرۃ تشھد لہ بانہ افترع قبۃ الشرف وعلاھا (الفصول المہمہ صـ۲۱۲) آپ کے مناقب وکرامات وفضائل وخصائل اس بات کے شاہد ہیں کہ آپ نے حضرت کمال کی چوٹی کو سر کر لیا تھا۔ اہلسنت کے جید عالم خواجہ محمد پارسا بخاری فصل الخطاب طبع تاشقند میں لکھتے ہیں صـ۲۹۵ "قال الرشید للمامون یا بنی ھذا وارث علم النبیین ھذا موسیٰ بن جعفر ان اردت العلم الصحیح تجدہ عندہ۔ اے بیٹے یہ وارث

علوم انبیاء ہیں یہ موسیٰ بن جعفر ہیں اگر تو علم صحیح کا طلب گار ہے تو ان کے پاس چلے گا، سچ ہے۔

ع الفضل ما شھدت بہ الاعداء

آپ کے اخلاق کریمانہ

آپ کے اخلاق فاضلہ کے متعلق اسی قدر کافی ہے کہ زہد و تقویٰ اور خوف خدا اور اخلاق فاضلہ کی بنا پر آپ کاظم اور عبد صالح کے القاب سے یاد کئے جاتے ہیں ابن صباغ مالکی لکھتے ہیں۔ کان یتفقد فقراء المدینۃ ویحمل الیھم الدراھم والدنانیر الی بیوتھم والنفقات وکانوا لا یعلمون من ای جھۃ وصلھم ذلک ولم یعلموا ذلک الا بعد موتہ (الفصول ص۲۱۹) آپ مدینہ منورہ کے غربا و مساکین کی دیکھ بھال کیا کرتے تھے، اور ان کے پاس درہم و دینار اور دیگر ضروریات زندگی فراہم کیا کرتے تھے۔ حالانکہ ان کو اس بات کا علم تک نہ تھا، کہ یہ سب کچھ ان کو کہاں سے ملتا ہے آپ کی وفات حسرت آیات کے بعد ان پر یہ راز منکشف ہوا، ابن طلحہ شافعی نے مطالب السئول ص۸۳ میں لکھا ہے۔ (کان) یبیت اللیل ساجداً و قائماً و یقطع النھار متصدقاً و صائماً لفرط حلمہ وتجاوزہ عن المعتدین علیہ یدعی کاظماً کان یجازی المسیٔ بالاحسان الیہ، و یقابل الجانی بعفوہ عنہ۔ آپ ساری رات عبادت کرتے ہوئے قیام و سجود میں گزار دیتے تھے اور سارا دن روزہ کی حالت میں صدقہ دیتے ہوئے گزارا کرتے تھے، اور اپنی کثرت بردباری اور خطا کاروں سے درگزر کرنے کی وجہ سے آپ کا لقب کاظم مشہور ہوا، آپ بدسلوکی برتنے والے کا بدلہ احسان سے دیا کرتے تھے، اور مجرم کا بدلہ اس کو معافی دینے سے دیتے تھے، ایک دفعہ جناب سے کسی نے کہا کہ فلاں شخص آپ کی غیبت و برائی بیان کرتا ہے، یہ سن کر جناب نے ایک ہزار اشرفی اسے بھجوا دی (تاریخ العلقمی ص۲۴۴) ذریۃ بعضھا من بعض واللہ سمیع علیم۔

شہادت

ہارون عباسی نے سندی بن شاہک کے ذریعے آپ کو انگوروں میں زہر دلوایا جس کی وجہ سے آپ نے شہادت پائی، نور الابصار ص۱۵۱ اور صواعق ص۱۲۳ تاریخ خمیس میں ہے کہ یقال ان یحییٰ البرمکی سمہ فی رطب بامرھا رون کہا جاتا ہے کہ یحییٰ بن خالد برمکی نے ہارون کے حکم سے آپ کو انگوروں میں زہر دیا، (تاریخ احمدی ص۳۲۶) ابن حاجب نے تاریخ اخبار الخلفاء میں لکھا ہے مات مسموماً مظلوماً علی الصحیح من الاخبار، یعنی کے روایت صحیح ثابت ہے کہ آپ کو بحالت مظلومی زہر سے شہید کیا گیا، سن شہادت ۱۸۳ ہے آپ کی عمر ۵۵ سال تھی (صواعق محرقہ ص۱۲۲) (۲۵ رجب المرجب ۱۸۳ھ)

(۸) حضرت امام علی رضا علیہ السلام

ولادت باسعادت

ابن صباغ مالکی نے الفصول المہمہ صفحہ ۲۲۶ میں لکھا ہے کہ آپ کی ولادت ۱۱ ذی القعدہ ۱۴۸ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔ آپ کی والدہ ماجدہ جناب نجمہ خاتون ہیں۔ حبیب السیر میں منقول ہے کہ آپ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی اولاد میں سے بلکہ تمام مخلوق سے اشرف ترین شخص تھے۔ آپ کی کنیت ابوالحسن اور لقب صابر، زکی، ولی اور سب سے زیادہ مشہور رضا ہے۔ (تذکرۃ الحسن صفحہ ۱۹۸)

آپ کا علم و فضل

آپ کے علوم وعجیبہ کے متعلق ملا مبین فرنگی محلی نے وسیلۃ النجات میں لکھا ہے۔ "آنحضرت را از آباء واجداد علم ماکان و مایکون بوراثت رسیدہ" "آپ کو علم ماکان و مایکون اپنے آباء واجداد کی جانب سے وراثۃً حاصل تھا۔" روضۃ الاحباب میں مروی ہے کہ آپ ہر زبان اور ہر لغت میں فصیح اور دانا ترین مردم تھے۔ اور ہر اہل زبان کو اس کی زبان میں جواب دیا کرتے تھے۔ (تاریخ احمدی صفحہ ۲۶۰) ابن طلحہ شافعی نے لکھا ہے کہ "جو آپ کے حالات کو غور سے دیکھے گا تو اس کو یقین ہو جائے گا۔ کہ آپ فضائل وکمالات کے اعتبار سے تیسرے علیؑ ہیں (مطالب السئول صفحہ ۹۱) ابن اثیر جزری نے جامع الاصول میں لکھا ہے۔ کہ دوسری صدی کے آغاز میں آپ ہی مذہب امامیہ کے مجدد تھے۔ (کشکول صفحہ ۱۹۰ طبع مصر تاریخ احمدی صفحہ ۳۶۷) ابراہیم بن عباس کہتا ہے۔ ما رأیت اعلم منہ بما کان فی الزمان میں نے آپ کے دور میں آپ سے بڑا کوئی عالم نہیں دیکھا (نورالابصار صفحہ ۱۵۲)

آپ کا زہد و تقویٰ اور اخلاق کریمانہ

ابن صباغ کا قول ہے۔ کانت مناقبہ علیۃ و صفاتہ سنیۃ و نفسہ الشریفۃ زکیۃ ہاشمیۃ الارومۃ الکریمۃ النبویۃ۔ "آپ کے مناقب نہایت ہی بلند مرتبہ اور صفات جلیل آپ کا ہاشمی نفس مبارک بڑا پاکیزہ اور آپ نبوت کے جلیل القدر خانوادہ میں سے تھے۔" نور الابصار صفحہ ۱۵۴ میں ہے کہ کان کثیر المعروف والصدقۃ واکثر ما یکون فی اللیالی المظلمۃ آپ غرباء ومساکین کو بہت صدقات وخیرات دیتے اور اکثر اوقات یہ صدقہ تاریک راتوں میں دیا کرتے تھے۔" ابن صباغ نے آپ کے اخلاق کے متعلق لکھا ہے۔ واما اخلاقہ وسماتہ وصفاتہ ودلائلہ وعلاماتہ فناہیک من فخار وحسبک من علو مقدار جار علی طریقۃ

و ورثها عن الآباء الخ، آپ کے اخلاق و خصائل اور آپ کی سیرت و صفات اور دلائل و علامات کے متعلق آپ کا فخر اور بلند مرتبہ معلوم کرنے کے لئے اسی قدر کافی ہے کہ آپ ان صفاتِ فاضلہ میں اسی نہج پر تھے جو آپ کو اپنے آباء طاہرین سے وراثۃً ملا تھا۔ (فصول مہمہ صفحہ ۲۲۵)

مطہرون نقیات ثیابہم — تجری الصلوٰۃ علیہم کلما ذکروا

من لم یکن علویا حین تنسبہ — فمالہ فی قدیم الدھر مفتخر

اللہ لما بریٰ خلقاً فاتقنہ — صفاکم و اصطفاکم ایہا البشر

فانتم الملاء الاعلیٰ و عندکم — علم الکتاب وماجاءت بہ السور

(ابو نواس)

(وفیات الاعیان ج ۱ صفحہ ۳۲۲)

(۹) حضرت امام محمد تقی علیہ السلام

ولادت باسعادت — آپ کی ولادت باسعادت ۱۹ ماہ رمضان ۱۹۵ھ میں مدینہ منورہ میں ہوئی ہے آپ کی والدہ ماجدہ جناب سبیکہ یا ریحانہ خاتون نوبیہ ہیں۔ آپ کی کنیت ابو جعفر اور لقب قانع اور تقی ہے۔ (مطالب السئول صفحہ ۷۲، فصول مہمہ صفحہ ۲۲۷)

علم و فضل — ابن طلحہ لکھتے ہیں۔ ان کان صغیرالسن فھو کبیرالقدر رفیع الذکر القائم بالامامۃ بعد علی بن موسیٰ۔ آپ اگرچہ باعتبار سن و سال صغیر تھے۔ مگر قدر و منزلت کے لحاظ سے کبیر تھے اور اپنے والد ماجد کے بعد منصب امامت پر فائز ہوئے جب کہ آپ کی عمر تین سال کی تھی۔ صفوان بن یحییٰ کہتے ہیں کہ جب آپ کو اس کم سنی میں رتبہ امامت ملا تو میں نے بڑا تعجب کیا پس امام رضا علیہ السلام نے فرمایا۔ ما یضر ذلک فقد قام عیسیٰ بالحجۃ وھو ابن اقل من ثلاث سنین اس میں کیا حرج ہے؟ حضرت عیسیٰ تو تین سال سے کم عمر میں حجتِ خدا قرار پائے تھے (فصول مہمہ صفحہ ۲۴۷) ابن حجر مکی نے لکھا ہے۔ کہ آپ ایک مرتبہ بغداد میں کسی گزرگاہ پر کھڑے تھے وہاں چند بچے بھی کھیل رہے تھے اچانک مامون کی سواری آگئی اور تمام بچے بھاگ گئے مگر آپ وہیں کھڑے رہے مامون نے پوچھا اے صاحب زادے تم کیوں نہ بھاگے؟ آپ نے فرمایا میرے کھڑے ہونے سے تیرا راستہ تنگ نہ تھا جو کہ ہٹ جانے سے وسیع ہو جاتا اور نہ میں نے کوئی جرم کیا تھا کہ میں ڈر

کر رہا گنا چنانچہ جب وہ شکار کر کے واپس آیا تو اس نے آپ کو وہاں کھڑا ہوا دیکھا اور کہا بتلاؤ میرے ہاتھ میں کیا چیز ہے آپ نے فرمایا۔ ان اللہ خلق فی بحر قدرتہ سمکا صغاراً یصید ھا با ذات الملوک نبتجبرون بھا سلالتہ اھل بیت المصطفیٰ۔ اللہ نے اپنے دریائے قدرت میں چھوٹی چھوٹی مچھلیاں پیدا کی ہیں اور سلاطین اپنے بازؤں سے ان کا شکار کر کے اہلِ بیت رسالت کے علم کا امتحان لیتے ہیں۔ مامون نے تعجب سے کہا "انت ابن الرضا حقا" آپ واقعی امام رضاؑ کے فرزند ہیں (صواعق محرقہ ص۲۰۴ مطالب السئول ص۲۲۲ الفصول المہمہ ص۲۴۸) ابن صباغ مالکی لکھتے ہیں۔ لم یزل مشغقاً بہ لما ظھر لہ من برکاتہ و مکاشفاتہ وکراماتہ وعلمہ وفضلہ وکمال عقلہ و ظھور برھانہ مع صغر سنہ (فصول ص۲۴۹) باوجود صغرسنی کے آپ کی برکات اور مکاشفات کرامات اور آپ کے علم وفضل اور کمالِ عقل ودلائل کے ظہور کی وجہ سے مامون آپ پر بڑا مہربان رہتا تھا اور آخر کار اپنی بیٹی ام الفضل کا امام سے عقد کر دیا اور اس کم سنی میں یحییٰ بن اکثم جیسے علماء وقضاۃ کو آپ سے مناظرہ کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ امام علیہ السلام نے صغرسنی میں یحییٰ مذکور کے ساتھ جو مناظرہ کیا۔ اور جس طرح اسے ذلیل وخوار کیا وہ اس قدر مشہور ہے کہ محتاجِ بیان نہیں ہے ؏

اینہا ہمہ رازاست کہ معلوم عوام است

آپ کا زہد وتقویٰ

آپ کے صفاتِ فاضلہ اور زہد وتقویٰ کے متعلق اس قدر لکھنا کافی ہے کہ آپ علم وفضل اور زہد وتقویٰ میں اپنے والد ماجد کے صحیح جانشین تھے۔ اور زہد وتقویٰ کی وجہ سے آپ کا لقب تقی اور قانع مشہور ہوا۔

شہادت

۲۵ جمادی الثانی یا بنا بر مشہور آخر ذیقعدہ سن۲۲۰ھ میں آپ کی شہادت واقع ہوئی جب کہ آپ کی عمر صرف ۲۵ سال تھی۔ صواعق محرقہ ص۲۰۴ اور نور الابصار ص۱۴۳ اور تاریخ احمدی ص۳۷۶ میں منقول ہے کہ معتصم عباسی نے آپ کو زہر سے شہید کیا اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے روضہ میں مدفون ہوئے۔

(۱۰) حضرت امام علی نقی علیہ السلام

ولادت باسعادت

آپ کی ولادت ۱۵ ذی الحجہ ۲۱۲ھ میں بمقام مدینہ منورہ ہوئی والدہ ماجدہ سمانہ یا سوسن خاتون مغربیہ ہیں اور آپ کے القاب ہادی المتوکل

المرتضیٰ، الناصح، المتقی، الفقیہ، اور الامین وغیرہ ہیں صاحب وسیلۃ ملنجات نے لکھا ہے کہ جب امام محمد تقی علیہ السلام کو معتصم نے طلب کیا تو آپ نے امام علی نقیؑ کو اپنا وصی اور خلیفہ مقرر کیا۔ اور کتب علوم الٰہی اور اسلحۂ رسالت آپ کے سپرد کئے (تاریخ احمدی ص۳۷۵)

علم وفضل

ابن حجر نے لکھا ہے:۔ کان وارث ابیہ علماً و سخاءً آپ علم وفضل اور جود و سخا میں اپنے والد ماجد کے صحیح جانشین تھے (صواعق محرقہ ص۲۰۵)

زہد وتقویٰ

آپ کے زہد وتقویٰ کے متعلق مورخین کا بیان ہے کہ آپ قائم اللیل، صائم النہار عبادت گزار اور دنیوی لذائذ وحظائظ سے مجتنب تھے متوکل عباسی نے آپ کو بھوکے درندوں کے سامنے ڈال دیا مگر انہوں نے آپ کی خداداد ہیبت وعبادت اور زہد وتقویٰ کی بدولت آپ کو کوئی گزند نہ پہنچایا۔ (صواعق ص۲۰۵)

آپ کی عبادت اور ناصحانہ اشعار آبدار

آپ کا دور مشکلات ومصائب میں گھرا ہوا تھا۔ اس بات کا اندازہ لگانے کے لئے صرف یہ کہہ دینا کافی ہے کہ آپ کا سابقہ متوکل عباسی جیسے دشمن اہلبیت سے تھا۔ جن دنوں آنجناب بحالت نظر بندی سامرا میں تھے۔ بعض لوگوں نے متوکل سے چغلی کھائی کہ امام علی نقی گھر میں ہتھیار جمع کر رہے ہیں۔ متوکل نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ بوقت شب جس حال میں امام کو پائیں گرفتار کر کے دربار میں لائیں، چنانچہ اچانک رات کے وقت سپاہی امام کے گھر داخل ہوئے دیکھا کہ امام بالوں کا کرتہ زیب تن کئے، اور صوف کی چادر اوڑھے تنہا اپنے حجرہ میں سنگ ریزوں کے فرش پر روبقبلہ بیٹھے، تلاوت قرآن مجید کر رہے ہیں۔ متوکل کے آدمی اسی حالت میں امام کو دربار میں لے گئے۔ اور تمام ماجرا بیان کیا متوکل اس وقت جام شراب ہاتھ میں لئے مے نوشی میں مشغول تھا۔ امام کو اپنے پہلو میں بٹھایا۔ اور جام شراب امام کی طرف بڑھایا۔ امام نے فرمایا، میرا خون اور گوشت کبھی شراب کی آلائش سے آلودہ نہیں ہوا مجھے اس سے معاف رکھ۔ متوکل نے کہا اچھا اگر شراب نہیں پیتے تو کچھ شعر پڑھیئے امام نے فرمایا مجھے شعر گوئی سے چنداں شغف نہیں ا

متوکل نے یہ عذر قبول نہ کیا اور اصرار کیا کہ کچھ اشعار پڑھیئے۔ تب امام نے مجبوراً یہ اشعار پڑھے۔

باتوا علی قلل الجبال تحرسہم	غلب الرجال فما اغنتہم القلل
واستنزلوا بعدعز عن معاقلہم	فاودعوا حفراً فیابئس ما نزلوا
فاداھم صارخ بعد ما قبروا	این الاسرۃ والتیجان والحلل

ایت الوجوه التی کانت منعمۃ	من دونہا تضرب الاستار والکلل
فافصح القبر عنہم حین سائلہم	تلک الوجوہ علیہا الدود تنتقل
قد طال ما اکلو دھراً وما شربوا	فاصبحوا الیوم طول الاکل قد اکلوا

ان اشعار آبدار کا یہ اثر ہوا کہ پورا دربار گریہ وبکا میں ڈوب گیا اور متوکل کی روتے روتے ہچکی بندھ گئی اور داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی (وفیات الاعیان ج ۱ ص ۳۲۳)

شہادت آپ کی شہادت ۳ رجب المرجب ۲۵۴ھ میں قریباً بیالیس سال کی عمر میں ہوئی تذکرہ خواص الامۃ میں ہے آپ کو معتمد باللہ عباسی نے زہر سے شہید کروایا (تاریخ احمدی ص ۳۰۰)

(۱۱) حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام

ولادت باسعادت آپ کی ولادت ۱۰ ربیع الاول ۲۳۲ھ میں بمقام سامرا ہوئی آپ کی والدہ ماجدہ حدیثہ یا سلیل خاتون ہیں۔ آپ کے القاب جلیلہ میں سے خالص، سراج، عسکری زیادہ مشہور ہیں (نور الابصار ص ۱۶۶)

علم و فضل اور زہد و تقویٰ آپ اپنے والد کے پانچ فرزندوں میں سب سے زیادہ اجل و افضل تھے بچپن ہی میں مصدر فیوض الٰہیہ ہو گئے تھے۔ ایک مرتبہ آپ چند لڑکوں کے ساتھ کھڑے ہوئے رو رہے تھے۔ اور باقی بچے کھیل رہے تھے۔ تو بہلول نے پوچھا آپ کیوں رو رہے ہیں! کیا میں آپ کے لئے کوئی کھلونا خرید لاؤں؟ آپ نے فرمایا یا قلیل العقل ما للعب خلقنا اے کم عقل ہم کھیل کود کے لئے نہیں پیدا کئے گئے۔ بہلول نے پوچھا۔ فلما ذا خلقنا پھر ہم کیوں پیدا کئے گئے؟ آپ نے فرمایا للعلم والعبادۃ علم وعبادت کے لئے۔ جب بہلول نے دلیل کا مطالبہ کیا تو جناب نے یہ آیت قرآنی پڑھی۔ افحسبتم انما خلقناکم عبثاً وانکم الینا لا ترجعون کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ ہم نے تمہیں بے فائدہ پیدا کیا ہے اور کیا تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے (صواعق محرقہ ص ۲۰۵ نور الابصار ص ۱۶۶) آپ بڑے عبادت گزار اور منبع جود و سخا تھے۔ ابن صباغ مالکی نے لکھا ہے کانت نفسہ مھذبۃ واخلاقہ متعذبۃ وسیرتہ عادلۃ وخلالہ فاضلۃ آپ کا نفس مہذب، اخلاق شریف، سیرت نیک اور عادات و خصائل فاضلہ تھے (فصول مہمہ ص ۲۷۵)

حفاظتِ قرآن کا عجیب واقعہ

آئمہ اہلبیت کی یہ خداداد خصوصیت بہت ہی نمایاں ہے کہ وہ جس حال میں بھی رہے کبھی دینِ مبین کی خدمت سے غافل نہیں رہے امام حسن عسکری (بحیاتِ امام علی نقیؑ) کے وقت عراق کے فیلسوف اسحاق کندی نے بزعمِ خویش قرآن میں اختلاف و تناقض ثابت کرنے کی خاطر "تناقض القرآن" نامی کتاب لکھنی شروع کی۔ جب امام عالیمقام کو اس شخص کی اس جسارت کا علم ہوا، تو ان کو سخت صدمہ ہوا۔ اور اپنے ایک صحابی کو حکم دیا کہ تم جاکر کندی کی شاگردی اختیار کرو۔ اور اس سے روابط بڑھاؤ۔ جب وہ تم سے مانوس ہوجائے اور تمہیں اس کا اعتماد حاصل ہوجائے۔ تو اس سے دریافت کرو، کہ قرآن سے جو کچھ تم نے سمجھا ہے آیا ممکن ہے کہ وہ صحیح نہ ہو۔ اور خدا کا منشا کچھ اور ہو؟ چونکہ وہ فلسفی اور ذہین آدمی ہے وہ کہیگا کہ ہاں ایسا ہوسکتا ہے جب وہ یہ اقرار کرلے تو تم کہنا کہ پھر تمہاری اس کتاب لکھنے کا مقصد کیا ہے؟ ممکن ہے تم جس معنیٰ پر اعتراض کر رہے ہو، وہ مقصود خدا نہ ہو۔ چنانچہ وہ شخص حسبِ ہدایت کندی کے پاس گیا اور ایک دن یہ سوال کر دیا، کندی سن کر متحیر ہوگیا۔ اور کہا پھر بیان کرو۔ شاگرد نے پھر بیان کیا۔ کندی نے کچھ دیر غور و فکر کرنے کے بعد کہا ہاں ایسا ممکن ہے۔ پھر شاگرد سے کہا سچ بتاؤ۔ تمہیں یہ بات کس نے سکھلائی ہے؟ شاگرد نے کہا میرے ذہن میں پیدا ہوئی ہے۔ کندی نے کہا تم جیسا آدمی ایسی بات نہیں کرسکتا۔ میں تمہیں قسم دیتا ہوں۔ سچ سچ بتاؤ یہ بات تمہیں کس نے سکھلائی ہے؟ تب شاگرد نے کہا، امام حسن عسکری نے بتائی ہے۔ کندی نے کہا "الآن جئت بہ وما کان لیخرج مثل ھذا الا من ذلک البیت" اب تم نے صحیح بات کہی ہے۔ ایسی دقیق علمی بات اس خاندان کے سوا اور کہیں سے نہیں نکل سکتی، پھر آگ طلب کی اور کتاب کا مسودہ جلا دیا۔ (بحار ج ۱۲ ص ۱۷۲ مناقب ص ۱۲۷ وغیرہ)

شہادت

آپ کی شہادت اٹھائیس برس کے سن میں ۸ ربیع الاول ۲۶۰ھ میں سامرا میں ہوئی۔ صواعق محرقہ ص ۲۰۲ میں ہے قیل انہ سمّ کہا جاتا ہے کہ آپ کو بھی زہر سے شہید کیا گیا (کذا فی الفصول المہمہ ص ۲۹۵) جناب ابن بابویہ اور دیگر بعض علماء کا قول ہے کہ معتمد عباسی نے آپ کو زہر سے شہید کیا۔ (منتہی الآمال ج ۲ ص ۲۱۱)

(۱۲) مہدیٔ دوراں حضرت امام آخر الزمان عجل اللہ ظہورہ

ولادت باسعادت تاریخ ابن خلکان میں ہے کہ آپ کی ولادت ۱۵ شعبان ۲۵۵ھ میں ہوئی اور آپ حسن عسکری کے اکلوتے فرزند ہیں روضۃ الاحباب میں مروی ہے "چوں متولد شد ناف زدہ بود و ختنہ کردہ و بر زراع ایمن او نوشتہ بود جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا جب آپ پیدا ہوگئے تو مختون اور ناف بریدہ تھے اور آپ کے داہنے بازو پر یہ آیت منقوش تھی: "حق آگیا اور باطل نیست و نابود ہوگیا یقیناً باطل نیست و نابود ہی ہونے والا ہے"

آپ کا علم و فضل ابن حجر نے لکھا ہے۔ عمرہ عند وفاۃ ابیہ خمس سنین ولکن آتاہ اللہ الحکمۃ ویسمی القائم المنتظر (صواعق ص۱۲۰) امام حسن عسکریؑ کی شہادت کے وقت آپ کا سن پانچ برس کا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس عمر میں علم و حکمت سے مالا مال کر دیا تھا۔ اور آپ کا نام القائم المنتظر مشہور ہے ابن صباغ مالکی اپنی کتاب الفصول المہمۃ ص۲۷۳ میں لکھتے ہیں کان عمرہ عند وفاۃ ابیہ خمس سنین اتاہ اللہ فیہ الحکمۃ کما اتاھا یحیی صبیاً وجعلہ اماما فی حال الطفولیۃ کما جعل عیسیٰ بن مریم فی المھد نبیاً آپ کی عمر اپنے والد کی وفات کے وقت صرف پانچ برس کی تھی مگر اللہ نے آپ کو اس کم سنی میں ہی مرتبۂ امامت پر اس طرح فائز کر دیا۔ جس طرح جناب عیسیٰ علیہ السلام کو گہوارے میں نبی بنا دیا تھا۔

آپ کا وجود اور اس کی بقاء آپ کے وجود پر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے نقل شدہ بے شمار احادیث موجود ہیں جو کہ حدِ تواتر تک پہنچ چکی ہیں محی الدین ابن عربی نے الفتوحات المکیہ باب ۳۶۶ میں لکھا ہے۔ اعلموا انہ لابد من خروج المہدی ولکن لا یخرج حتی تمتلی الارض جوراً وظلماً فیملأھا قسطاً وعدلاً ولو لم یکن من الدنیا الا یوم واحد طول اللہ ذلک الیوم حتی یلی ذلک الخلیفۃ و ھو من عترۃ رسول اللہ من ولد فاطمۃ جدہ الحسین بن علی بن ابی طالب والدہ الحسن العسکری بن علی النقی الخ۔ اے برادران اسلامی! آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ امام مہدی علیہ السلام کا ظہور از حد ضروری ہے مگر وہ اس وقت تک ظہور نہیں فرمائیں گے جب تک زمین جور و جفا سے بالکل بھر نہیں جائے گی پھر آپ تشریف لا کر اس کو عدل و انصاف سے پر کر دیں گے اگرچہ عمرِ دنیا سے صرف ایک دن باقی رہ گیا ہو تب بھی خدا اس دن کو

اتنا طویل کر دے گا۔ کہ وہ خلیفہ بر سر اقتدار آئے گا۔ جو کہ آل رسولؐ میں سے ہے اور فاطمہ کی ذریت سے جن کے جدِ اعلیٰ حضرت امام حسین علیہ السلام اور والد بزرگوار حضرت امام حسن عسکری بن امام علی نقی علیہ السلام ہیں"۔

عقیدۂ مہدیؑ کا اتفاقی ہونا

جہاں تک تاریخ مذاہب و ادیانِ عالم کے مطالعہ کا تعلق ہے اس سے معلوم ہے کہ مذہب یہود ہو یا نصاریٰ ہندو ہو یا زرتشت وغیرہ۔ غرضیکہ تمام مذاہب و ادیان میں کسی نہ کسی رنگ میں ایک مصلحِ اعظم کے آنے کا تخیل موجود ہے بالخصوص اہل اسلام کا تو حضرت مہدیؑ کے ظہور پر اتفاق ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ اس کی بعض خصوصیات میں قدرے اختلاف ہے۔ عقلِ سلیم بھی یہی فیصلہ کرتی ہے کہ جس مذہب کی بنیاد ہی خدا کی قدرت اور عدالت پر ہے۔ بایں ہمہ دنیا میں ظلم و جور باطل پرستی اور ناحق کوشی کا دور دورہ ہے اس لئے اس دنیا میں ایک ایسا دور ضرور آنا چاہیئے جس میں صفحۂ عالم سے ظلم و جور حرفِ غلط کی طرح مٹ جائے۔ اور عدل و انصاف کا دور دورہ ہو۔ یہ مقصد آنجنابؑ کے ظہور کے وقت ہی کما حقہ پورا ہو سکتا ہے جیسا کہ نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا ہے۔ لو لم یبق من الدنیا الا یوم واحد لطول اللّٰہ ذلک الیوم حتی یبعث رجل من اھلبیتی اسمہ اسمی یملأ الارض قسطاً و عدلاً کما ملئت ظلماً و جوراً۔ (ترمذی، مشکوٰۃ المصابیح، ابوداؤد وغیرہ)

اگر عمرِ دنیا کا ایک ہی دن باقی رہ جائے تو خداوند عالم اسے اس قدر دراز کر دے گا۔ (اور اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی) جب تک کہ میرے اہلِ بیت میں سے ایک شخص مبعوث نہ ہو۔ جو میرا ہم نام ہوگا۔ اور زمین کو عدل و انصاف سے اس طرح بھر دے گا جس طرح پہلے وہ ظلم و جور سے پُر ہو چکی ہو گی۔ ؎

دُنیا کو ہے اس مہدیِ برحق کی ضرورت
ہو جس کی نگہ زلزلۂ عالمِ افکار

چونکہ جنابِ رسالت مآبؐ علم نبوت سے جانتے تھے۔ کہ دنیا میں کئی جھوٹے مدعیانِ مہدویت پیدا ہوں گے لہٰذا ان کا فرضِ منصبی تھا کہ حضرت مہدیِ دوراں کی معرفی کرانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں، ورنہ جھوٹے مدعیوں کے دامِ تزویر میں پھنسنے والوں کی ضلالت و گمراہی کی ذمہ داری خود آنحضرتؐ پر عائد ہوتی۔ اس لئے انہوں نے جناب مہدیؑ کی ذات و صفات اور

شکل وشمائل وغیرہ تمام متعلقہ امور تفصیل کے ساتھ بیان کر دیئے۔ تاکہ اتمام حجت میں کوئی کمی نہ رہ جائے۔

حضرت مہدیؑ اہل بیت رسولؐ سے ہوں گے

آنجناب کس خاندان سے ہوں گے؟ اس سلسلہ میں آنحضرتؐ فرماتے ہیں۔ المھدی من عترتی من ولد فاطمۃ (ابو داؤد) مہدی میری عترت طاہرہ اولاد فاطمہ زہراء میں سے ہو گا۔ المھدی منا اھل البیت (صواعق محرقہ ص۱۲۱) مہدی ہم اہل بیت میں سے ہو گا۔ جناب سلمانؓ فارسی روایت کرتے ہیں کہ جناب رسولؐ خدا نے فرمایا۔ المھدی من اھلبیتی مہدی میری اہل بیتؑ سے ہو گا۔ اس وقت شہزادہ ہائے کونین جناب امام حسنؑ وحسینؑ بھی موجود تھے۔ میں نے عرض کیا من ای ولدیک ھذین یارسول اللہ آپ کے ان دونوں صاحبزادوں میں سے کس کی نسل سے ہو گا؟ آنجناب نے امام حسینؑ کے کاندھوں پہ ہاتھ رکھ کر فرمایا۔ من ولدی ھذا میرے اس بیٹے کی اولاد میں سے ہو گا۔ (ینابیع المودۃ وغیرہ) اسی حدیث شریف سے متنبی قادیان کے اس دعویٰ کا بطلان بھی واضح وعیاں ہو جاتا ہے کہ وہ نسل سلمانؓ سے ہونے کی وجہ سے (جو کہ سلمان منا اہل البیت کے مصداق ہیں) مہدیٔ دوراں ہے قطع نظر اس سے کہ اس کے اس دعویٰ میں کہاں تک صداقت ہے کہ وہ نسل جناب سلمان سے ہے۔ جو کہ بظاہر بلا دلیل صرف ایک دعویٰ محض ہے لیکن اگر بالفرض اسے صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے۔ تو اس سے اس کی مہدویت ہرگز ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ جب حضرت سلمان خود راوی ہیں۔ کہ سرکار ختمی مرتبتؐ نے فرمایا کہ مہدی میری ذریت اور اولاد حسینؑ سے ہو گا۔ تو اولاد سلمانؓ کو مہدویت سے کیا رابطہ وتعلق ہے؟

حضرت مہدی کی شکل وشمائل

آنجناب کے خصائل وشمائل کیا ہوں گے۔ اور شکل وصورت کیسی ہو گی؟ اس سلسلہ میں آنحضرتؐ فرماتے ہیں۔ کہ المھدی رجل من ولدی لونہ لون عربی وجسمہ جسم اسرائیلی علی خدہ خال کانہ کوکب دری یملا الارض کما ملئت ظلماً یرضی فی خلافتہ اھل الارض واھل السماء والطیر فی الھواء (بحار الانوار ج ۱۳ ص۲۲) مہدی میری اولاد میں سے ہو گا۔ اس کا رنگ عربی جسم اسرائیلی ہے اور اس کے داہنے رخسارے پہ ایک خال ہے جو درخشندہ ستارہ کی مانند چمکتا ہے وہ زمین کو عدل وانصاف سے اس طرح بھر دے گا جس طرح وہ ظلم وجور سے بھر چکی ہو گی۔ ان کی خلافت میں زمین والے آسمان والے یہاں تک کہ پرندے

ہوا ہیں خوش ہوں گے : علاوہ دیگر ادلہ و براہین کے یہی امور جھوٹے مدعیان مہدویت جیسے مرزائے باب وبہا اور مرزائے قادیان وغیرہم کے دعاوی کے ابطال کے لئے کافی ہیں کیونکہ نہ توان کی شکل وصورت آنجناب سے ملتی ہے۔ اور نہ ان کے عہد میں عدل و انصاف کا دور دورہ ہوا ہے۔ بلکہ روز بروز ظلم وتعدی اور جور وجفا میں اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ کما لا یخفی علی احد من العوام فضلاً من العلماء الکرام۔

حضرت مہدیؑ کی ولادت باسعادت

اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے کہ اگرچہ عقیدہ ظہور مہدی پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے مگر اس سلسلہ میں بعض جزوی اختلافات موجود ہیں۔ منجملہ ان اختلافات کے ایک یہ بھی ہے کہ آیا آنجناب کی ولادت باسعادت ہو چکی ہے یا آخری زمانہ میں قریب بظہور ہوگی۔ چنانچہ تمام شیعہ خیر البریہ اور بعض علماء اعلام اہل سنت اس امر کے قائل ہیں کہ آپ کی ولادت باسعادت نیمہ شعبان المعظم ۲۵۵ھ میں بمقام سرمن رائے (سامراء) میں واقع ہو چکی ہے۔ مگر جمہور اہل سنت کا یہ خیال ہے کہ ان کی ولادت بعد میں واقع ہوگی۔ ہم یہاں ان بعض علمائے اہل سنت کے نام مع ان کی کتب کے ذکر کرتے ہیں جنہوں نے آنجناب کی ولادت ۲۵۵ھ میں تسلیم کی ہے۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۱ ص ۹۳ ج ۲ ص ۴۹۰، اسعاف الراغبین مطبوعہ برحاشیہ نور الابصار ص ۱۰۴/۱۱۶، شواہد النبوۃ جامی، فصول مہمہ ابن صباغ مالکی، ینابیع المودۃ اور ارجح المطالب وغیرہ بلکہ بعض منصف مزاج علماء اہل سنت نے تو آنجناب کے حالات پر مشتمل مستقل کتب تالیف کی ہیں جیسے "کتاب البیان" تالیف حافظ محمد بن یوسف کنجی (۲) کشف المخفی فی مناقب المہدی (۳) التوضیح فی تواتر ما جاء فی المنتظر المہدی والمسیح شوکانی (۴) العرف الوردی حافظ جلال الدین سیوطی (۵) القول المختصر فی علامات المہدی المنتظر ابن حجر مکی نے چونکہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی شہادت ۲۶۰ھ میں واقع ہوئی اس طرح پانچ سال کی عمر میں یہ فخر علیٰ دیکھئے ظاہری درجہ رفیعہ امامت کبریٰ پر فائز ہوئے۔

ہر زمانہ میں حجت خدا کا وجود ضروری ہے

اس مطلب پر یہاں تفصیلی تبصرہ کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اجمالاً اس قدر واضح ہے کہ ارباب علم وبصیرت جانتے ہیں کہ خلاق عالم نے موجودہ عالم کو ایسے خاص نظام اور قانون پر بنایا ہے کہ اس کی ہر ہر چیز علل واسباب کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے۔ صحت ومرض، موت وحیات، توالد وتناسل فقر وغنا غرضیکہ کائنات عالم کی ہر شے میں یہی قانون قدرت جاری وساری ہے کہ ہر چیز اپنے مخصوص علل و اسباب کے تحت وجود میں آتی ہے۔ اور خاص اسباب کے پیش نظر پردۂ عدم میں روپوش ہو جاتی ہے

اگر کبھی اس کے خلاف ہوجائے تو اسی کا نام معجزہ ہے. جو خرق عادت کا دوسرا نام ہے یہ اور بات ہے کہ یہ سلسلہ علل واسباب تمام مادیات پر مشتمل ہو یا اس کی بعض کڑیاں مادی اور بعض غیر مادی ہوں. بہرکیف اسی قانون کے تحت خدائے حکیم نے اس عالم کی بقاء کو اپنی حجت (نبی و امام) کے وجود کے ساتھ وابستہ کردیا ہے اگر ایک لمحہ کے لئے حجت خدا زمین سے اٹھ جائے. تو تمام نظامِ عالم درہم برہم ہو کر رہ جائے اور دنیا و مافیہا ہلاکت سے ہمکنار ہوجائے. متعدد روایات میں صادقین علیہم السلام سے مروی ہے فرمایا لو لا الامام لساخت الارض باھلہا. اگر حجت خدا کا وجود نہ ہو تو دنیا اپنے اہل کو لے کر نیچے دھنس جائے (اصول کافی)

اسی بنا پر پیغمبر اسلام نے فرمایا تھا. اھلبیتی امان لاھل الارض کما ان النجوم امان لاھل السماء (صواعق محرقہ ص۱۵ طبع جدید) میرے اہل بیت زمین والوں کے لئے ہلاکت سے باعث امن و امان ہیں.

حضرت صادق علیہ السلام فرماتے ہیں. لو لم یبق علی الارض الا اثنان لکان احد ھما الحجۃ. اگر بالفرض تمام روئے زمین پر صرف دو ہی شخص رہ جائیں تو ان میں بھی ضرور ایک حجتِ خدا ہوگا (اصول کافی) کیونکہ حجتِ خدا کے بغیر کوئی شخص زندہ نہیں رہ سکتا. الحجۃ قبل الخلق و مع الخلق و بعد الخلق. حجتِ خدا کا وجود مخلوق سے قبل مخلوق کے ساتھ اور مخلوق کے بعد ضروری ہے.
بنا بریں ضروری ہے. کہ اس وقت کوئی حجتِ خدا موجود ہو جس کے طفیل یہ عالم قائم و دائم ہے اور وہ بالاتفاق سوائے حضرت مہدئ دوراں صاحب العصر والزمان حضرت حجت بن الحسنؑ عجل اللہ تعالیٰ فرجہٗ کے اور کوئی نہیں ہے. فبیمنہ رزق الوریٰ و بوجودہ ثبتت الارض والسماء ہے

قدم سے مہدئ دیں کے زمین قائم ہے پانی پر
قرارِ کشتئ دنیا کے لنگر ایسے ہوتے ہیں

اگر وہ تمام دنیا کو دکھائی نہیں دیتے تو اس کا تقاضا یہ تو نہیں کہ ان کے وجود ذی جود کا انکار کردیا جائے خدائے عزوجل نے اہل ایمان کا یہ وصف بیان فرمایا ہے. کہ یؤمنون بالغیب. وہ غیب پر ایمان رکھتے ہیں. جنت و دوزخ حشر و نشر. برزخ و صراط اور ملائکہ حتیٰ کہ خود خدائے قدوس کی ذاتِ بابرکات وغیرہ بیسیوں امور ایسے ہیں جو غائب ہیں. مگر ان پر ایمان ضروری ہے تو اگر امام زمانہ غائب ہیں اور ان پر ایمان لانا ضروری ہے تو اس میں کون سی تعجب کی بات ہے؟

حضرت امام زمانہ کے وجود مسعود کے متعلق بعض شبہات کے جوابات!

اگرچہ مذکورہ بالا حقائق کی بنا پر حضرت امام زمانہ کا اس وقت موجود ہونا ایک ایسی حقیقت معلوم ہوتی ہے جس میں ہرگز کوئی عاقل و متدین انسان شک و شبہ نہیں کر سکتا مگر بموجب،

ان الم تکن للمرء عین صحیحۃ

فلا غرو ان یرتاب والصبح مسفر

کچھ کور باطن اور کوتاہ اندیش مخالفین و معاندین ہمیشہ آپ کے موجود ہونے پر بعض رکیک شبہات عائد کرتے رہتے ہیں۔ جن کے بیسیوں مرتبہ مدلل و مکمل جوابات دیئے جا چکے ہیں۔ خود ہم بھی اپنے بعض مضامین میں ان کا تفصیلی رد لکھ چکے ہیں۔ یہاں بعض شبہات اور ان کے اجمالی جوابات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

پہلا شبہ اور اس کا جواب

امام العصر کی ولادت ۲۵۵ھ سے لے کر ۱۳۸۸ھ تک ۱۱۳۲ سال ہوتے ہیں۔ اس قدر طویل عرصہ تک کوئی شخص زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس شبہ کا مختصر جواب یہ ہے کہ ایسا اعتراض وہی شخص کر سکتا ہے جو قدرتِ خدا کا منکر ہو۔ ورنہ جو شخص خدا کو علیٰ کل شیٍٔ قدیر جانتا ہے اور یہ بھی اعتقاد رکھتا ہے کہ اس قادر قیوم نے اپنی قدرت کاملہ سے اب تک بعض انبیاء جیسے حضرتِ خضر و ادریس و الیاس اور عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ رکھا ہوا ہے۔ جن کی عمریں امام صاحب العصر سے کئی گنا زیادہ ہیں تو کیا وہی خدائے قادر مطلق اپنی آخری حجت کو اس قدر عرصہ تک زندہ نہیں رکھ سکتا۔ شیخ محمد بن یوسف الکنجی الشافعی نے اپنی کتاب البیان فی اخبار صاحب الزمان میں امام زمان کے زندہ موجود ہونے پر دلائل لکھتے ہوئے لکھا ہے۔

"وانہ لا امتناع فی بقائہ کبقاء عیسیٰ بن مریم والخضر والالیاس من اولیاء اللہ و بقاء الاعور الدجال و الابلیس اللعین من اعداء اللہ تعالیٰ وھؤلاء قد ثبت بقاءھم بالکتاب والسنۃ"۔

"یعنی امام زمان کا اس قدر طویل عرصہ تک زندہ رہنا ممتنع نہیں ہے جیسا کہ دوستانِ خدا میں سے حضرت عیسیٰؑ و خضرؑ و الیاسؑ اور دشمنانِ خدا میں سے اعور دجال اور ابلیس لعین اب تک زندہ ہیں۔ جن کا وجود قرآن و سنت سے ثابت ہے۔ (ارجح المطالب)

سیر و تواریخ بلکہ قرآن مجید سے مستفاد ہوتا ہے۔ کہ جس قدر امام زمانہ کی عمر ہے اتنی یا اس سے زیادہ طویل العمر لوگ اسی دنیا میں گزر چکے ہیں۔ چنانچہ حضرت آدمؑ کی عمر کتبِ سیر میں نو سو تیس برس

اور حضرت شیث کی نو سو بارہ برس عمر لکھی ہے۔ اور حضرت نوحؑ کے متعلق تو خود قرآن میں موجود ہے۔ کہ ساڑھے نو سو برس تک اپنی قوم کو دعوت رشد و ہدایت دی فلبث فیھم الف سنۃ الا خمسین عاما (پ ۲۰ سورہ عنکبوت ع ۱۴) اس سے قبل کتنا عرصہ گزرا اور ہلاکت قوم کے بعد کتنی مدت تک زندہ رہے؟ اس کے متعلق قرآن خاموش ہے۔ مجموعی طور پر اڑھائی ہزار سال کے اقوال ملتے ہیں۔ بنا بر قاعدہ مسلمہ ادل دلیل علی امکان الشیٔ وقوع الشیٔ۔ کسی چیز کے ممکن ہونے کی بڑی دلیل اس کا وقوع پذیر ہونا ہے۔ حضرت حجۃ بن الحسنؑ کی طویل العمری پر اعتراض کرنا بالکل ہی لغو و عبث ہے جب کہ ان کے قبل اسی عالم میں بہت سے طویل العمر لوگ گزر چکے ہیں۔ موجودہ سائنسی دور میں تو بعض ڈاکٹروں نے تحقیق کیا ہے کہ ایک انسان اگر اصولِ حفظانِ صحت کی پابندی کرے۔ تو وہ ہزارہا سال تک زندہ رہ سکتا ہے۔ بنا بریں حقائق اس شبہ کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے!

دوسرا شبہ اور اس کا جواب

ایسے امام غائب کے وجود کا کیا فائدہ ہے۔ جسے نہ ہم دیکھ سکتے ہیں اور نہ ان سے مسائل دریافت کر سکتے ہیں!

اس شبہ کا اجمالی جواب یہ ہے کہ وجود امامؑ کے فائدہ کو فقط مسائل بیان کرنے میں منحصر قرار دینا پستیٔ ذہن کا غماز ہے ورنہ اربابِ بصیرت جانتے ہیں کہ ان کے وجود مسعود کا فائدہ فقط مسائل دینیہ بیان کرنے میں منحصر نہیں ہے ابھی اوپر بیان ہو چکا ہے کہ زمین و زمان کا قیام و دوام وجود حجت و امام سے وابستہ ہے لہٰذا یہی کیا کم فائدہ ہے کہ ان کے طفیل سب کائنات موجود ہے۔ اسی بنا پر محقق طوسیؒ نے تجرید میں لکھا ہے۔ وجود الامام لطف و تصرفہ لطف آخر و عدمہ منا۔ امام کا وجود لطف خداوندی ہے اور ان کا ظاہری تصرف یہ خدا کا دوسرا لطف ہے اور اس تصرف کا نہ ہونا ہماری وجہ سے ہے۔ "خود کردہ را علاجے نیست" علاوہ بریں اربابِ دانش و بینش جانتے ہیں کہ ہدایت یا گمراہی کے لیے ہادی یا مضل کا آنکھوں کے سامنے موجود ہونا ضروری نہیں ہے۔ خداوند عالم غائب رہ کر ہدایت کرتا ہے۔ اور شیطان مخفی رہ کر گمراہ کرتا ہے تو بلا تشبیہ امام زمان مخفی و مستور رہ کر فریضۂ ہدایت کیوں انجام نہیں دے سکتے؟ خود امام العصرؑ سے پوچھا گیا تھا۔ کہ آپ کی غیبت کے زمانہ میں آپ کے وجود مسعود سے لوگ کس طرح استفادہ کریں گے۔؟ امام عالی مقام نے فرمایا تھا: "کالشمس اذا غیبتھا السحاب" جس طرح لوگ آفتاب سے فائدہ حاصل کرتے ہیں جب کہ وہ زیر بادل چلا جائے۔ (احتجاج طبرسی، بحار الانوار ج ۱۳، ینابیع المودۃ وغیرہ)

(ماخوذ از احسن الفوائد تصنیف ایں احقر عفی عنہ)

(آئمہ اہل سنت کے مختصر حالات)

ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر صہ ۹۲ طبع دہلی میں لکھا ہے فالاثنا عشر هم الخلفاء الراشدين الاربعة ومعاوية وابنه يزيد وعبد الملك بن مروان واولاده الاربعة وبينهم عمر بن عبد العزيز۔ اہل سنت کے بارہ امام ہیں۔ ابوبکر، عمر، عثمان، علی، معاویہ، یزید، عبدالملک بن مروان اور اس کے چار بیٹے یزید، سلیمان، ہشام، ولید اور ان کے درمیان میں عمر بن عبدالعزیز (کذا فی تاریخ الخلفاء صہ ۱۱ طبع مصر)

جناب سید سلیمان ندوی نے سیرت النبی ج ۳ صہ ۷۸۲ میں لکھا ہے "قاضی عیاض اس حدیث کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ بارہ خلفاء میں سے بارہ وہ شخص مراد ہیں جن سے اسلام کی خدمت بن آئی، اور وہ متقی تھے۔ حافظ ابن حجر ابوداؤد کے الفاظ کی بناء پر خلفاء راشدین اور بنی امیہ میں سے ان بارہ خلفاء کو گناتے ہیں جن کی خلافت پر تمام امت کا اجماع رہا۔ یعنی حضرت ابوبکر، حضرت عمر حضرت عثمان، حضرت علی، امیر معاویہ، یزید، عبدالملک، ولید، سلیمان، عمر بن عبد العزیز، یزید ثانی ہشام، شیعہ فرقہ تو اس حدیث کی تشریح میں اپنے بارہ اماموں کو پیش کر دے گا" اب ہم ذیل میں ان خلفاء کے مختصر حالات کا وہ مرقع بلاتبصرہ پیش کرتے ہیں، جو خود کتب اہل سنت سے تیار ہوتا ہے۔

(۱) (خلیفہ اوّل)

سواد اعظم کے خلیفہ اوّل بنی تیم کے چشم و چراغ ہیں زمانہ جاہلیت میں انہیں دنیوی اعتبار سے کوئی اہمیت حاصل نہ تھی بلکہ بازاروں میں کپڑے بیچا کرتے تھے۔

ذریعۂ معاش چنانچہ امام ابن جریر طبری اپنی تاریخ الامم والملوک ج ۲ صہ ۲۲۰/۲۲۱ طبع مصر میں لکھتے ہیں۔ كان ابى بكر قبل ان يشتغل بامور المسلمين تاجرا يغدو كل يوم فى السوق يبتاع الثياب وكانت له قطعة غنم تروح عليه وربما خرج هو بنفسه فيها وربما كفيها فرعيت له وكان يحلب للحى اغنامهم۔ ابوبکر خلیفہ

ہونے سے قبل تاجر تھے، ہر روز صبح کو اپنے گاؤں سُنح سے مدینہ کے بازار میں کپڑے بیچنے آتے تھے۔ اور چند بھیڑ بکریاں بھی پال رکھی تھیں، کبھی خود چراتے تھے اور کبھی دوسرا چراتا تھا۔ اور قبیلہ کی بھیڑ بکریوں کا دودھ بھی دوہا کرتے تھے۔

ایمان واسلام کی کیفیت

تفسیر ابن کثیر ج ۵ صفحہ ۲۲۹ میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ الشرک فیکم اخفی من دبیب النمل فقال ابو بکر وھل الشرک الا من دعا مع اللہ الٰھا آخر فقال رسول اللہ الشرک فیکم اخفی من دبیب النمل (کذا فی الدر المنثور ج ۴ صفحہ ۵۴ وکنز العمال ج ۲ صفحہ ۹۷) شرک تمہارے اندر چیونٹی کی رفتار سے بھی زیادہ مخفی طور پر چلتا ہے۔ ابوبکر نے کہا۔ کیا شرک یہ نہیں ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی غیر کو معبود مانا جائے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تم میں شرک چیونٹی کی رفتار سے بھی آہستہ چلتا ہے۔

ازالۃ الخفار مقصد ۲ صفحہ ۹ میں ہے "راہب در تاویل خواب ابوبکر گفت خدا تعالیٰ درمیان شما پیغمبری خواہد برانگیخت وتو در ایام وی وزیر خواہی بود وبعد از وفات خلیفہ؛"

راہب نے ابوبکر کے خواب کی تعبیر میں کہا خدا تعالیٰ تمہارے درمیان ایک پیغمبر پیدا کرے گا تو اس کی حیات میں اس کا وزیر اور اس کی وفات کے بعد خلیفہ ہوگا۔

صواعق محرقہ صفحہ ۴۵ وسیرۃ حلبیہ ج ۱ صفحہ ۲۱۱ میں ہے۔ لقد آمن ابو بکر بالنبی صلعم من بحیرا الراھب حین مرّ بہ۔ ابوبکر زمانہ بحیرا راہب میں آنحضرتؐ پر ایمان لائے تھے، جس میں ان کے برسر اقتدار آنے کی پیش گوئی بھی تھی، جب پیغمبرِ اسلامؐ شہداء احد کے پاس سے گزرے تو فرمایا۔ "ھؤلاء اشھد علیھم" یہ وہ ہیں جن کے ایمان کی میں گواہی دیتا ہوں، ابوبکر صاحب نے کہا یا رسول اللہ! کیا ہم ان کے بھائی نہیں ہیں، کیا ہم اسلام نہیں لائے؟ اور کیا ہم نے جہاد نہیں کیا؟ آنحضرت نے فرمایا۔ بلیٰ ولا ادری ما تحدثون بعدی۔ ہاں مگر کیا معلوم ہے میرے بعد تم کیا بدعات پھیلاؤ گے۔ (موطائے امام مالک صفحہ ۱۷۴ مجتبائی دہلی)

علم وفضل کے کرشمے

علم وفضل کے اعتبار سے ان کو کوئی مقام حاصل نہیں تھا۔ شاہ ولی اللہ دہلوی نے ازالۃ الخفار میں میمون بن مہران سے روایت کی ہے۔ ان اعرابیاً اتی ابا بکر قال قتلت صیداً وانا محرم فما تری علیّ من الجزاء فقال ابو بکر لابی بن کعب وھو جالس عندہ ما تری فیھا فقال الاعرابی اتیتک وانت خلیفۃ رسول اللہ اسئلک وانت تسئل غیرک۔ ایک اعرابی ابوبکر

کے پاس آیا۔ اور کہا کہ میں نے حالتِ احرام میں ایک شکار قتل کیا ہے۔ اس کے لئے میرے اوپر کس قدر کفارہ واجب ہے؟ ابوبکر نے ابی بن کعب سے دریافت کیا جو ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اس میں تیرا کیا خیال ہے؟ اعرابی نے کہا کہ میں تم کو رسولؐ اللہ کا خلیفہ سمجھ کر مسئلہ پوچھنے آیا ہوں اور تم دوسروں سے پوچھ رہے ہو؟

ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر سے کسی آیت کا مفہوم دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا۔ ای ارض تسعنی او ای سماء تظلنی اذا قلت فی کتاب اللہ ما لم یرد اللہ اگر میں کتاب خدا میں کوئی ایسی بات کہہ دوں جو کہ اللہ کی مراد نہ ہو تو مجھ پر کون سا آسمان سایہ کرے گا اور کون سی زمین اٹھائے گی۔

(تفسیر قرطبی ج ۱ صفحہ ۲۹ مقدمہ اصول تفسیر صفحہ ۳۰ ابن تیمیہ حرانی تفسیر کشاف ج ۳ صفحہ ۲۵۳ تفسیر ابن کثیر ج ۱ صفحہ ۵ تفسیر خازن ج ۴ صفحہ ۳۷۴ در منثور ج ۶ صفحہ ۳۱۷ فتح الباری ج ۱۳ صفحہ ۲۳۰) شعبی نے روایت کی ہے کہ جب ان سے کلالہ کے معنی پوچھے گئے تو کہنے لگے۔ انی ساقول فیھا برأیی فان یک صوابا فمن اللہ وان یک خطاء فمنی ومن الشیطان میں اس کے متعلق اپنی رائے سے اپنا قول پیش کروں گا۔ اگر وہ صحیح ہوا تو اللہ کی جانب سے ہو گا اور اگر غلط ہو گا تو میری اور شیطان کی طرف سے

(تفسیر ابن جریر ج ۲۳ صفحہ ۳۰ سنن بیہقی ج ۶ صفحہ ۲۲۳ کنز العمال ج ۶ صفحہ ۲۰ تفسیر ابن کثیر ج ۱ صفحہ ۲۶۰) سیوطی نے تاریخ الخلفاء ج ۱ صفحہ ۶۵ میں روایت کی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت ابوبکر سے سوال کیا ارایت الزنا بالقدر؟ آپ کی کیا رائے ہے اگر کوئی زنا کرتا ہے تو کیا یہ قضا و قدر کی وجہ سے ہوتا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! قال فان اللہ قدرہ علی ثم یعذبنی وہ شخص کہنے لگا جب اللہ نے زنا کو میرے مقدر میں خود لکھ دیا ہے۔ تو مجھ کو عذاب کیوں کرے گا؟ خلیفہ نے جواب دیا نعم یا ابن اللخناء اما واللہ لو ان عندی انسان امرت ان یجاء انفک ہاں اے زانیہ کے بیٹے! اگر میرے پاس کوئی آدمی ہوتا تو میں اس کو حکم دیتا کہ وہ تیری ناک کوٹ دے؟

تہذیب و اخلاق کے بعض نادر نمونے!

ایک بار خلیفہ صاحب نے کسی معاملہ میں قسم کھاتے ہوئے فرمایا۔ والذی لا الہ الا ہو لو جرت الکلاب بارجل ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ماردت جیشا (تاریخ الخلفاء صفحہ ۵۰ طبع مصر) "اگر ازواج نبیؐ کی ٹانگیں بھی کتے کھینچ کر لے جائیں تو تب بھی میں لشکر کو واپس نہیں کروں گا"

(۲) ابوبکر صدیق نے جو اس مجلس میں حاضر تھے یہ بات سُن کر عروہ کی تغلیظ کی یعنی گالی دی اور انہیں پنجابی اس کے تیئں اور اس کے بتوں کے تیئں اور یہ گالی جو متعارف عوام عرب کے تھی دی۔ امصص بنظر اللات امصص صیغہ امر ہے۔ باب مص یمص سے مصدر اس کا مص بمعنی مکیدن دودھ پینا، چوسنا اور لبظر اسے کہتے ہیں جو بچہ پیدا عورت کے ختنہ کرنے کے بعد فرج میں باقی رہتا ہے (مدارج النبوۃ اردو ترجمہ مدارج النبوۃ ج ۲ صفحہ ۲۲۳ طبع نولکشور لکھنؤ) لغات الحدیث عربی اردو مؤلفہ علامہ وحید الزمان ج ۱ ص ۵ طبع کراچی میں لکھا ہے "امصص بظر اللات (یہ ابوبکر صدیق نے عروہ بن مسعود ثقفی سے کہا) جالات کا ٹمنہ چوس (اس کو بوسہ دے اس کو لوچ)"۔ واہ رے اخلاقِ خلافت مآب۔

ع
کافر بھی شرما جائے ہے اس سے

شیطانی تسلط و غلبہ مسندِ اقتدار پر متمکن ہونے کے بعد خلیفہ صاحب نے جو پہلا خطبہ دیا اس میں فرمایا، ان لی شیطانا یعترینی فاذا اصعقت فسددونی۔ میرا ایک شیطان ہے جو بعض اوقات مجھ پر غالب آجاتا ہے لہٰذا جب میں راہِ راست سے بھٹک جاؤں تو مجھے سیدھا کر دینا (الامامۃ والسیاسۃ ص ۱۳ طبع مصر) اہلِ عقل و دانش کے لئے لمحۂ فکریہ ہے۔ ؎

آں خویشتن گم است کرا رہبری کند؟

(۲) خلیفۂ دوم

سوادِ اعظم کے نزدیک آنحضرت صلعم کے دوسرے خلیفہ بنی عدی کے چشم و چراغ ہیں۔

ذریعۂ معاش زمانۂ جاہلیت میں آپ وادیِ ضجنان میں بعض قبائل عرب کے اونٹ چرایا کرتے تھے (لسان العرب ج ۱ ص ۱۱۲ تاج العروس ج ۹ ص ۲۶۲ طبری ج ۴ ص ۲۹ تاریخ ابی الفداء ج ۱ ص ۱۶۵) اور لبا اوقات اپنے باپ خطاب کے ہمراہ ایندھن اکٹھا کر کے فروخت کرتے تھے اور اسی پر گزر اوقات تھی۔ (العقد الفرید ج ۱ ص ۱۹ فائق زمخشری ص ۲۸)

علمی قابلیت کے نادر نمونے علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں آپ کا کوئی ایسا کارنامہ نہیں ملتا جو قابلِ ذکر ہو۔ اس سلسلہ میں محققین اہلِ سنت کی تصریحات موجود ہیں جن میں سے بطور نمونہ مشتے از خروارے چند چیزیں نقل کی جاتی ہیں۔

مسند امام احمد ج ۴ ص ۳۱۹ سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۵۳ سنن نسائی ج ۱ ص ۶۰ میں مروی ہے۔ اتاہ

رجل فقال یا امیر المومنین انا نمکث الشھر او شھرین و لا نجد الماء؟ فقال عمر اما انا فلم اکن لاصلی حتیٰ اجد الماء ایک شخص نے آپ سے دریافت کیا کہ امیر المومنین! ہم صحرائے عرب میں بعض اوقات ایک ایک دو دو مہینے تک غسل کے لئے پانی نہیں پاتے ہمارے لئے کیا حکم ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں تو ایسی حالت میں اس وقت تک نماز نہیں پڑھتا جب تک کہ پانی نہ مل جائے۔ حالانکہ سورہ مائدہ آیت نمبر ۶ میں ایسی حالت کے لئے واضح طور پر تیمم کا حکم موجود ہے۔

(۲) انس بن مالک سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت عمر سے آیت مبارکہ فانبتنا فیھا حباً و عنباً و قضباً و زیتونا و نخلاً و حدائق غلباً و فاکھۃ و ابا میں "ابا" کے معنی پوچھے تو آپ نے جواب دیا۔ ھذا لعمر اللہ التکلف فخذوا ایھا الناس ما بین لکم فاعملوا بہ و مالم تعرفوا فکلوا الی ربہ بخدا ایسے سوالات کرنا تکلف ہے اے لوگو! جو کچھ تمہارے لئے واضح کر دیا گیا ہے، اس پر عمل کرو اور جس کو تم نہیں جانتے اسے اپنے رب کے سپرد کر دو۔ (تفسیر ابن جریر ج ۳۰ ص ۳۸ مستدرک حاکم ج ۲ ص ۵۱۴ نہایہ ابن اثیر ج ۱ ص ۱۰ تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۴۷۳ تفسیر خازن ج ۴ ص ۳۷۴ درمنثور سیوطی ج ۶ ص ۳۱۷)

(۳) مسروق سے روایت ہے کہ میں نے عمر بن خطاب سے کلالۃ کے معنی پوچھے تو انہوں نے کہا واللہ لان اعلمھا احب الی من ان یکون لی ما علی الارض من شیئ بخدا اگر میں اس کو جانتا ہوتا، تو یہ میرے لئے اس بات سے زیادہ عزیز تھا کہ تمام روئے زمین کی اشیاء مجھ کو مل جاتیں۔ (کنز العمال ج ۶ ص ۲۰ تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۲۵۱)

(۴) آپ نے احادیث کی نقل اور روایت کا سلسلہ بند کر دیا تھا۔ اور ابو ہریرہ سے کہا "لتترکن الحدیث عن رسول اللہ او لالحقنک بارض دوس" احادیث رسولؐ کا بیان کرنا چھوڑ دو ورنہ میں تم کو قبیلۂ دوس کی زمین کی طرف بھیج دوں گا جو ابو ہریرہ کا اصلی وطن تھا اور وہیں ان کی قوم آباد تھی۔ (کنز العمال ج ۵ ص ۲۳۹)

ایک روایت میں ہے کہ ان عمر حبس ابن مسعود و ابالدرداء و ابا مسعود الانصاری فقال قد اکثرتم الحدیث حبسھم بالمدینۃ۔ ایک مرتبہ عمر نے ابن مسعود، ابو درداء اور ابو مسعود انصاری کو مدینہ میں قید کر دیا اور کہا تم آنحضرتؐ کی احادیث کو زیادہ بیان کیا کرتے ہو۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۷ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۴۹)

تفسیر قرطبی ج ۱ ص ۴۰ میں عبداللہ بن عمر سے مروی ہے۔ تعلم عمر سورۃ البقرۃ

فی اثنتی عشرۃ سنۃ فلما ختمها نحر جزوراً حضرت عمر نے ۱۲ سال میں سورہ بقرہ پڑھی۔ اور جب اس کو ختم کیا، تو خوشی میں، اونٹ کا بچہ ذبح کیا۔ عمرو بن میمون سے روایت ہے کہ فتح مدائن کے بعد ایک شخص عمر کے پاس آیا۔ اور کہا لما فتحنا المدائن اصبت کتبا فیہا کلام معجب۔ جب ہم نے مدائن فتح کیا تو مجھ کو چند کتابیں ملی ہیں جن میں بڑا تعجب خیز کلام ہے عمر نے کہا امن کتاب اللہ کیا وہ قرآن میں سے ہے۔ قال لا۔ اس نے کہا نہیں فدعی بالدرۃ فجعل یضربہ پس عمر نے تازیانہ منگا کر اس کو مارنا شروع کر دیا۔ تاریخ عمر صفحہ ۱۰۷ کنز العمال ج ۱ صفحہ ۹۵) واہ رے۔ قدر دانی علم؟

اخلاق وعادات

آپ کی درشت خوئی اور غلظت طبعی ضرب المثل کا درجہ رکھتی ہے آپ نہایت ہی درشت خو تیز طبع اور غصہ ور آدمی تھے (ملل ونحل شہرستانی ج ۱ صفحہ ۱۸ طبع جدید مصری)

ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک عورت کا انتقال ہوگیا۔ فبکت النساء فجعل عمر یضربھن بسوط۔ فاخذ رسول اللہ یدہ وقال مھلاً یا عمر دعھن یبکین (مسند احمد ج ۱ صفحہ ۲۳۷ مستدرک ج ۳ صفحہ ۱۹۱) تو عورتیں رونے لگیں۔ عمر نے تازیانہ لے کر ان کو مارنا شروع کر دیا۔ آنحضرتؐ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا اے عمر! چھوڑو ان کو رونے دو"

امام شوکانی نے نیل الاوطار ج ۸ صفحہ ۲۶۹ میں غناء کے بیان میں لکھا ہے وقد روی الغناء وسماعہ عن جماعۃ من الصحابۃ والتابعین فمن الصحابۃ عمر گانا بجانا اور اس کا سماع صحابہ وتابعین کی ایک جماعت سے منقول ہے۔ صحابہ میں سے حضرت عمر ہیں۔

کنز العمال ج ۷ صفحہ ۳۳۵ میں ہے ان عمر کان فی مسیر فتغنی وقال ھلا زجرتمونی عن ذا اللغو۔ ایک دفعہ حضرت عمر نے راستہ میں گانا شروع کر دیا۔ (اور ساتھیوں سے) کہا جب میں فضول اور لغو گانا گاتا ہوں تو تم مجھ کو ٹوکتے کیوں نہیں ہو؟ آپ کے ہاتھ میں ہر وقت تازیانہ ہوا کرتا تھا اور بہت کم صحابہ آپ کے تازیانہ کی ضرب سے محفوظ رہتے اور آپ کہا کرتے تھے۔ اصبحت اضرب الناس لیس فوقی احد الا رب العالمین (الخلفاء ج ۱ صفحہ ۱۱۳ صفحہ ۲۳۹ الفجار تاریخ خضری ج ۲ صفحہ ۱۵) میں نے لوگوں کو مارنا شروع کر دیا ہے اور سوائے رب العالمین کے کوئی مجھ پر حاکم نہیں بنتے؟

شک فی النبوۃ

واقعۂ صلح حدیبیہ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اہل مکہ سے صلح کی تو حضرت عمر بہت ناراض ہوئے اور آنحضرتؐ سے آکر پوچھا السنا علی الحق وعدونا علی الباطل قال بلی فقال فلم نعطی الدنیۃ فی دیننا قال انی رسول اللہ ولست اعصیہ وھو ناصری کیا آپ نبی برحق نہیں ہیں، اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں میں سچا نبی ہوں تو عمر نے کہا پھر ہم دین میں اتنی کمزوری کیوں دکھا رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا میں اللہ کا نبی ہوں اور میں اس کی نافرمانی نہیں کر سکتا، وہی میرا مددگار ہے اس کے بعد وہ کہا کرتے تھے واللہ ماشککت منذ اسلمت الا یومئذ جب سے اسلام لایا ہوں۔ میں نے کبھی شک نہیں کیا، مگر حدیبیہ کے دن (سیرت حلبیہ ج ۲ ص ۲۷ درمنثور ج ۶ ص ۷۷ تاریخ احمدی ص ۵۶ الفاروق ص ۳۸ طبع لاہور۔

اولیاتِ عمر

سیوطی نے تاریخ الخلفاء ص ۱۳۶، ۱۳۷ طبع مصر میں لکھا ہے۔

(۱) سب سے پہلے انہوں نے لقب امیرالمومنین اختیار کیا۔

(۲) وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ماہِ رمضان کی تراویح کو رواج دیا۔

(۳) یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے متعہ کو حرام قرار دیا۔

(۴) یہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے کنیزیں فروخت کرنے سے منع کیا۔

(۵) یہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے لوگوں کو نماز جنازہ کی چار تکبیریں پڑھنے پر آمادہ کیا۔

(۶) یہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے مواریث میں عول کا مسئلہ ایجاد کیا۔

(۷) یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے گھوڑوں پر زکوٰۃ عائد کی۔

شبلی نعمانی نے الفاروق ص ۲۹۰ طبع لاہور میں ذیل اولیات کا بھی اضافہ کیا ہے۔

(۸) پولیس کا محکمہ قائم کیا۔

(۹) فجر کی اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم کا اضافہ کیا۔

(۱۰) تین طلاقوں کو جو ایک ساتھ دی جائیں طلاق بائن قرار دیا۔

تلک عشرۃ کاملۃ

(۳) خلیفہ سوم

اسلام وایمان خصائص کبریٰ سیوطی ج اص ۱۳۱ پر لکھا ہے کہ حضرت عثمان عورتوں کے بڑے شائق تھے چنانچہ وہ ایک مسلمان عورت کے ساتھ عقد کرنے کے شوق میں اسلام لائے۔ حضرت عائشہ ان کو نعثل یہودی کے ساتھ تشبیہہ دیتے ہوئے کہا کرتی تھیں۔ اقتلوا نعثلاً فقد فجر۔ اس نعثل کو قتل کر دو کہ وہ فاجر ہو گیا ہے۔ (الامامۃ والسیاسۃ ج ۹ ص ۵۲)

روضۃ الاحباب ج ۲ ص ۱۲ پر "فجر" کی بجائے "کفر" موجود ہے۔ جناب ابوذرؓ کو کلمۂ حق کہنے کی پاداش میں جلاوطن کر دیا۔ اور جناب عمار بن یاسر کو اس قدر پٹیا اور پٹوایا کہ وہ بے ہوش ہو گئے اور ان کو فتق کا عارضہ لاحق ہو گیا۔ (مروج الذہب برحاشیہ کامل ج ۵ ص ۱۵۹) حتیٰ کہ اصحاب نے ان کے غلط کارناموں کی وجہ سے ان کو قتل کر دیا۔

مداخلت فی الدین آنحضرت اور جناب ابوبکر وعمر مقام منیٰ میں ہمیشہ نماز قصر ادا کرتے تھے مگر عثمان نے اپنے دور میں پوری پڑھنا اور پڑھانا شروع کر دی۔ ابن حزم نے کتاب محلیٰ ج ۴ ص ۲۱ میں روایت کی ہے اعتل عثمان وھو بمنیٰ فاتی علی فقیل لہ صل بالناس فقال ان شئتم صلیت لکم صلوٰۃ رسول اللہ بمنی رکعتین قالوا لا الا صلاۃ امیر المومنین یعنون عثمان اربعاً فابیٰ۔ ایک دفعہ عثمان مقام منیٰ میں بیمار ہو گئے۔ تو علی علیہ السلام آئے لوگوں نے کہا آپ جماعت کرائیں، آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں تم کو آنحضرت والی نماز پڑھاؤں گا۔ لوگوں نے کہا نہیں امیر المومنین عثمان والی چار رکعت نماز پڑھائیں آپ نے انکار کر دیا۔ طبری نے روایت کی ہے کہ عثمان کے اس فعل پر حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام نے اعتراض کیا اور کہا واللہ ما حدث امر ولا قدم عھد ولا عھدت بذلک یصلی رکعتین ثم ابابکر ثم عمر وانت صدراً من ولایتک فما ادری ما یرجع الیہ فقال رائی رائیتہ۔ نہ کوئی امر حادث ہوا ہے اور نہ زیادہ وقت گزرا ہے کیا تو نے نہیں دیکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں دو رکعت ہی پڑھی۔ پھر ابوبکر وعمر نے بھی دو رکعت ہی پڑھی۔ اور تم نے بھی اپنے ابتدائی دور خلافت میں دو رکعت ہی پڑھی۔ پھر چار رکعت پڑھنا شروع کر دیں۔ نہ معلوم تیرے اس فتویٰ کا مدرک کیا ہے۔؟ عثمان نے کہا بس یہ میری ذاتی رائے ہے!

حالانکہ سفر میں قصرِ نماز پڑھنے کے متعلق قرآن کی نص صریح موجود ہے اور ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے اور اسی پر عمل ہے مگر خلیفہ نے محض اپنی ذاتی رائے وقیاس سے شرعِ نبویؐ میں ترمیم کردی جس کے لئے ان کے پاس کوئی دلیل نہ تھی۔

عمل وکردار

بلاذری نے انساب الاشراف ج ۵ ص ۳۲ میں لکھا ہے۔ کہ عثمان کے حاکم ولید بن عقبہ نے شراب پی کر لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی اور لوگوں نے آکر عثمان کے پاس شکایت کی تو انہوں نے ان کو ڈانٹا اور دھمکی دی۔ مگر ولید کو اس کے فعلِ بد کی کوئی سزا نہ دی تو عائشہ نے کہا۔ ان عثمان ابطل الحدود و توعد الشہود عثمان نے حدودِ شرعیہ کو باطل کردیا ہے اور گواہوں کو دھمکیاں دیتا ہے۔

کنبہ پروری

مورخ ابوالفداء نے اپنی تاریخ جلد ۱ ص ۱۶۸ میں لکھا ہے مما نقم الناس علی عثمان ہبتہ فدک لمروان وھی صدقتہ رسول اللہ لوگوں نے عثمان پر یہ بھی اعتراض کیا کہ اس نے فدک مروان بن حکم کو دے دیا۔ جو کہ آنحضرتؐ کا صدقہ تھا۔ مگر افسوس جناب سیدہؑ کو نہ مل سکا۔ اور اسی وجہ سے ان لوگوں پر ناراض ہو کر وفات پا گئیں۔ ابن قتیبہ نے المعارف ص ۸۴ اور یافعی نے مرآۃ الجنان ج ۱ ص ۸۵ میں لکھا ہے۔ انہ آوی طرید رسول اللہ و لم یوہ ابوبکر و عمر و اعطاہ الفا۔ عثمان نے آنحضرتؐ کے راندۂ بارگاہ حکم بن عاص کو پناہ دی جس کو ابوبکر و عمر نے بھی پناہ نہ دی تھی اور ہزار درہم یا دینار بھی عطا کئے۔

علم و فضل

ان کا علمی مقام ان کے صاحبین سے بھی گیا گزرا تھا۔ جس کی وجہ سے اکثر غلط فیصلے صادر کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ازالۃ الخفا ج ۲ ص ۲۳۱ پر لکھا ہے۔ کہ ایک عورت نے شادی کے چھٹے ماہ بعد بچہ جنا۔ عثمان نے اس کے سنگسار کرنے کا حکم دے دیا۔ حضرت امیر علیہ السلام نے ان کو ٹوکا۔ اور آیتِ مبارکہ حملہ و فصالہ ثلاثون شہرا پڑھ کر ثابت کیا کہ اقل مدتِ حمل چھ ماہ ہے۔ عثمان نے حکم واپس لے لیا مگر اس وقت پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا۔ یعنی وہ عورت سنگسار ہو چکی تھی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

کتاب ظفر مبین ص ۴۵ میں ہے کہ حضرت عمر و عثمان کو مسئلہ تمتع معلوم نہ تھا۔ کہ جس عورت کا شوہر مرجائے اسے اس کے گھر میں عدت گزارنی چاہیئے اور استیعاب بر حاشیہ اصابہ ج ۳ ص ۳۹ بذیل ترجمہ علیؑ لکھا ہے کہ حضرت عثمان کہا کرتے تھے۔ لولا ابن عباس لہلک عثمان اگر ابن عباس نہ ہوتے تو عثمان ہلاک ہو جاتے۔ حالانکہ ابن عباس حضرت امیر علیہ السلام کے ادنیٰ شاگرد ہیں۔

مگر بایں ہمہ برادرانِ اسلام عثمان کو حضرت علیؑ سے بھی بلند مقام دیتے ہیں ۔

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

(۴) حضرت علیؑ بن ابیطالبؑ

سوادِ اعظم کے گمان کے مطابق آنحضرتؐ کے چوتھے خلیفۂ راشد امیر المومنین علی علیہ السّلام ہیں۔ چونکہ ان کے حالات گرامی ائمہ اہل بیتؑ میں لکھے جا چکے ہیں۔ اس لئے یہاں تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔

معاویہ ابن ابوسفیان

یہ مسلمانوں کے پانچویں خلیفہ ہیں خاندانِ بنی امیہ کے مہر و ماہ ہیں۔ حضرت عمر نے اپنے اقتدار کے زمانہ میں ان کو شام کا گورنر بنایا تھا۔ پھر حضرت عثمان نے ان کو اپنے دورِ اقتدار میں اس عہدہ پر بحال رکھا۔ جب حضرت امیر علیہ السلام کو ظاہری خلافت ملی تو آنجنابؑ نے اس کی شرعی نا اہلی کی بناء پر اس کی معزولی کے احکام صادر فرمائے مگر معاویہ نے حکم معطل کرتے ہوئے عَلَم بغاوت بلند کر دیا اور پھر جو کچھ ہوا وہ عیاں راچہ بیان کا مصداق ہے۔

عادات و مہلکات حسن بصری کہا کرتے تھے کہ معاویہ میں چار خصلتیں ایسی تھیں کہ اگر ان میں سے اس کے اندر کوئی ایک بھی ہوتی تو وہ اس کی ابدی ہلاکت کے لئے کافی تھی۔ (۱) اس نے اُمتِ محمدیہ پر تلوار کھینچی تاکہ افاضل صحابہ کی موجودگی میں بلا مشورہ خلافت پر قابض ہو جائے (۲) اپنے شراب نوش بیٹے کو خلیفہ بنایا جو کہ ریشمی لباس پہنتا تھا۔ اور سارنگی و طنبور بجاتا تھا۔ (۳) زیاد کو اپنا بھائی بنایا۔ حالانکہ آنحضرتؐ کا فرمان ہے کہ لڑکا صاحبِ فراش کا ہوتا ہے۔ اور زانی کے لئے پتھر ہے

(۴) اس نے حجر بن عدی اور اس کے اصحاب کو شہید کرایا جن کا خون معاویہ کی گردن میں زبردست وبال ہے۔ (ابن عساکر ج ۲ ص ۳۸۱ وغیرہ)

طبری نے اپنی تاریخ ج ۶ ص ۶۰ میں لکھا ہے۔ کہ جب عائشہ کو محمد بن ابی بکر کے قتل کی خبر ملی تو وہ سیرزال ہر نماز کے بعد معاویہ اور عمرو بن عاص پر بددعا کرتی تھیں۔

ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ ج ۲ صفحہ ۱۷۶ میں لکھا ہے اما معاویۃ فکان فاسقاً مشہوراً لقلۃ الدین والانحراف عن الاسلام معاویہ قلت دین اور اسلام سے انحراف کی وجہ سے فاسق تھا۔ ابن شحنہ حنفی نے روضۃ المناظر سنہ ۱۳۲ بحاشیہ کامل ج ۱۱ میں کہا ہے۔ معاویہ اور اس کے عمال علانیہ طور پر علی علیہ السلام پر سب و شتم کرتے تھے آٹھ (۸) صحابہ کرام نے سب علی کا معارضہ کیا تو معاویہ نے سب کو مقام برج عذراء میں قتل کرا دیا۔ امام شافعی کا قول ہے ان اربعۃ من الصحابۃ لا تقبل لھم شہادۃ معاویۃ وعمرو بن العاص ومغیرہ وزیاد۔ چار صحابہ کی گواہی قابلِ قبول نہیں معاویہ عمر ابن عاص، مغیرہ اور زیاد۔

امام حسن کو ان کی زوجہ جعدہ بنت اشعث کے ذریعے زہر دلایا (نصائح کافیہ صفحہ ۶، شواہد النبوۃ سنہ ۱۵۳ روضۃ الصفا ج ۳ ص ۵ وغیرہ) اور جب امام حسن علیہ السلام کی شہادت کی اس کو خبر ملی تو اس نے مسرت و شادمانی کا اظہار کیا (تاریخ ابو الفداء صفحہ ۲۲۵ روضۃ الصفا ج ۳ ص ۶ انوار اللغۃ پ ۵ ص ۸۹ وغیرہ)

اسلام و ایمان

تاریخ طبری ج ۱۱ ص ۳۵۷ میں ہے کہ آنحضرت نے ایک مرتبہ فرمایا۔ یطلع من ھذا الفج رجل من امتی یحشر علی غیر ملتی فطلع معاویۃ اس گھاٹی سے میری امت کا ایک ایسا مرد نمودار ہوگا۔ جو کہ بروز قیامت میرے دین کے علاوہ کسی دوسرے دین پر محشور ہوگا پس اچانک معاویہ برآمد ہوا۔

تاریخ طبری صفحہ ۳۵۷ اور کتاب صفین صفحہ ۱۲۲ میں آنحضرت سے مروی ہے۔ ان معاویۃ فی تابوت فی النار اسفل درک منھا ینادی یا حنان یا منان الآن وقد عصیت قبل وکنت من المفسدین معاویہ جہنم کے نچلے طبقے میں آگ کے ایک تابوت میں ہوگا۔ اور آواز دے گا اے خدائے مہربان و رحمان مجھے بخش دے۔ آواز قدرت آئے گی اب توبہ کر رہا ہے۔ حالانکہ پہلے تو نے نافرمانی کی اور تو مفسدین میں سے تھا۔

تاریخ خطیب ج ۱۲ ص ۱۸۱ طبع بیروت کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق ص ۶ طبع مصر میں عبد اللہ بن ابو سعید خدری وغیرہ سے مروی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا۔ اذا رایتم معاویۃ علی منبری فاقتلوہ جب تم معاویہ کو میرے منبر پر دیکھو تو اسے قتل کر دو۔ حضرت امیر علیہ السلام معاویہ کے نام مرسلہ ایک خط میں اسے لکھتے ہیں۔ ودخلت انت فی الاسلام کرھاً وخرجت منہ طوعاً اے معاویہ! تو اسلام میں داخل تو بحالت مجبوری ہوا تھا۔ مگر اس سے نکل کر بحالت اختیاری ہی گیا! (نہج البلاغہ ص ـ طبع مصر) آپ کے اس فرمان واجب الاذعان سے واضح و عیاں ہو جاتا ہے کہ آپ

معاویہ کو مسلمان نہیں جانتے تھے۔ ظاہر ہے کہ الحق مع علی وعلی مع الحق۔

؎ صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے

عمل و کردار

مسند احمد ج ۵ ص۳۴۷ میں عبداللہ بن بریدہ سے مروی ہے۔ دخلت انا وابی علی معاویۃ، فاجلسنا علی الفرش ثم اوتینا بالطعام فاکلنا ثم اتینا بالشراب فشرب معاویۃ ثم ناول ابی فقال ماشربتہ منذ حرمہ رسول اللہ۔ میں اور میرا باپ ایک دفعہ معاویہ کے پاس گئے تو اس نے ہم کو فرش پر بٹھایا پھر ہمارے پاس کھانا لایا گیا، اور ہم نے کھایا پھر شراب لائی گئی تو معاویہ نے پی لی، اور پھر میرے باپ کو دی تو اس نے کہا کہ جب سے آنحضرتؐ نے اس کو حرام کیا ہے میں نے کبھی نہیں پی!

ابن عساکر نے محمد بن کعب قرظی سے روایت کی ہے۔ غزا عبدالرحمان بن سہل الانصاری فی زمن عثمان و معاویۃ امیر علی الشام فمرت بہ روایا خمر لمعاویۃ فقام الیھا برمحہ فبقر کل راویۃ منھا الخ الاصابہ ج ۲ ص۴۰۱ اسد الغابہ ج ۳ ص۲۹۹ عبدالرحمان بن سہل عثمان کے زمانہ میں ایک جنگ میں گیا جب کہ معاویہ امیر شام تھا، پس عبدالرحمٰن کے پاس سے شراب کی مشکیں گزریں جو معاویہ کے لئے شام لے جائی جا رہی تھیں یہ اٹھا اور اس نے نیزہ سے ہر ایک کو پھاڑ دیا۔

نصب الرایۃ ج ۴ ص۲۹۸ میں آنحضرتؐ سے مروی ہے شارب الخمر کعابد وثن شراب پینے والا والا بت پرست کی مانند ہے۔

ثلاثۃ حرم اللہ علیھم الجنۃ۔ مدمن الخمر والعاق والدیوث (الترغیب ج ۴ ص۱۰۲) تین شخصوں پر جنت حرام ہے شراب نوش، عاق اور بے غیرت۔

ابو ایوب انصاری فرماتے ہیں ان معاویۃ کھف المنافقین معاویہ منافقین کی آماج گاہ و جائے پناہ ہے شرح ابن ابی حدید ج ۲ ص۲۸۱ ایک مقام پر امیر المومنینؑ فرماتے ہیں۔ ان معاویۃ کالشیطان الرجیم یاتی المؤمن من بین یدیہ ومن خلفہ وعن یمینہ وعن شمالہ فاحذروہ ثم فاحذروہ۔ شرح ابن ابی حدید ج ۴ ص۶۸ معاویہ راندہ درگاہ شیطان کی طرح ہے جو انسان کے لئے دائیں بائیں آگے پیچھے سے آ جاتا ہے اس سے ڈرو، ڈرو، ڈرو۔

فضائل معاویہ کی احادیث

تمام حفاظ حدیث اور نقاد فن کا اس امر پر اتفاق ہے کہ معاویہ بن ابی سفیان کی فضیلت کے متعلق آنحضرتؐ کی ایک صحیح السند حدیث بھی موجود نہیں ہے۔ معاویہ پرست جس قدر روایات اس کی شان میں بیان کرتے ہیں وہ تمام

محققین اہل سنت کے نزدیک موضوع و مجعول ہیں۔ ہزاروں حدیثیں معاویہ کے فضائل میں وضع کی گئیں چنانچہ اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے حافظ ابن تیمیہ حرانی لکھتے ہیں "وطائفة وضعوا لمعاوية فضائل ورووا احاديث عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم في ذالك كلها كذب" "ایک گروہ نے معاویہ کے لئے فضائل وضع کئے اور پھر اس سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بکثرت حدیثیں روایت کیں جو سب کی سب جھوٹی ہیں" (منہاج السنۃ جلد ۲ صفحہ ۲۰۷ طبع بولاق مصر) شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بڑے واضح الفاظ میں محدثین اہل سنت کا نقطہ نظر بیان کیا ہے "گفتہ اند محدثین کہ ثابت نشدہ است در فضل معاویہ حدیثے" محدثین نے کہا ہے کہ معاویہ کی فضیلت میں کوئی ایک حدیث بھی صحیح ثابت نہیں ہے (مدارج النبوۃ ج ۲ صفحہ ۵۴۹ طبع نول کشور، اشعۃ اللمعات جلد ۴ صفحہ ۶۹۱ طبع لکھنؤ) اسی طرح امام محدث حاکم نیشاپوری کا ارشاد ہے "لا یصح فی فضل معاویہ حدیث" معاویہ کی فضیلت میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں ہے (النصائح الکافیہ صفحہ ۱۶۲ طبع بمبئی) اور علامہ الحفاظ محمد بن علی شوکانی اپنی کتاب الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ صفحہ ۴۰۳ طبع محمدی لاہور میں تصریح فرماتے ہیں "لا یصح فی فضل معاویہ حدیث" کہ معاویہ کی فضیلت میں ایک حدیث بھی صحیح موجود نہیں
کذا فی سفر السعادۃ للفیروز آبادی ص ۱۴۳، طبع حلب منہاج السنۃ جلد ۳ ص ۱۱ طبع مصر
اللآلی المصنوعۃ للسیوطی ج ۱، ص ۴۲۳ طبع مصر۔"

[illegible] سے منزا یہ سنا ہے۔ لم یصح فی فضل معاویۃ حدیث الا ما اشبع اللہ بطنہ یعنی سوائے حدیث لا اشبع اللہ بطنہ (خدا اس کا پیٹ نہ بھرے) کے اور کوئی حدیث صحیح فضیلت معاویہ میں وارد نہیں ہے۔ اس حدیث کا شان ورود یہ ہے۔ کہ ایک بار آنحضرتؐ نے معاویہ کو بلانے کے لیے کوئی آدمی بھیجا۔ معاویہ کھانا کھانے میں مشغول تھا۔ کہا کھانا کھا کر آتا ہوں، جب کافی دیر ہو گئی اور وہ نہ پہنچا تو آنحضورؐ نے دوبارہ آدمی بھیجا۔ ادھر سے وہی جواب ملا کھانا کھا کر حاضر ہوتا ہوں۔ حتیٰ کہ سہ بارہ یہی سوال و جواب ہوا۔ اس وقت آنحضرتؐ نے بددعا کے طور پر فرمایا لا اشبع اللہ بطنہ۔ خدا اس کے پیٹ کو نہ بھرے۔ (بستان المحدثین از شاہ عبدالعزیز ص ۱۸۹)۔

آنحضرتؐ کی دعائے بد کا اثر

آنحضرتؐ کی اس بددعا کا کیا اثر ہوا، وہ علامہ وحید الزمان کے بیان کے مطابق خود معاویہ کی زبانی سنیئے۔

"کہتے ہیں ان کے دسترخوان پر سو طرح کے کھانے رکھے جاتے تھے اور وہ کھاتے کھاتے آخر میں تھکتے پیٹ تو بھرا نہیں لیکن منہ تھک گیا۔ یہ اثر تھا اس دعا کا جو آنحضرتؐ نے ان کو دی تھی۔ لا اشبع اللہ بطنہ اس کا پیٹ نہ بھرے" (انوار اللغۃ پ ۲ ص ۲۸ طبع بنگلور)

ھذی المناقب لا قعبان من لبن ۔۔۔ شیبا بماء فصارا بعد ابوالا

انہی فضائل و مناقب کے بل بوتے پر اہل جماعت ان کو برادر سید المرسلین، یعسوب الدین، امام المتقین، ابو الائمۃ الطاہرینؑ باب مدینۂ علم نبی حضرت علیؑ کے بالمقابل پیش کر کے افضلیت کی بحث میں پڑتے ہیں کہ علیؑ افضل تھے یا معاویہ؟ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسی بنا پر تو حضرت امیر علیہ السلام مسلمانوں کی روش و رفتار کا شکوہ و شکایت کرتے ہوئے

فرمایا کرتے تھے۔ انزلنی الدھر ثم انزلنی حتی قیل علی و معاویۃ۔ مجھے اس قدر گرانے کی کوشش کی گئی کہ میرا تقابل معاویہ کے ساتھ ہونے لگا"

جناب امیرؑ کا حلفیہ بیان جناب امیر علیہ السلام فرمایا کرتے تھے "قسم خدا کی میری محبت اور معاویہ کی محبت دونوں مومن کے دل میں جمع نہ ہوں گی"

(انوار النعمانیہ ج ۱ ص ۱۲۵)

(۶) یزید بن معاویہ

یہ شخص ہماری اسلامی برادری کا چھٹا خلیفہ ہے جیسا کہ ابھی اوپر اس کے متعلق حوالہ جات پیش کئے جا چکے ہیں۔ یزید کا فسق و فجور بلکہ کفر و شرک کچھ ڈھکا چھپا نہیں ہے کہ اس کی وضاحت کی ضرورت ہو۔ ہم نے اپنی زیر تالیف کتاب سعادۃ الدارین فی مقتل الحسین[1] میں قدرے تفصیل سے اس کے اقوال قبیحہ و افعال شنیعہ پر تبصرہ کر دیا ہے۔ یہاں صرف اس کے بعض اعمال موبقہ کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قطع نظر اس کے دیگر اعمال ناشائستہ کے قتل حسینؑ کا ارتکاب ہی اس کی ابدی ہلاکت و تباہی کے لئے کافی ہے اسی بنا پر علامہ تفتازانی نے شرح العقائد النسفیہ ص ۱۱۱ طبع دہلی میں صاف صاف لکھ دیا ہے۔ والحق ان رضا یزید بقتل الحسینؑ واستبشارہ بذٰلک واھانتہ اھل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم مما تواتر معناہ وان کان تفاصیلہ احادا فنحن لا نتوقف فی شانہ بل فی ایمانہ لعنۃ اللہ علیہ وعلی انصارہ واعوانہ۔ "حق یہ ہے کہ حضرت امام حسینؑ کے قتل پر راضی اور خوش ہونا اور اس کا اہلبیت نبوت کی اہانت کرنے پر تواتر معنوی ہے اگرچہ اس کی تفصیلات بطریق احاد ہیں۔ ہمیں اس کے بے ایمان ہونے میں کوئی شک نہیں ہے خدا اس پر اور اس کے انصار و اعوان پر لعنت کرے"

یزید کا کردار عبداللہ بن حنظلہ صحابی کہتا ہے واللہ ما خرجنا علی یزید حتی خفنا ان نرمی بالحجارۃ من السماء ان رجلا ینکح امہات الاولاد والبنات والاخوات

---

[1] اس کتاب مستطاب کا پہلا ایڈیشن شائع ہو کر ہاتھوں ہاتھ نکل چکا ہے۔ اب دوسری اشاعت کی کوشش جاری ہے خدا توفیق دے۔ (منہ عفی عنہ)

ویشرب الخمر و یدع الصلوٰۃ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۰۹ طبع مصر جدید) خدا کی قسم ہم نے یزید کے خلاف اس وقت تک خروج نہیں کیا جب تک کہ ہمیں یہ خوف دامنگیر نہیں ہوا کہ اب ہم پر آسمان سے پتھر نہ برسیں کیونکہ وہ ایسا شخص ہے جو سوتیلی ماؤں، بیٹیوں اور بہنوں سے زنا کرتا ہے، شراب پیتا ہے اور نماز نہیں پڑھتا: تاریخ وفاء الوفا ج ۱ صفحہ ۹۵ میں ہے کہ اہل مدینہ نے یزید کی طرف اس کے اعمال کا جائزہ لینے کے لئے جو وفد بھیجا تھا۔ اس نے آکر بتایا قد منا من عند رجل لیس لہ دین یشرب الخمر و یعزف بالطنابیر و یلعب بالکلاب، ہم ایسے شخص کے پاس سے آرہے ہیں جس کا کوئی دین نہیں ہے، اور وہ شراب پیتا ہے اور کتوں سے کھیلتا ہے اور طنبورو سارنگی بجایا کرتا ہے۔ ایں ہمہ حاشیہ شرح عقائد نسفی صفحہ ۱۱۳ طبع نولکشور میں ابوشکور سلمی صاحب کتاب التمہید سے مروی ہے " فاما یزید بن معاویہ قال بعض الناس بان خلافتہ کانت باستخلاف معاویہ و تبعہ المسلمون من الصحابۃ و غیرھم فمن طریق القیاس اطاعتہ کانت واجبۃ علی الحسین و جمیع المسلمین۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یزید کی خلافت معاویہ کے خلیفہ بنانے اور باقی مسلمانوں کے متابعت کرنے کی وجہ سے تھی جن میں صحابہ کے علاوہ اور لوگ بھی شامل تھے لہٰذا قانونِ قیاس کے اعتبار سے یزید کی اطاعت امام حسینؑ اور دیگر تمام مسلمانوں پر واجب تھی: لاحول و لا قوۃ الا باللہ۔

(۷) عبدالملک بن مروان

برادرانِ اسلامی کا یہ ساتواں خلیفہ ہے۔ تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۱۶ طبع جدید میں ہے کان عبد الملک ابخر الفم و انہ ولد لستۃ اشھر عبدالملک کے منہ سے بدبو آتی تھی اور وہ چھ ماہ کا پیدا ہوا: حیاۃ الحیوان ج ۱ صفحہ ۵۶ اور تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۱۶ میں ہے جاءتہ الخلافۃ و ھو یقرأ فی المصحف فطبقہ و قال ھذا فراق بینی و بینک۔ جب اس کو خلافت کی بشارت ملی تو وہ اس وقت قرآن پڑھ رہا تھا۔ فوراً قرآن بند کر دیا اور کہا آج سے تیری اور میری جدائی ہے۔ اس نے حجاج بن یوسف جیسے ظالم و سفاک کو مدینہ کا گورنر بنایا جب یہ ملعون مدینہ سے نکلا تو کہنے لگا۔ اس خدا کا شکر ہے جس نے مجھ کو ایسے شہر سے نکالا جو فتنہ و فساد کی بنیاد ہے اور وہاں کے باشندے بڑے خبیث لوگ ہیں: معاذ اللہ، ایک دفعہ اس نے لوگوں کو روضہ رسولؐ کا طواف کرتے ہوئے دیکھا تو کہا ان لوگوں کے لئے ہلاکت ہو یہ کیوں بوسیدہ ہڈیوں کا طواف کرتے ہیں اور امیرالمومنین عبدالملک کے

محل کا طواف نہیں کرتے۔ (تاریخ احمدی صفحہ ۳۲۰/۳۲۹ حیوۃ الحیوان ج ۱ صفحہ ۲۱ میں ہے کہ شریح قاضی سے پوچھا گیا۔ اکان مومنا قال نعم مومنا بالطاغوت و کافراً باللہ۔ کیا حجاج مومن تھا،

اس نے کہا ہاں طاغوت (شیطان) پر ایمان لانے اور اللہ کے ساتھ کفر کرنے والا تھا! مورخین نے لکھا ہے کہ اس سفاک و سرکش نے ایک لاکھ بیس ہزار آدمی قتل کرائے اور جب واصل جہنم ہوا تو اس ہزار آدمی قید خانہ میں موجود تھے؛ ظاہر ہے کہ اس تمام ظلم و عدوان کی ذمہ داری عبدالملک بن مروان پر عائد ہوتی ہے۔ ایسے ظالم لوگوں کو امت پر مسلط کرنا مفادِ امت سے غداری ہے۔ چنانچہ تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۴۵ میں ہے عبدالملک بن مروان اسلام میں پہلا غدار حاکم ہے جس نے امر بالمعروف سے منع کیا:

(۸) ولید بن عبدالملک

تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۲۳ میں ہے کان الولید لحانا قال علی منبر المسجد النبوی یا اھلُ المدینۃ۔ یعنی ولید بولنے میں بڑی اعرابی غلطیاں کرتا تھا۔ چنانچہ ایک دن اس نے مسجد نبوی کے منبر پر کہا یا اھلُ المدینۃ۔ حالانکہ یہاں اہل کو بوجہ منادیٰ مضاف ہونے کے منصوب (زبر کے ساتھ) پڑھنا تھا۔ اسی مقام پر ہے کان الولید جباراً ظالماً۔ تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۲۳ ولید بہت ہی جابر اور ظالم بادشاہ تھا۔ اس کے وقت میں حجاج ملعون کا ظلم و ستم اور بھی بڑھ گیا تھا۔ اس نے سادات مدینہ کو ان کے مکانوں سے نکل جانے کا حکم دیا۔ تو حسن اور فاطمہ بنت حسینؑ نے نکلنے سے انکار کر دیا اس نے حکم دیا کہ ان کا مکان گرا دیا جائے۔ لوگوں نے ان کا سامان لوٹ کر مکان ویران کر دیا اور مستورات نے مدینہ سے باہر قیام کیا۔ (تاریخ احمدی صفحہ ۲۴۶ بحوالہ جذب القلوب شیخ عبدالحق محدث دہلوی)

(۹) سلیمان بن عبدالملک

اس کے زمانہ میں بھی جناب امیرالمومنین علیہ السلام پر سب و شتم ہوتی رہی اور اس نے اس کو بند نہ کرایا تاریخ احمدی صفحہ ۲۴۹ پر لکھا ہے یونس بن عبید کہتا ہے میں بنی امیہ کے زمانہ حکومت میں علیؑ کا نام بھی زبان پر نہ لا سکتا تھا۔ صفحہ ۲۵ سیوطی نے لکھا ہے کہ ان کے زمانہ میں اگر کسی کا نام علی رکھا جاتا تو اس کو قتل کر دیا جاتا تھا (تاریخ احمدی صفحہ ۲۵۱ بحوالہ تدریب الراوی سیوطی) یہ مشہور پرخور تھا ایک وقت ایک دستر خوان ستر انار، ایک گوسفند، چھ مرغیاں اور ایک ٹوکرا کشمش کھا گیا۔

(تاریخ الخلفاء)

(۱۰) یزید بن عبدالملک

تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۴۶ طبع مصر میں ہے لما ولی یزید قال سیروا بسیرۃ عمر بن عبدالعزیز فاتی باربعین شیخاً فشھدوا لہ ما علی الخلفاء حساب ولا عذاب. جب یزید والی خلافت ہوا تو اس نے کہا لوگو! تم عمر بن عبدالعزیز کی سیرت پر عمل کرو اس اثنا میں چالیس بوڑھے آدمی اس کے پاس لائے گئے جنہوں نے گواہی دی کہ خلفاء پر کوئی حساب وعذاب نہیں ہے ابن ماجشون کہتا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز کے مرنے کے بعد یزید نے کہا۔ واللہ ما عمر باحوج الی اللہ منی فاقام اربعین یوماً لیسیر بسیرۃ عمر ثم عدل من ذلک۔ بخدا عمر بن عبدالعزیز مجھ سے زیادہ اللہ کا محتاج نہیں ہے۔ پھر چالیس روز تک عمر بن عبدالعزیز کی سیرت پر چلا اور اس کے بعد اس کی سیرت سے عدول وانحراف کر لیا۔ یعنی پھر ہر وہ کام کیا جو انسان خوف حساب وعذاب سے بالا ہو کر کرسکتا ہے۔

عاقلاں را اشارتے کافیست

(۱۱) ہشام بن عبدالملک

اس نے امام محمد باقرؑ کو زہر سے شہید کیا، تاشہ باقریہ صفحہ ۹ صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۰ اور نور الابصار صفحہ ۱۲۸ بعد الدین صفحہ ۱۵ میں امام محمد باقرؑ کا زہر سے شہید ہونا مروی ہے نیز اس نے جناب زید بن امام زین العابدینؑ کو شہید کرایا، جیسا کہ خواجہ محمد پارسا نے فصل الخطاب میں لکھا ہے۔ صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۰ میں حلیۃ الاولیاء وغیرہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ہشام حج کو گیا اور اس کو لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے حجر اسود کا بوسہ میسر نہ ہوسکا۔ امام زین العابدینؑ آئے تو لوگ ہٹ گئے لوگوں نے کہا یہ شخص کون ہے؟ ہشام نے کہا میں نہیں جانتا۔ یہ اس لئے کہا تاکہ اہل شام آپ کی طرف راغب نہ ہوں پس فرزدق نے کہا میں جانتا ہوں اور ایک قصیدہ امامؑ کی شان میں پیش کر دیا۔ ہشام نے اس جرم میں انکو مقام عسفان میں قید کر دیا۔ (صواعق صفحہ ۱۲۰ تاریخ احمدی صفحہ ۲۴۳)

عمر بن عبدالعزیز

تاریخ الخلفاء سیوطی (صفحہ ۱۱ اور صواعق محرقہ صفحہ ۱۹ طبع جدید میں اہل سنت کے جو بارہ خلفاء شمار کئے گئے ہیں ان میں عمر بن عبدالعزیز کو شامل نہیں کیا گیا۔ بلکہ بارھواں خلیفہ ولید بن یزید بن عبدالملک کو قرار

دیا ہے ابن البسنہ (شرح تحفہ اکبر صـ۳۰) اور شرۃ النبی ازسلیمان ندوی (ج ۳ صـ ۲۸۲) کے بیان کے مطابق ان کا شمار بارہ خلفاء میں کیا گیا ہے ان کی خلافت کا دور عبدالملک بن مروان کے دو بیٹوں سلیمان اور یزید کے درمیان ہے اگرچہ کتب اہل سنت تو اس کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان نظر آتی ہیں بلکہ ہماری کتب میں بھی بعض روایات میں وارد ہے کہ لکل قوم نجیب و نجیب بنی امیۃ عمر بن عبد العزیز (خصال صدوق) ہر قوم کا ایک شریف ہوتا ہے۔ بنی امیہ کا شریف عمر بن عبدالعزیز ہے سادات و مومنین کے ساتھ اس کے بعض احسانات کا ہم انکار نہیں کر سکتے۔ جیسے حضرت امیر المومنین پر سب و شتم کا بند کرانا۔ فدک کا بنی فاطمہ کو واپس کرنا وغیرہ مگر عقیدۃً اس کا ائمہ اہل بیت کی امامت کا منکر ہونا اور عملاً ائمہ اطہار کی موجودگی میں اپنی امامت و خلافت کا نہ صرف ادعا بلکہ مسند خلافت پر بیٹھنا بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے فتامل جیداً۔

(۱۲) ولید بن یزید بن عبدالملک

تاریخ خلفاء اور صواعق محرقہ کے بیان کے مطابق برادران اسلامی کا بارھواں خلیفہ رسول ہے۔ حیوۃ الحیوان ج ۱ صـ۷۲ میں ہے۔ انہمک الولید فی شرب الخمر ولذاتہ و رفض الاخرۃ وراء ظہرہ واقبل علی القصف واللھو والتلذذ مع الندماء والمغنیین وکان یضرب بالعود ویوقع بالطبل ویمشی بالدف وکان قد انتھک محارم اللہ حتی قیل لہ فاسقاً۔ ولید شراب نوشی اور لذت اندوزی اور آخرت کے ترک کرنے میں مصروف ہوگیا۔ اور بدکاری اور ندماء و مغنین کے ساتھ لہو و لعب کی طرف مائل ہوگیا۔ طبل اور عود بجاتا تھا۔ اور دف لے کر چلتا تھا۔ اس نے اللہ کی حرمتوں کی اس قدر ہتک کی کہ وہ فاسق کہلانے لگا۔ "تاریخ خمیس میں ہے ولید نے خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر شراب پی اور اپنی کنواری لڑکی کے ساتھ زنا کیا۔ تاریخ احمدی صـ۳۵۴ تاریخ الخلفاء صـ۲۵ حیوۃ الحیوان ج ۱ صـ۷۲ اور ادب الدین والدنیا صـ۳۰۲ بر حاشیہ کشکول بہائی طبع مصر میں ہے ولید نے ایک دفعہ قرآن سے فال لی۔ واستفتحوا وخاب کل جبار عنید آیت برآمد ہوئی۔ پس اس نے غضبناک ہو کر کہا تو مجھ کو ہی ڈراتا ہے۔ اور قرآن کو پھاڑ ڈالا۔ اور کہا کیا تو ہر جبار و سرکش کو ڈراتا ہے تو میں جبار و سرکش ہوں جب تو بروز قیامت اللہ کے سامنے آئے تو کہہ دینا مجھ کو ولید نے پھاڑ دیا تھا۔" حجج الکرامہ میں نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ ولید ایک دفعہ اپنی کنیز کے ساتھ شراب پی رہا تھا۔ کہ اذان کی آواز سنائی دی یہ فوراً اس کے ساتھ مباشرت میں مشغول ہوگیا اور بعد ازاں قسم کھائی کہ یہی لونڈی لوگوں کو نماز پڑھائے گی چنانچہ

اس نشہ شراب میں مست لونڈی نے ولید کا لباس پہن کر لوگوں کو نماز پڑھا دی۔ تاریخ احمدی ص۳۱۵ علامہ سیوطی نے تاریخ الخلفاء ص۱۵۱ میں بحوالہ مسند احمد آنحضرت سے روایت کی ہے۔ لیکون فی ھذہ الامۃ رجل یقال لہ الولید لھوا شد علی ھذہ الامۃ من فرعون لامتہ

"اس امت میں ایک شخص ہوگا جس کا نام ولید ہوگا۔ اور وہ میری امت پر اتنا شدید ہوگا۔ جتنا کہ فرعون بھی اپنی امت پر شدید نہ تھا۔"

اس کے قتل ہونے کے بعد اس کے بھائی سلیمان بن یزید نے اس کے کٹے ہوئے سر کو دیکھا تو کہا لعبدالہ اشھد انہ کان شروباً للخمر ماجناً فاسقاً ولقد راودنی علی نفسی اس کے لئے ہلاکت ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ بہت مے خوار بدکردار اور فاسق تھا اس نے مجھ سے اپنا مطلب (ناجائز) حاصل کرنا چاہا! تاریخ الخلفاء ص۱۵۱ معانی جریری کتاب ہے۔ جمعت من اخبار الولید ومن شعرہ الذی ضمنہ ما فجر بہ من خرقہ وسخافتہ وما صرح بہ من الالحاد فی القرآن والکفر باللہ۔ تاریخ الخلفاء ص۱۰۱ میں نے ولید کے حالات اور اس کے اشعار جمع کئے ہیں جن میں فسق و فجور اور خرافات مروی ہیں اور جن میں اس نے صراحتاً قرآن مجید کے متعلق کفر والحاد اور لادینی کا اظہار کیا ہے۔

مروج الذہب مسعودی ج ۲ ص۱۴۱ میں ولید کے یہ اشعار منقول ہیں۔

تلعب بالخلافۃ ھاشمی	بلا وحی اتاہ ولا کتاب
فقل للہ یمنعنی طعامی	وقل للہ یمنعنی شرابی

ایک ہاشمی نے بغیر وحی اور بغیر کتاب کے خلافت کا کھیل بنایا۔ اسے قرآن تو اللہ سے کہہ دے کہ میرا کھانا اور پینا بند کر دے۔ اسی ولید خلیفہ نے جناب یحییٰ بن جناب زید کو شہید کرا کے سولی پر لٹکوایا (ترجمہ تاریخ ابن خلدون کتاب ششم)

حیوۃ الحیوان ج ا ص۷۲ میں ہے ولید نے ایک حوض تیار کرایا ہوا تھا جو شراب سے بھرا رہتا تھا جب خوشی میں آجاتا تو اس کے اندر کود پڑتا تھا۔ اور اس قدر شراب پیتا تھا کہ کناروں سے شراب کی کمی ظاہر ہو جاتی تھی جب ایسے لوگ سربراہ اسلام والمسلمین ہوں تو سے

فلیبک علی الاسلام من کان باکیاً

ایک طرف یہ سلسلۂ خلافت ہے جن کے ظلم وستم اور فسق و فجور کی داستانوں سے خود مسلمانوں کی کتابیں چھلک رہی ہیں۔ اور دوسری طرف وہ ہادیان دین ہیں۔ جنکے فضائل وکمالات اور علمی وعملی کارناموں سے زمین وآسمان کی فضائیں گونج رہی ہیں اب یہ اہل اسلام کی مرضی کہ ان کو رہنما تسلیم کریں یا ان کو۔ انا ھدیناہ السبیل اما شاکراً واما کفوراً

بابُ نہمُ

دیگر نصوص نبویہ بر امامت ائمہ یازدہ علیہم السّلام

ساتویں باب میں ائمہ اہل بیتؑ کے بارے میں نصوص نبویہ کا تذکرہ کیا جا رہا تھا کہ اثنائے بیان میں سلسلہ کلام آٹھویں باب تک منجر ہوگیا۔ اب جب کہ بفضلہٖ تعالیٰ آٹھواں باب بطریق احسن پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا ہے تو اب اس نویں باب میں باقی ماندہ اہم نصوص نبویہ ذکر کئے جاتے ہیں جن میں بڑی وضاحت کے ساتھ ائمہ اہل بیتؑ کی خلافت و امامت کا تذکرہ موجود ہے۔ اُمید کامل ہے کہ یہ نصوص طالبانِ رشد و ہدایت کے لئے سرمۂ بصیرت ثابت ہوں گے۔ انشاء

نصّ چہارم ینابیع المودۃ باب ۷۷ ص۴۴۵ باب ۸۰ ص۴۴۷ پر حضرت جابر ابن عبداللہ انصاری سے مروی ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا انا سید النبیین و علی سید الوصیین و ان اوصیائی بعدی اثنا عشر اولہم علی و آخرہم المہدی۔" میں سردارِ انبیاء اور علی سردار اوصیاء ہیں۔ میرے بعد میرے بارہ وصی و جانشین ہوں گے۔ جن میں سے پہلے حضرت علی اور آخری حضرت قائم مہدی (عجل اللہ تعالیٰ فرجہٗ) ہیں۔ یہی روایت فرائد السمطین حموینی میں بھی باسناد ابن عباس موجود ہے۔

نصّ پنجم فرائد السمطین حموینی میں ابن عباس سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا خلفائی و اوصیائی و حجج اللہ علی الخلق بعدی الاثنا عشر اولہم علی اخی و آخرہم ولدی قیل یا رسول اللہ من اخوک؟ قال علی قیل من ولدک قال المہدی الذی یملأ الارض قسطاً و عدلاً بعد ما ملئت ظلماً و جوراً۔ میرے اوصیاء اور مخلوق خدا پر میرے بعد حجت ہائے خدا بارہ ہوں گے جن میں سے پہلے میرے بھائی اور آخری میرے فرزند ہیں۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! آپ کے بھائی کون ہیں؟ فرمایا علی (علیہ السلام) دوبارہ عرض کیا گیا۔ آپ کے فرزند کون ہیں؟ فرمایا مہدی (عجل اللہ تعالیٰ فرجہٗ) وہ زمین کو عدل و انصاف سے اس طرح پُر کردیں گے۔ جس طرح وہ ظلم و جور سے پُر ہو چکی ہوگی (کذا فی ینابیع المودۃ ص۴۴۷ بتفاوت یسیر)

نصِ ششم کتاب ذخائر العقبیٰ اور مسند امام احمد ابن حنبل وغیرہ (علیٰ ما نقل عنہ) نیز ینابیع المودۃ ص۱۶۸ باب۵۶ باختلافِ الفاظ یہ حدیث شریف مروی ہے کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا انت سید ابن السید اخو السید انت الامام اخو الامام ابو الائمۃ انت الحجۃ ابن الحجۃ اخو الحجۃ ابو الحجج التسعۃ من صلبک تاسعھم قائمھم تم سردار پسر سردار برادر سردار اور سرداروں کے پدر ہو تم امام، امام کے فرزند، امام کے بھائی اور ائمہ کے باپ ہو۔ تم حجت خدا حجت خدا کے بیٹے حجتِ خدا کے بھائی اور خدا کی ان حجتوں کے باپ ہو جو تمہاری پشت سے ہوں گے جن میں سے نویں حجت خدا حضرت قائم آلِ محمد ہوں گے۔" بعض نسخوں میں "اخو السید واخو الامام و اخو الحجۃ" مذکور نہیں ہے۔ ظاہراً کاتب سے چھوٹ گیا ہے۔

نصِ ہفتم فرائد السمطین حموینی میں آنحضرتؐ سے مروی ہے (علیٰ ما نقل عنہ) کہ آپ نے فرمایا الحسن والحسین اماما امتی بعد ابیھما وسیدا شباب اھل الجنۃ امھما سیدۃ نساء العالمین وابوھما سید الوصیین ومن ولد الحسین تسعۃ ائمۃ تاسعھم القائم من ولدی طاعتھم طاعتی ومعصیتھم معصیتی۔ یعنی حسن اور حسین (علیہما السلام) اپنے پدر عالی قدر کے بعد میری امت کے امام اور جوانانِ جنت کے سردار ہیں ان کی والدہ گرامی عالمین کی عورتوں کی سردار اور ان کے پدر بزرگوار تمام وصیوں کے سردار ہیں۔ اولادِ حسینؑ میں نو امام ہوں گے جن میں سے نواں امام میرا بیٹا قائم آلِ محمد ہو گا۔"

نصِ ہشتم ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ ج ۲ ص۴۵۰ پر بحوالہ حلیۃ الاولیاء، حافظ ابو نعیم اصفہانی اور ملا علی متقی کنز العمال ج ۶ ص۲۱۷ طبع حیدر آباد دکن پر ابن عباس سے نقل کرتے ہیں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سرہ ان یحیی حیاتی ویموت مماتی و یسکن جنۃ عدن التی غرسھا ربی فلیوال علیاً من بعدی ولیوال ولیہ ولیقتد بالائمۃ من بعدی فانھم عترتی خلقوا من طینتی ورزقوا فھمی وعلمی فویل للمکذبین بفضلھم من امتی القاطعین فیھم صلتی لا انالھم اللہ شفاعتی" جو شخص یہ چاہتا ہے کہ میری طرح زندگی بسر کرے اور میری طرح اسے موت آئے اور اس جنت عدن میں سکونت پذیر ہو جسے میرے پروردگار نے آباد کیا ہے تو میرے بعد حضرت علیؑ کو اپنا ولی قرار دے اور ان کے دوست کو اپنا دوست سمجھے اور میرے بعد جو ائمہ ہیں ان کی اقتدا کرے کیونکہ وہ (ائمہ) میری عترت ہیں جو میری طینت

سے خلق کئے گئے ہیں اور میری فہم اور میرا علم انہیں عطا کیا گیا ہے۔ ویل ہے ان لوگوں کے لئے جو میری امت میں سے ان کی تکذیب کریں گے اور ان کے حق میں میری قطع رحمی کریں گے۔ خداوند عالم ان کو میری شفاعت نصیب نہ کرے (بکذا فی فضائل احمد بن حنبل وخصائص النطنزی باختلاف یسیر)

نص نہم علامہ زمخشری ربیع الابرار و نصوص الخیار میں روایت کرتے ہیں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمۃ مھجۃ قلبی وولداھا ثمرۃ فؤادی وزوجھا قرۃ عینی والائمۃ من ولدھا امناء ربی وحبلہ الممدود بینہ وبین خلقہ فمن تمسک بھم نجی ومن تخلف عنھم ھلک والی جھنم سلک "آنحضرتؐ نے فرمایا کہ فاطمہ میرے دل کا ٹکڑا اور ان کے دونوں فرزند میرے قلب کا پھل اور ان کا شوہر میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور ان کی اولاد میں سے جو امام ہوں گے وہ میرے پروردگار کے امین اور خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں۔ جس نے ان سے تمسک کیا اس نے نجات پائی اور جس نے روگردانی کی وہ ہلاک و برباد ہوا اور جہنم کی طرف اپنے قدموں سے گیا۔"

نص دہم اگرچہ مذکورہ بالا نصوص سے طالبان حق و حقیقت کو یقین کامل ہو گیا ہو گا کہ ائمہ اثناعشر والی روایت سے مراد ائمہ اہل بیت علیہم السلام ہیں لیکن اگر کسی صاحب کا ذوقِ تحقیق تا حال تشنۂ تکمیل ہو تو اب ہم ذیل میں وہ روایت شریفہ لکھ کر جس میں ان پورے ائمہ اثناعشر کے نام نامی و اسمائے گرامی آنحضرتؐ کی زبانی مذکور ہیں۔ اس بحث کا خاتمہ کرتے ہیں چنانچہ ینابیع المودۃ باب ۹۴ ص ۴۹۴ پر باسناد خود حضرت جابر ابن عبداللہ انصاری سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا یا جابر ان اوصیائی وائمۃ المسلمین من بعدی اولھم علی ثم الحسن ثم الحسین ثم محمد ابن علی المعروف بالباقر وستدرکہ یا جابر فاذا لقیتہ فاقراہ منی السلام ثم جعفر ابن محمد ثم موسیٰ ابن جعفر ثم علی ابن موسیٰ ثم محمد ابن علی ثم علی ابن محمد ثم الحسن ابن علی ثم القائم اسمہ اسمی وکنیتہ کنیتی محمد ابن الحسن ذالک الذی یفتح اللہ تبارک وتعالیٰ علی یدیہ مشارق الارض ومغاربھا ذلک الذی یغیب من اولیائہ غیبۃ لا یثبت علی القول بامامتہ الا من امتحن اللہ قلبہ للایمان قال جابر فقلت یا رسول اللہ فھل للناس الانتفاع بہ فی غیبتہ فقال ای والذی بعثنی بالنبوۃ انھم یستضیئون بنور ولایتہ فی غیبتہ کانتفاع الناس بالشمس وان سترھا سحاب ھذا من مکنون سر اللہ ومخزون علم اللہ فاکتمہ الا عن اھلہ رعجل اللہ تعالیٰ فرجہ وسھل اللہ مخرجہ بحقہ وبحق آبائہ الطاھرینؑ) اے جابر میرے خلفاء اور میرے بعد مسلمانوں کے

امام یہ ہیں پہلے علی، دوسرے حسن تیسرے حسین چوتھے علی بن الحسین پانچویں محمد بن علی معروف بہ باقر اے جابر! تم عنقریب ان کو پاؤ گے جب ان سے ملاقات ہو تو انہیں میرا سلام کہنا۔ چھٹے جعفر بن محمد ساتویں موسیٰ بن جعفر آٹھویں علی بن موسیٰ نویں محمد بن علی دسویں علی بن محمد گیارہویں حسن بن علی بارہویں قائم جو میرے ہم نام و ہم کنیت ہیں یہی وہ امام ہے جس کے ہاتھوں پر خدا مشارق و مغارب کو فتح کرے گا اور یہ اپنے اولیاء و اشیاع سے اس قدر غیبت اختیار کریں گے کہ ان کی امامت پر صرف وہی لوگ ثابت قدم رہیں گے جن کے ایمان کا خدا نے امتحان لے لیا ہوگا۔ جناب جابر کہتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ان کے زمانۂ غیبت میں لوگ ان سے کچھ فائدہ بھی حاصل کریں گے؟ فرمایا ہاں مجھے اس ذات کی قسم جس نے مجھے نبوت دے کر بھیجا ہے لوگ ان کی غیبت کے زمانہ میں ان کے نور ولایت سے اسی طرح فائدہ حاصل کریں گے جس طرح آفتاب سے کرتے ہیں جب کہ زیر بادل چھپ جائے۔ اے جابر! یہ خدا کا سربستہ راز ہے اسے صرف اس کے اہل لوگوں پر ہی ظاہر کرنا

اسی طرح فرائد السمطین میں ایک طولانی روایت ابن عباس سے مروی ہے جس میں ایک غیر مسلم کا آنحضرتؐ سے چند سوال کرنا اور منجملہ ان کے آپ کے خلفاء کے متعلق استفسار کرنا اور آنحضرتؐ کا انہی ائمہ معصومینؑ کو نام بنام اسے بتلانا بعدہ اس کا تصدیق کرتے ہوئے یہ کہنا کہ ہم نے تورات میں ایسا ہی پڑھا ہے مذکور ہے بخوف طوالت اسے درج کتاب نہیں کیا جاتا۔

اب اہل انصاف بتائیں کہ اس سے زیادہ توضیح اور کیا کی جا سکتی ہے۔ محسن اعظم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تعداد بتا دی، سلسلہ نسب بتا دیا، اول و آخر بتا دیا، نو اماموں کا اولاد امام حسین علیہ السلام سے ہونا بتا دیا۔ اب بھی کوئی ان کو نہ مانے اور ان کے سوا ان بارہ کی تعداد کسی اور سلسلہ نسب سے پوری کرے تو بتایئے کسی کے پاس اس کا علاج ہے؟ آنحضرتؐ نے تو وضاحت میں کوئی بات چھوڑی نہیں جزئی جزئی باتیں بھی بتا دیں مگر صحابہ پرست اور سلاطین نواز امت نے اپنے مخصوص مفادات کے پیش نظر ایک بات بھی کان لگا کر نہ سنی اور جسے چاہا اپنا امام مان لیا یہاں تک کہ اسی تعداد میں ظالم و جابر اور فاسق و فاجر سلاطین بھی داخل کر دیئے گئے۔ آپ ہی فرمائیں کہ آیا اسی کا نام اطاعت رسولؐ ہے یا یہ کھلی ہوئی نافرمانی ہے؟

؎ بروز حشر شود ہمچوں روز معلومت　　　کہ با کہ باختۂ عشق در شب دیجور

هٰذه تذکرة فمن شاء ذکرہ والحمد للہ رب العالمین

ان عمومی نصوص قاطعہ و براہین ساطعہ کے ذکر کے بعد جو کہ سب ائمہ طاہرین کی خلافت عظمیٰ و امامت کبریٰ پر دلالت کرتے ہیں اب ہم اس امر کی ضرورت محسوس نہیں کرتے کہ ہر امام سابق کی نص ہر امام

لاحق کا ذکر کریں کیونکہ وہ حدِ تواتر سے متجاوز ہیں اور ہمارے علمائے اعلام نے ان کو اپنی کتب مبسوطہ مخصوصہ میں درج فرمادیا ہے ملاحظہ ہو کتاب اثبات الوصیۃ للمسعودی۔ کفایۃ الاثر فی النصوص علی الائمۃ الاثنا عشر۔ اثبات الھداۃ وغیرہا من الکتب المخصوصۃ لہذا الشان“

تفصیلات کے شائقین حضرات ان کتب کی طرف رجوع فرمائیں وفیما ذکرناہ کفایۃ لمن لہ ادنیٰ درایۃ۔ انتہیٰ۔

نتیجہ دلائل طیبہ و آیۂ استخلاف

ان دلائل قاطعہ وبراہین ساطعہ سے خلافتِ محمدیہ کے وارثین حضرات ائمہ معصومین خصوصاً اوّل الخلفاء الراشدین حضرت امیرالمومنین کی خلافت و امامت کا ثبوت دے چکے اور ثابت کر چکے۔ اب آیۂ استخلاف وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا یعبدوننی لا یشرکون بی شیئاً ومن کفر بعد ذالک فاولئک ھم الفاسقون (سورۃ النور آیت ۵۵) اللہ تعالیٰ نے تم امت محمدی میں سے مومنین صالحین سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسا کہ اس نے انہیں خلیفہ زمین بنایا جو ان سے پہلے تھے اور اس دین پر انہیں قدرت و تمکین عطا کرے گا جو اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا وہ میری عبادت کرنے والے ہیں اور کسی کو میرا شریک نہیں بناتے ہیں اور اس کے بعد جو انکار کرے وہی فاسق ہے) کو پڑھ کر فیصلہ کر لیجئے کہ کیا اس خلافت الہیہ کا مالک و وارث اور مستحق و سزاوار ان بارہ خلفاء راشدین کے سوا اور کوئی ہو سکتا ہے؟ کیونکہ اس میں ان باتوں پر غور کرنا ہے۔ اوّل یہ وعدۂ خدا ہے دوم یہ وعدہ امتِ محمدی میں سے مومنین صالحین میں سے ہے۔ ظالمین و گنہگار اس سے خارج ہیں۔ وہ اس کے مصداق نہیں ہو سکتے۔ سوم یہ سب خلیفہ فی الارض ہوں گے۔ نہ کسی ایک ملک یا ایک براعظم یا ایک جزیرہ پر۔ چہارم یہ ویسے ہی خلیفہ خدا ہوں گے۔ جیسے کہ ان سے پہلے بنائے گئے ہیں۔ قرآن میں یہ وعدہ ہے اور قرآن میں جن خلفاء کا ذکر ہے کہ خدا نے انہیں ان سے پہلے خلیفہ بنایا اور بالصراحۃ ذکر ہے بالاسم ذکر ہے وہ تین خلیفہ ہیں۔ اوّل حضرت آدمؑ دوم حضرت داؤدؑ۔ سوم حضرت ہارونؑ اور ویسے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ کل انبیاء اللہ وارث خلافت الہیہ سب خلفاء اللہ ہیں اور ظاہر ہے کہ حضرت آدمؑ جو خلیفہ فی الارض ہیں نہ وہ کہیں کے بادشاہ تھے نہ وہ مالکِ تاج و تخت تھے نہ جاہ و حشم رکھتے تھے اور نہ طبل و علم نہ انہوں نے بہت سے ملک فتح کئے تھے مگر خلیفہ فی الارض

تھے۔ خدا نے انہیں علم عطا فرما کر تعلیم و تربیت .... کے لئے اپنا جانشین بنایا تھا۔ علی ہذا القیاس۔ دیگر خلفاء اللہ اسی معنی میں خلفاء تھے اور حکومت اس کے تحت میں ہے اگر کسی کو اس کا موقع مل جائے تو ان کا منصب ہے جو مصالح الٰہیہ پر موقوف ہے مگر ان کے خلیفہ ہونے کی شرط حصول سلطنت حکومت نہیں ہے۔ نہ مال و دولت نہ فتوحات۔ ورنہ نہ تو حضرت آدمؑ خلیفہ رہیں گے اور نہ حضرت داؤدؑ۔ نہ حضرت ہارونؑ بلکہ کل انبیاء اللہ جو خلفاء اللہ ہیں خلافت کے ساتھ نبوت سے بھی عاری رہ جائیں گے۔ چہارم۔ خدا ان مومنین صالحین اور ان خلفاء کو اس دین پر قدرت دے گا۔ جو ان کے لئے اس نے پسند کیا ہے اور صورت اس کی یہ ہوگی کہ ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا وہ کیسے لوگ ہیں؟ جو خدا ہی کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں گردانتے ہیں۔ اس کے بعد جو ان کا انکار کرے وہ فاسق ہے اس آیت میں "امنوا" کی ضمیر منکم ھم عملوا میں ضمیر منھم ھم یستخلفنھم کی ضمیر ھم من قبلھم کی ضمیر ھم یمکنھم اور یبدلنھم کی ضمیر ولا یشرکون کی ضمیر سب "الذین" کے صلہ اور خاص اور ان خلفاء اللہ کے اوصاف ہیں اور منکم میں "کم" کی ضمیر کے مخاطبین باقی اہل اسلام ہیں جن میں سے اور جن پر خلفاء ہوں گے۔ اب اس میں غور کر لو کہ آیا یہ خلفاء اثنا عشر ہی اس کا مصداق ہیں یا کوئی اور۔ یہ صالحین۔ صادقین ہیں۔ کاملین ہیں۔ سابقین ہیں۔ طاہرین معصومین ہیں۔ خلافت معصومین ہی کا حق ہے۔ خلافت امامت میں ہے اور امامت سے ظالمین ہمیشہ سے محروم ہیں اور ان کے سوا کل صحابہ کسی نہ کسی ظلم میں آلودہ نظر آتے ہیں جو مدت تک کفر و شرک میں رہے ہوں وہ ان صالحین و معصومین اور سابقین کے ذیل میں نہیں آ سکتے۔ یہ ایسے ہی خلفاء اللہ ہوتے ہیں جیسے کہ آدمؑ و داؤدؑ و ہارونؑ وغیرہم اسی کا انہوں نے دعویٰ کیا ہے اور اسی کو ثابت کر دیا ہے۔ خدا نے ان کو ان اوصاف پر خلق کیا ہے جو خلافت الٰہیہ کے معیار ہیں اور صاف بذریعہ پیغمبر و بذریعہ وحی بتلا رہا ہے کہ یہ خلیفہ ہیں جیسا کہ ہم ثابت کر آئے ہیں اور اس طرح یہ وعدہ خلافت مسلمانوں سے پورا کر دیا۔ کل روئے زمین پر یہی حجت خدا یہی پیشوا۔ یہی مقتدا ہیں۔ یہی معلم الٰہی ہیں۔ ماننا یا نہ ماننا یہ مکلفین و مبعوث الیہم کا فرض ہے جو انہیں تسلیم کرے گا اپنے لئے جو نہ کرے گا اپنے لئے اور یہاں ماننے والوں کی قلت و کثرت اس خلافت میں تغیر پیدا نہیں کر سکتی۔ یہ وہ بزرگوار ہیں جو خالص عباد الرحمٰن اور خاص "وکانوا لنا عابدین" کے مصداق ہیں۔ یہ کل کے کل اوصاف و کمالات خلافت الٰہیہ و خلافت محمدیہ و امامت الناس و سیاست الامت سے متصف تھے ان کا خدا نے اظہار کیا۔ ان کو رسول اللہ نے علی الاعلان بیان کیا۔ ان کے نام بتلائے ان کے کام بتلائے۔ ان کو دکھلایا اور لوگوں کو پہنچوایا اور خدا کے کسی کو خلیفہ بنانے کے یہی معنی ہیں۔ یہ وعدہ کل خلفاء مہدی سے ہے اور

خلافت محمدی بارہ میں منحصر ہے اور ان بارہ کا خاتمہ قیامت پر ہے۔ دین محمدی تا قیامت ان بارہ پر قائم ہے۔ اس لئے جو وعدے ہوئے ہیں ان کے یہ معنی نہیں کہ وہ ہر ایک میں جدا جدا متحقق ہوں نہیں من حیث المجموع ہیں۔ خواہ ان میں سے کسی کے ہاتھ پر ہو۔ پس تمکین بر دین و رفع خوف و تبدیل امن بھی حقیقی معنی میں ان کے لئے حاصل ہو جائے گا۔ نہ دین اسلام ختم ہو گیا۔ نہ ان خلفاء اللہ کا خاتمہ ہو گیا۔ نہ خدا کہیں چلا گیا۔ رسولؐ خدا سے خدا نے وعدہ کیا ہے ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ۔ مگر دین محمدی کو ابھی تک ایسا غلبہ حاصل نہیں ہوا کہ کل ادیان پر دین محمدی کا ظاہر بظاہر غلبہ آ جائے۔ کل مذاہب عالم موجود بلکہ کروڑوں انسان ان باطل مذاہب کے پابند اور ان کے ماننے والے ہیں، کہاں غلبہ دین محمدی کو حاصل ہوا ہے؟ کون اس کا دعوے کر سکتا ہے؟ تو کیا اس سے دین محمدی باطل ہو گیا؟ اور آنحضرتؐ سچے پیغمبر نہ رہے؟ ہرگز نہیں ضرور ہیں کیونکہ نبوت حضرتؐ کی قیامت تک متصل ہے اور اس عرصہ میں غلبہ کا امکان ہے بلکہ یقینی ہے یہی حال خلافت کا ہے اور دونوں دراصل ایک ہی ہیں خلفاء دین محمدی کو یہ قدرت حاصل ہونا کہ کل روئے زمین پر جس پر کہ وہ خلیفہ ہیں اس دین کو جاری کر سکیں جو ان کے لئے پسند کیا ہوا ہے اور دین محمدی کو تمام ادیان پر ظاہر بظاہر غلبہ ہونا جس کو "لیظھرہ" واضح کر رہا ہے ایک ہی وقت میں ہیں۔ یہ وعدہ محمدی اسی وقت پورا ہوگا جب کہ وَلَہٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّکَرْھًا "صادق آئے گا۔ ہر فرد بشر مسلمان ہوگا اور بغیر اسلام لائے اس کو چارہ نہ ہوگا۔ یہی دن اس کے خلفاء کے دین پر قدرت پانے اور کل عالم میں دین محمدی پھیلانے اور خوف کے مطلقاً اٹھ جانے کفار کے مٹ جانے اور امن کل حاصل ہو جانے کا ہے یہ زمانہ ابھی مہلتِ کفار کا ہے۔ ابھی وہ خلفاء اللہ مظلوم ہیں مستضعف ہیں مگر بعض ان میں سے موجود ہیں۔ دین محمدی موجود ہے۔ شرع موجود ہے۔ خلافت موجود ہے اور انشاءاللہ تمکین بر دین کا وقت قریب ہے اَتٰٓی اَمْرُ اللّٰہِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْہُ اور اس کو یہ آیت اور واضح کر دیتی ہے اور صاف بتا دیتی ہے کہ "وَنُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلَھُمْ اَئِمَّۃً وَّنَجْعَلَھُمُ الْوٰرِثِیْنَ وَنُمَکِّنَ لَھُمْ فِی الْاَرْضِ وَنُرِیَ فِرْعَوْنَ وَھَامٰنَ وَجُنُوْدَھُمَا مِنْھُمْ مَّا کَانُوْا یَحْذَرُوْنَ (قصص ۱) اور ہم ارادہ رکھتے ہیں کہ ان لوگوں پر احسان رکھیں اور اپنا فضل و انعام کریں جو زمین میں مظلوم و ضعیف ہو کر رہے ہیں اور ہم انہیں امام بنائیں اور کل زمین کا وارث بنائیں اور انہیں زمین میں قدرت و تمکین عطا کریں اور فرعون و ہامان اور ان کے لشکروں کو وہ عذاب چکھائیں۔ جن سے وہ بچتے تھے خلفاء المسلمین میں سے کون خلیفہ ہے جس کے زمانے میں فرعون و ہامان اور ان کے لشکروں کو عذاب چکھایا گیا؟ وہ فرعون و ہامان اور ان کے لشکر کون؟ کہاں تھے؟ کب وہ مغلوب و مفتوح ہوئے؟ کب یہ وعدہ پورا ہوا؟

وہ زمانہ شاہانِ اسلام کی حکومت میں کب آیا جس میں وہ دین جو ان کے لئے خدا نے پسند کیا تھا تمام روئے زمین پر غالب آیا اور ان کو قدرت حاصل ہوئی کہ وہ تمام دنیا میں بلا رکاوٹ الٰہی دین کو جاری کر سکیں یہ وعدہ صرف قرنِ اوّل کے مسلمانوں سے نہ تھا بلکہ کل اہلِ اسلام سے تھا اور ہے ۔ ورنہ آیت اسی زمانے کے لوگوں کے لئے مخصوص اور اس وقت منسوخ سمجھی جائے گی اور اس وقت اس سے بحث فضول ہوگی "منکم" کی ضمیر "کم" کے مخاطب کل اہلِ اسلام ہیں تا قیامِ قیامت اور اس لئے آج ہم بھی اس کے مخاطب ہیں کہ تم میں سے ہم خلیفہ بنائیں گے ۔ ہم میں سے ہم پر آج کون خلیفۂ خدا ہے ؟ کیا غیر از مہدی منتظر کوئی اور ایسا خلیفۂ خدا آج ثابت ہو سکتا ہے ؟ پس ضرور دینِ محمدی ایک دن غالب ہوگا ۔ خلفاء اللہ اور خلفاء محمدی کو قدرت و تمکین بر دین حاصل ہوگی اور دنیا میں دینِ اسلام ہی نظر آئے گا اور اس وقت وہ خلفاء جن کی شان "الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ و اتوا الزکوٰۃ و امروا بالمعروف" (وہ لوگ کہ ان کو اگر ہم زمین میں قدرت دے دیں تو وہ نماز کو روئے زمین پر قائم کر دیں ۔ زکوٰۃ ادا کریں اور نیکی کا کام کریں اور منکر سے روکیں" ـــــ اپنے اس دین مرتضیٰ و دین مرتضوی کو جاری کر سکیں گے یہ بھی یاد رہے کہ صاحبانِ دین اور ہیں اور امت اور عام محکومینِ دین اور ۔ اور یہ معلوم ہے کہ اگر خدا کسی کے لئے دین کامل کر دے اور اس کو ان کے لئے اور ان سے پسند کرے تو ضرور اس کے یہی معنی ہوں گے کہ وہ کامل دینِ خدا رکھتے ہوں گے اور علماً و عملاً کوئی دینی کمی ان میں نہ ہو اور ایسے شخص اسلام میں وہی ہو سکتے ہیں جو کامل علمِ قرآن رکھتے ہوں جن میں شک و شبہ و اشکالات و شبہات نہ ہوں اور کامل عمل ان کو اس پر حاصل ہو ۔ جب خدا اس کو کامل کر سکتا ہے اور جب ہی خدا اس کو پسند کر سکتا ہے اور ایسا ہی دین خدا کا کامل کیا ہوا دین ہو سکتا ہے مگر مسلمانوں کو دیکھتے ہیں تو وہ آج تک بھی کمالِ دین نہیں رکھتے نہ علماً نہ عملاً ۔ ہزاروں اختلاف موجود ہیں بلکہ دین مسخ نظر آرہا ہے کیا تمام مسلمانوں کو کامل دیندار کہا جا سکتا ہے ؟ کیا کوئی منصف ایسا کر سکتا ہے ؟ پس خدا نے دین ان کے لئے کامل کر دیا ہے تو ان کے از روئے دین ناقص ہونے اور سینکڑوں متضاد فرقے ہونے کے کیا معنی ہیں ؟ کون مسلمان ہے جو کامل علمِ قرآن اور اس پر کامل عامل ہونے کا اب یا پہلے دعوے کر سکے ؟ دینِ خدا اپنے انبیاء اور اوصیاء کے لئے کامل کرتا ہے اور عام لوگ ان کاملین سے دین سیکھتے اور ان کی پیروی کرتے ہیں حضرت یعقوبؑ اپنے بیٹوں سے فرماتے ہیں یا بنی ان اللہ اصطفٰی لکم الدین فلا تموتن الا و انتم مسلمون اے بیٹو! خدا نے تمہارے لئے دین کو چنا اور مصطفٰی بنایا ہے تم نہ مرنا مگر اسلام ہی پر" دینِ خدا ہمیشہ کامل ہے مگر کامل دیندار وہ ہے جس کے لئے خدا دین کامل کر دے جس کو دین عطا کر دے اور یہ کاملین انبیاء اور اوصیائے انبیاء ہی ہو سکتے ہیں اور وہی ہوتے ہیں نہ عام امت ۔ پس آیۂ مجیدہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ

وَاَتْمَمْتُ علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً" میں "لکم" کا مصداق عامہ مسلمان نہیں ہوسکتے بلکہ خاص وہی خلفاء اللہ مراد ہیں جن کا دین دینِ مرتضےٰ ہے اور اس دینِ مرتضےٰ پر قدرت نے ان سے تمکین کا وعدہ کیا ہے اور وہ انہیں کے ہاتھ پر ہوگا اور ضرور ہوگا۔ اب غور سے "اکملت لکم دینکم" و "رضیت لکم الاسلام دیناً" کو پڑھو اور اس کے حقیقی معنی میں غور کرو اس کا مصداق سوائے خلفاء اثنا عشر جن کا سلسلہ دینِ محمدی کے ساتھ قیامت تک متصل ہے اور کوئی ثابت نہیں ہوسکتا و ذالک ذکری للذاکرین۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ آیہ استخلاف میں اسلام کا ضعف اور خوفِ اعداء اور اس کے بعد رفع خوف اور حصولِ امن کا وعدہ خلفاء کے ہاتھ پر دیا گیا ہے اور یہ چونکہ خلفاء اربعہ (بلکہ ثلاثہ کیلئے چوتھے کو کب امن نصیب ہوا) کے زمانے میں ہوا۔ اس لئے وہی آیت کے مصداق ہونگے اور اس کا ثبوت یوں بتایا گیا ہے کہ اوّل ظہور اسلام کے وقت جب حضرت مکہ میں تھے۔ اسلام ضعیف تھا اور خوفِ اعداء حاصل تھا اور واقعہ ہجرت اس ضعف اور خوف کی دلیل ہے اور مدینہ میں جاکر اسلام کو قوت حاصل ہوئی اور خوف رفع ہوگیا۔ لہٰذا خلفاء اربعہ (ثلاثہ) کی خلافت برحق ثابت ہوگئی انہی سے رفع خوف ہوا وہ اس آیت کے اس ترتیب سے مصداق ہوئے۔ آیہ مجیدہ کا مصداق تو ہم بخوبی ثابت کرچکے ہیں۔ مگر یہاں یہ دکھانا ہے کہ مدعی نے اس تاویل اور اس معنی سے اصل دعوے خلافت خلفاء ثلاثہ کو باطل کردیا ہے۔ ہم مانتے ہیں کہ مکہ میں مسلمان مظلوم تھے تھوڑے تھے۔ دشمنوں کا خوف تھا۔ کفار طرح طرح کی اذیت دیتے تھے اور آخرکار واقعۂ ہجرت نے اس خوف اور ضعف کا ثبوت دے دیا اور بعد ہجرت یقیناً مسلمان قوی ہوگئے وہ ضعف جاتا رہا۔ خوف جاتا رہا۔ یہاں تک کہ کل عرب مغلوب ہوگیا۔ حدود روم تک فتح ہوگئی دولت بھی آئی۔ سلطنت اسلامی قائم ہوگئی اور وہ خوف امن سے بدل گیا۔ جوق درجوق لوگ اسلام میں داخل ہوئے اور جو باقی رہ گئے تھے اور ایمان نہ لائے تھے وہ خوفِ اسلام سے ظاہراً اسلامی لباس میں داخل ہوگئے اور منافق بن کر جان بچائی۔ دُور دُور کی سلطنتوں کے سفراء آئے۔ یقیناً وقطعاً وہ خوف وضعف جو مکہ میں تھا۔ جاتا رہا اور یہ امن حاصل ہوا۔ مسلمانوں پر جو ظلم پہلے ہوتے رہے تھے اس کی تلافی ہوئی اور مسلمان اسی مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے اس کی خدا نے مبارک باد دی اور اس کو فتح نمایاں کہا اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحاً مُّبِیْناً الایہ لیکن یہ ضعف وخوف اور یہ امن وفتح دونوں پیغمبر اسلام کی زندگی سے متعلق ہیں اور انہی کی حیات میں یہ سب کچھ ہولیا۔ مگر آیہ استخلاف میں تو وعدہ خلفاء رسول کی بابت کیا گیا ہے نہ رسول کی بابت۔ پس اگر یہ تاویل صحیح ہے تو خلافت صرف نبی مرتبت کی ثابت ہوئی۔ نہ خلفاء ثلاثہ یا اربعہ کی وہ جناب اس کا مصداق ہیں نہ کہ خلفاء اربعہ۔ اگر دیگر مسلمان اس میں بوجہ نصرت نبی شریک کئے جائیں تو بلا استثناء کل شریک ہیں نہ صرف حضرات

خلفاء ثلاثہ۔ ہاں اگر خصوصیت ہو سکتی ہے تو اس جرنیل اسلام کی جس کے ہاتھ پہ اسلام کی ہر ایک فتح زمانہ محمدی میں ہوئی۔ یعنی شیر خدا علیؑ مرتضیٰ۔ پس اس آیت کو خلفاء ثلاثہ کی خلافت سے کوئی تعلق نہ ہوا صرف رسول اللہ کی خلافت سے تعلق ہوا۔ حالانکہ دعوے یہ ہے کہ یہ آیت آنحضرتؐ کے خلفاء کی شان میں ہے اور ضرور ایسا ہی ہے۔ دعویٰ خلفاء اربعہ کی خلافت کا کیا گیا ہے اور ثابت رسول اللہؐ کی رسالت و خلافت کی ہے اور اس خلافت کے مصداق سے ثبوت میں خلفاء کو علیحدہ ہی کر دیا۔ چلئے سب کچھ ہو لیا ضعف بھی ہو لیا۔ خوف بھی ہو لیا اور امن بھی رسولؐ کو حاصل ہو لیا۔ اب ضعف کے لئے اس کی کیا بحث ؟ ان سے ہاتھ اٹھائیے ؎

شادم کہ با رفیقاں دامن فشاں گذشتی
گو مشتِ خاک ما ہم بہ باد رفتہ باشد

مجھے تعجب ہے اس شخص سے جو بکمالِ حیرت یہ دعوے کرتا ہے کہ ان آیات نے خلافت خلفاء اربعہ کا صاف فیصلہ کر دیا۔ کیونکہ مکہ میں مسلمان مظلوم تھے اور خدا نے ان مظلومین کے لئے وعدہ کیا تھا کہ اگر ہم ان کو زمین میں قدرت دے دیں تو نماز کو قائم کریں۔ زکوٰۃ ادا کریں۔ امر بالمعروف کریں۔ نہی عن المنکر کریں۔ مدینہ میں خدا نے ان کو حکومت دی اور انہوں نے نماز کو قائم کیا اور زکوٰۃ ادا کی اور ان مہاجرین میں چاروں خلفاء تھے لہٰذا چاروں کی خلافت برحق ثابت ہوئی۔ انتہیٰ۔ کیا مکہ میں صرف یہ چاروں یار ہی تھے ؟ کیا مظلوم صرف یہ چار ہی تھے ؟ کیا ہجرت کے بعد مدینہ میں پہنچ کر حکومت و خلافت ان کو ہی ملی یا رسول اللہؐ کو ؟ اس وقت حاکم و بادشاہِ اسلام رسول اللہ تھے یا چار یار ؟ کیا رسول اللہؐ کے زمانے میں اقامۂ صلوٰۃ و ادائے زکوٰۃ و امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہیں ہوئی ؟ اور خلفاء کے زمانے میں ہوئی کیا ایسے خیال سے معاذ اللہ آنحضرتؐ کی نبوت باطل قرار نہیں پاتی یا کم سے کم یہ ثابت نہیں ہوتا کہ رسولؐ اللہ اپنے زمانے میں اقامۂ صلوٰۃ و ادائے زکوٰۃ امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہ کر سکے ؟ کیا "انا فتحنا لک فتحاً مبیناً" رسولؐ اللہ کے لئے نہیں آیا۔ چار یاروں کے لئے آیا ہے ؟ کیا واقعی آنحضرتؐ کے زمانے میں دین الٰہی نہیں پھیلا۔ بلکہ خلفاء کی خلافت کے زمانہ میں پھیلا ؟ کیا دینِ اسلام صرف ملکوں کے فتح کرنے اور مالِ غنیمت لوٹنے ہی کے لئے آیا ہے ؟ کیا اسلام اور بادشاہت وغیرہ ہم معنی ہیں ؟ کیا خلافت محمدیہ بادشاہت ہی کا نام ہے ؟ اور جب حضرت علیؑ کو تمہارے خیال کے مطابق فتوحات نصیب ہوئیں۔ نہ دولت نہ امن۔ پھر کیونکر وہ ان خلفاء میں داخل کئے گئے ؟ جن کے لئے خدا نے فتوحات کا وعدہ کیا ہے ؟ چاروں خلفاء کے زمانے میں سلسلہ جنگ برابر قائم رہا ہے مسلمانوں کے ساتھ بھی اور غیر مسلمانوں کے ساتھ بھی۔ تو امن کے معنی جنگ ہیں ؟ جنگ جاری ہے اور زمانہ امن

کا کہلاتا ہے۔ عجیب منطق ہے۔ ہجرت رسولؐ اللہ کریں۔ فتح مبین رسولؐ اللہ کو حاصل ہو۔ خلافت اصحاب ثلاثہ کی ثابت ہو۔ خوب ہم فرض کرتے ہیں، کہ مظلوم مسلمانوں سے خدا نے نصرت و فتح کا وعدہ کیا تھا اور وہ بعد انتقالِ رسولؐ اللہ آپ کے خیال کے موافق پورا ہوا۔ ان مظلوم مہاجرین کو فتح دی گئی۔ مظلومیت میں تو سارے مسلمان شریک ہیں۔ ہجرت میں شریک ہیں۔ اسلام میں شریک ہیں وعدہ سب سے تھا۔ بادشاہ یہ تین یا چار بنے۔ ان میں ان اوصافِ مشترکہ کے ساتھ کون سی صفت ممیزہ تھی۔ جس نے ان کو خصوصیت سے اس کا مصداق بنا دیا؛ اس وعدہ میں ان چاروں کے ساتھ کل مسلمان شریک ہیں اور ایک وقت میں ان چار میں سے دو مدعی خلافت ہیں۔ ایک ابوبکرؓ اور ایک علیؑ۔ اس آیت میں کون سی دلیل ہے۔ جو ابوبکرؓ کو اس وقت خلیفہ ثابت کرتی ہے اور علیؑ کو نہیں کرتی درآنحالیکہ علیؑ بلامبالغہ سینکڑوں ممیزات رکھتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ ابوبکر چونکہ ہو گئے اور مسلمانوں نے مان لیا تو وہی خلیفہ ہو گئے تو اول دعوے و بحث اس ہو جانے میں نہیں ہے۔ بحث اس میں ہے کہ اس ہونے کی کیا اصلیت ہے۔ جائز ہوئے یا بے جا۔ حق سے اس جگہ بیٹھے یا ناحق۔ وہ اس کے اہل تھے یا نہیں؛ ورنہ اس سے کس کو انکار ہے کہ ایک واقعہ ایسا ہوا تھا۔ حضرت ابی بکر بادشاہ بنے تھے۔ لوگ ان کے ساتھ ہوئے تھے؛ اس میں غور کیجئے اور بادشاہت کے لئے نبوت کو پامال نہ کیجئے اور ہمارے اتنے ہی بیان سے استدلال اصلاً باطل ہو گیا۔ زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔

یہ ہے ہمارا دعوے اور ہمارا ثبوت خلافت خلفاء آئمہ اثنا عشر کی شان میں اور یہ کہ حضرت علیؑ ہی بعد رسولؐ خلیفہ برحق و امام امت اور مقتدائے مسلمین ہیں۔ اول خلافتِ الٰہیہ و خلافت محمدیہ انہی کا حق ہے مگر حسب تصریحِ خدائی اس میں بھی شک نہیں ہے۔ کہ حضرت علیؑ چوتھے خلیفہ ہیں۔ اول حضرت آدمؑ کی خلافت کا ذکر ہے دوم حضرت داؤدؑ کی۔ سوم حضرت ہارونؑ کی اور چہارم مثل ہارونؑ۔ وزیر و برادر مثیل موسیٰ حضرت علیؑ کی۔ اس لحاظ سے خلافت الٰہیہ کا چوتھا خلیفہ حضرت علیؑ کو کہہ سکتے ہیں اور حضرتؑ نے بھی بعض اوقات ایسا فرمایا ہے اور یہی ثبوت دیا ہے۔ چلئے چار خلفاء کی اصطلاح اہل سنت میں بھی ہے وہ حضرت ابوبکر حضرت عمر حضرت عثمان اور حضرت علیؑ کو چار یار کہتے ہیں، ہم حضرت آدمؑ ابی البشر۔ حضرت داؤد حضرت ہارونؑ اور حضرت علیؑ کو خلفاء اربعہ مذکورہ فی القرآن کہتے ہیں ولا مناقشۃ فی الاصطلاح ان کا وہ مسلک اور ہمارا یہ۔ لکم دینکم ولی دین (از خلافت الٰہیہ حصہ سوم)

بابِ دہم

امامتِ ائمہ اثنا عشر پر وارد شدہ بعض ایرادات کے جوابات

واضح ہو کہ نہایت کدو کاوش کے بعد ہمیں برادرانِ اسلام کے چند نام نہاد جوابات معلوم ہو سکے ہیں جنہیں وہ بزعم خود ان نصوص قطعیہ امامت ائمہ اہل بیت علیہم السلام کا جواب سمجھتے ہیں۔ مناسب معلوم ہوا کہ یہاں ان کا کلعی کھول دی جائے۔

(۱) کہتے ہیں کہ یہ سب اخبارِ احاد ہیں جن سے مسئلہ امامت ثابت نہیں ہو سکتا۔ اس شبہ کا تحقیقی جواب باصواب چھٹے باب میں تفصیلاً دیا جا چکا ہے اور متعدد وجوہ سے اس جواب کا فساد واضح کیا جا چکا ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

(۲) کہا جاتا ہے کہ ائمہ اہل بیتؑ میں سے فقط دو بزرگواروں حضرت علیؑ اور حضرت حسنؑ کو ریاست و امارت حاصل ہوئی۔ چونکہ دوسرے ائمہ کو سلطنت و تمکنت حاصل نہیں ہوئی لہٰذا ہم انہیں امام تسلیم نہیں کر سکتے کیونکہ امامت "ریاستِ عامہ نیابۃً عن النبیؐ" کو کہتے ہیں لہٰذا وہ نصوص جو ان کی امامت پر دلالت کرتے ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ یہ امام فی الفتویٰ ہیں۔

(الجواب) ان حضرات کا جواب چند وجوہ کی بنا پر درست نہیں ہیں۔

اوّلاً اگر بالفعل ظاہری طور پر پورے تسلّط و غلبہ اور حصول امارت و ریاست عامہ کو شرط امامت قرار دیا جائے تو اس سے متعدد مفاسد لازم آئیں گے۔

(الف) مانعین زکوٰۃ کے زکوٰۃ نہ دینے کے وقت ان حضرات کو ماننا پڑے گا کہ حضرت ابوبکر خلیفہ نہ رہیں ولو بالنسبۃ الیہم۔

(ب) جن دنوں حضرت عثمان محصور تھے (چالیس روز) اور ظاہری تسلّط و غلبہ اور اقتدار سلب ہو چکا تھا لہٰذا ان کی خلافت کا بھی انہیں انکار کرنا پڑے گا۔

(ج) جنگ جمل اور صفین وغیرہ کی اثنا میں حضرت علیؑ کی خلافت و امامت سے بھی دست بردار ہونا پڑے گا۔ کیونکہ انہیں بھی پوری ریاست عامہ حاصل نہ تھی۔

(د) ان سب سے بالاتر بنا بریں ان تمام انبیاء و مرسلین کی نبوت و رسالت کا انکار بھی کرنا پڑے گا جنہیں کچھ بھی ظاہری تسلط و غلبہ اور ریاست و امارت حاصل نہیں ہوئی تھی بلکہ یا قید و بند میں رہے یا بڑی بے دردی کے ساتھ اپنی سفاک و بے باک قوموں کے ہاتھوں قتل و غارت کے گھاٹ اتار دیئے گئے یہ امید نہیں کہ کوئی بھی سُنی ان انبیاء کی نبوت کا انکار کرنے کی جرأت وجسارت کر سکے لہٰذا جب اصل نبوت ظاہری تسلط و غلبہ اور اقتدار کے حصول کے بغیر باقی رہ سکتی ہے تو امامت جو کہ اس کی فرع ہے اس کے بغیر کیوں باقی نہیں رہ سکتی؟

ثانیاً حقیقت یہ ہے کہ امامت و خلافت کا تحقق وحصول فقط نص پر منحصر ہے لہٰذا جب کسی شخص کی خلافت و امامت کے متعلق بالفعل نص موجود ہو تو اسکی خلافت و امامت متحقق و ثابت ہو جائے گی اور وہ شخص عنداللہ امام مفترض الطاعۃ قرار پائے گا۔ اور خداوند عالم کی طرف سے ریاست عامّہ حاصل کرنے کا مستحق سمجھا جائے گا۔ لیکن اسے بالفعل تمکن و تسلط دنیا اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا یہ لوگوں کا فریضہ ہے اگر وہ اپنے فرضِ منصبی کو ادا کریں گے تو اس میں انہی کا دینی و دنیوی فائدہ مضمر ہے اور اگر وہ اس کی معصیت و نافرمانی کر کے اپنے کو "ھاویہ" کے زاویہ میں ڈال دیں گے تو اس سے خلیفہ و امام اپنے منصبِ خلافت و امامت سے ہرگز معزول نہیں ہوگا اور بعینہٖ یہی حال نبی کا ہے وھذا واقع لمن القی السمع وھو شہید

ثالثاً خود بعض علمائے اہل سنت نے بھی اس حقیقت کا اقرار و اعتراف کر لیا ہے کہ ظاہری ریاست و امارت کو امامت و خلافت کے تحقق میں کوئی دخل نہیں ہے، حضرت مولانا حکیم امیر الدین صاحب مرحوم مترجم و محشی فلک النجاۃ صفحہ ۲۶۸ ج مطبع اوّل کے حاشیہ نمبر ۲ پر کتاب استقصاء الافحام ج ۱ منہج ثانی صفحہ ۲۲ کے حوالہ سے رقمطراز ہیں۔ "ابو شکور سلمی حنفی سے نقل کیا گیا ہے کہ اس نے "تمہید فی بیان التوحید" میں کہا ہے یہ قول غلط ہے کہ جب امام کو غلبہ حاصل نہ ہو اور اس کی کوئی اطاعت نہ کرے تو امام نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ امام کی اطاعت فرض ہے اور اگر لوگوں کی سرکشی سے امام کو غلبہ حاصل نہ ہو تو یہ امر امام کو امامت سے معزول نہیں کر سکتا اور امت کی نافرمانی امامت کو مضر نہیں کیا تو نہیں دیکھتا کہ نبی ابتدائے اسلام میں باوجود نبی ہونے کے مطاع نہیں تھے یعنی لوگ ان کی متابعت نہیں کرتے تھے اور نہ کفار و اعداء پر رسولؐ کو قہر و غلبہ حاصل تھا۔ تاہم اس بات سے نبوت نبیؐ میں کچھ نقص نہیں آیا تھا اور نہ وہ نبوت سے اس باعث معزول ہوئے تو امام بھی چونکہ خلیفۂ نبی ہے اگر تمام مسلمان فرمانبردار اس کے نہ ہوں تو یہ امر اس کو امامت سے معزول نہیں کرتا اگرچہ سب لوگ معاذ اللہ مرتد ہو جائیں۔ تب بھی امام معزول نہیں ہوتا۔ بلکہ نافرمانی کا گناہ مخالفین پر ہوگا۔ جیسا کہ علیؑ جمیع مسلمانوں کے مطاع نہیں ہوئے

تھے اور امام تھے۔ ان حقائق کی روشنی میں ان حضرات کا یہ دوسرا جواب جو فی الحقیقت سراب اور عند التحقیق ایک شبہ سے زائد کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ بالکل باطل ثابت ہوگیا اور معلوم ہوگیا کہ نبی کی طرح امام کے لئے بھی ظاہری دنیوی اقتدار کا ہونا لازم نہیں۔

(۳) اسی طرح یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر ائمہ اہل بیت ہی امام برحق تھے تو خداوند عالم نے قرآن مجید میں ان کے نام کیوں نہیں بتا دیئے؟ اس شبہ کا تحقیقی جواب ساتویں باب میں دیا جا چکا ہے علاوہ بریں یہ دو الزامی جواب بھی دیئے جا سکتے ہیں۔

(الف) اگرچہ اکثر اہل سنت کے نزدیک امامت فروع دین میں داخل ہے مگر ہے اس قدر اہم کہ تقرر خلیفہ و امام کی خاطر جنازہ رسولؐ کو بھی مؤخر بلکہ ترک کیا جا سکتا ہے تو جب خدا نے معمولی معمولی فروع دین کے مسائل قرآن میں بیان کر دیے تو خلفاء کے نام کیوں نہ بتائے؟ فما هو جوابكم فهو جوابنا!

(ب) سابقہ بعض ابواب میں واضح کیا جا چکا ہے کہ بعض علمائے اہل سنت مثل ابن حجر مکی اور ابن حزم وغیرہ امامت بالنص کے قائل ہیں اور اس سلسلہ میں اپنے مزعومہ خلفاء کی خلافت ثابت کرنے کے لئے بعض مجعول احادیث نبویہ پیش بھی کرتے ہیں تو اگر یہ نظریہ درست ہے کہ امامت منصوص ہونی چاہیئے تو پھر خود ان پر یہ ایراد وارد ہوگا کہ بقول تمہارے ۔ قرآن اس سلسلہ میں خاموش ہے؟ جو جواب وہ دیں گے وہی ہمارا جواب متصور ہوگا بہرحال ماننا پڑے گا کہ منشاء قرآن کا بیان پیغمبر اکرم کے فرمان میں موجود ہے جو وما ينطق عن الهوىٰ ان هو الا وحى يوحىٰ کے مصداق ہیں جب ان کے کلام حقیقت ترجمان میں ائمہ اہل بیت کے نام موجود ہیں تو پھر اس سوال کی کیا وقعت رہ جاتی ہے کہ قرآن میں یہ نام کیوں مذکور نہیں ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ قرآن نے صرف امام کے اوصاف و شرائط بیان کر دیئے ہیں جو خود بخود اپنے مصداق و موصوف کو تلاش کر لیتے ہیں۔ نام پر نام تو رکھنا آسان ہے مگر اوصاف کمالیہ کا نمونہ پیش کرنا بہت مشکل ہے۔

(۴) اسی طرح یہ شبہ بھی پیش کیا جاتا ہے کہ ائمہ اہل بیتؑ میں سے اکثر نے امامت کا دعویٰ ہی نہیں کیا۔ پھر ہم ان کو کیونکر امام تسلیم کر سکتے ہیں؟

یہ تو بلاتشبیہ مدعی سست اور گواہ چست والا معاملہ ہے۔ اس شبہ کا جواب با صواب بھی ساتویں باب میں تفصیلاً دیا جا چکا ہے کہ اگر دعوائے امامت سے مراد یہ ہے کہ شمشیر بکف ہو کر میدان کارزار میں کیوں نہیں کود پڑے۔ تو یہ امام بلکہ نبی کے لئے بھی لازم نہیں ہے اور اگر یہ مراد ہے کہ زبانی طور پر اپنی امامت و خلافت کا ادعا کیا جائے تو یہ ادعا تاریخ کی ناقابل تردید شہادتوں

سے ثابت ہے۔ اس کا انکار سراسر مکابرہ و مجادلہ ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ آئمہ اہل بیتؑ نے اپنی خلافت و امامت کا ادعا نہیں فرمایا۔ یہ حقائق سے عمداً چشم پوشی پر مبنی ہے۔ جس کی کوئی باخبر و اطلاع شخص تائید نہیں کر سکتا۔ اِنَّ فی ھٰذا لبلاغاً لقوم یعقلون۔

باب یازدهم

فرقہ حقہ امامیہ یعنی شیعہ اثنا عشریہ کے علاوہ دیگر فرق شیعہ کا بطلان

سابقہ ابواب میں ائمہ اہل بیتؑ کے متعلق جو نصوص قرآنیہ وحدیثیہ بیان کئے گئے ہیں۔ جب ان سے ائمہ دوازدہ کی خلافت وامامت حقہ ثابت ہوگئی تو اس سے فرقہ حقہ امامیہ اثنا عشریہ کی صداقت و حقانیت اور ان کے علاوہ دیگر فرق شیعہ مثل زیدیہ، کیسانیہ، اسماعیلیہ، فتحیہ اور واقفیہ وغیرہ کے نظریات ومعتقدات کا بطلان بھی واضح وعیاں ہوگیا۔ اب بحمدہ تعالےٰ ہمیں اس امر کی ضرورت نہیں رہی کہ ان فرقِ باطلہ میں سے ہر ایک فرقہ کے نظریہ کی بالخصوص علیحدہ علیحدہ تردید کی جائے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ جب پورے بارہ اماموں کی امامت حقہ ثابت ہوگئی تو اس سے چہار امامیہ وشش امامیہ اور ہفت امامیہ وغیرہ وغیرہ کا بطلان خود بخود عیاں ہو جاتا ہے۔

علاوہ بریں جب یہ حقیقت عقلاً ونقلاً ثابت ہے کہ فرقہ ہائے اسلام میں سے صرف ایک ہی فرقہ حق پر ہو سکتا ہے اور وہی فرقہ ناجی ہے اور اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اس کی بیّن دلیل ہے کہ وہ فرقہ حقہ ناجیہ شیعہ اثنا عشریہ ہی ہے تو اس سے خود بخود دوسرے سب فرقوں کا بطلان کالشمس فی رابعۃ النہار واضح وآشکار ہو جاتا ہے۔

اصحاب ائمہؑ کے اختلاف کے اسباب یا ان کے شبہات

ہاں البتہ چونکہ اکثر اہل جماعت و ہوا خواہانِ بنی اُمیہ اصحاب ائمہ علیہم السلام کے باہمی اختلاف وافتراق کو ان کی نصِ امامت کے موجود نہ ہونے کی دلیل قرار دیا کرتے ہیں لہٰذا ان کے اس زعمِ فاسد کا اجمالاً ابطال مناسب معلوم ہوتا ہے۔ واضح ہو کہ اصحاب ائمہ کے بعض ائمہ طاہرین کی امامت میں اختلاف کرنے کو نص کے موجود نہ ہونے کی دلیل قرار دینا۔ بچند وجہ درست نہیں ہے

وجہ اوّل اکثر وہ وجوہ جو حضرت امیر علیہ السّلام سے صحابۂ رسول کے اعراض وانحراف کے بیان میں اوپر ساتویں باب میں بالتفصیل بیان ہو چکے ہیں ان میں سے اکثر یہاں بھی جاری ہیں۔ اجمالاً اتنا سمجھ لیجئے کہ جس طرح اصحاب رسول میں ہر مکتب خیال کے لوگ موجود تھے جن کی اجمالی کیفیت مقام

مذکورہ بیان ہو چکی ہے بعینہ اسی طرح اور اسی قماش کے لوگ اصحاب ائمہ علیہم السلام میں بھی شامل تھے لہٰذا جو اغراض فاسدہ صحابۂ رسولؐ کے حضرت امیرؑ سے باوجود نصوص کثیرہ اعراض وانحراف کا سبب بنے تھے وہی مقاصدِ فاسدہ بعض اصحاب ائمہ کے لئے بھی باعثِ ضلالت وگمراہی بنے۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ اصحاب ائمہ معصوم نہ تھے جوان سے اس قسم کی خطاء ولغزش کا صدور نہ ہوتا بلکہ ان کی پوزیشن صحابۂ رسول سے بھی کم ہے۔ صحابۂ رسول کے متعلق تو پھر بھی مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت یہ نظریہ رکھتی ہے کہ کلہم عدول" لیکن صحابۂ ائمہ کے متعلق تو کوئی شخص بھی یہ نظریہ نہیں رکھتا۔ لہٰذا اول الذکر حضرات باں ہمہ عظمت نصوص صریحہ سے اعراض کر کے اختلاف وافتراق کا مظاہرہ کر سکتے ہیں تو کیا اصحابِ ائمہؑ اس امر شنیع کے مرتکب نہیں ہو سکتے؟ ضرور ہو سکتے تھے اور ہوئے۔

وجہ دوم اسی طرح اس مقام پر بھی نصوص قاطعہ کے مقابلہ میں بعض اجتہاداتِ فاسدہ عمل میں لائے گئے جیسا کہ کتب سیر وتواریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے مثلاً کتاب "فرق الشیعۃ" میں فرقہ کیسانیہ (جو کہ حضرت محمد ابن حنفیہ کی امامت کے قائل ہیں) محمد ابن حنفیہ کی امامت کے قائل ہونے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ چونکہ حضرت امیرؑ نے جنگِ صفین میں اپنے لشکر کا علمبردار ان کو قرار دیا تھا۔ لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ یہی آپ کے خلیفہ وجانشین ہیں۔ ان خدا کے بندوں کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ حضرات حسنینؑ شریفین کو جنگ میں نہ بھیجنا ان پر حضرت امیرؑ کی کمالِ شفقت ورأفت اور نسلِ رسولؐ کے بقا کے اہتمام کی دلیل ہے۔ جیسا کہ نہج البلاغہ میں خود حضرت امیر المومنینؑ کی زبانی یہی وجہ مروی ہے۔ کسی شخص کا کسی جنگ میں علمبردار ہونا اس کی امامت کی دلیل نہیں ہو سکتا۔

وجہ سوم اسی طرح فرقۂ فطحیہ کے متعلق جو کہ عبداللہ افطح فرزند حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کی امامت کے قائل ہیں، کہا جاتا ہے کہ ان کا یہ عقیدہ اس خیال پر مبنی ہے کہ چونکہ یہ حضرت موسیٰ کاظم علیہ السّلام سے سن میں بڑے ہیں اور امامت بڑے بیٹے کو ملتی ہے۔ بنابریں عبداللہ ہی امام ہوں گے۔ مگر یہ نہ دیکھا کہ گو بعض عمومات میں یہ پایا جاتا ہے کہ امام سابق کی اولاد میں سے یہ عہدۂ جلیلہ بڑے بیٹے کو ملتا ہے لیکن ان عمومی روایات میں یہ قید بھی مذکور ہے کہ "مالم تکن بہ عاھۃ" کہ جب تک اس بڑے بیٹے میں کوئی نمایاں عیب موجود نہ ہو (اصول کافی)۔ بنابریں ان عقل وخرد کے دشمنوں نے ان عمومات کو تو دیکھا لیکن اس شرط کو نظر انداز کر دیا اور یہ نہ سوچا کہ عبداللہ افطح گو حضرت امام موسیٰ ابن جعفرؑ سے عمر میں بڑے ہیں۔ لیکن ان میں عیب پایا جاتا تھا (سر اور پاؤں معمول سے بڑے تھے) لہٰذا وہ مستحق امامت نہیں ہو سکتے۔ ان لوگوں پر جو بعض عمومات کے ساتھ تمسک کر کے

ان کے مخصوصات کو نظر انداز کر دیتے ہیں .... یہ شعر پوری طرح منطبق ہوتا ہے۔

؎ وقل للذی یدعی فی العلم فلسفۃً حفظت شیئاً وغابت عنک اشیاء

مذکورہ بالا بیان حق ترجمان سے فرقۂ اسماعیلیہ (جو آج کل آغا خانی کہلاتا ہے) کا بطلان بھی واضح ہو جاتا ہے۔ ان لوگوں کی بھی یہی دلیل جلیل ہے کہ جناب اسمٰعیل عمر میں حضرت امام موسےٰ کاظمؑ سے بڑے تھے۔ لہٰذا امامت کے مستحق وہی ہیں۔ انھوں نے یہ نہ سوچا کہ اگر فی الواقع امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد جناب اسماعیل ہی امام ہوتے تو حضرت امام جعفر صادقؑ کی زندگی میں ان کا انتقال نہ ہوتا۔ آیا یہ ممکن ہے کہ بعد میں ہونے والا امام سابق امام کے عینِ حیات میں انتقال کر جائے؟ ان حقائق کی روشنی میں ماننا پڑے گا کہ عہدۂ امامت اس بڑے بیٹے کو ملتا ہے جو اپنے باپ (امام سابق) کی وفات کے وقت موجودہ اولاد سے عمر میں بڑا ہو۔ اور اس میں بھی یہ شرط ہے کہ اس میں کوئی خَلقی یا خُلقی عیب ونقص موجود نہ ہو۔ ان حقائق کو پیش نظر رکھنے کے بعد یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد اس معیار پر سوائے امام موسےٰ کاظم علیہ السلام کے اور کوئی پورا نہیں اترتا۔ لہٰذا ساتویں مرتبہ پر اقلیم امامت کے تاجدار بھی یہی بزرگوار ہوں گے۔ وھو المقصود وقد حصل بعون اللہ المودود اس بیان حقیقت ترجمان سے واضح وعیاں ہو گیا کہ نصوص قطعیہ کے مقابلہ میں ان ذاتی اجتہادات وقیاسات کی کوئی حقیقت و حیثیت نہیں ہے اور نہ ان لوگوں کا اختلاف قابلِ اعتنا ہے۔ لان الاجتھاد فی مقابل النص باطلٌ بالاتفاق۔ قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی وما انا من المشرکین۔

باب دوازدھم

فرقۂ ناجیہ کی تحقیق

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ ستفترق امتی علی ثلٰث وسبعین فرقۃ کلھا فی النار الا واحدۃ منھا ناجیۃ۔ آنحضرتؐ فرماتے ہیں۔ میری امت تہتّر۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی۔ جن میں سے فقط ایک فرقہ نجات پائے گا اور دوسرے سب فرقے جہنم میں جائیں گے (حدیث نبوی متفق علیہ) اس حدیث شریف کو آنحضرت کے معجزات میں شمار کرنا چاہیئے کیونکہ جو بھی مخبر صادقؐ نے خبر دی تھی ویسا ہی ہوا کہ آپ کی امت تہتّر فرقوں میں بٹ گئی۔ اور قطع نظر روایتی حیثیت کے درایتی نقطۂ نگاہ سے یہی بات اس حدیث کی صحت کی سب سے بڑی دلیل ہے نیز اسی حدیث شریف کے پیشِ نظر مختلف ملل ومذاہب کے عقائد ونظریات سے بحث کرنا ایک مستقل فن قرار پا چکا ہے اور اس موضوع پر بیسیوں کتابیں جیسے ملل ونحل، الفصل، تبصرۃ العوام، ودبستان المذاہب، تمہید المذاہب، ایجاز المطالب، عوارف المعارف اور معارف الملّت الناجیۃ والناریہ وغیرہ لکھی جا چکی ہیں۔ از روئے قواعد روایت ودرایت اس حدیث کا صحیح ہونا ایک قطعی امر ہے لہٰذا اس کی صحت کے متعلق بحث کرنا بے فائدہ معلوم ہوتا ہے۔ ہاں جس قدر اختلاف ہے وہ فقط "فرقہ ناجیہ" کی تعیین وتشخیص میں ہے اور یہی بات اہم ہے چنانچہ بمصداق "کل حزب بما لدیھم فرحون"۔ فرقہ ہائے اسلام میں سے ہر فرقہ اپنے کو ناجی اور دوسرے تمام فرقوں کو ناری بتاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ فقط ایک ہی فرقہ کا ناجی ہونا علاوہ نقلی دلیل کے جس پر یہی حدیث شریف بالتصریح دلالت کرتی ہے۔ عقلی دلیل سے بھی ثابت ہے ظاہر ہے کہ اگر تمام فرقہ ہائے اسلام باہمہ اختلاف عقائد وآراء برحق سمجھے جائیں تو اس صورت میں اجتماع النقیضین لازم آئے گا اور یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ سب باطل پر ہوں کیونکہ اس صورت میں ارتفاع النقیضین لازم آتا ہے اور یہ دونوں امر محال وممتنع ہیں۔ علاوہ بریں علم ریاضی کے جاننے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ جب ایک مبداء سے منتہا کی طرف متعدد خطوط کھینچے جائیں تو ان سب خطوط میں سے بالکل درست اور سیدھا خط ایک ہوتا ہے اور ایک ہی ہو سکتا ہے لہٰذا بمطابق ارشاد نبوی عقلاً بھی لازم

ہے کہ ایک ہی فرقہ ناجی ہو اور دوسرے سب فرقے ناری ہوں۔ یہ ملحوظ رہے کہ اس ناجی فرقہ کا تعلق بہر حال اسلام سے ہے کیونکہ دین اسلام کی حقانیت ناقابل تردید دلائل سے ثابت ہے جس طرح دوسرے تمام ملل و ادیان کا بطلان عیاں راچہ بیان کا مصداق ہے۔ اس حدیث شریف سے بحث کرتے وقت دو امر نہایت قابلِ تامل و تدبر ہیں۔

امرِ اوّل یہ کہ اس مقام پر ہر بیدار مغز انسان کے دل و دماغ میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سرکار خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برابر تیئیس ۲۳ سال تک باوجود تبلیغ حق میں غیر معمولی مساعی جمیلہ فرمانے اور ہر ممکن طریقہ سے راہِ رشد و ہدایت دکھانے اور اتفاق و اتحاد کی ترغیب و تحریص دلانے اور افتراق و اختلاف سے بچانے کے امت اس قدر انتشار و خلفشار کا شکار کیوں ہو گئی۔ اس اختلاف و افتراق کے کیا علل و اسباب ہیں؟

امرِ دوم فرق اسلام میں سے وہ ناجی فرقہ کون سا ہے آیا اس کی تعیین و تشخیص پر کوئی عقلی و نقلی دلیل موجود ہے یا نہیں؟

اختلافِ اُمت کے اسباب امر اوّل کے متعلق جواباً گذارش ہے کہ اس موضوع پر قلم اٹھانے والے حضرات نے اس اختلاف کے متعدد علل و اسباب ذکر کئے ہیں چنانچہ علامہ شہرستانی نے اپنی کتاب ملل و نحل کے مقدمہ از صلا تا ص۲۴ طبع مصر پر اختلاف امت کے گیارہ علل و اسباب ذکر کئے ہیں جن میں سے پہلا سبب عہدِ رسالت کے منافقین کی اسلام کش چرکتوں اور سازشوں اور دوسرا سبب "قضیۂ قرطاس" کو قرار دیا ہے اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں ہے کہ ان سب علل و اسباب کو یہاں نقل کیا جائے۔ شائقین کتاب مذکور کی طرف رجوع کریں۔ ہم نے اس سلسلہ میں جہاں تک غور و تامل کیا ہے تو معلوم ہوا ہے کہ اس اختلاف و افتراق کا بنیادی سبب ایک اور فقط ایک ہے اور وہ ہے عترتِ رسولؐ سے اعراض و انحراف۔ ہمیں ہر ناظر بصیر اور ناقد خبیر سے امید کامل و رجاء واثق ہے کہ سابقہ ابواب کے مندرجات کو بنظرِ غائر پڑھنے کے بعد اس سلسلہ میں یقیناً ہمارے ساتھ اتفاق رائے کرے گا۔

ہم سابقہ ابواب میں بدلائل ساطعہ و براہین قاطعہ یہ امر محقق و مبرہن کر چکے ہیں کہ حکیم اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار نہیں بلکہ بیسیوں بار اپنی عترتِ طاہرہ سے تمسک و اعتصام اور ان کی اتباع و اقتداء کو موجب اتفاق و اتحاد اور باعث نجاح و فلاح قرار دے کر ان سے تخلف و اعراض کو باعثِ اختلاف و افتراق اور موجبِ ضلالت و گمراہی قرار دیا ہے۔ حدیث شریف ثقلین، حدیث سفینہ

اور بالخصوص حدیث امان راھلبیتی امان لامتی من الاختلاف فاذا خالفتھا قبیلۃ صارت حزب ابلیس) میرے اہل بیتؑ میری امت کے لئے اختلاف سے بچنے کا واحد ذریعہ ہیں جب بھی کوئی قوم و قبیلہ ان کی مخالفت کرے گا وہ شیطان کا گروہ ہو کر رہ جائے گا۔ (صواعق محرقہ ص۲۳۴ طبع جدید) اس حقیقت پر بطور نص صریح دلالت کرتی ہے۔ کما لا یخفیٰ۔

جب اُمتِ رسولؐ نے حکیم اُمت کے ارشاد کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے ائمہ اہل بیتؑ سے منہ موڑ کر غیروں سے اپنا رشتہ جوڑ لیا اور خدا و رسولؐ کے مقرر کردہ ائمہ اطہار و پیشوایان اخیار سے اعراض و روگردانی اختیار کر کے اپنے خود ساختہ و پرداختہ ائمہ و خلفاء کی فرمانبرداری و پیروی شروع کر دی تو اتفاق و اتحاد عنقا ہو گیا اور اُمت تہتر فرقوں میں بٹ کے رہ گئی۔ باقی رہا یہ امر کہ ان ائمہ دین سے اعراض کیوں کیا گیا؟ تو اس کے بعض حقیقی علل و اسباب کے چہرہ سے ساتویں باب میں نقاب کشائی کی جا چکی ہے۔ وہاں رجوع کیا جائے۔ معلوم ہوا کہ وہ نعمتِ عظمیٰ جس سے اسلام نے تمام ذاتی عداوتوں اور قبائلی کینوں کو عربوں کے سینوں سے دُور کر کے مسلمانوں کو سرفراز کیا تھا اور "فاصبحتم بنعمتہ اخواناً" کا تاج ان کے سروں پر رکھا تھا۔ مسلمان اس دولت کو اپنی شقاوت و بدبختی کی وجہ سے بہت جلد اپنے ہاتھوں سے کھو بیٹھے اور اس کے فیوض و برکات سے زیادہ عرصہ تک نفع اندوز نہ ہو سکے۔ سچ ہے

"ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسھم"

ع

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی ۔۔۔ نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

آج کا ذکر ہی کیا قرن اوّل ہی میں امت کے اہل بیتؑ سے اعراض و انحراف کرنے کے نتیجہ اور سقیفائی و شورائی کارروائیوں کے تلخ ثمرہ میں اس کے خرمنِ اتفاق و اتحاد کو جو نقصان پہنچا اور وہ جس تشتت و افتراق میں مبتلا ہو گئی اس کا نقشہ اس عہد کے ایک اسلامی شاعر نے ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

ع وتشعبت شعباً فکل قبیلۃ ۔۔۔ فیھا امیر المؤمنین ومنبر

فرقۂ ناجیہ معلوم کرنے کا پہلا طریق

انہی مذکورہ بالا حقائق سے دوسرا امر بھی منقح و معلوم ہو گیا اور واضح ہو گیا کہ رشد و ہدایت اور فوز و فلاح ائمہ اہل بیتؑ ہی کے سفینۂ نجات پر سوار ہونے میں مضمر ہے۔ اس مقام پر یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ آیا تمام امت نے ان ائمہ اطہارؑ کے دامن سے دست بردار ہو گئی یا کچھ لوگوں نے وصیت رسول الثقلین کا احترام کرتے ہوئے اپنے تمام دینی و دنیوی امور کی زمامِ قیادت و سیادت ان ذوات مقدسہ کے ہاتھ میں دے دی اور تمام اصول و فروع، تفسیر قرآن، معارفِ اسلام اور مسائل حلال و حرام کو انہی باب ہائے مدینۂ علم نبیؐ سے

اخذ کیا؟ صفحاتِ تاریخ شاہد ہیں کہ وفاتِ پیغمبرؐ سے لے کر آج تک ہمیشہ ہر زمانہ میں ضرور ایک گروہ ایسا رہا ہے اور بحمد ﷲ اب بھی موجود ہے جس نے آنحضرتؐ کے فرمان واجب الاذعان کو بہ نظر استحسان دیکھتے ہوئے ان ائمہ دین کے اکرام و احترام میں کبھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور ہر عسر یسر اور دکھ سکھ میں ان کے دامن اقدس کو کبھی اپنے ہاتھ سے نہیں چھوٹنے نہیں دیا۔ ہمیشہ اپنے دینی و دنیوی معاملات میں انہی پر اعتماد اور انہی کی طرف رجوع کیا ہے۔ اگرچہ یہ گروہ تعداد میں بہت قلیل رہا ہے (وقلیل من عبادی الشکور) لیکن وہ باطل کی بڑی بڑی جبر وتی طاقتوں سے کبھی مغلوب و مرعوب بھی نہیں ہو سکا بلکہ ہمیشہ اس نے نہایت جوانمردی سے حق و صدق کے علم کو بلند رکھا اور تن من دھن کی بازی لگا کر بھی کبھی اسے سرنگوں نہیں ہونے دیا اب اس گروہ کا سراغ لگانا لازم ہے جب وہ گروہ معلوم ہو جائے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہی "ناجی گروہ" ہے ہم ہر منصف مزاج ناظرِ بصیر و ناقدِ خبیر کو دعوت غور و فکر دیتے ہیں کہ وہ چشم بصیرت سے تعصب و عناد کی عینک، گردن سے آباء و اجداد کی اندھی تقلید کا قلادہ اتار کر اور عدل و انصاف کو "کحل البصر" بنا کر تمام فرقہ ہائے اسلام کے عقائد و نظریات اور ان کے اصول و فروع کے مدارک و مصادر پر تفصیلی نظر ڈالے اور تمام کوائف کا صحیح جائزہ لینے کے بعد خدائے علیم و حکیم کو حاضر و ناظر سمجھ کر طالبانِ حق و حقیقت کو بتلائے کہ آیا تمام فرقہ ہائے اسلام میں سوائے اسی ایک مظلوم فرقہ کے جس کو "رافضی" "بدعتی" "سبائی" اور نہ معلوم کن کن بُرے اسماء و القاب سے برادرانِ اسلام یاد کرتے ہیں (اگرچہ پیغمبرِ اسلام نے ان کو "شیعہ خیر البریہ" کا جلیل القدر لقب عطا فرمایا ہے) اور کوئی فرقہ ایسا نظر آتا ہے جو مذکورہ بالا معیارِ حقانیت و میزانِ صداقت پر پورا اُترے؟ ہمیں سو فیصدی یقین کامل ہے کہ اس کا جواب نفی میں دیا جائے گا۔ کیونکہ

؎ اینہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

ائمہ اہل بیتؑ کیساتھ مسلمانوں کی بے انصافیوں کا اجمالی تذکرہ

ارباب اطلاع پر مخفی نہیں کہ دنیائے اسلام میں فقط شیعہ خیر البریہ ہی ایک ایسا فرقہ موجود ہے جو اپنے مذہب حق کے تمام مسائل و احکام کو انہی معادن علم و تاویل و مہابط وحی و تنزیل اور مخازنِ عفت و عصمت اور منابع نجابت و طہارت سے اخذ کرتا ہے اور جب کہ دوسرے فرقہ ہائے اسلام اپنے مذاہب کو اپنے خود ساختہ ائمہ و پیشواؤں کی طرف منسوب کرتے ہیں تو یہ مظلوم فرقہ بڑے فخر و مباہات کے ساتھ اپنے مذہب حق کو خدا اور رسولؐ کے مقرر کردہ، انہی ائمہ اہل بیت علیہم السلام کی طرف منسوب کرتے

ہمسائے "شیعہ علیؑ" اور "جعفری" کہلاتا ہے۔ والحمد للہ۔

اگرچہ یہ امر ایسا واضح وعیاں ہے کہ کسی دلیل وبرہان کا محتاج نہیں لیکن جو لوگ محض زبانی جمع خرچ کے بل بوتے پر اپنے کو اس فرقۂ حقہ میں داخل کرنے کی کوشش ہی نہیں کرتے بلکہ اس کے سرمایۂ حیات پر ڈاکہ مارنا چاہتے ہیں ان کے اس دعوائے خام کا بطلان انہی کے ایک منصف مزاج عالم کے بیان سے واضح وعیاں کیا جاتا ہے۔

بعض انصاف پسند علمائے اہلسنت کا اعتراف حقیقت

چنانچہ علامہ وحید الزمان حیدرآبادی مترجم صحاح ستہ اپنی کتاب انوار اللغہ پ۲ بذیل حدیث ثقلین

لہ ہم نے اپنی کتاب "تحقیقات الفریقین فی حدیث الثقلین" کے مقدمات میں اس امر پر بالتفصیل روشنی ڈالی ہے کہ اہل سنت کے متعصب علماء کا قدیم زمانہ سے یہ وتیرہ رہا ہے کہ جس انسان میں علامت ناصبیت کی کچھ کمی دیکھی اور اہل بیت نبویؐ کی جانب کچھ بھی اس کا رجحان طبع دیکھا کہ اس نے حضرت امیرؑ اور دیگر اعیانِ اہل بیتؑ رسول کے حق میں دو چار کلمۂ خیر کہے۔ ... بے تامل اس پر تشیع کا الزام لگا دیا اور اسے حلقۂ اہل تسنن سے خارج کر دیا۔ ان کا صحیح معیار تسنن یہی ہے کہ اہل بیتؑ سے کوئی قلبی وزبانی تعلق نہ رکھا جائے۔ یعنی انسان پکا ناصبی وخارجی ہو علمائے محدثین وماہرین فن رجال کی کتابیں ہمارے اس بیان کا صدہا ثبوت اپنے سینوں میں محفوظ رکھتی ہیں جس قوم نے امام حاکم ونسائی اور شافعی کو مورد الزام تشیع بنا دیا ہو وہ اگر "وحید الزمان" کو شیعہ کہے تو تعجب نہ ہونا چاہیئے بلکہ اسی سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ "تشیع" ان کی اصطلاح میں کیا معنی رکھتا ہے اور کن اوصاف اور کن عقائد ونظریات کے لوگ ان کی طرف سے شیعہ کا خطاب پا سکتے ہیں۔ "بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است"۔ وہ مولوی وحید الزمان جس نے صحاح ستہ ایسی عظیم کتابوں کے تراجم کر کے شائع کئے۔ تفسیر قرآن لکھی فقہ وحدیث میں کتابیں تالیف کیں جس کی وجہ سے اہل سنت ان کے اس قدر مرہون احسان ہیں کہ قیامت تک سر بلند نہیں کر سکتے۔ لیکن آج ان کو اس کی جزا یہ دی جا رہی ہے کہ انہیں دائرہ اہل تسنن سے بھی خارج کیا جا رہا ہے ہاں اس کے تشیع کی بابت زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ بغض اہل بیتؑ کی بیماری میں مبتلا نہ تھا بلکہ بعض دوسرے منصف مزاج علماء اہلسنت کی طرح اہلبیتؑ سے عقیدت رکھتا تھا۔ اگر اسکو دائرہ اہل ... تسنن سے خارج کرنے کا باعث یہی جرم ہے تو ہم ان کی صفائی نہیں پیش کر سکتے امام شافعی کہہ گئے ہیں ان کان رفضاً حب آل محمد فلیشہد الثقلان انی رافضی (صواعق محرقہ) اسی طرح فاضل موصوف نے صاف صاف لکھ دیا ہے کہ اگر یہی اہلبیتؑ کی اتباع کرنا نام تشیع ہے تو ہم شیعہ ہی سہی اور اسی طریق پر مریں گے۔ اگر اسی کا نام تشیع ہے تو پھر اسکی زد سے خدا ورسولؐ اور جبرئیل بھی محفوظ نہیں ہیں۔ کما قیل۔

گر من علی را دوست دارم خلق گرید رافضی ✽ پس خدا ومصطفیٰ جبرئیل باشد رافضی (منہ عفی عنہ)

رقمطراز ہیں:" اور مقلدوں نے کیا کیا؟ زبانی محبتِ اہل بیتؑ کی توڑینگ مارتے ہیں۔ لیکن عملاً ذرا بھی اہلبیتؑ کی طرف
توجہ نہیں۔ ان کی کتابوں میں جہاں دیکھو ابوحنیفہ اور شافعی اور ابویوسف اور محمد ابن حسن اور زفر کے اقوال بھرے
ہوئے ہیں۔ میں نے آج تک کسی حنفی یا شافعی کو نہیں دیکھا جو صادق یا امام باقر یا دوسرے اہل بیتؑ کے اقوال تلاش
کرکے ان پر چلے بلکہ ان ائمہ کا تو ذکر کیا ہے انہوں نے سردارِ اہل بیتؑ یعنی آنحضرتؐ کی احادیث کو بھی چھوڑ دیا اور
ہر مسئلہ میں اپنے مجتہدین پر جان دیتے ہیں ان کو نہ آنحضرتؐ سے غرض ہے نہ اہل بیتؑ سے معاذ اللہ یہ کیا
آفت مسلمانوں پر چھاگئی جن کی پیروی کا حکم تھا ان کو تو چھوڑ بیٹھے اور الفتوں کو پیشوا بنالیا ان مقلدوں کا جہل اس
درجہ پر پہنچ گیا ہے کہ اگر کوئی بندہ خدا کا اہل بیتؑ کے اقوال اور افعال جمع کرے یا ان کے اجتہاد پر چلے تو اس
کو شیعہ سمجھتے ہیں کیا خوب اگر یہی تشیع ہے تو خدا ہمیں شیعہ ہی رکھے اسی طریق پر مارے۔"

ثپ صلا پر لکھتے ہیں حنفیوں اور شافعیوں اور خوارج وغیرہ نے قرآن کو تو لے لیا اور عترت کو چھوڑ دیا ان
کی کتابوں میں جہاں دیکھو ابوحنیفہ اور شافعی کے اقوال بھرے پڑے ہیں اور اسی صفحہ پر کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں
"طالب حق کو چاہیئے کہ قرآن شریف کو اپنے مطالعہ میں رکھے اسی طرح طالب حق کو لازم ہے کہ جب کسی مسئلہ
میں مجتہدین یا صحابہ کا اختلاف ہو تو حضرت علیؑ اور آپ کی اولاد کرام کا مسلک ہو وہ اختیار کرے۔ امام جعفر صادقؑ

اور امام محمد باقرؑ کے اقوال کو شافعی اور ابوحنیفہ کے اقوال پر مقدم رکھے۔ آنحضرتؐ کا یہی ارشاد ہے۔" اسی
انوار اللغت پ۲ صلا پر جناب موصوف یہ رقمطراز ہیں "نام کے سنیوں نے عترت کو چھوڑ دیا کیونکہ امام حسنؑ و
امام حسینؑ و امام زین العابدینؑ امام محمد باقرؑ و امام جعفر صادقؑ و امام موسیٰ کاظمؑ و امام علی رضاؑ کے اقوال سے
اپنی فقہ بناتے انہوں نے اپنی ساری کتابیں ابوحنیفہ و شافعی کے اقوال سے بھر دیں کبھی بھولے بھی کسی مسئلہ
میں اہل بیتؑ طہارت کا قول تلاش نہیں کرتے یہ قیامت نہیں تو کیا ہے؟"

یہ ہے مذاہب اسلام کی ائمہ اہل بیتؑ سے بے رخی و بے انصافی و بے باکی کا نمونہ مشتے از خروارے
جو انہی کے ایک منصف مزاج عالم دین کے قلم سے پیش کر دیا گیا ہے یہ ایک نہایت تلخ حقیقت ہے جس کا علامہ
وحید الزمان نے باوجود سنی ہونے کے بڑی دلیری سے اظہار کر دیا ہے جو غیر جانبدار شخص بھی تعصب و عناد
اور جمود و اعتساف سے دامن بچا کر اور عدل و انصاف سے کام لے کر سوائے شیعوں کے دیگر مذاہب اسلام
کی کتب دینیہ میں نظر کرے گا وہ حرف بحرف علامہ موصوف کی تائید و تصدیق کرے گا۔ کیونکہ اس نقد و نظر میں
اس پر واضح ہو جائے گا کہ مسلمانوں کی کتب فقہ ابوحنیفہ و شافعی اور ابویوسف و محمد ابن حسن و زفر و حماد اور اوزاعی
وغیرہ کے اجتہادات و نظریات سے لبریز ہیں اور کتب تفاسیر قتادہ، مجاہد، سدی، عکرمہ و حسن بصری وغیرہ
کے اقوال و آراء سے مملو و مشحون ہیں اور کتب احادیث انس ابن مالک، ابن عمر، ابوہریرہ، بی بی عائشہ وغیرہم

کے روایات بلکہ تحریجات سے پُر ہیں اور اس وقت تو اس کے تحیر و تعجب کی کوئی حد نہیں رہے گی جب وہ دیکھے گا کہ مسلمانوں کی چھوٹی بڑی معتبر و مستند کتب فقہ و حدیث میں اولاً تو آئمہ اہل بیت کے ارشادات ملیں گے ہی نہیں اور اگر کسی جگہ ان کا کوئی قول یا روایت ملے گی بھی تو وہیں اس کے معارض و مخالف کسی دوسرے شخص کا قول موجود ہوگا اور اسے مقدم سمجھا جائے گا فاعتبروا یا اولی الابصار۔ پیغمبر اسلام نے خبر دی تھی کہ میرے بعد میری امت کا میرے اہلبیت کے ذریعہ امتحان لیا جائے گا (انکم لتبلون فی اھلبیتی من بعدی) کنز العمال ج ۶ حدیث نمبر ۵۰۵) افسوس اکثر لوگ اس امتحان میں ناکام ہوں گے۔

برادران اسلامی کے بعض عذر ہائے خام کا بطلان

مخفی نہ رہے کہ آئمہ اہل بیتؑ کے ساتھ اور ان کے مذاہب کی ان پیرو وستیوں و بے انصافیوں کا جب ان سے تذکرہ کیا جاتا ہے تو اس عار و ننگ کو زائل کرنے کے لئے بموجب "عذر گناہ بد تر از گناہ" اس سلسلہ میں عجیب و غریب بیچ و معاذیر پیش کرتے ہیں۔

عذر اوّل

کبھی تو یہ کہتے ہیں کہ ہم آئمہ اثنا عشر کو مانتے ہیں لیکن ان سے کوئی صحیح روایت یا صحیح کتاب دستیاب نہیں ہو سکتی جو شیعہ حضرات ان سے روایت کرتے ہیں وہ روایات جعلی ہیں۔ ارباب بصیرت پر اس عذر کا عذر گناہ بد تر از گناہ کا مصداق ہونا مخفی نہیں ہے تاہم اس کے بعض وجوہ اختلال کی طرف ذیل میں اشارہ کیا جاتا ہے۔

اوّلاً

یہ کہنا کہ آئمہ اہل بیتؑ سے کوئی روایت نہیں ملتی اور جو شیعوں کی کتب میں ملتی ہیں وہ غلط ہیں" سراسر حق پوشی و باطل کوشی ہے ورنہ کیا وجہ ہے کہ سب دنیا کے پیشواؤں کے اقوال و آراء ان کے ماننے والوں کی کتابوں سے معلوم ہو جائیں لیکن آئمہ اہل بیتؑ کے روایات و نظریات ان کے نام لیواؤں کی کتب سے معلوم نہ ہو سکیں؟ اگر یہ قاعدہ صحیح ہے اور یقیناً صحیح ہے کہ ہر صاحب مذہب کا مذہب اس کے پیروؤں سے معلوم ہوتا ہے تو یہ قاعدہ آئمہ اہل بیتؑ اور ان کے شیعوں کے متعلق کیوں ٹوٹنے لگا؟ ان ھذا الا اختلاق!

ثانیاً

اگر بالفرض محال یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ کتب شیعہ میں جو روایات آئمہ اہل بیتؑ سے مروی ہیں وہ سب غلط ہیں اور ان پر عمل نہ کرنے میں یہ حضرات معذور ہیں۔ لیکن وہ روایات جو آئمہ اہل بیتؑ سے خود انہی کی کتب معتبرہ میں باسانید صحیحہ موجود ہیں۔ اگر ان پر عمل کرتے تو ان کے اس عذر کی صداقت معلوم ہو جاتی۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ان روایات پر بھی عمل درآمد نہیں کیا جاتا اگر یہ حضرات اپنے دعوے میں سچے ہیں تو بتائیں کہ "امہات الاولاد" کی بیع و شراء کا جواز، چور کا ہاتھ انگلیوں سے کاٹنا، نماز میں دعائے وجہت وجہی کا پڑھنا اور بسم اللہ کو بالجہر کہنا وغیر ذلک ان کی کتب میں حضرت علیؑ کا مذہب نہیں بتلایا گیا اور کیا اس کے متعلق آنجناب کی روایات

صحیحہ نقل نہیں کی گئیں کیا پاؤں کا مسح کرنا حضرت باقرؑ کا مذہب، اور خرگوش کی حرمت حضرت صادقؑ کا مذہب ہونا ان کی کتب میں موجود نہیں ؛ کیا ان پر عمل کیا جاتا ہے اور کیا ان کے مخالف روایات، وکلاء یمان کو مقدم سمجھا جاتا ہے ؛ نہیں ہرگز نہیں ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔

ثالثاً اگر ان سب حقائق سے قطع نظر کر کے لبعض محال چند لمحوں کے لئے یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اہل بیتؑ کی کوئی بھی روایت کتب اہل اسلام میں نہیں ملتی تو یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے ؛ کیا وجہ ہے کہ اغیار کی روایات سے تو مسلمانوں کی کتابیں پُر ہوں لیکن حاملانِ شریعت کی کوئی روایت موجود نہ ہو ہم نے جہان سے روایات لیں ان کو غلط قرار دے دیا گیا اگر ہماری روایات جو ہم نے بیان کیں غلط تھیں تو ان کے علماء کرام کا فرض تھا کہ آئمہ علیہم السلام کی روایات کو ثبت وضبط کرنے میں اہتمام کرتے لہٰذا پھر بھی "بعد اللتیا والتی" آئمہ اہلبیتؑ سے بے انسانی برتنے اور ان سے بے اعتنائی کرنے کی ذمہ داری انہی لوگوں پر اور انہی کے بزرگوں پر عائد ہوتی ہے۔ کسی قاعدہ قانون سے انہیں اس جرم سے بری نہیں کیا جا سکتا۔

عذر دوم کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ آخر ابوحنیفہ صاحب بھی تو حضرت امام صادق علیہ السلام کے شاگرد ہیں دونوں کا مذہب ایک ہے اس عذر کی کمزوری واضح ہے اور بچند وجوہ یہ عذر باطل ہے۔

اولاً یہ استادی اور شاگردی والا افسانہ ان کے ہاں مسلّم ہی نہیں ہے چنانچہ ابن تیمیہ حرانی منہاج السنۃ ج ۴ صفحہ ۱۴۳ مطبوعہ مصر پر لکھتے ہیں قال الرافضی اما ابوحنیفہ فقراء علی الصادق فالجواب ان ھذا من الکذب الذی یعرفه من له ادنی علم۔ رافضی (جناب علامہ حلیؒ) نے کہا ہے کہ ابوحنیفہ نے حضرت صادق سے پڑھا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایسا جھوٹ ہے جسے ہر معمولی علم والا آدمی جانتا ہے"۔ یہ اور بات ہے کہ بعض علمائے اہل سنت نے ابن تیمیہ کے نظریہ کی انہی زوردار لفظوں سے تردید کر دی ہے جن لفظوں سے ابن تیمیہ نے علامہ حلیؒ کی تردید کی تھی چنانچہ شبلی نعمانی سیرۃ النعمان صفحہ ۲۵ پر رقمطراز ہیں "ابن تیمیہ کی گستاخی اور خیرہ چشمی ہے امام ابوحنیفہ لاکھ مجتہد اور فقیہہ ہوں لیکن فضل وکمال میں ان کو حضرت جعفر صادقؑ سے کیا نسبت ؛ حدیث و فقہ بلکہ تمام مذہبی علوم اہلبیتؑ کے گھر سے نکلے وصاحب البیت ادری بما فیہا"۔

ثانیاً اگر یہ شاگردی تسلیم بھی کر لی جائے تو اس کے متعلق یہ کہنا کہ استاد و شاگرد کے نظریات میں اختلاف نہ تھا یہ حقائق سے چشم پوشی پر مبنی ہے ورنہ ہر باخبر انسان جانتا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق اور

ابوحنیفہ کے نظریات میں زمین و آسمان کا فرق ہے قطع نظر باقی سینکڑوں اختلافات کے مسئلہ قیاس ہی کو لیجئے مسلمانوں کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ حضرت جعفر صادقؑ ہوں یا دوسرے ائمہ اہلبیتؑ ... حرمت قیاس کے قائل ہیں لیکن جناب ابوحنیفہ ارباب قیاس کے امام مانے جاتے ہیں چنانچہ حیاۃ الحیوان ج ۲ صفحہ ۸۹-۹۰ مطبوعہ مصر پہ روایت ہے ابن شبرمہ کہتے ہیں کہ میں اور ابوحنیفہ امام جعفر ابن محمد صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے میں نے آنجناب سے کہا کہ یہ (ابوحنیفہ) اہل عراق کے امام ہیں آنجنابؑ نے فرمایا "لعله الذی یقیس الدین بالرأیه امو النعمان ابن ثابت؟" شاید یہ وہی آدمی ہے جو دین میں رائے و قیاس سے کام لیتا ہے کیا یہ نعمان ابن ثابت ہے؟ ابن شبرمہ کہتا ہے کہ مجھے اس سے پہلے ابوحنیفہ کا نام معلوم ہی نہ تھا "فقال ابوحنیفة نعم" خود ابوحنیفہ بول اٹھے کہ جی ہاں میں وہی شخص ہوں حضرت صادقِ آل محمدؑ نے فرمایا "اتق الله ولا تقس الدین برایک فان اول من قاس (برایه) ابلیس اذ قال انا خیر منه فاخطأ بقیاسه فضل"۔ اے ابوحنیفہ! خدا سے ڈرو اور دین میں اپنی رائے سے قیاس نہ کیا کرو۔ کیونکہ پہلے پہل جس نے قیاس کیا وہ شیطان تھا جب کہ اس نے کہا میں آدمؑ سے افضل ہوں اور اس نے اس قیاس کرنے میں غلطی کی اور گمراہ ہو گیا۔ حضرت صادقؑ کا مشہور ارشاد ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے من قاس امر الدین برأیه قرنه الله تعالیٰ یوم القیٰمة بابلیس لانه اتبعه بالقیاس (تفسیر در منثور ج ۲ صفحہ ۲۱ مطبوعہ مصر) جو شخص بھی دین میں قیاس کرے گا۔ بروز قیامت خداوند عالم اس کا حشر و نشر شیطان کے ساتھ کرے گا کیونکہ قیاس کرنے میں اس نے اس کی متابعت کی ہے۔

ثالثاً ان سب امور سے قطع نظر کرتے ہوئے یہ کہاں کا انصاف ہے اور کہاں کی دیانت داری ہے کہ حضرت صادقؑ ایسے ہمہ صفت موصوف کامل استاد کو جو حسب و نسب و علم و عمل و زہد و تقویٰ عفت و عصمت وغیرہ تمام انسانی صفات کمال میں سرآمد روزگار ہیں۔ چھوڑ کر ان کے اس شاگرد کی پیروی کی جائے جو ان صفات جلیلہ میں سے کسی صفت میں بھی اپنے استاد کا شریک و عدیل نہ ہو کیا کوئی صاحب عقل سلیم و فہم مستقیم اس امر کو جائز رکھتا ہے؛ کہ چشمہ اور نہر کو چھوڑ کر چھوٹے چھوٹے نالوں پہ قناعت کی جائے؛ اور حل مشکلات اور دفع معضلات میں ایک نہایت ماہر و کامل استاد کو چھوڑ کر اس کے ایک معمولی شاگرد کی طرف رجوع کیا جائے، حاشا و کلا۔ عقل سلیم و طبع مستقیم ہرگز اس امر کی اجازت نہیں دیتی قاتلهم الله انّٰی یؤفکون؟

اس بیان حقیقت ترجمان سے روز روشن کی طرح واضح و عیاں ہو گیا کہ تمام فرق اسلام میں فقط فرقۂ شیعہ ہی ہے جو ائمہ اطہارؑ کے دامن سے متمسک ہے اسی کے ساتھ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہی فرقۂ ناجیہ

یہ ایک راستہ تھا فرقۂ ناجیہ کے معلوم کرنے کا جو ارباب انصاف کے نزدیک اس مقصد کو ثابت کرنے کے لئے کافی و وافی ہے لیکن اگر کسی صاحب کو ہنوز اطمینان قلب حاصل نہ ہوا ہو تو اس کی ضیافت طبع کے لئے اس موضوع کی قدرے اور بھی ذیل میں وضاحت کر دی جاتی ہے۔

فرقۂ ناجیہ معلوم کرنے کا دوسرا طریق

تفسیر اثنا عشریہ میں رجوع بارہ تفاسیر اہلسنت مثل تفسیر قتادہ و مجاہد و سدی و ابن عباس و ابن مسعود وغیرہ کی تفاسیر سے ماخوذ ہے) مولفہ حافظ محمد ابن موسے شیرازی جو کبار علمائے اہلسنت میں شمار ہوتے ہیں حضرت امیر علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے (علیٰ ما نقل عنہ السید بن طاؤس فی الطرائف و سعد السعود و المحدث البحرانی فی الدرر النجفیہ) اس میں آنجناب بیان کرتے ہیں کہ جب پیغمبر اسلام نے یہ ارشاد فرمایا ستفترق امتی الخ۔ تو میں نے عرض کی "یارسول اللہ! فمن ناجیۃ یارسول اللہ وہ ناجی فرقہ کون سا ہے؟ قال المتمسک بما انت علیہ و اصحابک فرمایا تمہارے اور تمہارے اصحاب کے نظریات سے تمسک کرنے والا۔ یہ حدیث شریف حضرت علیؑ اور ان کے شیعوں کے مسلک کی صحت و درستی اور ناجی ہونے پر نص صریح ہے۔ ابھی اوپر واضح کیا جا چکا ہے کہ حضرت علیؑ کے مذہب پر حضرات شیعہ ہی قائم و دائم ہیں ان کے علاوہ دوسرے فرقے اس راستے سے یقیناً منحرف ہیں۔ اور اس کی مزید توضیح عنقریب آ رہی ہے:

تبصرہ

اس مذکورہ بالا حدیث سے اس تتمہ کا حال بھی معلوم ہو گیا جو بعض کتب اہل سنت میں مذکور ہے کہ جب بعض صحابہ نے فرقہ ناجیہ کے متعلق آنحضرتؐ سے سوال کیا تو آنحضرتؐ نے فرمایا۔ الآخذ بما انا علیہ و اصحابی کہ فرقہ ناجیہ وہ ہے جو میرے اور میرے اصحاب کے نظریات سے تمسک کرے گا۔" سابق بیان سے اس تتمہ کا ضعف واضح و عیاں ہو گیا ہے کیونکہ تمام صحابہ کو مقتدا و پیشوا تسلیم کرنے کی صورت میں بعینہ وہی مفاسد لازم آئیں گے جو ہم حدیث "اصحابی کالنجوم" کے ابطال میں بیان کر آئے ہیں لہٰذا جو دلائل و براہین اس حدیث کے موضوع و مکذوب ہونے پر دلالت کرتے ہیں بعینہ وہی ادلہ اس تتمہ کے بطلان پر بھی دلالت کرتے ہیں اور اگر بالفرض اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو کون کہتا ہے کہ "اصحابی" سے مراد آنحضرتؐ کے تمام صحابہ ہیں۔ جن میں ہر مکتب خیال کے لوگ شامل ہیں تاکہ ان کو مقتدا قرار دینے سے بے شمار مفاسد لازم آئیں۔ بلکہ یہاں آنحضرتؐ کا اپنی طرح ان صحابہ کے نظریات کے اتباع کو موجب نجات قرار دینا اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ ان سے مراد کچھ مخصوص صحابہ کرام ہیں جو شرف صحبت کے ساتھ ساتھ شرف قرابت نسبی سے بھی سرفراز ہیں (جیسا کہ حدیث اصحابی کالنجوم اور حدیث خلفاء راشدین کے ذیل میں تیسرے باب میں اس امر پر روشنی ڈالی جا چکی ہے)

ظاہر ہے کہ عہد نبوی میں ایسے حضرات حضرت علیؑ اور ان کے دو لختِ جگر حضرت امام حسنؑ و امام حسینؑ علیہم السلام ہی موجود تھے لہٰذا انہی کے مذہب و طریقہ کی پابندی کو موجبِ نجات قرار دیا گیا ہے۔ اگر خواہ مخواہ اس لفظ میں تعمیم پیدا کرنے پر اصرار ہو تو ان کے ساتھ بعض صحابۂ اخیار مثل سلمانؓ، مقدادؓ، ابوذرؓ اور عمارؓ و امثالہم رضوان اللہ علیہم جو کسی امر میں بھی ان ائمہ اطہار کے اوامر و نواہی سے سرِ مو تخلف و تجاوز نہیں کرتے تھے ان کا بھی اضافہ کر لیجئے۔ لیکن اس صورت میں بھی درحقیقت مقتدیٰ و پیشوا ائمہ ہدیٰ ہی رہیں گے کما لا یخفیٰ۔

ایک غلطی کا ازالہ

کہا جاتا ہے کہ خصال شیخ صدوق (کتاب شیعہ) میں اس حدیث کا ایک تتمہ موجود ہے جس سے اہل سنت کی حقانیت سمجھی جاتی ہے اس میں مذکور ہے کہ جب آنحضرتؐ نے حدیث "ستفترق امتی الخ" ارشاد فرمائی تو بعض لوگوں نے اس فرقہ ناجیہ کے متعلق استفسار کیا آپ نے تین مرتبہ فرمایا الجماعۃ۔ الجماعۃ۔ الجماعۃ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ناجی فرقہ اہل السنت والجماعۃ ہے۔ اس کے متعلق گذارش ہے کہ ان حضرات کی محض خوش فہمی ہے جو اس فقرہ سے اپنے مذہب کی حقانیت ثابت کرنا چاہتے ہیں ورنہ یہ تتمہ حدیث بچند وجہ ان کے لئے ناقابل احتجاج و استدلال ہے۔

اولاً اس لئے کہ اس روایت کے رجالِ سند تمام سنی ہیں بالفاظِ دیگر یہ سنیوں کی روایت ہے جسے شیعوں کے خلاف بطور حجت پیش نہیں کیا جا سکتا اگر شک ہو تو راویوں کے نام ہم ذکر کئے دیتے ہیں۔ زحمت فرما کر کتب رجال میں ان کے حالات دیکھ کر اطمینانِ قلب حاصل کر سکتے ہیں راویانِ حدیث یہ ہیں۔ "ابو احمد محمد ابن جعفر بغدادی شافعی از مجاہد بن اعین بن داؤد۔ از محمد ابن عقیل بن طیبہ از سعید ابن ابی ہلال از انس ابن مالک" ممکن ہے یہ کہا جائے کہ اگر یہ روایت سنیوں کی تھی تو شیخ صدوقؒ نے اسے اپنی کتاب میں کیوں درج کیا اس کے متعلق واضح ہونا چاہیئے کہ کتاب خصال ان روایات کے باب میں تالیف کی گئی ہے جن میں کوئی خاص عدد مذکور ہے چنانچہ شیخ صدوقؒ نے ایک عدد سے شروع کر کے ہزار عدد پر مشتمل روایات اس میں درج کی ہیں اور اس سلسلہ میں انہوں نے شیعوں اور سنیوں کی روایات میں کوئی تفریق نہیں فرمائی بلا استثناء انہیں جو احادیث اس موضوع پر ملتی گئی ہیں درج کتاب کر دی ہیں۔ چنانچہ تقریباً کتاب کے ہر باب میں اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں کما لا یخفیٰ علی من طالع ذلک الکتاب۔

ثانیاً اس کے علاوہ تتبع و جستجو سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے برادران اسلام نے اس حدیث مزعومہ میں کتر بیونت سے کام لیا ہے۔ یہی تتمہ تفسیر درِ منثور میں ان لفظوں میں نظر آتا ہے الاخذ بما انا علیہ و اصحابی الیوم یہاں "الیوم" کی قید موجود ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ فرقہ ناجیہ وہ ہے جو میرے اور میرے اصحاب کے موجودہ نظریات کا پابند ہو۔ یہ "الیوم" کی قید غالباً پیغمبر اس لئے لگا رہے تھے

کہ آپ کے علم میں تھا کہ آپؐ کے بعد آپ کے اصحاب کے نظریات میں بڑا تغیر و تبدل ہو جائے گا۔ جو آج رسول کے سامنے غدیر کے میدان میں بخ بخ لک یا ابن ابی طالب کہہ کر مبارک باد دے رہے ہیں وہی پیغمبر کی آنکھ بند ہو جانے کے بعد امیر المومنینؑ سے منحرف ہو کر سقیفائی خلافت کی داغ بیل ڈالیں گے نیز یہ نتیجہ نکلا کہ رسول کی زندگی میں تمام اصحاب کا ایک نظریہ تھا اور سب متفقہ طور پر امیر المومنینؑ کو پیغمبر کا خلیفہ و جانشین سمجھتے تھے۔

ثالثاً

یہ حدیث لکھنے کے بعد خود جناب صدوق علیہ الرحمۃ نے اس کا جواب دے دیا ہے فرماتے ہیں قال مصنف هذا الکتاب الجماعة اهل الحق وان قلوا وقد روی عن النبی صلعم انه قال المومن وحده حجة والمومن وحده جماعة اس کتاب کا مصنف شیخ صدوقؒ کہتا ہے کہ "جماعت" سے مراد اہل حق ہیں اگرچہ تعداد میں کم ہی ہوں، آنحضرتؐ سے روایت کی گئی ہے کہ فرمایا مومن تنہا حجت ہوتا ہے اور مومن تنہا جماعت ہے" اس قسم کی روایات جن میں اہل حق کو جماعت سے تعبیر کیا گیا ہے اگرچہ قلیل ہوں، کتب اہل سنت میں بھی موجود ہیں (ملاحظہ ہو کنز العمال ج ۸ ص ۲۱۵ الیواقیت والجواہر ج ۱ ص ۲ وغیرہ) ان حقائق کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ بنا بر صحت روایت آنحضرتؐ کا "الجماعة" فرمانا بمنزل اس کے ہے جیسے یہ کہا جائے کہ اہل حق ناجی فرقہ ہے"۔ اب رہا یہ امر کہ اہل حق کون سا فرقہ ہے؟ یہ اس حدیث میں مذکور نہیں اسے دلائل و قرائن خارجیہ سے معلوم کرنا چاہیے۔ بحمدہ تعالیٰ متعدد دلائل عقلیہ و نقلیہ اس امر پر موجود ہیں کہ وہ اہل حق فرقہ حضرات شیعہ خیر البریہ ہیں۔ منجملہ ان ادلہ کے تفسیر اثنا عشر والا حوالہ بھی ہے جو ابھی اوپر ذکر ہو چکا ہے اگر یہاں کسی وسواسی آدمی کی اس سے بھی تسلی نہ ہوتی ہو بلکہ اس فرقہ ناجیہ کی تعیین کے متعلق پیغمبر اسلامؐ کی تصریحات دیکھنے کا مشتاق ہو تو ہم اس کی ضیافت طبع و نیز اتمام حجت کے لئے اس سلسلہ میں کچھ تصریحات بھی پیش کئے دیتے ہیں لیہلک من هلک عن بینة ویحیی من حی عن بینة۔

فرقہ ناجیہ معلوم کرنے کا تیسرا طریق

اس سلسلہ میں حضرت پیغمبر اسلامؐ کی بکثرت احادیث موجود ہیں جو فرقہ ناجیہ کی تعیین پر بالصراحت دلالت کرتی ہیں چنانچہ تذکرۃ خواص الامۃ سبط ابن جوزی ص ۱۲ پر ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ قال نظر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی علی ابن طالب فقال هذا وشیعته هم الفائزون یوم القیمة حضرت رسول خدا نے حضرت علی ابن ابی طالب کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ یہ اور ان کے شیعہ ہی قیامت کے دن رستگار ہوں گے نیز یہ بھی مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے یوں فرمایا "انت فی الجنة وشیعتک فی الجنة" حلیۃ الاولیاء ابو نعیم اصفہانی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جب آیہ مبارکہ "ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات اولئک هم خیر البریة" نازل ہوئی تو آنحضرتؐ نے جناب امیر علیہ السلام سے فرمایا خیر البریہ انت وشیعتک تاتی یوم القیامة

انت وشیعتک ... راضین مرضیین ویاتی اعداءک مغضوباً علیھم مقلولین. فرمایا کہ خیر البریہ تم اور تمہارے شیعہ ہیں تم اور تمہارے شیعہ قیامت کے دن خوش وخرم آئیں گے اور تمہارے دشمن طوق وزنجیر میں جکڑے ہوئے غضب رسیدہ وارد ہوں گے۔" وھکذا فی نور الابصار للشبلنجی ص۸۵ طبع مصر۔

فرائد السمطین جزو اول باب ۳۱ میں حضرت جابر ابن عبداللہ انصاری سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم پیغمبر اسلام کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت علی علیہ السلام تشریف لائے آنحضرتؐ نے ہمیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا قد جاءکم اخی تمہارے پاس میرا بھائی آگیا۔ ثم قال والذی نفسی بیدہ ان ھذا وشیعتہ ھم الفائزون یوم القیامۃ" پھر فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے یقیناً یہ اور ان کے شیعہ ہی قیامت کے دن رستگاری حاصل کرنے والے ہیں۔"

ینابیع المودۃ باب ص۲۱۳ پر بحوالہ کتاب فردوس الاخبار دیلمی ومودۃ القربیٰ ہمدانی، جناب ام سلمہ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا "علی وشیعتہ ھم الفائزون یوم القیامۃ" ترجمہ وہی ہے جو ابھی اوپر بیان ہوا یہی روایت وسیلۃ المتعبدین ونزل السائرین اور کنوز الحقائق میں بھی موجود ہے (علی ما نقل عنہا)

مناقب خوارزمی فصل ۱۹ میں بطریق عدیدہ ایک طویل حدیث منقول ہے جس میں حضرت علی علیہ السلام کے فضائل ومناقب کا تذکرہ ہے منجملہ ان کے یہ دو فضیلتیں بھی ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا وانہ اعلم الناس علماً واقدم الناس سلماً وانہ وشیعتہ ھم الفائزون یوم القیامۃ حضرت علیؑ ازروئے علم سب لوگوں سے زیادہ عالم اور ازروئے اسلام سب سے مقدم اور وہ اور اس کے شیعہ قیامت کے دن فائز المرام ورستگار ہوں گے۔"

صواعق محرقہ ص۱۵۹ طبع جدید پر ہے اخرج الدیلمی انہ قال لعلی ان اللہ غفرلک ولذریتک ولولدک ولاھلک ولشیعتک ولمحبی شیعتک فابشر فانک الانزع البطین۔ دیلمی نے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ بے شک خداوند عالم نے تمہیں اور تمہاری ذریت اور اہل و اولاد اور تمہارے شیعہ اور تمہارے شیعہ کے محبوں کو بخش دیا ہے لہٰذا تمہیں اس امر کی بشارت ہو تم انزع وبطین ہو۔

اسی ص۱۵۹ میں باسناد جمال الدین محمد ابن یوسف زرندی ابن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ جب آیت "خیر البریہ" نازل ہوئی تو آنحضرتؐ نے جناب علیؑ سے فرمایا "یا علی انت وشیعتک خیر البریۃ تاتی یوم القیامۃ انت وشیعتک راضین مرضیین ویاتی عدوک غضابا مقمحین۔ اے علیؑ تم اور تمہارے شیعہ خیر البریہ ہیں تم اور تمہارے شیعہ قیامت کے دن نہایت خوش وخرم آئیں گے اور تمہارے دشمن اس حال میں آئیں گے کہ وہ غضبناک ہوں گے اور ان کے ہاتھ پشت گردن

بندھے ہوئے ہوں گے نیز اسی کتاب کے اسی صفحہ ۱۵۹ میں مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا یا ابا الحسن اما انت وشیعتک فی الجنۃ اے ابو الحسن! آگاہ ہو جاؤ کہ تم اور تمہارے شیعہ جنت میں جائیں گے۔

نیز صفحہ ۱۵۶ پر آنحضرتؐ سے مروی ہے کہ فرمایا انت وشیعتک تردون علی الحوض رواءً مرضیین مبیضۃ وجوھھم وان عدوک یردون علی الحوض ظماءً مقمحین اے علی! تم اور تمہارے شیعہ حوضِ کوثر پر اس حالت میں وارد ہوں گے کہ تم سیراب ہوگے اور تمہارے چہرے سفید ہوں گے اور تمہارے دشمن جب حوض پر آئیں گے تو وہ پیاسے ہوں گے اور ان کے ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے ہوں گے۔

نیز صواعق کے اسی صفحہ ۱۵۹ پر مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا یا علی انت واصحابک فی الجنۃ انت وشیعتک فی الجنۃ" اے علی اور تمہارے اصحاب وشیعہ جنت میں جائیں گے"۔

مناقب ابن مردویہ اور مناقب ابن مغازلی اور مناقب خوارزمی میں ابن عباس سے روایت ہے کہ قال سئلت رسول اللہ عن قولہ تعالیٰ والسابقون السابقون اولئک المقربون فقال لی جبرئیل ذالک علی وشیعتہ السابقون الی الجنۃ المقربون من اللہ بکرامتہ لھم۔ میں نے آنحضرتؐ سے قول خداوندی "السابقون السابقون" کے متعلق پوچھا کہ وہ سابق اور مقرب بندے کون ہیں؟ فرمایا کہ جبرئیل نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ وہ علیؑ اور ان کے شیعہ ہیں جو جنت کی طرف سبقت کریں گے اور خداوند عالم کی کرامت و بزرگی سے مقرب بارگاہ ہوں گے۔ اس قسم کی احادیث شریفہ کا ایک وافر ذخیرہ کتاب تفسیر در منثور ج ۶ صفحہ ۳۷۹ طبع مصر میں موجود ہے وہاں رجوع کیا جائے۔

تبصرہ ان احادیث شریفہ میں وارد شدہ لفظ "شیعہ" سے اس فرقہ حقہ کا مراد ہونا جو قدیم الایام یعنی ابتدائے اسلام سے "شیعہ علی" کہلاتا چلا آرہا ہے ایک ایسی کھلی ہوئی حقیقت ہے جس کا کوئی صاحب عقل و انصاف انکار نہیں کر سکتا یہی وجہ ہے کہ سب فقہاء و متکلمین اور سنی علمائے محققین نے اس امر کا اقرار و اعتراف کر لیا ہے کہ یہ لفظ اس فرقہ حقہ کے ساتھ مختص ہے چنانچہ ابن خلدون اپنے مقدمہ تاریخ صفحہ ۱۹۶ طبع مصر پر رقمطراز ہیں اعلم ان الشیعۃ لغۃ ھم الصحب والاتباع ویطلق فی عرف الفقھاء والمتکلمین من الخلف والسلف علی اتباع علی و بنیہ رضی اللہ عنھم الخ جاننا چاہیے کہ شیعہ باعتبار لغت کے اصحاب و اتباع کے معنی میں آتا ہے لیکن متقدمین و متاخرین فقہا و متکلمین کے نزدیک اس لفظ کا اطلاق حضرت علیؑ اور ان کی اولاد کے پیروؤں پر ہوتا ہے۔" اسی طرح شہرستانی اپنی مشہور کتاب

ملل ونحل ج ۱ صفحہ ۹۴ طبع ایران پر بذیل عنوان "الشیعہ" رقمطراز ہیں ھم الذین شایعوا علیا علیہ السلام بالخصوص وقالوا بامامتہ وخلافتہ نصاً ووصیۃ اما جلیاً واما خفیاً۔ شیعہ وہ فرقہ ہے جو بالخصوص حضرت علیؑ کی متابعت کرتا ہے (یعنی دوسرے برسر اقتدار لوگوں سے کچھ سروکار نہیں رکھتا) وہ آنجناب کی امامت وخلافت کو منصوص سمجھتا ہے خواہ نصِ جلی ہو یا نصِ خفی"۔ اسی طرح کتبِ لغات مثل قاموس ونہایہ ابن اثیر وغیرہ میں اس لفظ کا اس فرقہ حقہ کے ساتھ مختص ہونا مذکور ہے قطع نظر دیگر شواہد ودلائل کے خود ان علمائے کبار اہلسنت کے اعتراف واقرار سے واضح وآشکار ہوگیا کہ اس لفظ (شیعہ) کے مصداق وہی لوگ ہیں جو حضرت علیؑ اور ان کی اولاد امجاد کی امامت (خلافت منصوصہ کے قائل ہیں (نہ بالاجماع والشوریٰ) وھذا واضح غایۃ الوضوح کالشمس فوق السطوح۔

ازالہ شبہ آج کل اہلسنت کے بعض رسائل واخبار میں نظر قاصر سے گزرا ہے کہ وہ شیعہ کے معنی گروہ متبع ومطیع ہیں لیکن شیعہ قرآن وحدیث میں کسی خاص مذہب کا عنوان بن کر نہیں آیا" اس تحقیق جدید کے قائل کا جو مقصود ہے وہ واضح ہے کہ ان فضائل کو فرقہ حقہ سے سلب کرکے ہر کہ ومہ کو اس میں شریک کرنا چاہتا ہے بہرکیف یہ شبہ بچند وجہ باطل ہے۔

اوّلاً اس لئے کہ اگر یہ لفظ قرآن وحدیث میں کسی خاص فرقہ کا عنوان بن کر نہ آیا ہوتا" تو یہ علمائے نقاد متکلمین کس طرح اسے اس خاص فرقہ حقہ سے مختص کر سکتے تھے؟ آیا کوئی سُنی اپنے ان علمائے متبحرین کے متعلق ایسا خیال کر سکتا ہے کہ انہوں نے خلاف منشاء خدا ورسولؐ ایسے لفظ کو جس میں اکثر فرق اسلام شریک تھے فقط ایک خاص جماعت سے مخصوص کر دیا۔ ماننا پڑے گا کہ ان حضرات نے یہ اختصاص قرآن وحدیث ہی کی روشنی میں لکھا ہے۔

ثانیاً ابن حجر مکی (جنہوں نے صواعق محرقہ صفحہ ۱۵۲ طبع مصر جدید پر ایسی ہی چند روایات لکھنے کے بعد لکھا ہے "شیعتہ ھم اھل السنۃ" یعنی حضرت علیؑ کے شیعہ اہل سنت ہیں) اور شاہ عبدالعزیز دہلوی (جنہوں نے تحفہ اثنا عشریہ کے صفحہ ۱۲ پر لکھا ہے "ان شیعہ اولیٰ کہ فرقہ اولیٰ وتفضیلیہ در زمان سابق بہ شیعہ ملقب بودند" یعنی فرقہ تفضیلیہ سنیہ کا پہلے نام شیعہ تھا شاہ صاحب نے تحفہ کے صفحہ ۹ پر یہاں تک لکھ دیا کہ "دریں رسالہ مکشوف خواہد شد کہ شیعہ اولیٰ عبارت از جمیع مہاجرین وانصار" ان حضرات کی تحقیقات سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لفظ عہد رسالت میں ایک خاص فرقہ کے ساتھ اختصاص پیدا کر چکا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ وہ فرقہ ان کے نزدیک اہل سنت ہے۔ کہاں ہیں وہ لوگ جو ہمیشہ عوام کو دھوکہ دینے کے لئے یہ ڈھنڈورا پیٹا کرتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں لفظ "شیعہ" موجود ہی نہیں۔ اب آئیں اور اپنے بزرگوں کی تحقیقات دیکھیں

کہ فضائل شیعہ کی مستند روایات دیکھ کر کس طرح ان کی رال ٹپکنے لگی ہے۔ ولقد حق قدح لیس منہا۔

ثالثاً اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ لفظ قرآن و حدیث میں کسی خاص مذہب کا عنوان نہیں ہے تو بھی اس سے ہمارے مقصد پر ہرگز کوئی زد نہیں پڑتی کیونکہ یہ تشکیک رکیک جب ہمارے مدعا پر کچھ اثر انداز ہو سکتی تھی جب کہ احادیث نبویہ میں مطلق "شیعہ" کے فضائل و مناقب وارد ہوتے اور اس لفظ کی نسبت کسی خاص شخصیت کی طرف نہ دی گئی ہوتی تب شاید یہ کہنے کی گنجائش ہوتی کہ لفظ شیعہ کسی خاص مذہب کا عنوان نہیں ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ کسی ایک حدیث میں بھی مطلق "شیعہ" کی کوئی فضیلت بیان نہیں کی گئی بلکہ جس قدر احادیث اس باب میں وارد ہوئی ہیں ان سب میں اس کی نسبت و اضافت حضرت علی علیہ السلام کی طرف دی گئی ہے یعنی "شیعۂ علیؑ" کے فضائل و محامد بیان کئے گئے ہیں جس سے اب یہ لفظ ایک خاص مذہب کا عنوان بن گیا ہے والحمد للہ رب العالمین اب رہا فقط یہ امر کہ یہ خاص فرقہ کون سا فرقہ ہے آیا اس سے مراد وہ حضرات ہیں جو آج کل "اہل سنت والجماعت" کہلاتے ہیں یا وہ جو قدیم الایام سے "شیعہ علی" علیہ السلام کہلاتے چلے آرہے ہیں اس کا فیصلہ بآسانی کیا جا سکتا ہے نیز قطع نظر ان دلائل و براہین کے اس امر کا فیصلہ خود ناظرین کرام کے انصاف پر چھوڑا جاتا ہے وہ خود ہی بتلائیں کہ وہ کون سا فرقہ ہے جو اس جلیل القدر لقب سے ملقب ہے ؛ اور وہ کون سا فرقہ ہے جو لوگوں کے خود ساختہ خلفاء کو چھوڑ کر حضرت علیؑ اور ان کی اولاد طاہرینؑ کی منصوص خلافت و امامت کا قائل ہے ؛ وہ کون سا فرقہ ہے جو سب نام نہاد پیشواؤں کو چھوڑ کر اپنے تمام اصول و فروع میں علیؑ و اولاد علیؑ ہی کی طرف رجوع کرتا ہے ؛ اور وہ کون سا فرقہ ہے جو علیؑ و اولاد علیؑ کے فضائل و مصائب کی مجالس و محافل کے انعقاد کو بہترین عبادت شمار کرتا ہے ؛ ارباب انصاف کے لئے ان سوالات کا جواب بالکل آسان ہے۔ آنچہ کہ عیاں است چہ حاجت بیان است۔

مذکورہ بالا حقائق سے یہ بات بھی واضح و آشکار ہو جاتی ہے کہ "شیعہ علی" ایک نہایت قدیم فرقۂ حقہ ہے جس کا بیج سرکار رسالت مآبؐ نے اپنے اعلان نبوت کے ساتھ ہی اپنے دست حق پرست سے زمین اسلام میں بویا تھا نیز خود ہی اس کی آبیاری کی تھی اور اسے پروان چڑھایا تھا۔ انہی حقائق سے ان اہل عناد کے اس قول باطل کا بطلان و فساد بھی اظہر من الشمس ہو جاتا ہے جو یہ کہا کرتے ہیں کہ مذہب شیعہ عبداللہ بن سبا کی پیداوار ہے[1] فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید۔

---

[1] اس کی تفصیلی رد دیکھنے کے شائقین ہماری تازہ طبع ہونے والی کتاب "تجلیات صداقت" کی طرف رجوع فرمائیں —— (منہ عفی عنہ)

فرقہ ناجیہ معلوم کرنے کا چوتھا طریقہ

مسلمانوں کے درمیان جو سب سے زیادہ نزاعی مسئلہ ہے اور جس پر نجات و فلاح اخروی کا دارو مدار سمجھا جاتا ہے وہ ہے مسئلہ امامت۔ مذہب شیعہ سرکار ختمی مرتبت کے بعد حضرت علیؑ اور ان کی اولاد میں سے گیارہ آئمہ معصومین کی خلافت و امامت مطلقہ کا قائل ہے اور باقی سب فرق اسلام حضرت ابوبکر و عمر و غیرہ کو آنحضرت کے خلفاء سمجھتے ہیں لیکن جب اس کتاب میں دلائل و براہین سے مذہب شیعہ کے نظریات کی حقانیت اور ائمہ اہل بیتؑ کی امامت مطلقہ ثابت ہو چکی تو اس سے مذہب شیعہ کا فرقہ ناجیہ ہونا بھی واضح و لائح ہو گیا۔ کما لا یخفی۔

فرقہ ناجیہ معلوم کرنے کا پانچواں طریقہ

یہ وہ طریق ہے جسے محقق طوسی نے بیان فرمایا ہے جیسا کہ فاضل دوانی نے شرح عضدی میں نقل کیا ہے لکھتے ہیں "قال ابن المطہر الحلی فی تصانیفہ قد باحثنا فی ھذا الحدیث مع الاستاذ نصیر الدین محمد الطوسی فی تعیین المراد من الفرقۃ الناجیۃ فاستقر الرائ علی انہ ینبغی ان تکون الفرقۃ مخالفۃ لسائر الفرق مخالفۃ کثیرۃ وما ھی الا الشیعۃ الامامیۃ فانھم یخالفون غیرھم من جمیع الفرق مخالفۃ بینۃ بخلاف غیرھم من الفرق فانھم متقاربون فی اکثر الاصول انتھی کلامہ" یعنی ابن مطہر حلی (معروف بہ علامہ حلی) نے اپنی تصانیف (منہاج الکرامۃ وغیرہ میں) کہا ہے کہ اس حدیث میں وارد شدہ (فرقہ ناجیہ کی تعیین کے متعلق اپنے استاد محقق نصیر الدین طوسی کے ساتھ مباحثہ کیا نہایت غور و خوض کے بعد یہ طے پایا کہ لازم ہے کہ وہ فرقہ ناجیہ باقی سب (بہتر) فرقہائے اسلام کے ساتھ (اصول و فروع میں) مخالف و مباین ہو (کیونکہ آنحضرتؐ نے بہتر فرق کو ایک طرف ہالک قرار دیتے ہوئے ان کے مقابلہ میں ایک فرقہ کو ناجی قرار دیا ہے) اور ظاہر ہے کہ ایسا فرقہ جو ان امور میں باقی فرقوں کا مخالف ہے وہ فرقہ شیعہ امامیہ ہی ہے کیونکہ یہی (سب اصول و فروع میں) باقی فرق اسلام کے ساتھ کھلم کھلا مخالفت و مباینت رکھتا ہے بخلاف باقی فرقوں کے کہ وہ اکثر اصول و فروع میں باہم قریب قریب ہیں انتہی یہ بیان حقیقت ترجمان ایسے حقائق پر مشتمل ہے جس کا کوئی صاحب اطلاع و انصاف انکار نہیں کر سکتا۔ کون نہیں جانتا کہ بہتر فرق اسلام اصول عقائد میں تقریباً متفق ہیں اگر کسی معمولی جزئی مسئلہ میں اختلاف ہوتا بھی ہے تو دوسرے مسائل میں پھر اتفاق ہو جاتا ہے بالخصوص مسئلہ امامت میں تو سب ہی متفق ہیں کہ یہ اجماع و شوریٰ سے منعقد ہو جاتی ہے اور یہ کہ خلفائے رسول ابوبکر و عمر و عثمان ہیں اور فروع دین میں سب کے سب فقہائے اربعہ حضرات ابوحنیفہ و شافعی و مالک و احمد حنبل کے تابع ہیں معلوم ہوا کہ بہتر فرق اسلام اصولاً و فروعاً ایک طرف ہیں اور مذہب شیعہ ان سب کے مقابلہ میں وہ واحد فرقہ ہے جو اکثر اصول و فروع میں ان

کے مخالف ہے اور اپنے کے سب اصول و فروع کو ائمہ اہل بیت علیہم الصلوٰۃ والسلام سے اخذ کرتا ہے وہ اجماعی وشورائی اماموں کو باطل سمجھتے ہوئے ائمہ اہل بیتؑ کی منصوص امامت و خلافت کا قائل ہے شیعہ فرقہ ہی ہے جو عدلِ خداوندی کو اصول میں داخل سمجھتا ہے۔ جبکہ دوسرے مسلمان اس کے قائل ہی نہیں اسی طرح سب فرق اسلام وضو میں پاؤں دھوتے ہیں۔ صرف فرقہ شیعہ امامیہ ہے جو پاؤں کا مسح کرتا ہے دیگر قریباً تمام فرقے ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے ہیں فرقہ شیعہ ہی ہے جو ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کو واجب سمجھتا ہے۔ شیعہ فرقہ خمس کو واجب جانتا ہے جبکہ دوسرے اس کے عامل تو کجا قائل ہی نہیں ہیں۔ وعلی ہذا القیاس سیکڑوں مسائل میں دوسرے فرق اسلام متفق نظر آتے ہیں اور صرف فرقہ امامیہ اثنا عشریہ ان کا مخالف دکھائی دیتا ہے۔ ان حقائق کے پیش نظر یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ وہ فرقہ ناجیہ جس کی پیشین گوئی سرکار ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی تھی وہ یہی فرقہ حقہ شیعہ اثنا عشریہ "کثرھم اللہ فی البریہ" ہے جو مطابق حدیث سفینہ و ثقلین وصدہا دیگر آیات و احادیث کشتی نجات اہلبیتؑ پر سوار اور انہی کے دامن سے متمسک ہے اور اپنے سب اصول و فروع کو اسی خانوادۂ عصمت وطہارت سے اخذ کرتا ہے۔ ولنعم ما قیل ۔
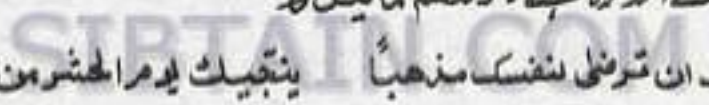
اذا شئت ان ترضی لنفسک مذہباً ینجیک یوم الحشر من لہب النار
فدع عنک قول الشافعی ومالک واحمد والمروی عن کعب احبار
ووال اناساً قولہم وحدیثہم روی جدنا عن جبرئیل عن الباری

قد جاءکم بصائر من ربکم فمن ابصر فلنفسہ ومن عمی فعلیہا وما انا علیکم بوکیل ۔

بس جور کشیدیم دریں راہ کہ بہ پرسیم المنۃ للہ کہ بہ مقصود رسیدیم
بس عقدۂ مشکل کہ دریں راہ کشودیم بس گم شدگان را کہ بفریاد رسیدیم

ولیکن ہذا آخر ما اردنا ایرادہ فی ہذا الکتاب المستطاب بعون اللہ الوہاب علی سبیل غایۃ الاستعجال مع تشتت البال وتوزع الاحوال وتراکم الاہوال حامداً للہ سبحانہ علی حسن توفیقہ لخدمۃ الدین ومصلیاً ومسلماً علی سید المرسلین وعترتہ الطیبین الطاہرین المعصومین دائماً اسئل مستشفعاً بہ وبہم صلوات اللہ علیہ وعلیہم اجمعین ان یجعل ہذا الکتاب المستطاب وسائر اعمالی لوجہہ الکریم وذخراً لیوم الدین وان ینفع بہ طالبی الصراط المستقیم انہ خیر موفق و

معین وکان الفراغ من تسویده ضحوة یوم الخمیس الرابع والعشرین من ذی الحجة الحرام الموافق للعید السعید المباهلة من شهور سنة ثلث مائة وثمانیة وسبعین بعد الالف من هجرة سیّد الانام علیٰ مهاجرها الاف التحیة والسلام علیٰ ید مُصنّفه العبد الجانی والضعیف الفانی المتمسک بالثقلین الاحقر محمد حسین صانه الله من کل شین ومین وحشره مع ائمة المصطفین فاسعده بذالک فی النشاتین فی البلدة المبارکة النجف الاشرف علیٰ مشرفها الاف التحیات والصلوات من بلاد العراق صانها الله تعالیٰ من جمیع الآفات والبلیات ومتعها بالخیرات بجاه سادة البریات اللّٰهمّ صلّ علیٰ محمّد وآلِ محمد

وقد حصل الفراغ من النظر الثانی علیه عصر یوم الثلاثا السابع والعشرین من شهر الصیام من شهور سنة ۱۳۹۳ھ ۔ والحمد لله اولاً وآخراً وظاهراً وباطناً ۔

۱۵-۱۰-۷۳ء

کتابت

محمد یعقوب، محمد اشرف جمیل ممتاز

ممتاز الکتابت

سرگودھا

خاتمہ کتاب در تقاریظ کتاب

حوزۂ علمیہ نجف اشرف کے مجتہدین عظام کے تقاریظ

سید الفقہاء والمجتہدین شکر حجۃ الاسلام آیت اللہ آقا السید محمد جواد التبریزی النجفی اعلی اللہ مقامہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ولله الحمد۔ غیر خاف ان الکتابین الجلیلین (تحقیقات الفریقین فی حدیث الثقلین) واثبات الائمۃ الاطہار فی ضوء العقل والآیات والاخبار) الذین سہر فی تالیفہما ولدنا العزیز المجتہد الالمعی العلامۃ المنطیق الشیخ محمد حسین الہندی صانہ اللہ وحماہ من النفس ما الف فی ہذا الباب فالحق والحق اقول لقد ابدع فیما الف واعجب فیما حرر ومنعت اکرم بہ مؤلفا قد انہض عزیمتہ بعد ما کانت قاعدۃ وحرک ہمتہ بعد ما کانت راکدۃ وہز لجامد من نشاط وموج الخامد من انبساط فاتی بہذین المؤلفین بثوبہما القشیب وصورتہما العجیبۃ الرائقۃ شکر اللہ تعالی سعیہ وکثر فی العلماء من امثالہ اسال اللہ تعالی ان یمدہ بتائیدہ ویوفقہ لامثالہ من الخدمات للشرع الشریف والدین الحنیف بجاہ النبی وآلہ۔ (محمد الجواد الطباطبائی التبریزی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ولد عزیز مجتہد المعی علامہ منطیق شیخ محمد حسین صانہ اللہ کی کتابیں "تحقیقات الفریقین فی حدیث الثقلین" اور "اثبات الائمۃ الاطہار فی ضوء العقل والآیات والاخبار" علم مناظرہ کی سب سے زیادہ نفیس کتابیں ہیں جن کی تالیف میں ممدوح نے راتیں جاگ کر کاٹی ہیں۔ یہ صحیح بات ہے اور میں ہمیشہ صحیح بات کہتا ہوں کہ مولانا کی یہ تالیف بڑی انوکھی اور پسندیدہ ہے کتنا باشرف ہے وہ مؤلف جس نے اپنے عزم نشستہ کو اپنی ہمت ساکن کو متوجہ کر کے اپنے نشاط جامد کو جھنجھوڑ کر اپنے دریائے انبساط کو متموج بنا کر یہ دو کتابیں جدید لباس اور خوشنما و پسندیدہ شکل و صورت میں تصنیف کر ڈالیں۔ خداوند عالم ان کی اس کوشش کو قبول فرمائے اور صف علماء میں ان کے امثال کی تعداد

زیادہ کرے۔ میں بارگاہِ الٰہی میں دست بدعا ہوں کہ وہ اپنے تائیدات موصوف کے شاملِ حال رکھے اور اسی طرح دین و شریعت کے خدمات کی توفیق کرامت فرمائے۔ (حجۃ الاسلام) محمد جواد الطباطبائی التبریزی)

شیخ الفقہاء والمتکلمین فخر المتقدمین والمتاخرین کاکر حجۃ الاسلام العالم الربانی آیت اللہ آقا شیخ عبدالکریم الزنجانی اعلی اللہ مقامہ

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی اشرف انبیائہ محمد وآلہ الطاہرین وبعد فانّ عمدۃ العلماء المحققین وسند الفقہاء والمتکلمین ونخبۃ اہل العرفان والیقین جناب الشیخ محمد حسین الپاکستانی دامت برکاتہ قد قضی شطراً من عمرہ فی تحصیل العلوم الدینیۃ والمعارف الالٰہیۃ فی حوزۃ النجف الاشرف نارھا اللہ شرفاً وجدّ واجتہد فالّف وصنّف، واحسن فی کل ذلک وافاد وسلک مسالک ارباب السداد، والحق بالذکر کتابیہ الجلیلین الاولی (تحقیقات الفریقین فی حدیث الثقلین) والثانی (اثبات امامۃ الائمۃ الاطہار فی ضوء العقل والآیات والاخبار) فانہ افاد فیہا واجاد واحرز اقصی المراد وہی وسیلۃ الارشاد الی ما فیہ الفوز فی المبدأ والمعاد، مع ما منح جلّ شانہ من قوۃ الاستعداد وتحث اخواننا المؤمنین علیہم منی سلام اللہ رب العالمین علی اتباعہ والرکون الیہ والاستضاءۃ بانوارہ واقتفاء آثارہ، فانہ لا یدل الا علی ہدی ولا یصدّ الا عن ردی، والرجاء ان لا ینسانا فی من صالح دعائہ کما لا انساہ واللہ یحفظہ ویرعاہ)

کتب فی النجف الاشرف فی ۲۲ شعبان المعظم سنۃ ۱۳۷۹) عبدالکریم الزنجانی النجفی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عمدۃ العلماء المحققین سند الفقہاء والمتکلمین نخبۃ اہل العرفان والیقین جناب شیخ محمد حسین پاکستانی دامت برکاتہ، نے اپنی عمر کا ایک حصہ حوزۂ علمیہ نجف اشرف میں علوم دینیہ اور معارف الٰہیہ کی تحصیل میں گزارا آپ نے بڑی جدوجہد فرمائی اور تصنیف و تالیف کی ہر علمی شعبہ میں آپ کے حسین و مفید آثار ہیں۔ ممدوح ارباب سداد و صواب کی راہ پر گامزن رہے، آپ کے آثار علمیہ میں خصوصی طور پر دو کتابیں ہیں اول تحقیقات الفریقین فی حدیث الثقلین، اور دوسری اثبات امامۃ الائمۃ الاطہار فی ضوء العقل والآیات والاخبار یقیناً ممدوح نے ان کتابوں میں بڑے خوب خوب افادات فرمائے ہیں، کوئی شبہ نہیں کہ آپ اپنی انتہائی منزل مقصود تک پہنچ گئے۔ موصوف نے مبدأ و

معاد کے مرحلوں میں کامیابی کے لئے وسیلۂ ارشاد و ہدایت مہیا فرما دیا۔ اس سب کے ساتھ خداوند عالم نے آپ کو قابلیت و استعداد کی نعمت سے بھی سرفراز فرمایا ہے۔ میں اپنے برادرانِ ایمانی کو متوجہ کرتا ہوں کہ مولانا موصوف کی پیروی کریں ان کے انوارِ علمی سے اپنے قلوب کو منور فرمائیں۔ کوئی شبہ نہیں کہ مولانا ہمیشہ صحیح راستہ کی ہدایت فرمائیں گے اور ہلاکتوں کی راہوں سے روکیں گے مجھے امید ہے کہ وہ مجھے اپنی نیک دعاؤں سے فراموش نہیں کریں گے جیسا کہ میں بھی ان کو فراموش نہیں کروں گا خدا ان کا حافظ و ناصر ہو۔

(حجۃ الاسلام، عبدالکریم الزنجانی النجفی)

افتخار المحدثین و المجتہدین نحریر صناعۃ الحدیث و الرجال حجۃ الفرقۃ المحقۃ حجۃ الاسلام العالم الصمدانی آیت اللہ آقا الشیخ بزرگ الطہرانی اعلی اللہ مقامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم و بہ نستعین الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا ونبینا محمد بن عبداللہ و علی الائمۃ الاثنی عشر خلفائہ واولیاء اللہ من الآن الی یوم لقاء اللہ وبعد فان الشیخ العالم الفاضل الکامل البارع الماہر صاحبنا البار وصدیقنا الثقۃ الامین المدعو بالشیخ محمد حسین بن العبد الصالح المدعو بتاج الدین الپاکستانی البنجابی دامت برکات وجودہ الشریف قد وفقہ اللہ تعالی للمہاجرۃ عن تلک البلاد وسہل لہ وسائل مجاورۃ الغری السری مشہد امیر المومنینؑ ومرقد باب علم النبی الامین صلوات اللہ علیہما و علی ذریتہما المعصومین فی سنین کثیرۃ مستمدا فیہا من برکات باب العلم مشتغلاً بتحصیل علوم الدین و تکمیل مسائلہا بالحضور فی معاہد العلماء الاعلام والجلوس فی محافل الادباء العظام حتی نال من برکات تلک المشاہد بما اراد من تکمیل الاصول والفروع علماً و تہذیب نفسہ بمکارم الاخلاق والآداب عملاً وبسبب حیازتہ لمعالی العلو مرد تحلیتہ بمحاسن الاعمال وصرفہ لجمیع قواہ فیما خلقت لاجلہ صار نوراً یستضاء بہ وعالماً یستفید من برکات انفاسہ جمیع من اہل الفضل و طلبۃ علوم الدین ولقوۃ استعدادہ وعلو ہمتہ لم یقتصر علی کونہ مبلغاً بالتدریس والخطابۃ والبیان بل ضم الیہا الدعوۃ الی الحق بالکتابۃ والاستعانۃ بالقلم والبنان فالف فی بعض اوان فراغتہ تصانیف لاشیقۃ تکون ذکراً خالداً لہ وصدقۃ جاریۃ منہ الی الابد

منها هذا الكتاب المستطاب الحاكى اسمه عن جلالة مقداره وشرف موضوعه (اثبات امامة الائمة الاطهار) فى نقل الآيات والاخبار والحاوى لابطال ما لفقه الجمهور فى مبحث الامامة وكتابه الآخر الجليل المتين الموسوم (بتحقيقات الفريقين) فى حديث الثقلين فهنيئاً للمؤلف التحرير بما اسدى الى طائفته من الخير الكثير وابدى لهم الحقائق بهذا التقرير والتحرير نسئل الله العليم القدير ان يوفقهم على اختلاف طبقاتهم بالتقدير لهذه النعمة العظمى والسعى فى نشر هذين السفرين الجليلين ليعم الانتفاع بهم قاطبةً وما سوى تلك الاصقاع اعاننا الله واياهم على فعل الخيرات انه مجيب الدعوات حرره بيده المرتعشة فى مكتبه فى النجف الاشرف ميسة الجمعة سابع ربيع الاول من عام تسعة وسبعين وثلثمائة والف الفانى اقا بزرك الطهرانى عفى عنه

بسم الله الرحمٰن الرحيم كلما رقم فى هذه الورقة صدر عن اهله ووقع فى محله

(حجۃ الاسلام) الاحقر السید ابو القاسم الرشتی الحائری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یقیناً جناب الشیخ العالم الفاضل الکامل البارع الماہر صاحبنا البار وصدیقنا الثقۃ الامین شیخ محمد حسین دامت برکات وجودہ الشریف کو خداوند عالم نے اپنے وطن مالوف سے ہجرت کی توفیق دی اور ان کے لئے مشہد امیر المومنین مرکز باب علم نبی نجف اشرف کی مجاورت کے وسائل واسباب فراہم کئے۔ کئی سال تک ممدوح برکات باب مدینۂ علم سے استفادہ حاصل کرتے ہوئے جلیل القدر علماء اعلام کے مجالس درس میں حاضر ہو کر اور ارباب عظام کے محافل میں بیٹھ کر علوم ومسائل دینیہ کی تکمیل وتحصیل فرماتے رہے۔ الحمد للہ کہ ان مشاہد مشرفہ کی برکتوں سے آپ نے اپنے مقصود یعنی تکمیل اصول وفروع اور مکارم اخلاق وآداب سے تہذیب نفس کو پا لیا۔ چونکہ مولانا ئے ممدوح تمام علوم عالیہ پر حاوی اور تمام محاسن اعمال سے آراستہ ہیں اور آپ نے اپنے جمیع قوی کو ان کے مقصد خلقت میں صرف کیا۔ اسی لئے موصوف ایک سراج علم بن گئے۔ جس سے لوگ نور حاصل کریں اور وہ عالم بے بدل جس کے برکات انفاس سے تمام اہل فضل اور طالبان علوم دین مستفید ومستفیض ہوتے ہیں آپ نے اپنی قوت استعداد اور علومیت کے سبب سے صرف اس پر اقتصار نہ کیا کہ تدریس علوم اور خطابت وتقریر کے ذریعہ حقائق دین کی تبلیغ وترویج کریں۔ بلکہ آپ نے تصنیف وتالیف اور قلم وبیان کی مدد سے دعوت الی الحق کو اپنا جزو تبلیغ قرار دیا۔ موصوف نے اپنے اوقات فراغت میں بڑے ہی حسین وخوشنما تصانیف فرمائے جو ابدالآباد تک ان کے جاودانی ذکر کا سبب ہیں۔ ان تالیفات میں سے ایک کتاب "اثبات امامۃ الائمۃ الاطہار" ہے جس کی جلالت قدر اس کے نام ہی سے ظاہر ہے۔ یہ کتاب مبحث امامت میں اہل سنت کے خیالات کے ابطال کے لئے تالیف ہوئی ہے

دوسری جلیل القدر تصنیف تحقیقات الفریقین فی حدیث الثقلین ہے میں ممدوح کو مبارکباد دیتا ہوں کہ انہوں نے ان
حقائق کو قلمبند فرما کر اور اس عظیم خدمت دینی کو انجام دے کر اپنی قوم پر بڑا احسان فرمایا ہے۔ خداوند عالم کی بارگاہ میں
دست بدعا ہوں کہ وہ قوم وقت کو اس نعمت عظمیٰ کی قدردانی کے لئے موفق فرمائے۔ حررہ بیدہ المرتعشہ
(حجۃ الاسلام) الفانی۔ آقا بزرگ طہرانی عفی عنہ

استاذ المجتہدین مرجع المومنین رکن الحوزۃ العلمیہ سرکار حجۃ الاسلام آیت اللہ آقا سید عبداللہ الشیرازی ادام اللہ برکاتہم

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ الذی جعل العلماء ورثۃ الانبیاء وجعل مدادہم
افضل من دماء الشہداء لان الناس بتعلیماتہم یتعلمون الاحکام والقوانین وبارشاداتہم
یرشدون الی الدین القویم والصراط المستقیم وببرکاتہم یحفظون عن الضلال المبین وشرور
الابالسۃ من الجن والانس اجمعین ومنہم جناب المستطاب الشیخ الاجل فخر الفضلاء والمحققین
وعماد العلماء العاملین الشیخ محمد حسین ابن تاج الدین الہندی الباکستانی دامت تاییداتہ
فقد الّف فی کتابیہ الشریفین تحقیقات الفریقین فی حدیث الثقلین واثبات امامۃ الائمۃ
الاطہار فی ضوء العقل والآیات والاخبار ما ہو حقیق ان یکتب فی اثبات الحق والحقیقۃ فی
ردّ المعاندین والمنافقین وما ہو جدیر ان یحتج بہ فی رفع شبہات الغافلین والجاہلین فللّٰہ
درہ وعلیہ سبحانہ اجرہ والمرجو ان یغتنم الناس وجودہ ولیستضیئوا بنور علمہ وان لا ینسانی
عن الدعاء فی الخلوات والجلوات ۱۹ ذیقعدۃ الحرام ۱۳۷۹ عبداللہ بن السید محمد طاہر الشیرازی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمام تعریفیں ثابت ہیں اس اللہ کے لئے جس نے علماء کو علوم انبیاء کا وارث اور ان کے قلم کی روشنائی کو خونِ
شہداء سے افضل قرار دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہی علماء کے ہدایات و تعلیمات سے عوام الناس احکام و قوانین شریعت
سیکھتے ہیں۔ انہی کے ارشادات سے انہیں دین قویم اور صراط مستقیم کی ہدایت ہوتی ہے۔ انہی کے برکات کے سبب وہ
کھلی ہوئی گمراہیوں اور شیاطین جن وانس کے شر سے محفوظ رہتے ہیں۔ انہی جلیل القدر علماء کے فرد جناب مستطاب شیخ اجل
فخر الفضلاء المحققین عماد العلماء العاملین شیخ محمد حسین دامت تاییداتہ ہیں۔ ممدوح نے اپنی دونوں کتابوں "تحقیقات
الفریقین فی حدیث الثقلین" اور "اثبات امامۃ الائمۃ الاطہار فی ضوء العقل والآیات والاخبار" میں وہی باتیں درج
کی ہیں جو اثبات حق و حقیقت اور رد معاندین و منافقین اور غافلین و جاہلین کے شبہات کے ازالہ میں لکھنا مناسب

ان کے نورِ علم سے مستفیض ہوں۔ رحجۃ الاسلام، عبداللہ ابن السید محمد طاہر الشیرازی

مرجع العلماء المجتہدین فخر الفضلاء العالمین سرکار حجۃ الاسلام آیت اللہ آقا سید عبدالاعلیٰ الموسوی السبزواری الموسوی النجفی مدظلہ العالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ الطاہرین واللعنۃ الدائمۃ علیٰ اعدائھم اجمعین الیٰ یوم الدین وبعد فان جناب العالم الفاضل الکامل البارع ثقۃ الاسلام ومفخر الانام الشیخ محمد حسین الباکستانی دامت تائیداتہ ممن وفقہ تبارک وتعالیٰ للجد والجھد فی العلوم الاسلامیۃ والمعارف الالٰھیۃ فاستفادوا فادوالف واجاد وفی تالیفیہ الشریفین (اثبات امامۃ الائمۃ الاطھار و تحقیقات الفریقین فی حدیث الثقلین) ما لغنی العیان عن البیان فجزاہ اللہ تعالیٰ خیرا ورفع لہ ذکراً وحلیٰ بحلیۃ مارواہ الفریقان عن النبی الاعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من حفظ من امتی اربعین حدیثاً مایحتاجون الیہ من امر دینھم بعثہ اللہ تعالیٰ یوم القیٰمۃ فقیھاً عالماً ونسئل اللہ تعالیٰ ان ینفع بھما العباد ویجعلھما من ذخائرہ لیوم المعاد فان ینظر الی مؤلفہ بنظر الرحمۃ والقبول انہ تعالیٰ نعم المولیٰ ونعم المامول

۲۲ شعبان المعظم ۱۳۷۹ ہجری قمری الاحقر عبدالاعلیٰ الموسوی السبزواری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بے شک جناب عالم فاضل کامل بارع ثقۃ الاسلام مفخر الانام شیخ محمد حسین پاکستانی دامت تائیداتہ ان قابل قدر افراد میں سے ہیں جنہیں خداوند عالم نے علوم اسلامیہ اور معارف الٰہیہ میں جدوجہد کے لئے موفق فرمایا۔ آپ نے استفادہ کرکے افادہ کیا۔ تصنیف و تالیف فرمائی۔ موصوف کی دونوں کتابوں (اثبات امامۃ الائمۃ الاطہار اور تحقیقات الفریقین فی حدیث الثقلین) کے مطالعہ کے بعد آپ کے لئے کچھ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے خداوند عالم موصوف کو جزائے خیر عطا فرمائے اور آپ کے ذکر کو بلند فرمائے۔ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث شریف کے زیور سے آپ کو آراستہ کرے جو فریقین نے نقل کی ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جو شخص میری امت میں سے چالیس ایسی حدیثیں محفوظ کردے جن کی امت کو اپنے امور دینیہ میں ضرورت ہوتی ہے۔ اُسے

خداوند عالم روز قیامت فقیہ و عالم بنا کر مبعوث فرمائے گا۔ بارگاہ الٰہی میں دست بدعا ہوں کہ ان دونوں کتابوں کو افراد قوم کے لئے مفید و نافع اور خود مؤلف علام کے واسطے ذخیرۂ آخرت قرار دے ان کی اس خدمت پر نظرِ رحمت و قبولیت فرمائے۔ انہ تعالیٰ نعم المولیٰ ونعم المامول۔

(حجۃ الاسلام، عبدالاعلیٰ الموسوی السبزواری)

کربلائے معلّٰی کے بعض اعلام کی تقریظ

العالم المجاہد الباذل الفاضل سرحجۃ الاسلام آیت اللہ آقا الشیخ محمد رضا الاصفہانی الحائری اعلی اللہ مقامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ الذی ھدانا الصراط المستقیم ومن علینا اذ بعث الینا محمداً صلی اللہ علیہ والہ خاتم النبیین للارشاد والتعلیم وانزل علیہ کتاباً معجزاً لہ وتبیاناً للدین المبین ونصب ائمۃ لبیان ما فیہ لا یفترقان الی یوم الدین منھم بدء سبل الدرایۃ والیھم تنتھی طرق الروایۃ اما بعد فان الاخ الامجد العالم الفاضل الاسعد المترشح فی عنفوان الشباب لاحراز قصب السبق فی السداد والصلاح الشاھد سیماتہ باھلیتہ لنیل الفوز والفلاح جناب الشیخ محمد الحسین النجفی الپاکستانی الھندی کثر اللہ فی العلماء امثالہ قد الف کتاب تحقیقات الفریقین فی حدیث الثقلین المروی عن النبیؐ بطرق عدیدہ بانہ قال فی مواضع متعددۃ انی تارک فیکم الثقلین ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا کتاب اللہ وعترتی اھل بیتی فانھما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض وتصدی لبیان المراد من العترۃ واھل البیت فی ھذا الحدیث وقد اسعی شطراً من مطالبہ المنیفۃ وتحقیقاتہ اللطیفۃ علی وجہ الاجمال فللہ درہ وعلی اللہ برہ ولہ ایضاً کتاب اثبات امامۃ الائمۃ الاطھار فی ضوء العقل والآیات والاخبار لا زال موفقاً لنصرۃ الحق وتائید الدین حررہ بیدہ الجانیۃ الفانیۃ محمد الرضا الاصفھانی الحائری فی ۲۵ ذی القعدۃ ۱۳۷۹ فی کربلاء المشرفۃ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اخ اعز امجد عالم فاضل اسعد جن کے عنفوان شباب سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ صلاح وسداد میں گوئے سبقت لے جائیں گے اور جن کے علائم و آثار بتاتے ہیں کہ وہ فوز و فلاح حاصل کریں گے

یعنی جناب الشیخ محمد حسین پنجابی پاکستانی ہندی۔ خداوند عالم علماء میں ان کے امثال زیادہ کرے۔ انہوں نے حدیث الثقلین جو کہ طرق متعددہ سے مقامات متعددہ پر آنحضرتؐ سے مروی ہے کے بارے میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام تحقیقات الفریقین فی حدیث الثقلین ہے۔ اس میں انہوں نے بیان کیا ہے کہ اس حدیث میں وارد شدہ الفاظ۔ عترت۔ اہل بیت سے مراد کون بزرگوار ہیں۔ مؤلف نے اس کتاب کے اجمالاً بعض مطالب منیفہ اور تحقیقات لطیفہ پڑھ کر سنائے۔ خدا ان کو جزائے خیر دے ان کی دوسری کتاب "اثبات امامت الائمۃ الاطہار فی ضوء العقل والآیات والاخبار" ہے۔ خدا انہیں نصرت حق و تائید دین کے لئے موفق فرمائے۔ حررہ بیدہ الجانیۃ الفانیہ رحجۃ الاسلام، محمد رضا الاصفہانی الحائری۔

کاظمین شریفین کے بعض اعاظم علماء کی تقریظ

العالم الخبیر و الناقد البصیر مرجع الفقہاء العظام و المحدثین الفخام سرکار حجۃ الاسلام آیت اللہ آقا السید محمد مہدی الموسوی الاصفہانی الکاظمی اعلی اللہ مقامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی حبیبنا محمد رسول اللہ والہ آل اللہ ثم علی رواۃ احکام اللہ ومشیدی دین اللہ وبعد فلا یخفی علی کل قریب وبعید ومن القی السمع وھو شھید دقی المدارج سعید شرف العلم وفضلہ وسمو قدرہ ومحلہ کما لا یخفی سمو درجۃ حاملیہ وفضل طالبیہ وقد ورمت بذلک الآیات وتظافرت الروایات وقد ھاجر جمع کثیر وجم غفیر من قدیم الزمان الی ھذا الاوان من اقاصی البلدان وھجروا الاھل والاخوان بطلب ذلک والوصول الی ما ھنالک فکدوا وجدوا وسعوا واجتھدوا حتیٰ وصلوا الی ما وصلوا وبلغوا الی ما بلغوا وممن ھاجر اوطانہ وترک اخوانہ جناب العالم الالمعی والفاضل اللوذعی الاریب والوافر النصیب الفائز بالقدح المعلی والرقیب الفقیہ النبیہ والمحقق الوجیہ والثقۃ الامین والجوھر الثمین علم الاعلام وحجۃ الاسلام المتحلی بکل زین والمتخلی عن کل شین ابن المرحوم تاج الدین طاب ثراہ

الشیخ محمد حسین الفنجابی الباکستانی نزیل النجف الاشرف دار العلم والتحف دامت برکاته وعمت افاداته سکن ارض الغری السّری واخذ فی الاشتغال فی العلم من المنطوق والمفهوم سنین عدیدة ومدة مدیدة علی جماعة من الاعلام المعاصرین وثلة من الفقهاء الماهرین فاخذ عنهم فوائدهم وتلقی عنهم علومهم وحرر دروسهم وضبط تقاریرهم وابحاثهم حتی بلغ درجة الاجتهاد وحاز ملکة الاستنباط وصار من اهل الارشاد وعد فی عداد الفقهاء الاعیان فالف وصنف کتبا جمة فی مواضیع مهمة وقد اطلعنی علی تحقیقات الفریقین فی حدیث الثقلین وکتاب اثبات امامة الائمة الاطهار فی ضوء العقل والآیات والاخبار ولکن لما کان ذلک باللغة الهندیة ولم یکن لنا حظ من ذلک حرمنا من ذلک لکنه سلمه الله وابقاه ومن کل مکروه وقاه قرأ علینا بعض فصولها مترجما ذلک لنا بالعربیة فرأیته قد اتی بما لم یسبقه احد من الاعلام ولا حام احد حول هذا المقام فلله دره وعلیه اجره فنسئل الله ان یوفقه لاخراج ذلک الی اللغة العربیة لیعم نفعه ویعظم وقعه فانه علی ما یشاء قدیر وبالاجابة جدیر حرره الراجی عفو ربه الغنی محمد مهدی بن محمد الموسوی الاصفهانی الکاظمی سنہ ۱۳۸۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ علم کا شرف و فضل اور اس کے حاملین و طالبین کی رفعتِ شان و عظمت مقام وہ حقیقت ثابتہ ہے جو کسی قریب و بعید پر مخفی نہیں ہے اس سلسلہ میں متعدد آیات و روایات وارد ہوئے ہیں اسی بناء پر قدیم الایام سے آج تک جابجا لوگ تحصیل علم کے لئے اپنے وطن اور اہل واخوان کو خیرباد کہہ کر شدائد سفر برداشت کرتے رہے ہیں اور اپنی ذاتی جدوجہد سے فضل و کمال کے مراتب عالیہ پر فائز ہوئے ہیں۔ انہی لوگوں میں سے جنہوں نے تحصیل علوم کے لئے اپنے وطن مالوف اور احباب واخوان کو خیرباد کہا۔ ایک جناب عالم المعی، فاضل یلمعی ادیب اریب۔ وافر نصیب۔ فائز لقدح معلی و رقیب فقیہ نبیہ۔ محقق وجیہ۔ ثقة امین۔ جوہر ثمین علم الاعلام وحجة الاسلام متحلی بکل زین ومتخلی عن کل شین الشیخ محمد حسین ابن المرحوم تاج الدین الفنجابی الباکستانی نزیل النجف الاشرف دامت برکاتہ وعمت افاداتہ بھی ہیں چنانچہ انہوں نے ہجرت کے بعد نجف اشرف کی مقدس سرزمین میں سکونت اختیار کی اور کئی سال کی مدت مدید تک وہاں کے علماء اعلام اور فقہاء عظام سے علوم عقلیہ و نقلیہ کی تکمیل میں مشغول رہے ان کے دروس کو لکھا اور تقاریر کو ضبط کیا یہاں تک کہ درجہ اجتہاد اور ملکۂ استنباط پر فائز ہوئے اور زمرۂ فقہاء امجاد میں شامل ہو گئے اسی اثناء میں انہوں نے مختلف موضوعات پر متعدد کتابیں بھی لکھیں جن میں سے انہوں نے مجھے دو کتابوں پر مطلع کیا ہے ایک تحقیقات الفریقین فی

حدیث الثقلین" اور دوسری "اثبات امامۃ الائمۃ الاطہار فی ضوء العقل والآیات والاخبار" لیکن یہ دونوں کتابیں چونکہ اُردو زبان میں تھیں۔ اس لئے ہم براہِ راست ان کا مطالعہ کرنے سے قاصر تھے اس لئے مصنف موصوف نے ان دونوں کتابوں کی بعض فصلوں کا عربی میں ترجمہ کر کے ہمیں سنایا۔ میں نے دیکھا کہ انہوں نے ان موضوعات پر وہ حق تحقیق ادا کیا ہے کہ اس سے پہلے کوئی عالم ان سے سبقت نہیں لے جاسکا اور نہ ہی ان حقائق کے گرد کوئی گھوما ہے۔ خداوند عالم ان کو جزائے خیر دے۔ ہم بارگاہ قدرت میں دست بدعا ہیں کہ وہ ان کو توفیق دے کہ وہ ان کتابوں کا عربی زبان میں بھی ترجمہ کریں۔ تاکہ ان کا نفع عام اور وقعت عظیم ہو خدا ہر شئی پر قادر ہے اور دعا کے قبول کرنے کے لائق۔

حررہ الراجی عفو ربہ الغنی (حجۃ الاسلام) محمد مہدی بن محمد الموسوی الاصفہانی الکاظمی ۱۳۷۹ھ

سامراء کے بعض ساطین علماء کی تقریظ

لبقیۃ السلف اسوۃ الخلف العالم العلیم فخر العلماء والمجتہدین العالم المجاہد سرکار حجۃ الاسلام آیت اللہ

الشیخ نجم الدین الشریف العسکری مدظلہ العالی

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی اشرف الانبیاء والمرسلین محمد وآلہ الطیبین الطاہرین وبعد فان من اعظم نعم اللہ علی ھذہ الفرقۃ المحقۃ الناجیۃ ان رزقھم فی کل عصور رجالا لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع من الجہاد فی سبیلھا والسعی فی اعلاء کلمتھا فحققوا حقائقھا و اقاموا الحجج الواضحۃ لھا علی غیرھا۔

وان من اعلام ھذہ الزمرۃ المجاھدۃ العلامۃ الباحث المحقق اللوذعی الالمعی الشیخ محمد حسین النجفی الپاکستانی مؤلف السفرین العظیمین (اثبات امامۃ الائمۃ الاطہار فی ضوء العقل والآیات والاخبار) وکتاب (تحقیقات الفریقین فی حدیث الثقلین) ھذا وقد سمعت من مؤلفھما کثیرا من مضامینھما فالفیتھما کتابین کریمین نافعین لا یاتیھما الباطل من بین یدیھما ولا من خلفھما وذلک بتوفیق من اللہ العزیز

العلیم فیحق لکل طالب حق ان یقتنی ھذین الکتابین القیمین لکی یستنیر بضوئھما

فی معرفۃ الحق من الباطل ھذا ولم یکن المؤلف زید توفیقاتہ وایدہ اللہ و

نصرہ اول من کتب فی ھذین الموضوعین وقد سبقہ کثیر من العلماء الاعلام الا

انھم لم یتوصلوا الی ما وصل الیہ العلامۃ السابق الذکر من تحقیق و تدقیق و

ذلک نتیجۃ جدہ الجبار فی البحث والاستقصاء حیث اقام البراھین العلمیۃ و

ساق الحجج العقلیۃ والنقلیۃ البینۃ الواضحۃ حتی اظھر الحق والحقیقۃ واثبت وابطل

الباطل فادمغہ ھذا ولم اکن مغالیاً ان قلت ان تالیفیہ القیمین نادرتان وھما

فوق ما سبقھما لاحتوائھما من الشواھد والافکار السدیدۃ التی تطمئن بھا النفوس

الزائغۃ الحائرۃ والحق ان ھذین الاثرین النفیسین الخالدین اعظم مفخرۃ لمؤلفھما

العلامۃ الجاثہ اذ ھما اکبر خدمۃ خدم بھما الفرقۃ الناجیۃ فیستحقان الاعجاب

والتقدیر فاقدم للعلامۃ الکبیر اعظم شکر و تقدیر وارجو من اخوانی الامامیۃ

الافراد مساعدۃ المؤلف فی طبع کتابیہ ولنشرہ یکونوا شرکائہ فی الاجر واللہ خیرد

اللہ الموفق والمعین کتب فی شھر رمضان المبارک سنۃ ۱۳۷۹ھ فی ناحیۃ سامراء المقدسۃ

والحمد للہ اولاً واخراً (حجۃ الاسلام) نجم الدین الشریف العسکری

(حجۃ الاسلام) الاحقر محمد رضا الموسوی الشوشتری

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یقیناً فرقہ ناجیہ کے لئے یہ خداوند عالم کی سب سے بڑی نعمت ہے کہ اس نے

ان میں ہر دور میں ایسے مخلص مردان روزگار قرار دیئے جنہیں راہ دین و دیانت میں جہاد اور اعلاء کلمۂ حق کے واسطے

سعی و کوشش سے امور دنیا روک نہیں سکتے۔ انہوں نے حقائق مذہب کو واضح کیا اور ان کے اثبات کے لئے

واضح دلائل اغیار کے سامنے قائم کر دیئے۔ اسی گروہ مجاہد کے علماء میں سے جناب العلامۃ البحاثۃ المحقق

الموزعی الالمعی شیخ محمد حسین ہیں جنہوں نے دو جلیل القدر کتابیں "اثبات امامۃ الائمۃ الاطہار فی ضوء العقل الآیات

والاخبار" اور "تحقیقات الفریقین فی حدیث الثقلین" تالیف فرمائیں۔ میں نے مؤلف علام سے ان کتابوں کے

بہت سے مضامین سُنے۔ بے شک یہ بڑی مفید اور عمدہ کتابیں ہیں۔ یقیناً اس خدمت میں توفیق الٰہی کا بڑا

دخل ہے ہر طالب حق کو چاہیئے کہ ان دونوں قیمتی کتابوں کو محفوظ رکھے اور ان کی تیز روشنی میں حق و باطل

کے درمیان امتیاز پیدا کرے۔ یہ حقیقت ہے کہ مؤلف علام پہلے شخص نہیں ہیں جنہوں نے اس

باب میں قلم اٹھایا ہے آپ سے قبل بہت سے علماء اعلام کے آثار موجود ہیں لیکن ان میں وہ تحقیق و

تدقیق نظر نہیں آتی۔ جو ممدوح کی ان دونوں کتابوں میں نگاہ کے سامنے آتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جناب مولانا نے بحث واستقصاء میں زبردست کد و کاوش کر کے عقلی و نقلی واضح و روشن بلند پایہ دلائل و براہین قائم فرمائے ہیں جنہوں نے حق و حقیقت کو پورے طور پر ثابت اور باطل کو بالکل تہس نہس کر دیا ہے۔ بلاشبہ یہ مبالغہ نہیں ہے کہ موصوف کی یہ دونوں نادر تالیفیں قابلِ اطمینان اور تسلی بخش افکار و آراء پر مشتمل ہونے کی بناء پر اپنے ماقبل کی تمام تالیفات پر فوقیت لے گئی ہیں۔ حق و انصاف یہ ہے۔ مؤلف علام کے افتخار کے لئے یہ دونوں ان کے جاودانی اثر علمی عظیم سرمایہ ہیں۔ فرقہ ناجیہ کی ایک بہت بڑی خدمت ہے جو پسندیدگی اور قدردانی کی مستحق ہے۔ میں علامہ کبیر کی خدمت میں اعظم شکر و تقدیر کا تحفہ پیش کرتا ہوں (حجۃ الاسلام) نجم الدین الشریف العسکری۔

(حجۃ الاسلام) الاحقر محمد رضا الموسوی الشوستری

علم الشیعہ و ذخر الشریعہ حجۃ الاسلام سرکار علامہ آقا سید احمد

الموسوی المستنبط النجفی مدظلہ العالی

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد لجمیع الآئہ والصلوٰۃ والسلام علی افضل انبیائہ واشرف اوصیائہ محمد و علی والہ الطاہرین واللعنۃ الدائمۃ علی اعدائہم اجمعین مخفی نماند دانشمند شہیر و نویسندہ قدیر و خدمتگذار علم و دیانت جناب مستطاب رکن الاسلام والمسلمین الناقد الخبیر والبصیر الساعی بصحیح فکرتہ وسلیم فطرتہ الی الحالۃ التی لیس لہا مزید الحبر المتقی النقی الدائب فی الدنیا والدین اقای اقا شیخ محمد حسین پاکستانی دامت افاضاتہ شخصیت بارزیست کہ در تالیف کتاب (تحقیق الفریقین فی حدیث الثقلین) رنج فراوان بردہ و عمر گرانبہای خود را با کمال جدیت در راہ خدمت بدین و رفع شبہات معاندین وقف و صرف نمودہ و بازبان اردو نوشتہ بحمد اللہ و حسن توفیقہ بسیار مفید و مرغوب و کمال ذکاوت و فہم و صناعت بخرج دادہ اند و انشاء اللہ تعالیٰ مقبول پیشگاہ حضرت احدیت جلت عظمتہ و منظور نظر مبارک سید الموحدین امیر المومنین صلوات اللہ علیہ و علی مجیبہ و توجہات و عنایات خاصۂ اعلیحضرت امامنا المنتظر ارواحنا د

ارواح العالمین لہ الفداء بودہ باشد وبہ توفیقات ایشاں بیفزاید وبر عموم اخوان مومنین شائستہ ولازم کہ خدمات ایشانرا نہایت تشویق وتقدیر نمایند وبزبان فارسی ترجمہ نمایند کہ غیر اہالی پاکستان ہم ازاں استفادہ نمایند جزاہ اللہ وجمیع المساعدین لہ خیر الجمد والہ الطاہرین حررہ الاحقر احمد الموسوی المستنبط الغروی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ کوئی شبہ نہیں کہ عالم شہیر کاتب قدیر جناب مستطاب رکن الاسلام والمسلمین ناقد خبیر البصیر السامی الجر النیقی التقی المامون فی الدنیا والدین آقائی آقا شیخ محمد حسین دامت افاضاتہ کی شخصیت نہایت نمایاں ہے آپ نے کتاب "تحقیقات الفریقین فی حدیث الثقلین" کی تالیف میں بڑی محنت وزحمت برداشت کی موصوف نے خدمت دین اور شبہات معاندین کے دفعیہ میں اپنی گرانبہا عمر کے قیمتی لمحات صرف کئے ۔ یہ کتاب اردو زبان میں تحریر فرمائی جو نہایت مفید ولپندیدہ ہے ۔ بڑی ذکاوت وذہانت اور فنی وعلمی مہارت نظر آتی ہے ۔ انشاء اللہ ان کی یہ خدمت بارگاہ احدیت میں مقبول ، سید الموحدین امیر المومنین صلوات اللہ وسلامہ علیہ کی منظور نظر اور ہمارے امام منتظر ارواحنا وارواح العالمین لہ الفدا کے مخصوص عنایات وتوجہات کا مرکز قرار پائے گی ۔ خداوند عالم مولانائے موصوف کے توفیقات میں اضافہ کرے ۔ تمام ارباب ایمان کو لازم ہے کہ مولانا کے خدمات علمیہ کی قدر کریں ۔ اس کتاب کا فارسی زبان میں بھی ترجمہ ہونا چاہیئے کہ غیر اُردو دان طبقہ بھی مستفید ہو سکے ۔ جزاہ اللہ وجمیع المساعدین خیراً (حجۃ الاسلام) احمد الموسوی المستنبط ۔

بعض محققین پاکستان کی تقریظ

فخر المحققین عمدۃ الحکماء المتالہین جناب مولانا حکیم محمد امیر الدین صاحب فلک النجات اعلی اللہ مقامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وآلہ بیتہ الطاہرین ۔ آج مورخہ ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۸۰ھ کو عالی جناب عمدۃ العلماء الاعلام زبدۃ الفقہاء العظام کاسر اعناق المعاندین مرغم اناف المفسدین عالم المعقول والمنقول جامع الفروع والاصول فاضل اجل عالم اکمل مولوی صاحب مولوی محمد حسین صاحب مولوی فاضل ومجتہد فاضل عراق زادات فیوضہم حسن اتفاق سے یہاں تشریف فرما ہوئے اور اپنی تصنیف فرمودہ دو کتابیں دکھائیں

ایک "تحقیقات الفریقین فی حدیث الثقلین" دوسری "اثبات امامۃ الائمۃ الاطہار فی ضوء العقل و آلآیات والاخبار" میں نے اپنی کمزوری کے باعث موصوف کو تکلیف دی کہ ہر دو کتابوں کے چیدہ چیدہ مقامات پڑھ کر سنائیں۔ چنانچہ انہوں نے بعض مقامات پڑھ کر سنائے۔ نمدہ حقیر عرصہ دراز کی بیماری اور مختلف اقسام کی پریشانیوں سے ملول خاطر تھا مضامین دلچسپ سنتے ہی بجد فرح و سرور پیدا ہوا اور بے ساختہ مصنف ممدوح کے حق میں قلب و لسان سے طول عمر و ترقی درجات کی دعا نکلی۔ بے شک ہم نے فلک النجاۃ میں حدیث ثقلین کو معیار معرفت اہل حق کا قرار دیتے ہوئے اس حدیث کے الفاظ مختلفہ کو کتب معتبرہ متعددہ کثیرہ اہل سنت میں سے اس کا مقبول و منقول ہونا اور اس کے نتائج کو لکھا تھا اور یہ تو وہم و گمان بھی نہ تھا کہ کوئی ایسا شقی قسی القلب کور باطن ظاہر ہوگا جو ابن تیمیہ جیسے متقدوح و مذموم کا مرید و مقلد ایسی متواتر صحیح و مشہور و مقبول اہل اسلام حدیث کا انکار کرے گا مگر ظاہر ہوا تو الحمد للہ کہ مطابق "لکل فرعون موسیٰ" ہر فرعون صفت کے لئے خداوند کریم اس کے مقابل کوئی ایسا فرد پیدا کر دیتا ہے جس کے باعث فرعون صفت اپنے مقابل کے سامنے ندامت کے پسینہ میں غرق ہو جاتا ہے منتقم حقیقی نے مؤلف تحقیقات الفریقین کی تائید غیبی سے امداد فرمائی کہ اس موسوس فی صدور الناس کے مکر و فریب سے پردہ کر جو نسخ عنکبوت کی طرح بنایا گیا تھا۔ اس کے تار و پود کو توڑ پھوڑ کر چاک کر کے نیست و نابود کر دیا اور حق کا شمس فی نصف النہار نمودار ہوگیا۔ مؤلف موصوف نے حدیث ثقلین کے اسانید کی تحقیق و توثیق جس خوبی سے جدید صورت میں تحریر فرمائی ہے نہایت دلچسپ اور مکمل ہے اور روایت شاذہ طفلانہ سنی بجائے عترتی اہل بیتی کا ضعف ہم نے فلک النجاۃ میں مختصر لکھا تھا۔ تحقیقات الفریقین میں مؤلف ممدوح نے مفصل تردید بطرز جدید بجد مفید لکھی ہے جو مسکت خصم ہے اور قابل صد تحسین ہے۔ اسی طرح ہم نے مسئلہ امامت کی اہمیت اور ضرورت و شرائط امامۃ عند الفریقین کو فلک النجاۃ جلد اول میں لکھا تھا لیکن جس عجیب طرز سے مؤلف موصوف نے اثبات امامۃ میں مدلل و مبرہن مسئلہ امامت کو تحریر فرمایا ہے یہ قابل صد ستائش ہے میں مصنف موصوف کو ہر دو کتب کی تصنیف پر مبارک باد دیتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ مومنین ان کی ہر دو کتابیں قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے اور ان سے مستفید ہو کر مصنف ممدوح کی محنت شاقہ کی داد دیں گے تاکہ موصوف کی ہمت افزائی ہو اور آئندہ جدید انکشافات اور تصانیف مفیدہ سے مومنین کو مستفیض فرماتے رہیں۔ میں نے عراق، ایران، ہندوستان کے متعدد علماء کی صحبت میں ان کی تحریر و تقریر سے لطف اٹھایا ہے جہاں تک معلوم ہوا ہے ہر عالم کی کسی نہ کسی ایک علم میں زیادہ مہارت ہوتی ہے کوئی معقولات میں فوقیت رکھتا ہے کوئی منقولات میں۔ کوئی فقہی کوئی درسی کتب میں اور اجتہادی مسائل میں، کوئی فن مناظرہ میں زیادہ قابل ہوتا ہے مؤلف ممدوح کی خداداد ملکہ سے یہ خصوصیت قابل ذکر ہے کہ جملہ علوم و فنون میں یکتا نظر آتے ہیں

سب ہیں ان کو کمال حاصل ہے یقیناً جو بافہم انسان جناب موصوف کی صحبت کا شرف حاصل کر چکا ہے یا بہرہ یاب ہوگا میرے اس بیان کی تصدیق کرے گا اللہ تعالےٰ مولوی صاحب موصوف کو دینی خدمات کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے۔ آمین بحرمتہ النبیؐ واہل بیتہ الطاہرین علیہم الصلوٰۃ والسلام

احقر امیر الدین عفی عنہ بقلم خود از چک جلال الدین

جناب امداد الملۃ والدین حضرت مولانا السید امداد حسین الکاظمی المشہدی بی اے مولوی فاضل وغیرہ وغیرہ
صدر ادارہ معارف اسلام پاکستان۔ لاہور۔ (اعلی اللہ مقامہ)
الحال محلہ نور پور سیداں، ریلوے روڈ۔ گجرات (م۔ب)

کتاب اثبات الامامت کے مصنف علام جناب الحاج علامۃ الشیخ محمد حسین صانہ اللہ عن کل شین کا نام نامی اور اسم گرامی دنیائے شیعیت میں کسی تعارف کا محتاج نہیں آپ نے حال ہی میں چند ضخیم و فخیم کتابیں تصنیف فرما کر ربع مسکون میں اپنے علم و فضل کی روشنی پھیلا دی ہے۔ لیکن یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ آپ کی تصنیف لطیف زیر تبصرہ آپ کی سب تصانیف پر فوقیت لے گئی ہے۔ یوں تو مسئلہ امامت قریباً چودہ سو سال سے مابہ النزاع چلا آتا ہے۔ اس عرصہ میں اس مسئلہ پر ہزاروں مناظرے اور لاکھوں بحثیں ہوئیں اور علمائے کرام اور فضلائے عظام نے اس موضوع پر لاتعداد اور لاتحصی کتابیں تصنیف و تالیف فرما کر منکرین امامت پر حجت قائم کر دی۔ لیکن۔

؎ ایں زمین را آسمانے دیگر است

آپ نے بالکل اچھوتے اور ناقابل تردید دلائل ارقام فرما کر مخالفین کے قلم چکنا چور کر کے رکھ دیئے ہیں اور ان کی رگ ناصبیت کو کچھ اس طرح کچلا ہے کہ آئندہ روز قیامت تک ان میں ہنگامہ آرائی کی جرأت نہ ہوگی میں نے اس علمی شاہکار کو شروع سے آخر تک پڑھا ہے اور اسے بے مثال اور لاجواب پایا ہے۔ یہ اعتراف حقیقت ہے کہ موضوع اثبات امامت پر ایسی جامع کتاب آج تک نظر حقیر سے نہیں گذری۔ وللہ درہٗ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات حسرت آیات پر مخالفین کے منظور نظر صحابہ کا آپ کے غسل اور کفن دفن کو اہلبیت کرام کے ہاتھوں میں چھوڑ کر خود سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کی رسہ کشی میں مشغول ہو جانا۔ حتیٰ کہ

آپ کے جنازہ میں بھی شریک نہ ہونا بالتفصیل بیان فرمایا ہے۔ خانۂ اقدس جناب فاطمۃ الزہرا صلوٰۃ اللہ علیہا پر آگ اور لکڑیاں لے کر جانا اور اس مقدس گھر کو آگ سے پھونک دینے کی دھمکی دینا۔ جناب بضعۃ الرسولؐ کے شکم مبارک پر دروازہ گرا کر ان کے پیٹ کے بچے "محسن" کو شہید کرنا اور حضرت علی علیہ السلام کو بیعت جناب ابوبکر کے لئے کشاں کشاں دربار خلافت میں لے جانا کتب مخالفین سے ثابت کیا ہے ان ناسا عد حالات میں حضرت علیؑ کے تلوار نہ اٹھانے کے اسباب پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اور مخالفین کے اعتراض کہ جب آپ نے خلافت چھن جانے پر تلوار نہ اٹھائی تو پھر جنگ جمل۔ جنگ صفین اور جنگ نہروان میں کیوں اٹھائی کا بہترین اور معقول جواب دیا ہے۔ نہ صرف امامت حضرت علیؑ بلکہ باقی گیارہ ائمہؑ کی امامت کے بھی ٹھوس ثبوت دیئے ہیں۔ نیز ادلہ عقلیہ اور نقلیہ سے ضرورت امام پر بہترین روشنی ڈالی ہے امام اور خلیفہ کے لئے معصوم ہونا قرار دے کر دوازدہ ائمہؑ کی عصمت وطہارت بہ احسن طریق ثابت کی ہے۔ تعیین اولی الامر مندرجہ قرآن پر خوب لکھا ہے اور اس اعتراض کا بھی معقول جواب دیا ہے کہ اگر مسئلہ امامت اتنا ہی اہم تھا تو قرآن میں ائمہؑ کے نام کیوں نہیں آئے۔ ائمہ اثنا عشر کی خلافت و امامت کا بنی ہاشم میں محصور ہونا اور بنی عدی۔ بنی تیم اور بنی امیہ وغیرہ قبائل کا خلافت و امامت میں کچھ حصہ نہ ہونا بالوضاحت بیان فرمایا ہے خلفائے بنی ہاشم۔ بنی امیہ اور بنی عباس کی تعیین کر کے ائمہ اہلبیتؑ اور خلفائے اہلسنت کا صفات میں موازنہ کیا ہے جو نہایت دلچسپ اور قابل دید ہے آپ نے ائمہ اثنا عشر اور خلفائے اہلسنت کے حالات زندگی ان کے اخلاق۔ زہد۔ تقویٰ تربیت اور فضائل پر تفصیلی نظر ڈالی ہے۔ امامت ائمہ اثنا عشر پر جو اعتراضات مخالفین کرتے ہیں۔ ان سب کے کافی شافی۔ وافی۔ شافی جواب دے کر ہمیشہ کے لئے ان کا منہ بند کر دیا ہے۔ آیہ استخلاف کی بہترین تشریح فرمائی ہے حسب ارشاد رسولؐ مسلمانوں کا تہتر فرقوں میں بٹ جانا اور ان میں سے صرف ایک فرقہ کا ناجی ہونا بیان کر کے آپ نے شیعہ اثنا عشریہ کے ناجی ہونے پر ٹھوس دلائل قائم کئے ہیں اور دوسرے فرقوں کا بطلان ثابت کیا ہے۔ ماشاء اللہ فاضل مصنف نے یہ کتاب مستطاب لکھتے وقت اس بات کا خاص طور پر لحاظ رکھا ہے کہ کوئی لفظ یا کوئی فقرہ ایسا نہ آنے پائے جس سے مخالفین کی دل شکنی ہو یہ بات قابل داد ہے کہ مصنف مدظلہ نے تصنیف کتاب میں تہذیب اور متانت کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ یہ اس کتاب کا طرۂ امتیاز ہے مومنین موقنین کو چاہیئے کہ اس نادر روزگار کتاب کو خرید کر حرز جان بنائیں۔ اس کے مطالب سے بہرہ اندوز ہو کر اپنے ایمان اور عقائد کو مضبوط اور استوار کریں۔ اور نجات اخروی کا ذریعہ بنائیں۔ حضرات واعظین اور مناظرین کے لئے یہ کتاب نعمت غیر مترقبہ اور نہایت کارآمد ہے۔

المسمّیٰ المذنب

متمسک بالثقلین السید امداد حسین الکاظمی المشہدی

گجرات

۲۰ رجنوری ۱۹۸۰ء

تاریخ طبع کتاب اثبات الامامت

نتیجۂ فکر شاعر اہل بیتؑ عالیجناب السیّد وزیر حسین شیرازی سرگودھا

مئے الفت سے جامِ دل بھرا ہے ۔۔۔ امامِ حق علیؑ مشکل کشا ہے

خرد کی سرحدوں سے ماوریٰ ہے ۔۔۔ حقیقت میں مقامِ مرتضائی

ہمیشہ یاد رکھے گا زمانہ! ۔۔۔ حدیثِ عشق باطرزِ یگانہ!

براہین و دلائل کا خزانہ ۔۔۔ بڑی محنت سے یکجا کر دیا ہے

کسی کو یہ ادا بھائے نہ بھائے ۔۔۔ کسی کو کچھ نظر آئے نہ آئے

جسے خلّاقِ دو عالم جلائے ۔۔۔ وہ مشعل کب بجھا سکتا ہے کوئی

مطالب ہیں عیاں نصِّ جلی کے ۔۔۔ بشکلِ آیۂ بلّغ وحی کے،

امیر المومنینؑ حضرت علیؑ کے، ۔۔۔ فضائل جامع و مانع ہیں اس میں

ہوئی بارِ دگر اس کی طباعت ۔۔۔ خدا کے فضل سے باشان و شوکت

کرے گی رہبری سب گمرہوں کی

شاعرِ حسن اثبات الامامت

۱۹۷۶ء

علماءِ اعلام و مجتہدینِ عظام کے اسناد اجتہاد و ارشادات

میرا ہمیشہ سے یہ نظریہ رہا ہے اور ہے کہ مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید اسی بناء پر میں نے آج تک علماء اعلام کے اسناد و تبرکات کی اشاعت کو ضروری نہ سمجھا بلکہ دُرِّ مکنون کی طرح مخفی رکھا مگر اب جبکہ میرے بعض کرم فرما اس بات کو غلط رنگ دینے کی کوشش کر رہے ہیں تو بامر مجبوری ان ارشادات کو منظرِ عام پر لایا جا رہا ہے امید کامل ہے کہ ان کی اشاعت کے بعد ہر قسم کے شکوک و شبہات کے بادل چھٹ جائیں گے انشاء اللہ

اجازہ روایتی مرجع اکبر شیعیانِ جہان سرکار آیۃ اللہ تعالیٰ آقا السید محسن الطباطبائی الحکیم اعلی اللہ مقامہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی محمد وآلہ الطاهرین المعصومین واللعنۃ الدائمۃ علی
أعدائهم أجمعین إلی یوم الدین وبعد فإن جناب العالم الفاضل ثقۃ الإسلام وعماد الأعلام
الشیخ محمد حسین النجفی الپاکستانی دام تأییدہ قد صرف شطراً وافیاً من عمرہ فی تحصیل
العلوم الدینیۃ واکتساب المعارف الإلهیۃ وقد بقی فی النجف الأشرف مدۃ غیر قلیلۃ جاداً فی تحصیل
متمکناً علی التدریس وقد حضر علی العلماء الأعلام کما حضر بعض أبحاثنا حضور تحقیق وتأمل
واستفاد من ذلک حتی بلغ المراتب العالیۃ من الفضل والکمال فصار محل الوثوق والاعتماد وقد
أجزت له التصدی لما لا یجوز التصدی له إلا بإذن الشرع من الأمور الحسبیۃ کحفظ أموال القاصرین والغائبین
والتوفر علی إنفاذ الأوقاف التی لا ولی لها وغیرها کما أجزت له قبض الحقوق الشرعیۃ من الزکاۃ و
المظالم وسهم الإمام علیه السلام وصرفها فی مؤن المحتاجین من المشتغلین فی
العلوم الدینیۃ وسائر المصارف اللازمۃ [illegible] العظیم
النجف الأشرف وقد أوصیته بتقوی الله تعالی فی السر والعلانیۃ والرضا والغضب فإن التقوی
من الله تعالی نجاۃ من کل هلکۃ وعتق من کل ملکۃ کما أوصیته أن لا ینسی المؤمنین ویهتم لله تعالی
أن ینفعهم بصحته وجودہ ویستفیدوا منه الأحکام الشرعیۃ والمسائل الدینیۃ [illegible]
الله سبحانه ولی التوفیق وهو حسبنا ونعم الوکیل
محسن الطباطبائی الحکیم

اجازہ اجتہاد سید المجتہدین سرکار آیۃ اللہ آقائی آقا السید محمد جواد التبریزی النجفی اعلی اللہ مقامہٗ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین وافضل صلواتہ وتحیاتہ علی من اصطفاہ من الاولین والآخرین وبعثہ رحمۃ للعالمین محمد وآلہ الکہف الحصین وغیاث المضطر المستکین وعصمۃ المعتصمین واللعنۃ الدائمۃ علی اعدائہم والمنحرفین عنہم ابد الآبدین وبعد فان شرف العلم لا یخفی وفضلہ لا یحصی وممن تصدی للطلب والعمل بہ هو جناب العالم العامل العلام والفاضل المہذب الہمام ذی القریحۃ السلیمۃ والطریقۃ المستقیمۃ صفوۃ الاعلام عمدۃ علماء الاسلام المؤید المسدد الشیخ محمد حسین [illegible] صانہ اللہ وحماہ فانہ قد بذل فی هذا السبیل وهذا من عمرہ واشتغل بہ شطرا من دہرہ وحضر ابحاثنا عند اقامتہ فی النجف الاشرف حضور تفہم وتحقیق وتعمق وتدقیق فبلغ بحمد اللہ فی اثر سعیہ البلیغ مرتبۃ الاجتہاد بما ینبغی لجنابہ ویلیق ولقد اجزت لہ ان یروی عنی جمیع ما صحت لی روایتہ سیما الکتب الاربعۃ التی علیها المدار الکافی والفقیہ والتہذیب والاستبصار وکذلک الجوامع الاخیرۃ الوسائل والوافی والبحار وغیر ذلک من مصنفات اصحابنا مما رواہ عن غیرنا بحق اجازتہ عن مشایخنا العظام باسانیدہ المنتہیۃ کلها الی ارباب المصنفات والکتب والاصول ومنہم الی اهل بیت النبوۃ ومہبط الوحی ومعدن العصمۃ صلوات اللہ علیہم اجمعین واوصیہ ان یجعل التقوی نصب عینیہ ویحذر من ان تغرہ الدنیا فما هو من الدنیا کائن فما قریب کان لم یکن وما هو کائن من الآخرۃ فما قلیل کان لم یزل عصمنا اللہ جمیعا من ان نکون ممن غرتہ الدنیا فاخلد الی الارض واتبع هواہ وکان امرہ فرطا ووفقنا لصالح الاعمال وفاضل السجایا بالنبی وآلہ الطاهرین وارجوہ ان لا ینسانی من صالح الدعوات ان شاء اللہ تعالی والسلام علیہ وعلی جمیع اخواننا ورحمۃ اللہ وبرکاتہ حرر بیمناہ الداثرۃ فی الیوم [illegible] ۱۳۷۴

(محمد الجواد الطباطبائی التبریزی)

اجازہ اجتہاد۔ اعلم العلماء الکاملین سرکار آیۃ اللہ آقائی آقا میرزا عبد الکریم الزنجانی النجفی اعلی اللہ مقامہ

بسم الله الرحمن الرحیم

الحمد لله الذی فضل مداد العلماء علی دماء الشهداء
والصلوة والسلام علی سید الانبیاء محمد واله
سادة الاوصیاء واللعنة الدائمة علی اعدائهم
الی یوم اللقاء اما بعد فان العالم العامل والکامل
الفاضل فخر المحققین العظام عمدة العلماء الاعلام
رکن الاسلام الشیخ محمد حسین النجفی الپاکستانی

دامت توفیقاته وتاییداته قد وفقه الله تعالی
للمهاجرة من تلك البلاد وسهل له وسائل مجاورة
النجف الاشرف فی سنین کثیرة لتکمیل العلوم الدینیة
والمعارف الیقینیة فلم یزل کان یجد ویجتهد فی
الترقی الی مدارج العلم والعمل مستمدا من برکات
باب مدینة العلم مجدا فی حضور الابحاث العلمیة
العالیة لدی اساطین الفن قد دامت برکاتهم حضور
تحقیق وتدقیق حتی حاز قصب السبق من الاقران
وسبقهم فی هذا الشان وبلغ بحمده تعالی مرتبة
الاجتهاد ونال المراد فلیحمد الله تعالی علی هذه
النعمة العظمی والمنحة الکبری وقد اجزت له حفظه الله

ان يروى عنى جميع ما صحت لى روايته من مشايخى
العظام شكر الله مساعيهم الجميلة باسانيدى المنتهية
الى الائمة الطاهرين صلوات الله عليهم اجمعين
واوصيه بالتقوى والاحتياط فانه سبيل النجاة
فعلى اخواننا المؤمنين التقدير لشأنه الرفيع
والاكبار بمقامه المنيع والاتعاظ بمواعظه الشافية
ونصائحه الكافية والاقبال عليه والحضور لديه لتعلم
المسائل الدينية والمعارف اليقينية ايده الله
واياهم واوصيه بالتقوى والاحتياط فى جميع اموره
وان لا ينسانى من صالح دعواته فى مظان اجاباته
والسلام عليه وعلى جميع اخواننا المؤمنين ورحمة الله
وبركاته   حرر فى ١٨ ذى [illegible]

[illegible]

اجازہ اجتہاد: عمدۃ المجتہدین سرکار آیۃ اللہ آقائی آقا السید محمد المرعشی النجفی اعلی اللہ مقامہ

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذي جعل العلماء ورثة الانبياء وفضل مدادهم على
دماء الشهداء واللعنة الدائمة على اعدائهم الى يوم اللقاء
اما بعد فان العالم العامل الفاضل الشيخ محمد حسين الباكستاني
دام توفيقه وتسديده اقام في النجف الاشرف مدة مديدة وجد
في الحضور عند العلماء العظام والاستفادة منهم استفادة
تدقيق وتحقيق وممن حضر عند هذا الضعيف في مباحثة [illegible]
العقلية من كفاية الاصول للمحقق استاذنا الخراساني قدس سره [illegible]
تفهم وتعمق فاذا الجد في الترقي الى مدارج الفضل والكمال حتى
حاز مرتبة الاجتهاد فاجده خبيرا بتفريع الفروع الى الاصول والجمع
بين اخبار آل الرسول صلوات الله عليه وعليهم اجمعين فله العمل بما استنبطه
من الاحكام ولا يجوز له التقليد فيما [illegible] فالله سبحانه ان يمده على الصلاح
والرشاد واوصيه بملازمة طريق الاحتياط والسداد واسئله عز وجل ان
[illegible] بها العباد وان يجمع بيننا وبين محمد وآله الامجاد
والسلام عليه وعلى اخواني المؤمنين ورحمة الله وبركاته حرره الضعيف محمد الحسيني المرعشي

[illegible] ۱۳۷۹ [illegible]

اجازہ اجتہاد۔ فخر المجتہدین سرکار آیۃ اللہ آقائی آقا السید احمد المستنبط النجفی مدظلہ العالی

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله مسدي النعم والآلاء المفضل مداد العلماء على دماء الشهداء وتوالي صلواته وزواكي تسليماته على سيدنا خاتم الانبياء وسيد الاولين والآخرين من السفراء وآله الائمة المنايين الاصفياء وبعد فان العالم العامل والناقد الكامل الفاضل ثقة الاسلام وتاج الدين الشيخ محمد حسين النجفي البنجابي الباكستاني ممن اتعب نفسه الشريف مدة مديدة فحضر بحاضر اساطين النجف الاشرف وجد واجتهد حتى صار بحمد الله وحسن توفيقه واجدا للاستعداد لتحصيل الاحكام من مداركها واوصيه بتقوى الله سبحانه وتعالى والسداد ولا يجعل نفسه جسر الناس ومراعات كمال الاحتياط وقد ورد ليس بناكب عن الصراط من سلك سبيل الاحتياط وان لا ينساني من صالح الدعاء واوصي على اخواننا المؤمنين وفقهم الله تعالى لمراضيه تقدير مساعيه المشكورة واكبار مقامه المنيع والاتعاظ بمواعظه لتنافر دا اقتفاء اثره في الخلائق الكريمة والترغيبة عليه والسلام عليه وعليهم ورحمة الله وبركاته حرره الاحقر احمد الموسوي المستنبط النجفي ۸ ربیع الاول ۱۳۷۹

اجازہ اجتہاد - عماد المجتہدین سرکار آیۃ اللہ آقائی آقا نجم الدین الشریف سامرائی مدظلہ

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على خير خلقه محمد وآله الطيبين الطاهرين والعاقبة للمتقين وبعد فان المولى الاجل والعالم الفاضل التقي عمدة الفضلاء والمتقين وثقة العلماء الصالحين مولانا الاكرم الامجد الشيخ محمد حسين ابن المغفور له العبد الصالح رانا تاج الدين الشيخانی الپاکستانی قد صرف ايام عمره ولياليه في تحصيل العلم والكمال حتى واكمل جده وجهده في تكميل المنقول والمعقول حتى بلغ درجة الاجتهاد فله ان يعمل بما يستنبطه من الاحكام الشرعية عن القواعد المرعية والتصدي للامور الحسبية التي لا يجوز التصدي لها لغير الفقيه الجامع لشرائط الفتوى وقد وجدته ذو قوة في الاخلاق الحسنة والسداد وذلك بعد فراغه من المقدمات والاصول والفقه وسائر العلوم التي يحتاج اليها العالم في استنباط الفروع من ادلتها المعتبرة وقد سبرته واختبرته فوجدته ممن ارتقى بصحيح فكره الثاقب اسنى الكمالات واعلى المراتب وكان من نعم الله تعالى ان منّ علينا بالاجتماع بحضرته في البلدة المباركة والناحية المقدسة (سامراء) في اوائل شهر رمضان المبارك من سنة ١٣٧٩هـ فوجدته في العقل والعلم والتقوى من اكابر افراد هذا الزمان اعلى ما نسبته قابلية واظهر السعي والعمل ارغبه وزاده الله في توفيقاته وسدده في القول والعمل وابعده عن الخطأ والزلل بحق محمد وآله صلى الله عليهم اجمعين هذا وقد اجزته ان يروي عني جميع مؤلفاتي ومصنفاتي (الاثر على الخمسين) ودرجاتي التي ادريها عن اساتذتي الكرام من جميع علماء الاسلام علماء النجف الاشرف وكربلاء والكاظمين وسامراء والشام ومصر والمدينة المنورة والبلد الحرام واوصيه

۵۔ اجتہاد استاذ المجتہدین آیۃ اللہ آغائی آقا السید ابو القاسم الحسینی الرشتی النجفی اعلی اللہ مقامہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی جعل العلماء [illegible] الانبیاء [illegible] فی [illegible] الشہداء [illegible]

[illegible] السلام علی اشرف الانبیاء محمد و الہ السفراء الامناء و بعد فان جناب العالم الفاضل

ملاذ الانام [illegible] مفخر الاعلام صفوۃ العلماء العظام ذو الفکر الصائب و النظر الثاقب

الشیخ محمد حسین البنجابی الباکستانی زید توفیقہ ممن صرف فی النجف الاشرف برہۃ من

من عمرہ و شطرا من دہرہ فی اکتساب المعالم الالہیۃ و تحصیل القواعد الشرعیۃ من الاساتیذ

العظام و المدرسین الفخام و قد حضر ابحاثی الاصولیۃ و الفقہیۃ حضور تدقیق و تحقیق حتی نال مناہ

و بلغ مبتغاہ و فاز بحمد اللہ برتبۃ من الاجتہاد مقرونا بالصلاح و السداد فلہ العمل بما یستنبطہ من الادلۃ

الشرعیۃ علی النہج المالوف بین علماء الامامیۃ و قد اجزت لہ التصدی لما لا یجوز فی عصر الغیبۃ علی معتقدیہا

[illegible] التقیۃ و [illegible] لغیر الفقہاء و المجتہدین العظام الاباذنہم و اجزت لہ ایضا ان یروی عنی جمیع ما صح

لی روایتہ من مصنفات علمائنا الابرار سیما الکتب الاربعۃ القدیمۃ التی علیہا المدار فی سالف الاعصار

کالکافی و من لا یحضرہ الفقیہ و التہذیب و الاستبصار و الوسائل و الوافی و سایر الکتب المعتبرۃ

بطرقی المقررۃ المنتہیۃ الی ارباب الجوامع و الاصول و منہم الی اہل بیت النبوۃ و معدن الرحمۃ صلوات

علیہم اجمعین و اوصیہ بالوقوف علی مسلک الاحتیاط و التحفظ من ان تغرہ الدنیا و ان لا ینسانی من صالح

الدعوات انشاء اللہ و السلام علیہ و رحمۃ اللہ و برکاتہ   و قد حررتہ فی ۲۲ من شہر ذی القعدۃ سنۃ ۱۳۷۹

الاقل الحاج سید ابو القاسم الرشتی الحایری عفی عنہ

قدوة المجتہدین سرکار آیت اللہ آقائی آقا السید محمد مہدی الکاظمینی اعلی اللہ مقامہ

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله والصلوة والسلام على جدنا محمد رسول الله وآله آل الله ثم على
رواة احكام الله ومشيدي دين الله وبعد فلا يخفى على كل قريب وبعيد
ومن القى السمع وهو شهيد وفي الدارين سعيد شرف العلم وفضله وسمو قدره
وعلو كماله ولا يخفى سمو درجة حامليه وفضل طالبيه وقد وردت بذلك
الآيات وتظافرت الروايات فقد هاجر جمع كثير وجم غفير من قديم الزمان
الى هذه الاوطان من اقاصي البلدان وهجروا الاهل والاخوان لطلب ذلك
والوصول الى ما هنالك فكدوا وجدوا وسعوا واجتهدوا حتى وصلوا
الى ما وصلوا وبلغوا الى ما بلغوا وممن هاجر بلاده وترك اخوانه جناب
العالم الالمعي والفاضل اللوذعي الاديب الاريب والوافر النصيب الفائز بالقدح المعلى
والرقيب الفقيه النبيه والمحقق الوجيه والثقة الامين والجوهر الثمين علم الاعلام
وحجة الاسلام المتحلي بكل زين والمتخلي من كل شين ابن المرحوم تاج الدين جناب
الشيخ محمد حسين البنجابي الباكستاني نزيل النجف الاشرف دار العلم والتقدم
دامت بركاته وعمت افاداته فسكن ارض الغري السري واخذ في
العلوم من المنطوق والمفهوم سنين عديدة ومدة مديدة على
جماعة من الاعلام المعاصرين وثلة من الفقهاء الماهرين فاخذ منهم
وتلقى عنهم علمهم وحضر دروسهم وضبط تقاريرهم واملائهم حتى بلغ
درجة

درجة الاجتهاد وحاز ملكة الاستنباط وصار من اهل الارشاد وعد
في عداد الفقهاء الامجاد فالف وصنف كتبا جمة في مواضيع مهمة وقد اطلعني
على تحقيقات الفريقين في حديث الثقلين وكتاب اثبات امامة الائمة الاطهار
في ضوء العقل والآيات والاخبار ولكن لما كان ذلك باللغة الهندية
ولم يكن لنا حظ من ذلك حرمنا من ذلك لكنه سلمه الله وابقاه ومن
كل مكروه وقاه قرأ علينا بعض فصولهما مترجما ذلك لنا بالعربية فرأيته
قد اتى بما لم يسبقه احد من الاعلام ولا حام احد حول هذا المقام فلله
دره وعليه اجره نسئل الله ان يوفقه لاخراج ذلك الى اللغة العربية
ليعم نفعه ويعظم وقعه فانه على ما يشاء قدير وبالاجابة جدير وقد
زارنا الشيخ محمد حسن المشار اليه في دارنا وخزانة كتبنا في هذا الشهر
المعظم اعني شهر رمضان الفخيم حين تشرفه بزيارة الامامين الكاظمين عليهما السلام
فسررنا بزيارته غاية السرور ودخل في قلبنا من ملاقاته ومكالماته كمال
الحبور فاخذ يزورنا مرة بعد اخرى وكرة بعد اولى ونحن نتكلم معه في
جملة من المسائل العقلية والنقلية والفقهية والاصولية فرأيته محيطا بتلك
واقفا على ما هنالك وحيث قد استجاز منا لحسن ظنه بنا لانا انتسبنا بالسلف
الكرام ودخولا في سلسلة مشايخنا العظام اعلى الله مقامهم في دار السلام
رواية الاخبار عن معادن العلوم والاسرار سلام الله عليهم ما بقي الليل والنهار
فاجزته ادام الله فضله وكثر في العالم مثله ان يروي عني كلما صحت لي روايته
وجازت لي اجازته من كتب الاخبار وصحف الابرار لاسيما الكافي والفقيه
والتهذيب

والتهذيب والاستبصار والوافي والوسائل والبحار وكلما حوته مؤلفاتي في المعقول والمنقول والفروع والاصول من الآثار والاخبار وساير العلوم والاسرار كنجم الثاقب واحسن الوديعة ودوائر المعارف وايقاظ الامة من الضجعة في اثبات الرجعة وترجمته بلغة فارسى امتن در اثبات رجعت وزبدة الكلام في المنطق والكلام والبرهان الجلي على ايمان زيد بن علي والفيوضات الربانية في توضيح الآيات القرآنية وذخائر العقول في مباحث الاصول وصرف العناية في حل معضلات الكفاية وارشاد السائل الى الرسائل ونتائج المطالعات وثمرات المراجعات وتحفة الساجد في احكام المساجد وجلاء الخواطر في الاجوبة المسكتة والنوادر وغير ذلك من مؤلفاتنا التي تربو على المائة والعشرين بحمد رب العالمين عن جماعة من اعاظم العلماء والاكابر الفقهاء حشرهم الله مع النبي وآله الاصفياء

الاول

وهو افضلهم واعلمهم واتقاهم سيدي وسندي ومن عليه بعد الله والرسول والائمة الاثنى عشر صلوات الله عليهم اعتمادي السيد ابو تراب بن العلامة السيد ابي القاسم الموسوي الخونساري النجفي طاب ثراه عن مشايخه الاعلام الحجج الكرام وهم السيد محمد علي الخونساري والشيخ محمد باقر آل صاحب وعمه ابي السيد محمد باقر الخونساري صاحب روضات الجنات وشقيقه السيد محمد هاشم صاحب مباني الاصول واصول آل الرسول والسيد حسين الكوه كمري النجفي والشيخ عبد العلي الخونساري والملا لطف الله المازندراني النجفي والشيخ محمد حسين الكاظمي والسيد محمد طاب ثراهم عن مشايخهم المدونة اسمائهم الشريفة في كتب الاجازات

الثاني

العلامة الكبير والعلم الشهير الميرزا ابراهيم بن الميرزا اسمعيل بن الميرزا زين العابدين السلماسي

السید الاعظم عن المحقق العلامة الحاج میرزا ابراهیم الخوئی شارح نهج البلاغة عن شیخه المحقق المرتضی الانصاری ره وغیره

الثالث

والدی العلامة الحاج السید محمد بن محمد صادق بن زین العابدین الموسوی الخونساری الاصفهانی الاعظم طاب ثراه عن استادیه العلامتین الحاج الشیخ زین العابدین المازندرانی الحائری والسید ابی القاسم بن العلامة السید حسن بن العلامة السید محمد بن العلامة السید علی الطباطبائی الحائری طاب ثراهم عن مشایخهما الاعلام المذکورین فی اجازاتهما

الرابع

العلامة الفقیه الربانی الشیخ علی المازندرانی النجفی عن شیخیه العلامتین المتعاصرین المعاصرین السید محمد کاظم الطباطبائی الیزدی النجفی والمیرزا محمد علی الرشتی النجفی عن مشایخهما طاب ثراهم

الخامس

الشیخ علی بن الرضا بن موسی بن جعفر کاشف الغطاء النجفی عن مشایخه طاب ثراهم

السادس

العلامة الکبیر والحجة الشهیر الشیخ محمد حسین آل کاشف النجفی عن مشایخه الاعلام طاب ثراهم وهذا الشیخ الاجل ابن المولی الشیخ علی المتقدم ذکره قدس سره

السابع

العلامة الفقیه الحاج السید محمد هادی الاصفهانی الحائری عن مشایخه طاب ثراهم

الثامن

العلامة المحقق الاصولی الشیخ ضیاء الدین العراقی النجفی عن مشایخه طاب ثراهم

التاسع

العلامة الفقیه الشیخ محمد کاظم الشیرازی النجفی عن مشایخه طاب ثراهم

العاشر

الشیخ

الشيخ العلامة المحقق الشيخ محمد علي القمي الحائري شارح الكفاية عن مشايخه طاب ثراهم

الحادي عشر

العلامة المحقق المتتبع السيد ميرزا هادي الخراساني الحائري عن مشايخه طاب ثراهم

الثاني عشر

الفقيه الرباني الحاج الشيخ علي بن محمد الشاهرودي الحائري عن مشايخه طاب ثراهم

الثالث عشر

العالم النحرير والمتتبع الخبير السيد محسن العاملي صاحب المؤلفات المشهورة عن مشايخه طاب ثراهم

الرابع عشر

الفقيه الرباني الشيخ اسد الله بن علي اكبر الزنجاني الاصل النجفي الخاتمة عن مشايخه طاب ثراهم

الخامس عشر

العالم الرباني والزاهد التارك للدنيا الفاني الحاج الشيخ علي بن ابراهيم القمي النجفي عن مشايخه طاب ثراهم واروي عن غير هؤلاء الاعلام ذكرتهم في محل آخر هذا واروي صحاح اخواننا السنة عن العلامتين الشيخ ابراهيم آل عطا مفتي الزاوي والشيخ يوسف الحنفي البغداديين عن مشايخهما المدون اسمائهم في اجازاتهما المبسوطة ولا بأس بان نذكر طريقا واحدا من طرقنا تيمنا وتبركا بذلك فنقول اروي سماعا واجازة عن استادي آية الله العلامة السيد ابي تراب الموسوي الخونساري النجفي شارح نجاة العباد طاب ثراه عن شيخيه الاعليين الافضلين عمي والدي السيد محمد باقر والسيد محمد هاشم صاحب الروضات ومباني الوصول عن والدهما جدي الاعلى ومن بكل الامور اولى العلامة الزاهد الحاج السيد زين العابدين عن والده العلامة السيد ابي القاسم جعفر عن والده المحقق السيد حسين عن والده المحقق السيد ابي القاسم جعفر الكبير المشتهر بين الطائفة بالمير عن العالم الرباني والعلامة الثاني محمد صادق ابن المحقق الميرزا محمد

ابی الحسن علیه السّلام قال قال رسول الله صلّی الله علیه وآله من حفظ علی امّتی
اربعین حدیثاً یحتاجون من امر دینهم بعثه الله یوم القیمة فقیهاً عالماً
هذا واوصی جناب الشیخ محمّد حسین المشار الیه ادام الله بقاه ومن کلّ مکروه
وقاه ونفسی بمنابذة النفس والهوی وملازمة السّداد والتقوی
ومتابعة السّلف الصّالح وان یکون لهم خیر خلف ناصح کما اوصیه بمتابعة
المشهور فانّه لاریب فیه ولدی عثور والملتمس من جنابه ان لاینسانا
من صالح الدعوات عقیب الصلوات بل فی جمیع الخلوات والجلوات
ویذکرنی بالخیر وبتوحیدات فی ایّام حیاتی وبعد الممات والله ولیّ الحسنات
وغافر السّیئات وهو علی کلّ شیئ قدیر وبالاجابة جدیر

حرر هذه الاجازة العبد الفقیر المحتاج
الی رحمة ربّه الغنی محمّد مهدی بن محمّد الموسوی الاصفهانی
الکاظمی عفی عنه فی تاسع عشر شهر رمضان
سنة ۱۳۷۹ تسع وسبعین وثلثمائة والف
من الهجرة فی غرفة تدریسه وخزانة کتبه
بالکاظمیة

محمد التنکابنی المشتہر بسراب عن والدہ المذکور طاب ثراہ عن شیخہ الفقیہ
الملا محمد باقر الخراسانی السبزواری صاحب الذخیرۃ والکفایۃ وغیرھما عن الفقیہ
السید حسین ابن السید حیدر الکرکی العاملی عن الامام العلامۃ الشیخ بہاء الدین
محمد بن الحسین بن عبدالصمد الحارثی العاملی عن والدہ الحسین عن مولانا الاجل الافضل
زین الدین المشتہر بالشہید الثانی طاب ثراہ عن المولی العلامۃ نور الدین علی
بن العلامۃ الشیخ عبد العالی المیسی عن شیخہ العلامۃ الربانی شمس الدین
محمد بن محمد المشتہر بابن المؤذن عن شیخہ الامام العلامۃ الشیخ ضیاء الدین
علی عن ابیہ السعید الشہید الامام العلامۃ المحقق محمد بن مکی العاملی طاب ثراہم
عن فخر المحققین ابی طالب محمد عن والدہ الامام الاعلم الافضل آیۃ اللہ فی العالمین
الحسن بن یوسف بن المطہر الحلی طاب ثراہم عن شیخیہ سلطان الحکماء و
المتکلمین نصیر الملۃ والحق والدین محمد بن محمد بن الحسن الطوسی قدس سرہ القدوسی
وخالہ المحقق علی الاطلاق افقہ فقہاء العراق بل وکافۃ الآفاق الشیخ ابی القاسم
جعفر صاحب الشرائع والنافع والمعتبر وغیرھا طاب ثراہ عن الشیخ الامام العلامۃ
الشیخ نجیب الدین محمد السوراوی عن العلامۃ الاجل الشیخ ھبۃ اللہ بن رطبۃ عن
الشیخ ابی علی الحسن عن ابیہ شیخ الطائفۃ الحقۃ المحقۃ العدلیۃ المحقق فی العلوم
العقلیۃ والنقلیۃ الشیخ ابی جعفر محمد بن الحسن الطوسی رضی اللہ عنہم عن شیخہ و
استادہ استاد الفقہاء ومربی العلماء ابی عبد اللہ محمد بن محمد بن النعمان الملقب
بالشیخ المفید رضی اللہ عنہ عن رئیس المحدثین وامام الفقہاء والمجتہدین الشیخ
ابی جعفر محمد بن علی بن بابویہ القمی المشتہر بالشیخ الصدوق رضی اللہ عنہ
وطرقہ الی الائمۃ علیہم السلام فی کتبہ وغیرھا معلومۃ فمنہا ما رواہ فی الخصال
فی ابواب الاربعین عن محمد بن الحسن بن احمد بن الولید عن محمد بن الحسن الصفار
عن علی بن اسمٰعیل عن عبد اللہ الدھقان عن ابراھیم بن موسی المروزی عن
ابی الحسن

ابی الحسن علیه السلام قال قال رسول الله صلی الله علیه وآله من حفظ علی امتی
اربعین حدیثا یحتاجون من امر دینهم بعثه الله یوم القیمة فقیهاً عالماً
هذا واوصی جناب الشیخ محمد حسین المشار الیه ادام الله بقاه ومن کل مکروه
وقاه ونفسی بمنابذة النفس والهوی وملازمة السداد والتقوی
ومتابعة السلف الصالح وان یکون لهم خیر خلف ناصح کما اوصیه بمتابعة
المشهور فانه لا ریب فیه ولدی عثور والملتمس من جنابه ان لا ینسانا
من صالح الدعوات عقیب الصلوات بل فی جمیع الخلوات والجلوات
ویذکرنی بالخیر وبتوحیدات فی ایام حیاتی وبعد الممات والله ولی الحسنات
وغافر السیئات وهو علی کل شیئ قدیر وبالاجابة جدیر

حرر هذه الاجازة العبد الفقیر المحتاج
الی رحمة ربه الغنی محمد مهدی بن محمد الموسوی الاصفهانی
الکاظمی عفی عنه فی تاسع عشر شهر رمضان
سنة تسع وسبعین وثلثمائة والف ۱۳۷۹
من الهجرة فی غرفة تدریسه وخزانة کتبه
بالکاظمیة

صاحب فیضان الرحمان فی تفسیر القرآن کے دیگر قلمی شاہکار

واقفانِ حال پر یہ حقیقت مخفی و مستور نہیں کہ سرکار آیت اللہ الشیخ محمد حسین النجفی صاحب قبلہ مجتہد العصر مدظلہ العالی خدا کے ان خوش قسمت یگانہ روزگار بندوں میں سے ہیں جن پر مبدا فیض کی طرف سے بڑی فیاضی کی گئی ہے۔ چنانچہ وہ جہاں علومِ شرقیہ کے منتخب زمانہ مدرس ہیں وہاں قادر الکلام بیان خطیب و مقرر بھی ہیں۔ ان کے وہ علمی شاہکار اور آثار خالدہ جو عالم اسلام کے صاحبانِ علم وانصاف سے خراج تحسین و آفرین حاصل کر چکے ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں۔

احسن الفوائد فی شرح العقائد
اسلامی وایمانی عقائد پر مشہور زمانہ محققانہ کتاب کا پانچواں ایڈیشن بڑی آب وتاب سے شائع ہو گیا ہے

اصول الشریعہ فی عقائد الشیعہ
جو موجودہ دور کے تمام اختلافی اور متنازعہ فیہ عقائد پر قرآن وسنت کی روشنی میں حرف آخر ہے بڑی شان وشوکت سے پانچواں ایڈیشن چھپ گیا ہے

خُلاصۃ الاحکام
چونکہ قوانین الشریعہ ایک علمی و تحقیقی کتاب ہے اور ہر شخص اس کے مطالب نہیں سمجھ سکتا اس لیے عوام کی سہولت کیلئے اس کا خلاصہ پہلی بار شائع کیا جا رہا ہے۔

تحقیقات الفریقین فی حدیث الثقلین
حدیث ثقلین کے موضوع پر اور مذہب حق کی حقانیت پر بے مثال کتاب پہلی بار زیور طباعت سے آراستہ ہو کر منصہ شہود پر آئی ہے۔

کواکب مضیہ دراحادیث قدسیہ
اُخت القرآن حدیث قدسی کے موضوع پر اردو زبان میں پہلی جامع اور مکمل کتاب جس کا پہلا ایڈیشن بڑی آب وتاب کے شائع ہو رہا ہے

سعادۃ الدارین فی مقتل الحسین
اپنی علمی و تحقیقی شہرت کی بناء پر کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے پانچواں ایڈیشن شائع ہو گیا ہے

اصلاح الرسوم
زمانہ حاضرہ کی مشہور عالم اصلاحی کتاب جسمیں اصلی اور رسمی اسلام کا فرق نمایاں کیا گیا ہے اور غلط رسوم کی اصلاح کی گئی ہے

مسائل الشریعہ ترجمہ وسائل الشیعہ
علم الحدیث پر بہت بڑی ضخیم بیں جلدوں پر مشتمل پر تحقیق کام شروع ہے پہلی جلد عنقریب طبع ہو کر مشتاق ہاتھوں تک پہنچ رہی ہے

فیضان الرحمٰن فی تفسیر القرآن
قرآن مجید کی کم نظیر تفسیر کی دس جلدوں میں سے پہلی آٹھ جلدیں بڑی آب وتاب کے ساتھ شائع ہو گئی ہیں

المعلن
منیجر مکتبۃ السبطین ۲۹۶ / ۹۔ بی سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا